فتاویٰ علمائے ہند

جلد - ٦

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باهتمام

منظمة السلام العالمية

ممبائی - الهند

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد۔ ٦)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	ستمبر ۲۰۱۵ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی
طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

كتاب الصلاة

فہرست عناوین	۷	-	۳۲
کلمۃ الشکر	۳۳	-	۳۳
تأثرات	۳۴	-	۳۶
پیش لفظ	۳۷	-	۳۷
عرض مرتب	۳۸	-	۳۸
شہادتین کے وقت انگوٹھا چوسنا	۳۹	-	۶۴
حیعلتین کے مسائل	۶۵	-	۷۴
اذان کا اعادہ-احکام ومسائل	۷۵	-	۹۲
ترجیع وتثویب کے احکام ومسائل	۹۳	-	۱۲۴
اذان کا جواب-احکام ومسائل	۱۲۵	-	۱۷۶
اذان کے بعد دعا-احکام ومسائل	۱۷۷	-	۱۹۴
اقامت کے احکام ومسائل	۱۹۵	-	۲۲۶
اقامت کس وقت شروع کی جائے؟	۲۲۷	-	۲۹۰
اقامت کی جگہ	۲۹۱	-	۲۹۵
کلماتِ اقامت کی تعداد	۲۹۶	-	۳۰۰
اقامت کے آداب	۳۰۱	-	۳۱۲
نماز میں بدن کی پاکی کے مسائل	۳۱۳	-	۳۲۸
نماز میں کپڑے کی پاکی کے مسائل	۳۲۹	-	۳۴۸
نماز میں مکان کی پاکی کے مسائل	۳۴۹	-	۳۷۰
نماز میں ستر عورت	۳۷۱	-	۳۸۸
نیت کے مسائل	۳۸۹	-	۴۲۶
استقبالِ قبلہ کے مسائل	۴۲۷	-	۴۹۶
قبلہ سے انحراف کے مسائل	۴۹۷	-	۵۱۸
ریل گاڑی وغیرہ میں قبلہ کے مسائل	۵۱۹	-	۵۳۰
چاند اور خلا وغیرہ پر قبلہ	۵۳۱	-	۵۳۲
قبلہ مشتبہ یا معلوم نہ ہونے کے احکام	۵۳۳	-	۵۳۴
مخالف قبلہ سمت نماز پڑھنے کی صورت میں اعادہ	۵۳۵	-	۵۳۸
اردو کتب فتاویٰ	۵۳۹	-	۵۴۰
مصادر ومراجع	۵۴۱	-	۵۵۲

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلاَّ عَلَى الْخَاشِعِينَ،الَّذِينَ يَظُنُّونَ اَنَّهُمْ مُّلَقُوا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴾

(سورة البقرة :رکوع:٥،الآية:٤٥)

اور بے شک نماز بھاری ہے،مگران لوگوں پر جوفروتنی اور عاجزی کرنیوالے ہیں،
جن کو یقین ہے کہ ان کو اللہ کے پاس جانا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

”أرأيتم لو أن نهرًا بباب أحدكم يغتسل فيه كل يوم خمساً هل يبقى من درنه شيء“،قالوا: لايبقى من درنه شيء،قال: ”فذلک مثل الصلوات الخمس يمحو اللّٰہ بهن الخطايا“.

(الصحيح للبخاری،الصلوات الخمس كفارة (ح:٥٢٨)/الصحيح لمسلم،باب المشيء إلى الصلاة تمحى به (ح:٦٦٧)/
سنن الترمذی،باب مثل الصلوات الخمس (ح:٢٨٦٨)/سنن النسائی،فضل الصلوات الخمس (ح:٤٦٢)

اگر کسی کے دروازہ کے آگے ایک نہر ہو کہ دن رات میں پانچ دفعہ اس میں غسل کرے،
تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں باقی رہے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ!
یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ ان کی وجہ سے گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

فہرست عناوین

صفحات	عناوین	نمبر شمار

فہرست مضامین (۵-۳۰)

(الف) کلمۃ الشکر از انجینئر شمیم احمد صاحب خادم منظمۃ السلام العالمیۃ، مومبائی انڈیا ۳۱

(ب) تأثرات از حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب ناظم مدرسہ اشرف العلوم ومجلس دعوۃ الحق ہردوئی ۳۲

(ج) تأثرات از حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی ۳۳

(ڈ) تأثرات از حضرت مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب، پونا مہاراشٹرا انڈیا ۳۵

(ہ) پیش لفظ از جناب مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی رئیس منظمۃ السلام العالمیۃ ممبئ ۳۶

(و) عرض مرتب از مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ ۳۷

شہادتین کے وقت انگوٹھا چومنا (۳۹-۶۴)

(۱) اذان میں شہادتین پر انگوٹھے چومنا کیسا ہے ۳۹

(۲) ''محمد رسول اللّٰہ'' پر انگوٹھا چومنا کیسا ہے ۴۰

(۳) اذان واقامت میں شہادتین پر انگلیوں کو چومنا ۴۲

(۴) شہادتین سن کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے ۴۲

(۵) سوال مثل بالا وجواب دیگر ۴۳

(٦) تکبیر میں شہادتین پر انگوٹھا چومنا ۴۵

(۷) بوقت اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ناخنوں کو آنکھوں سے لگانا ۴٦

(۸) اذان واقامت میں نام مبارک پر انگوٹھے چومنا ۴٦

(۹) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیتے وقت دونوں انگوٹھوں کے ناخن کو چومنا ۴۷

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(١٠)	آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کیسا ہے	۴٨
(١١)	اذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ	۵٧
(١٢)	اذان کے وقت انگوٹھے چومنا روایت صحیحہ سے ثابت نہیں	۵٧
(١٣)	اذان میں ''انگوٹھا چومنے'' کے متعلق مفصل گفتگو	۵٩
(١۴)	''محمد رسول اللّٰہ'' پر، ''صلی اللّٰہ'' الخ، کہنا کیسا ہے	٦١
(١۵)	اذان میں ''محمد رسول اللّٰہ'' پر درود پڑھنا کیسا ہے	٦٢
(١٦)	اذان میں درود شریف، شہادت رسالت کے بعد پڑھنا	٦٢
(١٧)	کلمۂ شہادت کے بعد آہستہ درود پڑھنا	٦٣

حیعلتین کے مسائل (٦۵-٧۴)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(١٨)	''حی علی الفلاح'' میں آواز زیادہ نہیں کھینچنی چاہئے	٦۵
(١٩)	اذان میں سینہ پھیرنے کی ممانعت	٦۵
(٢٠)	اذان واقامت میں ''حی علی الصلوٰۃ'' و ''حی علی الفلاح'' کہتے وقت رخ پھیرنا	٦٦
(٢١)	نومولود کے کان میں اذان دیتے وقت رخ پھیرنا	٦٦
(٢٢)	اذان میں حیعلتین پر گردن نہ پھیرنا	٦٧
(٢٣)	لاؤڈاسپیکر پر اذان میں بھی دائیں بائیں التفات سنت ہے	٦٨
(٢۴)	بارش کی وجہ سے اذان میں حیعلتین کے بجائے ''صلوا فی رحالکم'' کہنا	٦٨
(٢۵)	اذان فجر میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کا اضافہ	٦٩
(٢٦)	''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کا ثبوت	٧٠
(٢٧)	''الصلاۃ خیر من النوم'' کو قصداً دو حصوں میں پڑھنا	٧٢
(٢٨)	''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کب کہا جائے	٧٣
(٢٩)	فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم چھوٹ گیا	٧٣
(٣٠)	''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کے بغیر اذان	٧۴
(٣١)	فجر کی قضا کیلئے اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہے یا نہیں	٧۴

صفحات	عناوین	نمبر شمار

اذان کے اخیر میں محمد رسول اللہ کا اضافہ (۷۵-۷۶)

(۳۲)	اذان کے آخر میں ''محمد رسول اللّٰہ'' پڑھنا خلاف سنت ہے	۷۵
(۳۳)	اذان کے ختم پر ''محمد رسول اللّٰہ'' کہنا	۷۵
(۳۴)	اجابت اذان میں ''محمد رسول اللّٰہ'' بڑھانا بدعت ہے	۷۶

اذان کا اعادہ-احکام و مسائل (۷۷-۹۲)

(۳۵)	اذان کے الفاظ غلط پڑھنا مکروہ ہے	۷۷
(۳۶)	اذان یا تکبیر غلط کہے، تو اسے لوٹائے یا نہیں	۷۷
(۳۷)	اذان میں غلطی کی وجہ سے اس کا اعادہ	۷۸
(۳۸)	اذان کے ادھورے فقرے کو دوبارہ دہرانا	۷۹
(۳۹)	کلمات اذان میں تقدیم و تاخیر ہو جائے، تو وہاں سے اعادہ کرے	۷۹
(۴۰)	اذان سے کوئی کلمہ چھوٹ جائے، تو اذان لوٹائے	۸۰
(۴۱)	اذان میں کوئی کلمہ بھول سے چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے	۸۱
(۴۲)	کلمات اذان میں توقف نہ کیا تو اعادہ مستحب ہے	۸۱
(۴۳)	''الصلوٰۃ خیر من النوم'' چھوڑ دیا	۸۲
(۴۴)	اولِ وقت میں اذان کہہ دی، کیا اعادہ کرے	۸۲
(۴۵)	موجودہ دور میں نقشہ اوقات اذان کا حکم اور قبل از وقت اذان کا اعادہ	۸۳
(۴۶)	وقت مقرر سے پہلے دی گئی اذان کا حکم	۸۴
(۴۷)	صبح صادق اور اذان کے اوقات کی پہچان اور قبل از وقت اذان و نماز کا حکم	۸۵
(۴۸)	وقت سے پہلے اذان	۸۵
(۴۹)	وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں	۸۷

صفحات	عناوین	نمبر شمار

(۵۰)	رمضان المبارک میں عشا کی اذان قبل از وقت کہنا	۸۷
(۵۱)	وقت سے پہلے اذان دینے کا وبال کس پر ہے	۸۸
(۵۲)	اذان کے اوقات میں تلفیق بین المذاہب جائز نہیں	۸۹
(۵۳)	اذان میں سانس ٹوٹ جائے تو کیا کرے	۹۰
(۵۴)	درمیان اذان میں بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ	۹۱
(۵۵)	بجلی چلی جانے کی وجہ سے دوبارہ اذان	۹۲

ترجیع وتثویب کے احکام ومسائل (۹۳-۱۲۴)

(۵۶)	اذان میں ترجیع کی بحث	۹۳
(۵۷)	حضرت بلال کی اذان	۹۳
(۵۸)	اذان بلا ترجیع افضل ہے	۹۴
(۵۹)	جمعہ اور عشا میں تثویب	۹۴
(۶۰)	سوائے مغرب کے دیگر اوقات میں تثویب مستحسن ہے	۹۵
(۶۱)	تثویب کی عادت مکروہ ہے	۹۶
(۶۲)	تثویب کی عادت ڈال لینا مکروہ ہے	۹۶
(۶۳)	تثویب جائز ہے اور اذان میں داخل سمجھنا بدعت ہے	۹۷
(۶۴)	تثویب مفتیٰ بہ قول کی بنا پر جائز ہے	۹۸
(۶۵)	اذان میں تثویب کی کیا صورت ہے، اور تثویب کے معنی	۹۸
(۶۶)	حکم تعدد اذان فجر در رمضان بوقت سحر وصبح صادق	۹۹
(۶۷)	اذان سے پانچ منٹ قبل لاؤڈ اسپیکر سے نماز کا اعلان	۱۰۰
(۶۸)	صبح صادق سے پہلے ''الصلاۃ الصلاۃ'' پکارنا	۱۰۰
(۶۹)	اذان فجر کے چند منٹ بعد ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کی صدا لگانا	۱۰۱
(۷۰)	اذان فجر کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا	۱۰۱

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۷۱)	اذان کے بعد نماز کے لئے بلانا تثویب میں داخل ہے	۱۰۴
(۷۲)	اذان کے بعد لوگوں کو جماعت کے لئے بلانا	۱۰۶
(۷۳)	راستہ میں نماز کی دعوت دیتے ہوئے آنے کا حکم	۱۰۶
(۷۴)	بعد اذان امام اور مقتدیوں کو بلانا کیسا ہے	۱۰۷
(۷۵)	اذان کے بعد مقتدیوں کو آواز دینا کیسا ہے	۱۰۸
(۷۶)	اذان کے بعد یہ اعلان کہ ''پندرہ منٹ باقی ہیں''	۱۰۹
(۷۷)	نماز کے لیے بار بار اعلان کرنا کیسا ہے	۱۰۹
(۷۸)	اذان کے بعد جماعت سے پہلے اسپیکر پر بلند آواز سے ''سبحان اللّٰہ، سبحان اللّٰہ'' کہنا	۱۱۰
(۷۹)	عشا و تراویح میں تثویب کا حکم	۱۱۱
(۸۰)	جماعت کیلئے نقارہ بجانا کیسا ہے	۱۱۲
(۸۱)	نمازیوں کی خبر کے لیے مسجد میں نقارہ بجانا کیسا ہے	۱۱۳
(۸۲)	اذانِ جمعہ کیلئے نقارہ بجانا اور اس کے متعلق چند سوالات	۱۱۳
(۸۳)	اذان کے بعد نقارہ	۱۱۵
(۸۴)	نمازیوں کا گھنٹی کی آواز پر حاضر ہونا نہ کہ اذان کی آواز پر	۱۱۵
(۸۵)	اذان کے بعد گھنٹہ وغیرہ بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے بلانا مکروہ اور بدعت ہے	۱۱۶
(۸۶)	اذان کے بعد جماعت کے لئے گھنٹہ بجانا مکروہ ہے	۱۱۷
(۸۷)	گھنٹہ کی آواز سے نماز کی اطلاع	۱۱۸
(۸۸)	گھنٹی اذان کے قائم مقام ہرگز نہیں	۱۱۹
(۸۹)	جھنڈوں اور نعروں کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے اٹھانے کی شرعی حیثیت	۱۲۰
(۹۰)	اذان کے بعد دوبارہ نمازیوں کو بلانا	۱۲۳
(۹۱)	سنت جمعہ کیلئے مؤذن کا آواز دینا ثابت نہیں	۱۲۳
(۹۲)	اذان ثانی سے پہلے ''استووا رحمکم اللّٰہ'' کہنا کیسا ہے	۱۲۴

نمبر شمار	عناوین	صفحات

اذان کا جواب-احکام ومسائل (١٢٥-١٧٦)

(٩٣)	اجابت اذان قولاً واجب ہے یا فعلاً	١٢٥
(٩٤)	کیا اذان کا جواب دینا واجب ہے	١٢٦
(٩٥)	اذان کا جواب دینا سنت ہے	١٢٧
(٩٦)	اذان کے جواب کا استحباب	١٢٨
(٩٧)	کیا اذان کا جواب دینا ضروری ہے؟ نیز کس طرح دیں	١٢٨
(٩٨)	اذان کا جواب	١٢٩
(٩٩)	تہجد اور اذان کا جواب مستحب ہے	١٣٠
(١٠٠)	اذان کا جواب اور دعا	١٣٠
(١٠١)	اذان کے جواب دینے کا حکم سب پر ہے	١٣١
(١٠٢)	خواتین کو اذان کا جواب دینا چاہئے	١٣١
(١٠٣)	عورت اذان کا جواب کب دے	١٣٢
(١٠٤)	حائضہ عورت اذان کا جواب نہ دے	١٣٢
(١٠٥)	جنبی کو جوابِ اذان جائز ہے یا نہیں	١٣٢
(١٠٦)	جنبی کو اذان کا جواب دینا چاہئے	١٣٣
(١٠٧)	ٹی وی، ریڈیو والی اذان کا جواب دینا	١٣٣
(١٠٨)	اذان کے بعد مسجد کی طرف چلنا ضروری ہے یا نہیں	١٣٣
(١٠٩)	اذان سن کر مسجد نہ جانا کیسا ہے	١٣٤
(١١٠)	اذان سن کر مسجد نہ جانے والا کیا کافر ہے	١٣٥
(١١١)	اذان کے بعد مسجد سے جانا	١٣٥
(١١٢)	اذان کے بعد ایک مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا	١٣٦
(١١٣)	اذان کے وقت ریڈیو بلند آواز سے لگانے والے کا حکم	١٣٨

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱۱۴)	کیا اذان کا جواب دینے کے لئے باوضو ہونا ضروری ہے	۱۳۹
(۱۱۵)	جمعہ کی اذان کا جواب وغیرہ کے احکام	۱۳۹
(۱۱۶)	جمعہ کی دوسری اذان کا جواب	۱۴۰
(۱۱۷)	جمعہ کے روز اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں	۱۴۰
(۱۱۸)	خطبہ کی اذان کا جواب	۱۴۲
(۱۱۹)	جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے، مگر دعا کرنا جائز نہیں	۱۴۲
(۱۲۰)	خطبہ کی اذان کا جواب اور اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا	۱۴۳
(۱۲۱)	جمعہ کے دن شہر کی متعدد اذانوں میں سے پہلی اذان پر خرید وفروخت کے مکروہ ہونے کی تحقیق	۱۴۳
(۱۲۲)	چند اذانوں میں سے کس اذان کا جواب دینا چاہئے	۱۴۵
(۱۲۳)	متعدد اذانوں میں سے کس کا جواب دے	۱۴۶
(۱۲۴)	اذان کے جواب میں درود شریف پڑھنا	۱۴۶
(۱۲۵)	مؤذن کے کلمات اذان کی تکمیل سے قبل جواب دینے کا حکم	۱۴۷
(۱۲۶)	اذان کا جواب مؤذن کے ساتھ ساتھ دے یا بعد میں	۱۴۸
(۱۲۷)	اذان کے ساتھ جواب نہیں دیا تو بعد میں دے	۱۴۸
(۱۲۸)	کن الفاظ میں اذان کا جواب دیا جائے	۱۴۹
(۱۲۹)	اذان کے جواب میں اللہ اکبر کے بجائے جل جلالہ کہنا	۱۵۰
(۱۳۰)	’’أشهد أن لا إلهَ إلاَّ اللّٰهُ‘‘ کے آخر میں ہاہا کہنا	۱۵۰
(۱۳۱)	حیعلتین کا جواب	۱۵۱
(۱۳۲)	حیعلتین وغیرہ کے جواب میں الفاظ کے فرق کی دلیل کیا ہے	۱۵۲
(۱۳۳)	فجر کی اذان میں ’’الصلوٰۃ خیر من النوم‘‘ کا جواب	۱۵۳
(۱۳۴)	اذان فجر میں ’’الصلوٰۃ خیر من النوم‘‘ کے جواب میں ’’صدقت وبررت‘‘ کہنے کا حکم	۱۵۳
(۱۳۵)	مسجد کے اندر رہتے ہوئے جواب دینا ضروری نہیں	۱۵۵

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(١٣٦)	اذان کا جواب حاضرین مسجد پر واجب نہیں اس کی کیا وجہ	١٥٥
(١٣٧)	اذان صحیح سمجھ نہ آ رہی ہو تو جواب دیں یا نہ دیں	١٥٦
(١٣٨)	مسجد میں تلاوت کرنے والے کو جواب اذان افضل ہے یا تلاوت	١٥٦
(١٣٩)	وضو، تلاوت اور تعلیم کرتے وقت اذان کا جواب	١٥٧
(١٤٠)	تلاوت اور وضو وغیرہ کے درمیان اذان کا جواب	١٥٨
(١٤١)	قرآن کا درس پڑھنے کے دوران اذان ہو جائے تو جواب کا حکم	١٥٩
(١٤٢)	قرآن پڑھتے ہوئے اذان سنے تو کیا کرے	١٥٩
(١٤٣)	بوقت اذان تلاوت کو جاری رکھے یا موقوف کر دے	١٦٠
(١٤٤)	بوقت تلاوت اذان شروع ہو جائے تو کیا حکم ہے	١٦٠
(١٤٥)	تلاوت کے درمیان اذان	١٦١
(١٤٦)	اذان اور خطبہ کے وقت تلاوتِ قرآن مجید	١٦٢
(١٤٧)	اذان کے وقت تلاوت قرآن کا حکم	١٦٣
(١٤٨)	بوقت اذان تلاوت چھوڑ دینا مستحب ہے	١٦٣
(١٤٩)	اذان کے وقت ریڈیو سے تلاوت سننا	١٦٤
(١٥٠)	اذان کے وقت نفل نماز	١٦٥
(١٥١)	اگر تقریر کے درمیان اذان ہو جائے	١٦٥
(١٥٢)	وعظ کے دوران اذان شروع ہو جائے	١٦٦
(١٥٣)	دوران وعظ اذان شروع ہو جائے، تو وعظ بند کر کے اذان کا جواب دینا چاہئے	١٦٧
(١٥٤)	اذان ہوتے وقت مؤذن اور سننے والوں کو سلام کرنا کیسا ہے	١٦٨
(١٥٥)	کیا اذان کھڑے ہو کر سننا چاہئے	١٦٨
(١٥٦)	چلتے ہوئے اذان سنائی دے، تو کیسے جواب دے	١٦٩
(١٥٧)	افطار کی حالت میں اذان کے جواب کا حکم	١٦٩

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱۵۸)	اذان کے وقت پانی پینا	۱۷۰
(۱۵۹)	سامعین اذان پر سلام کا جواب واجب نہیں	۱۷۰
(۱۶۰)	دورانِ اذان مسجد میں سلام کہنا	۱۷۱
(۱۶۱)	باتیں کرتے ہوئے اذان کا جواب دینا	۱۷۱
(۱۶۲)	اذان کے وقت مسجد میں باتیں کرنا	۱۷۲
(۱۶۳)	بوقت اذان خاموش رہنا مستحب ہے	۱۷۳
(۱۶۴)	اذان کا جواب دینے کے بعد وقت ہو تو اس میں کلام کرنے کا حکم	۱۷۳
(۱۶۵)	اذان کے وقت باتیں کرنے اور وعظ کرنے کا حکم	۱۷۴
(۱۶۶)	بیت الخلا میں اذان کا جواب اور درود	۱۷۴
(۱۶۷)	بوقت اذان قضاء حاجت کا حکم	۱۷۵
(۱۶۸)	اذان شروع ہونے کے بعد پاخانہ پیشاب کو جانا کیسا ہے	۱۷۶
(۱۶۹)	اذان کے وقت وضو کرنا کیسا ہے	۱۷۶

اذان کے بعد دعا - احکام ومسائل (۱۷۷-۱۹۴)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱۷۰)	اذان کے بعد دعا کا حکم	۱۷۷
(۱۷۱)	اذان کے بعد کی دعا مانگنے کا فائدہ	۱۷۷
(۱۷۲)	اذان کے بعد دعا میں ”والدرجة الرفيعة“ اور ”وارزقنا شفاعته“ کا اضافہ	۱۷۸
(۱۷۳)	دعا بعد الاذان میں والدرجة الرفيعة کے الفاظ کا ثبوت	۱۷۹
(۱۷۴)	دعا بعد الاذان میں ”وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ“ کے الفاظ احادیث میں منقول نہیں	۱۷۹
(۱۷۵)	اذان کی دعا میں زیادتی	۱۸۰
(۱۷۶)	دعائے اذان میں بعض اضافی الفاظ کا حکم	۱۸۱
(۱۷۷)	اذان کے بعد دیگر کلمات کا ذکر واذکار	۱۸۱
(۱۷۸)	اذان کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے	۱۸۲

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱۷۹)	اذان واقامت کے درمیان میں درود پڑھنا کیسا ہے	۱۸۳
(۱۸۰)	جمعہ کی اذانِ ثانی کے بعد دعا	۱۸۳
(۱۸۱)	خطبہ کی اذان کے بعد دعا	۱۸۳
(۱۸۲)	اذان خطبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۱۸۴
(۱۸۳)	اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں	۱۸۵
(۱۸۴)	اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۱۸۵
(۱۸۵)	بعد اذان ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں	۱۸۶
(۱۸۶)	اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم	۱۸۶
(۱۸۷)	اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۱۸۹
(۱۸۸)	ہاتھ اٹھا کر اذان کی دعا اور اس سے پہلے بسم اللہ	۱۹۰
(۱۸۹)	دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا افضل ہے	۱۹۱
(۱۹۰)	اذان کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا	۱۹۱
(۱۹۱)	اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں	۱۹۲

اقامت کے احکام ومسائل (۱۹۵-۲۲۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱۹۲)	اذان واقامت میں کتنا وقفہ کیا جائے	۱۹۵
(۱۹۳)	مغرب کی اذان واقامت میں وقفہ ہے یا نہیں	۱۹۵
(۱۹۴)	کسی دینی کام کی وجہ سے مغرب کی نماز میں تاخیر	۱۹۶
(۱۹۵)	اذان کے کتنی دیر بعد نماز جائز ہے	۱۹۶
(۱۹۶)	اقامت صرف فرائض کے لئے ہے	۱۹۷

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱۹۷)	اقامت کے بغیر نماز	۱۹۸
(۱۹۸)	عورت بلا اقامت نماز پڑھے	۱۹۸
(۲۹۹)	عورت پر اقامت نہ ہونے کی وجہ	۱۹۸
(۲۰۰)	نماز کے باطل ہونے کی صورت میں اعادۂ نماز کے وقت تکبیر کہی جاوے یا نہیں	۱۹۹
(۲۰۱)	ترک واجب کی وجہ سے اعادہ کی جانے والی نماز کے لئے تکبیر کی حاجت نہیں	۲۰۰
(۲۰۲)	تکرار جماعت کے وقت تکبیر کہی جاوے یا نہیں	۲۰۰
(۲۰۳)	جماعتِ ثانیہ کے لئے اقامت	۲۰۱
(۲۰۴)	ٹرین میں نماز پڑھیں، تو کیا اقامت ہر جماعت کے لئے علیحدہ کہنی چاہیے	۲۰۲
(۲۰۵)	تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے اقامت	۲۰۲
(۲۰۶)	منفرد کے لئے اقامت کہنا اور اگر جماعت کے ساتھ ہو تو اقامت کا جواب دینا کیسا ہے	۲۰۳
(۲۰۷)	قضا نماز میں اقامت	۲۰۴
(۲۰۸)	متنفل کی اقامت مکروہ ہے	۲۰۴
(۲۰۹)	بیوی کی اقامت	۲۰۵
(۲۱۰)	مخنث کا اقامت کہنا	۲۰۶
(۲۱۱)	لاؤڈ اسپیکر سے اقامت کہنا	۲۰۶
(۲۱۲)	کیا اقامت وہی کہے جس نے اذان دی ہے	۲۰۷
(۲۱۳)	اذان دینے والے ہی کو اقامت کا حق ہے	۲۰۸
(۲۱۴)	غیر مؤذن کا تکبیر کہنا	۲۰۹
(۲۱۵)	مؤذن کا اذان کہنے کے بعد خود جماعت میں شریک نہ ہونا	۲۱۰
(۲۱۶)	اقامت کون کہے	۲۱۰
(۲۱۷)	جمعہ میں تکبیر کون کہے جب پہلی اذان کوئی اور پکارے اور دوسری کوئی اور	۲۱۲

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۲۱۸)	امام صاحب اذان دیتے ہوں تو اقامت کون کہے؟ کوئی دوسرا شخص اقامت کہے تو ان کی اجازت ضروری ہے یا نہیں	۲۱۳
(۲۱۹)	بدون رضائے مؤذن اقامت کہنا	۲۱۴
(۲۲۰)	امام کے سوا کوئی اقامت کہنے والا نہیں ہو	۲۱۵
(۲۲۱)	اقامت سے متعلق چند سوالات	۲۱۵
(۲۲۲)	اقامت کہنے میں مؤذن وغیرہ امام کے تابع ہیں	۲۱۶
(۲۲۳)	اہل حدیث کا اقامت کہنا	۲۱۷
(۲۲۴)	کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرنا	۲۱۸
(۲۲۵)	بوقت اقامت ہاتھ باندھنا خلاف سنت ہے	۲۱۹
(۲۲۶)	اقامت کے وقت مقتدی کھڑے رہیں یا بیٹھے	۲۲۰
(۲۲۷)	ضعف کی وجہ اقامت کے وقت بیٹھنا	۲۲۲
(۲۲۸)	عندالاقامت امام کو آگاہ کرنے کیلئے مؤذن کھنکھارے تو کیسا ہے	۲۲۲
(۲۲۹)	غیر مقلد کی تکبیر سے نماز میں نقص نہیں ہوتا	۲۲۳
(۲۳۰)	اگر امام بغیر تکبیر، بوجہ ضعف سماع، جماعت شروع کردے تو کیا حکم ہے	۲۲۳
(۲۳۱)	اقامت کتنی بلند آواز سے ہونی چاہیے	۲۲۳
(۲۳۲)	اقامت میں عجلت	۲۲۴
(۲۳۳)	اقامت (تکبیر) شروع کرنے کیلئے امام کا مصلیٰ پر ہونا ضروری نہیں	۲۲۴
(۲۳۴)	کیا مؤذّن اپنے لیے جگہ مخصوص کرسکتا ہے	۲۲۶

اقامت کس وقت شروع کی جائے؟ (۲۲۷-۲۹۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۲۳۵)	تکبیر کب شروع کی جائے	۲۲۷
(۲۳۶)	مقتدی و امام کب کھڑا ہوں	۲۲۸
(۲۳۷)	امام و مقتدی نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں	۲۲۸

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(٢٣٨)	نماز کے لیے امام وقوم کے اٹھنے کے وقت کی تحقیق	٢٣٨
(٢٣٩)	امام اور مقتدی کا شروع اقامت میں کھڑا ہونا	٢٥٢
(٢٤٠)	نماز پڑھانے کے لیے امام کو آتا ہوا دیکھ کر، فوراً کھڑے ہوجانے کا فائدہ	٢٥٣
(٢٤١)	امام ومؤذن کب کھڑے ہوں	٢٥٣
(٢٤٢)	" لاتقوموا حتیٰ ترونی" کا مطلب	٢٥٤
(٢٤٣)	اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں	٢٥٥
(٢٤٤)	امام مصلیٰ پر کب کھڑا ہو	٢٥٩
(٢٤٥)	بوقت اقامت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں	٢٦٠
(٢٤٦)	اقامت کے وقت "حی علی الفلاح" پر کھڑے ہونے کا حکم	٢٧٢
(٢٤٧)	اقامت میں "حی علی الصلوٰة" پر کھڑا ہونا مستحب ہے	٢٧٦
(٢٤٨)	مالابدمنہ میں مسئلۂ "حی علی الفلاح" پر مقتدیوں کے کھڑا ہونے کی وضاحت	٢٧٦
(٢٤٩)	"حی علی الصلاة" کے وقت کھڑا ہونا	٢٧٨
(٢٥٠)	"حی علی الصلاة" پر قیام	٢٨٠
(٢٥١)	"حی علی الصلاة" پر قیام	٢٨٠
(٢٥٢)	"حی علی الفلاح" کہنے کے وقت امام کا کھڑا ہونا	٢٨٥
(٢٥٣)	"قد قامت الصلاة" پر سب مقتدیوں کا کھڑا ہونا	٢٨٦
(٢٥٤)	"حی علی الصلوٰة" سے پہلے صف درست کرنے کے لیے کھڑے ہوجانا	٢٨٨
(٢٥٥)	اگر بدعتیوں کے جماعت میں پھنس جائے، تو اقامت کے وقت کیا کرے	٢٨٨
(٢٥٦)	اقامت میں بوقت کلمۂ شہادت، امام کا پیٹھ پھیرنا	٢٩٠

اقامت کی جگہ (٢٩١-٢٩٥)

(٢٥٧)	مکبّر کہاں کھڑا ہو	٢٩١
(٢٦٨)	اقامت کس جگہ سے کہنی چاہئے	٢٩١

صفحات	عناوین	نمبر شمار

(۲۵۹) تکبیر کہاں کھڑے ہو کر کہنا افضل ہے ۲۹۲

(۲۶۰) اقامت پہلی صف سے ضروری نہیں ۲۹۳

(۲۶۱) اذان دائیں سے اور تکبیر بائیں سے کہنے کی کچھ حقیقت نہیں ۲۹۳

(۲۶۲) اقامت کے لئے جگہ کی کوئی تعیین نہیں ہے ۲۹۴

(۲۶۳) ''اقامت کے لئے کسی جہت صف کی تعیین نہیں ۲۹۴

(۲۶۴) درمیان صف میں اقامت کہے تو اس کا کیا حکم ہے ۲۹۵

(۲۶۵) چلتے ہوئے تکبیر شروع کرنا کیسا ہے ۲۹۵

کلماتِ اقامت کی تعداد (۲۹۶-۳۰۰)

(۲۶۶) تکبیر میں کلمات اذان کی تکرار ۲۹۶

(۲۶۷) اذان واقامت کے کلمات دو دو بار ہیں، یا ایک ایک بار ۲۹۶

(۲۶۸) حنفی مؤذن کی اذان اور شافعی مکبر کی تکبیر ۲۹۷

(۲۶۹) اقامت میں دو کلموں کو ملانا ۲۹۷

(۲۷۰) تکبیر میں ''قد قامت الصلاة'' کے دونوں کلمے ایک سانس سے کہے یا دو سے ۲۹۷

(۲۷۱) اقامت کے کلمات ۲۹۸

(۲۷۲) حنفی اور واقف کے لیے، تکبیر واقامت میں ایک مرتبہ ''حی علی الصلاۃ'' ''حی علی الفلاح'' کہنا ۲۹۹

(۲۷۳) ''حی علی الصلاۃ'' چار مرتبہ کہنا ۳۰۰

اقامت کے آداب (۳۰۱-۳۱۲)

(۲۷۴) تکبیر سے پہلے بسم اللہ ۳۰۱

(۲۷۵) اقامت سے پہلے درود شریف ۳۰۱

(۲۷۶) تکبیر اقامت درود پڑھ کر بآواز بلند کہنا ۳۰۲

(۲۷۷) جماعت کے وقت مؤذن کا بہ آواز بلند درود شریف پڑھنا ۳۰۲

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۲۷۸)	اقامت میں دائیں بائیں کو مڑنا	۳۰۳
(۲۷۹)	اقامت میں دائیں بائیں مڑنے کا حکم	۳۰۴
(۲۸۰)	اقامت میں التفات ہے یا نہیں	۳۰۴
(۲۸۱)	اقامت میں ''قد قامت الصلوٰة'' بلند آواز سے کہنا کیسا ہے	۳۰۵
(۲۸۲)	''قد قامت الصلاة'' پر وقف کرنا	۳۰۵
(۲۸۳)	''قد قامت الصلاة'' کی ''تاء'' پر کیا حرکت پڑھیں	۳۰۶
(۲۸۴)	امام کا ''قد قامت الصلوٰة'' پر ہاتھ باندھنا	۳۰۶
(۲۸۵)	امام نماز کس وقت شروع کرے	۳۰۷
(۲۸۶)	امام کے عمامہ باندھنے سے پہلے اقامت ختم ہوگئی تو کیا پھر تکبیر کہی جائے	۳۰۷
(۲۸۷)	تکبیر کے بعد دیر سے جماعت ہو تو تکبیر کا اعادہ کیسا ہے	۳۰۸
(۲۸۸)	اقامت کے بعد فصل ہو جائے تو کیا اقامت دہرائی جائے	۳۰۸
(۲۸۹)	بعد تکبیر کچھ تکلم کر لینے سے تکبیر کا اعادہ نہیں کیا جائے گا	۳۰۹
(۲۹۰)	تکبیر پڑھتے وقت اگر غلطی ہو جائے تو کیا اقامت شروع سے پڑھے	۳۰۹
(۲۹۱)	کلماتِ اقامت کا جواب	۳۱۰
(۲۹۲)	اقامت کا جواب	۳۱۰
(۲۹۳)	جواب اقامت فقط مقتدی پر ہے یا سب پر	۳۱۰
(۲۹۴)	''قد قامت الصلوٰة'' کے جواب کا حکم	۳۱۱
(۲۹۵)	''قد قامت الصلاة'' کے وقت ''أقامها الله و أدامها'' کہنے کا ثبوت	۳۱۲

نماز میں بدن کی پاکی کے مسائل (۳۱۳-۳۲۸)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۲۹۶)	بغیر استنجا نماز پڑھ لی، تو نماز ہوئی یا نہیں	۳۱۳
(۲۹۷)	بلا وضو وطہارت کے نماز استسقا	۳۱۳
(۲۹۸)	بلا وضو نماز پڑھنا	۳۱۴

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(٢٩٩)	وضو نہ ہونے کے باوجود نماز پڑھتا رہا، تو کیا کفارہ ہوگا	٣١٥
(٣٠٠)	وضو میں کوئی عضو خشک رہ گیا اور نماز پڑھ لی، تو کیا حکم ہے	٣١٦
(٣٠١)	کنویں کے ناپاک پانی سے وضو کر کے نماز پڑھی ہو، تو اعادہ واجب ہے یا نہیں	٣١٧
(٣٠٢)	نماز بحالت جنابت	٣١٨
(٣٠٣)	اگر ناپاک آدمی نے نماز پڑھ لی، تو............	٣١٨
(٣٠٤)	تنگیٔ وقت کی وجہ بلا غسل نماز پڑھنا	٣١٩
(٣٠٥)	ناپاکی میں نماز پڑھانا سخت جرم ہے	٣٢٠
(٣٠٦)	ناپاکی میں نماز پڑھانے کا وبال امام پر ہے	٣٢١
(٣٠٧)	غیر مفتیٰ بہ قول پر بغیر غسل نماز کا حکم	٣٢٢
(٣٠٨)	کچھوے کی ہڈی کا طلاء لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے	٣٢٣
(٣٠٩)	ناپاک تیل کی مالش کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں	٣٢٤
(٣١٠)	حشرات الارض کا تیل لگا کر نماز جائز ہے یا نہیں	٣٢٥
(٣١١)	بحالت مجبوری ناپاک دوا کا موجود رہنا	٣٢٥
(٣١٢)	لوپ (دوا لگانے) کی حالت میں نماز	٣٢٦
(٣١٣)	اگر نماز میں، مردار کی ہڈی بدن پر ہو	٣٢٧
(٣١٤)	اگر مصلی پر ناپاک بچہ بیٹھ جائے، تو نماز کا حکم	٣٢٧
(٣١٥)	ننگے پاؤں چلنے والا بغیر پاؤں دھوئے، نماز پڑھ سکتا ہے	٣٢٨

نماز میں کپڑے کی پاکی کے مسائل (٣٢٩-٣٤٨)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(٣١٦)	بازاری لٹھا و ململ میں نماز درست ہے	٣٢٩
(٣١٧)	کورے کپڑے میں نماز درست ہے	٣٢٩
(٣١٨)	نماز کوٹ پتلون میں ہوتی ہے یا نہیں	٣٣٠

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۳۱۹)	انڈر ویئر کے ساتھ نماز پڑھنا	۳۳۱
(۳۲۰)	ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی	۳۳۱
(۳۲۱)	الکحل ملا ہوا سینٹ نماز کے وقت لگانا	۳۳۲
(۳۲۲)	مقدارِ درہم سے کم رطوبت کے ساتھ نماز صحیح ہے	۳۳۲
(۳۲۳)	مذی لگے ہوئے کپڑوں میں نماز درست ہے یا نہیں	۳۳۲
(۳۲۴)	دھبّے کو دیکھتے ہوئے نماز پڑھنا کیسا ہے	۳۳۳
(۳۲۵)	ناپاک کپڑوں میں بھول کر نماز پڑھ لینا	۳۳۴
(۳۲۶)	فجر کی نماز پڑھ کر کپڑوں پر منی دیکھی	۳۳۴
(۳۲۷)	کپڑوں پر ناپاکی دیکھنے والے کو کتنے وقت کی نماز کا اعادہ کرنا چاہئے	۳۳۴
(۳۲۸)	ناپاک اونی کپڑا بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا اور نہ ایسے کپڑے سے نماز جائز ہے	۳۳۵
(۳۲۹)	پاک کپڑا نہ ہوتو ناپاک میں نماز پڑھ لے	۳۳۶
(۳۳۰)	بالکل مجبوری میں ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت	۳۳۶
(۳۳۱)	بار بار کپڑا نجس ہو جاتا ہو، تو تبدیل نہ کریں	۳۳۷
(۳۳۲)	کپڑے کی نجاست دھوئیں لیکن غیر ضروری وہم نہ کریں	۳۳۸
(۳۳۳)	جنابت کی حالت میں پہنے ہوئے کپڑوں میں نماز کا حکم	۳۳۹
(۳۳۴)	جماع کے بعد کپڑے نہیں بدلے اور نماز پڑھی، تو ہوئی یا نہیں	۳۴۰
(۳۳۵)	ملازمین ہسپتال نماز کس طرح پڑھیں	۳۴۰
(۳۳۶)	ہسپتال کی یونیفارم میں نماز پڑھنے کا حکم	۳۴۰
(۳۳۷)	ناپاک کپڑوں میں وضو کر کے پاک کپڑوں میں نماز پڑھنا	۳۴۱
(۳۳۸)	دوران نماز ناپاک کپڑے کا بدن سے لگنا	۳۴۱
(۳۳۹)	بارش سے بھیگے پاک کپڑوں میں نماز جائز ہے	۳۴۲
(۳۴۰)	بھنگی کے دھوئے ہوئے کپڑوں میں نماز	۳۴۲

نمبر شمار	عناوین	صفحات

(۳۴۱)	رنگے ہوئے کپڑے سے نماز پڑھنا	۳۴۳
(۳۴۲)	حالت نماز میں بیڑی، سگریٹ اور نسوار جیب میں رکھنا جائز نہیں	۳۴۳
(۳۴۳)	جیب میں نسوار یا سگریٹ کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا	۳۴۴
(۳۴۴)	جیب میں نسوار کے ساتھ نماز پڑھنا	۳۴۴
(۳۴۵)	ٹیشو پیپر جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا	۳۴۵
(۳۴۶)	جانوروں کی کھال پہن کر نماز پڑھنا	۳۴۵
(۳۴۷)	جوتوں سمیت نماز پڑھنا	۳۴۶

نماز میں مکان کی پاکی کے مسائل (۳۴۹-۳۷۰)

(۳۴۸)	جس گھاس پر ماکول اللحم جانور نے بول براز کیا ہو، اس پر نماز درست ہے یا نہیں	۳۴۹
(۳۴۹)	جس میدان میں بکریاں بول براز کرتی ہوں وہاں نماز	۳۴۹
(۳۵۰)	پیال پر نماز	۳۵۰
(۳۵۱)	ہریالی پر نماز	۳۵۰
(۳۵۲)	کھادوالی گھاس پر نماز پڑھنا	۳۵۰
(۳۵۳)	پاک چارپائی پر نماز جائز ہے	۳۵۱
(۳۵۴)	چماروں کی تیار کردہ چٹائی پر نماز جائز ہے یا نہیں	۳۵۱
(۳۵۵)	جیل خانہ کی بُنی ہوئی جائے نماز کا استعمال درست ہے	۳۵۲
(۳۵۶)	جیل خانہ کی جائے پر نماز پڑھنے کا حکم	۳۵۲
(۳۵۷)	مشکوک جائے نماز پر نماز پڑھنا	۳۵۳
(۳۵۸)	مصلّٰی کا کونہ ناپاک ہو تو نماز ہو جائے گی	۳۵۳
(۳۵۹)	ڈیکوریشن کی دریوں پر کپڑا اچھا کر نماز پڑھنا چاہئے	۳۵۴
(۳۶۰)	رنگی ہوئی یا منقش جائے نماز پر نماز پڑھنا	۳۵۴

صفحات	عناوین	نمبر شمار
۳۵۵	وہ مصلّیٰ یا چادر جس پر خانہ کعبہ یا مسجد نبوی کا نقشہ ہو، اس پر بیٹھنا اور نماز پڑھنا کیسا ہے	(۳۶۱)
۳۵٦	اونی کمبل پر نماز پڑھنا	(۳٦۲)
۳۵۷	ایسے پلاسٹک پر نماز جس کی نچلی جانب نجس ہو	(۳٦۳)
۳۵۸	پلاسٹک کا مصلی	(۳٦۴)
۳۵۸	شیر، چیتے کی کھال پر نماز	(۳٦۵)
۳۵۹	حلال جانور کی دباغت شدہ کھال کی جائے نماز پاک ہے	(۳٦٦)
۳۵۹	میز وغیرہ پر ناپاک روغن اور پالش لگا یا ہو، اس پر بغیر کپڑا اڈالے نماز پڑھنا کیسا ہے	(۳٦۷)
۳٦۰	میت کی غسل کے لئے استعمال شدہ پاک تختہ پر نماز درست ہے	(۳٦۸)
۳٦۰	نماز غسل خانہ میں جائز ہے یا نہیں	(۳٦۹)
۳٦۱	طہارت خانہ کی چھت پر نماز	(۳۷۰)
۳٦۱	نالہ کے اوپر نماز	(۳۷۱)
۳٦۲	رنڈی (فاحشہ) کے بالاخانہ کے نیچے کے مکان میں نماز درست ہے یا نہیں	(۳۷۲)
۳٦۲	کوئلہ کی کان میں نماز پڑھنے کے متعلق ایک استفتا	(۳۷۳)
۳٦۴	نجاست پر کپڑا اچھا کر نماز	(۳۷۴)
۳٦۴	ناپاک جگہ پر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا	(۳۷۵)
۳٦۵	فرش پر کپڑا اچھائے بغیر نماز پڑھنا	(۳۷٦)
۳٦۵	پختہ فرش اگر ناپاک ہوجائے، تو اس پر نماز کا حکم	(۳۷۷)
۳٦٦	شطرنجی کا ایک کونہ ناپاک ہے تو دوسرے کونہ پر نماز درست ہے	(۳۷۸)
۳٦۷	نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہو، تو نماز کا حکم	(۳۷۹)
۳٦۷	وضو کے پانی کو پونچھ کر رومال کو بوقتِ نماز آگے رکھنا کیسا ہے	(۳۸۰)
۳٦۸	غیر مسلم کے گھر میں فرش پر نماز پڑھنا	(۳۸۱)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۳۸۲)	گوبر سے لیپی ہوئی زمین پر نماز	۳۶۹
(۳۸۳)	ناچ گانے والی جگہ پر نماز کا حکم	۳۶۹
(۳۸۴)	جن چٹائیوں پر رقص کیا گیا ہو، ان پر نماز پڑھنے کا حکم	۳۷۰

نماز میں ستر عورت (۳۷۱-۳۸۸)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۳۸۵)	نماز کے اندر ستر چھپانے میں سرین وران اور گھٹنا تین عضو ہیں یا دو	۳۷۱
(۳۸۶)	نماز میں ستر کا حصہ کھلنے پر ناظر ومنظور کی نماز کا حکم	۳۷۲
(۳۸۷)	نماز کی حالت میں ستر نظر آنے کا حکم	۳۷۲
(۳۸۸)	گریبان میں سے ستر دیکھنے سے نماز کا حکم	۳۷۳
(۳۸۹)	کپڑے میں ستر پایا جانا ضروری ہے	۳۷۴
(۳۹۰)	ناف سے لے کر گھٹنوں تک کپڑوں میں نماز	۳۷۴
(۳۹۱)	صرف نیچے کے کپڑوں میں نماز	۳۷۵
(۳۹۲)	صرف بنڈی پہن کر نماز پڑھنا	۳۷۵
(۳۹۳)	دھوتی باندھ کر نماز درست ہے	۳۷۶
(۳۹۴)	دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا	۳۷۶
(۳۹۵)	جانگیا پر لنگی باندھ کر نماز پڑھے تو درست ہے	۳۷۶
(۳۹۶)	کوٹ پتلون اور ٹائی پہنے ہوئے نماز پڑھنا	۳۷۷
(۳۹۷)	ایک ہی چادر اوڑھ کر نماز درست ہے	۳۷۷
(۳۹۸)	تنہائی میں برہنہ ہو کر نماز پڑھنا	۳۷۸
(۳۹۹)	معذور ننگا نماز پڑھ سکتا ہے	۳۷۸
(۴۰۰)	زنانہ کے لیے نماز میں ستر عورت	۳۷۹
(۴۰۱)	عورت کی ہتھیلی کا اوپری حصہ ستر ہے یا نہیں، اس کی تحقیق	۳۸۰

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۰۲)	عورت کے ہاتھ کہنیوں تک ڈھکے ہونا، نماز کے لیے ضروری ہے	۳۸۰
(۴۰۳)	آدھی آستین والی قمیص میں عورت کا نماز پڑھنا	۳۸۱
(۴۰۴)	بلاؤز پہن کر نماز پڑھنا	۳۸۱
(۴۰۵)	عورت کا جسم کھلا رہ گیا، تو نماز ہوگی	۳۸۲
(۴۰۶)	عورت کا کھلی جگہ نماز پڑھنا	۳۸۳
(۴۰۷)	ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جس میں جسم یا بال نظر آتے ہوں	۳۸۴
(۴۰۸)	عورتوں کا نماز میں بالوں کو چھپانا	۳۸۴
(۴۰۹)	جارجٹ کے دوپٹے کے ساتھ نماز پڑھنا	۳۸۴
(۴۱۰)	مستورات کا باریک دوپٹہ اور آستین کا کلائیوں سے اوپر ہونے کی حالت میں نماز	۳۸۵
(۴۱۱)	عورتوں کی نماز ساڑی میں جائز ہے یا نہیں	۳۸۶
(۴۱۲)	ساڑی پہن کر نماز پڑھنا	۳۸۶
(۴۱۳)	نماز کے دوران خواتین کی ٹانگوں کا باہم ملنا	۳۸۷
(۴۱۴)	کیا قدم کھول کر عورت کی نماز نہیں ہوتی	۳۸۸

نیت کے مسائل (۳۸۹-۴۲۶)

(۴۱۵)	نماز میں نیت کے ضروری ہونے پر حدیث ''إنما الأعمال بالنیات'' سے استدلال	۳۸۹
(۴۱۶)	نیت کی حیثیت	۳۹۰
(۴۱۷)	نماز کی نیت کا حکم	۳۹۰
(۴۱۸)	زبان سے نیت ضروری نہیں	۳۹۱
(۴۱۹)	نماز میں زبان سے نیت کی شرعی حیثیت	۳۹۲
(۴۲۰)	زبان سے نیت	۳۹۴
(۴۲۱)	دل کی نیت معتبر ہے یا زبان کا تلفظ	۳۹۶
(۴۲۲)	کیا زبان سے نیت بدعت ہے	۳۹۶

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۲۳)	زبان سے نیت کولازم قرار دینا بدعت ہے	۳۹۷
(۴۲۴)	زبان سے نیت کے بارے میں حضرت مجدد کے قول کی تحقیق اور نیت الفاظ کے ذریعہ ادا کرنا	۳۹۷
(۴۲۵)	نیت کے الفاظ دل کو متوجہ کرنے کے لیے زبان سے ادا کئے جاتے ہیں	۳۹۹
(۴۲۶)	نماز کی نیت عربی میں ضروری ہے یا نہیں	۳۹۹
(۴۲۷)	اردو زبان میں نیت	۴۰۰
(۴۲۸)	نماز کی نیت کا طریقہ	۴۰۰
(۴۲۹)	نماز کی نیت میں سنت رسول کہنا ضروری ہے یا نہیں	۴۰۱
(۴۳۰)	مروجہ طریق پر نیت کرنے کا حکم	۴۰۲
(۴۳۱)	نماز اور روزہ کی نیت	۴۰۳
(۴۳۲)	امام کی اجازت مقتدی کیلئے شرط نہیں	۴۰۴
(۴۳۳)	نیتِ امامت	۴۰۴
(۴۳۴)	مقتدی عورت کیلئے کیا امامت کی نیت ضروی ہے	۴۰۴
(۴۳۵)	امام کی اقتدا کی نیت ضروری ہے	۴۰۵
(۴۳۶)	نماز باجماعت میں اقتدا وامامت کی نیت دل میں کافی ہے	۴۰۵
(۴۳۷)	امام ومقتدی کی نیت میں فرق	۴۰۶
(۴۳۸)	زید کی اقتدا کی نیت کی، بعد کو معلوم ہوا کہ عمر ہے تو نماز ہوئی	۴۰۶
(۴۳۹)	مقتدی نماز کی نیت کس طرح کرے	۴۰۷
(۴۴۰)	تعداد رکعات کی نیت کرنا	۴۰۷
(۴۴۱)	نماز کی نیت میں استقبال قبلہ کی نیت کرنا ضروری نہیں	۴۰۸
(۴۴۲)	نماز میں نیت کرتے وقت بجائے عصر کے مغرب کی نیت کرلی، تو نماز ہوجائے گی یا نہیں	۴۰۸
(۴۴۳)	نیت میں غلطی کا حکم	۴۰۹
(۴۴۴)	نیت میں ایک نماز کی جگہ دوسری نماز کا نام لیا، یا تعداد رکعت میں غلطی کی	۴۱۰
(۴۴۵)	دل میں ارادہ کرنے کے بعد اگر زبان سے غلط نیت نکل گئی تو بھی نماز صحیح ہے	۴۱۱

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۴۶)	کیا وتر کی نیت سے تراویح کی نماز درست ہوگی	۴۱۲
(۴۴۷)	وتر کی نیت میں وقت عشا کہنے کی ضرورت نہیں	۴۱۲
(۴۴۸)	نماز میں یاد نہیں رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی	۴۱۳
(۴۴۹)	مقتدی نے نیت میں غلط وقت کا نام لیا تو کیا ہوگا	۴۱۳
(۴۵۰)	نماز شروع کرنے کے بعد نیت میں تبدیلی	۴۱۳
(۴۵۱)	نماز کے اندر دوسری نماز کی نیت کا حکم	۴۱۴
(۴۵۲)	امام سے پہلے نماز شروع کردی، پھر امام کی تکبیر کے بعد دوبارہ تحریمہ کہی، تو نماز کا حکم	۴۱۵
(۴۵۳)	امام کی تکبیر کے بعد نیت باندھنے والے کی نماز صحیح ہے	۴۱۶
(۴۵۴)	سابقہ نیت سے نماز کا اعادہ کرنا	۴۱۶
(۴۵۵)	فاسد نماز میں فرض کی نیت کی جاتی ہے، دہرانے کی نہیں	۴۱۶
(۴۵۶)	نماز کی نیت میں ’’اقتدیت بالقرآن‘‘ کہنے کا حکم	۴۱۷
(۴۵۷)	سنتوں اور نفلوں میں وقت کا ذکر کرنا ضروری نہیں	۴۱۸
(۴۵۸)	علم کے اعتبار سے نمازی کی اقسام اور عبارت عالمگیری میں ’’فيه‘‘ ضمیر کا مرجع	۴۱۸
(۴۵۹)	فرض نماز اور سنت کی نیت کس طرح کی جائے	۴۱۸
(۴۶۰)	سنتوں کی نیت کس طرح کرے	۴۱۹
(۴۶۱)	سنت کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا	۴۲۰
(۴۶۲)	نماز جمعہ میں فرض اور سنتوں کی نیت	۴۲۱
(۴۶۳)	قضا نماز کو ادا کی نیت سے پڑھنا	۴۲۱
(۴۶۴)	ادا نماز کو قضا کی نیت سے پڑھنا	۴۲۲
(۴۶۵)	تحریمہ سے پہلے نیت میں ’’اِنِّیْ وَجَّھْتُ‘‘ پڑھنے کے جواز پر شبہ کا جواب	۴۲۲
(۴۶۶)	نماز کی نیت کا وقت	۴۲۳
(۴۶۷)	تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کرنے سے نماز نہ ہوگی	۴۲۴
(۴۶۸)	امام سے پہلے مقتدی نیت کرلے	۴۲۵

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۶۹)	امام رکوع میں ہوتو نیت	۴۲۵
(۴۷۰)	اگر نیت میں اطمینان نہ ہو	۴۲۶

استقبالِ قبلہ کے مسائل (۴۲۷-۴۹۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۷۱)	غیر اللہ یعنی کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا جواز	۴۲۷
(۴۷۲)	بیت المقدس کو ''قبلہ اول'' کہنے کی وجہ	۴۳۰
(۴۷۳)	قبلہ کی طرف پیر پھیلانا	۴۳۱
(۴۷۴)	استقبال قبلہ شرط ہے، استقبال قبلہ کی نیت شرط نہیں	۴۳۲
(۴۷۵)	بحث سمت قبلہ	۴۳۴
(۴۷۶)	مسئلہ سمتِ قبلہ	۴۳۵
(۴۷۷)	سمت قبلہ کی بحث	۴۳۶
(۴۷۸)	سمت قبلہ کی تحقیق	۴۴۵
(۴۷۹)	سمت قبلہ کی تعیین کا تتمہ	۴۴۶
(۴۸۰)	سمت قبلہ فقہی دلائل کی روشنی میں	۴۶۵
(۴۸۱)	جہت کعبہ کی شرعی حد	۴۷۱
(۴۸۲)	سمت قبلہ معلوم کرنے کا شرعی معیار	۴۷۸
(۴۸۳)	کمپاس کے ذریعہ سمت قبلہ معلوم کرنا کیسا ہے	۴۸۵
(۴۸۴)	قبلہ کا تعین قطب نما یا ستارے سے	۴۹۱
(۴۸۵)	چلتی گاڑی میں قطب نما کے ذریعہ قبلہ کی نشاندہی اور اس کی طرف توجہ	۴۹۱
(۴۸۶)	جو لوگ بیت اللہ سے دور ہیں وہ قبلہ کسے قرار دیں	۴۹۲
(۴۸۷)	ہمارے بلاد میں بین المغربین سمت قبلہ ہے	۴۹۳
(۴۸۸)	مکہ مکرمہ میں استقبال کعبہ کا حکم	۴۹۴
(۴۸۹)	حرم شریف میں نماز پڑھتے ہوئے نمازی کا رخ عین بیت اللہ کی طرف ہونا شرط ہے	۴۹۵

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۹۰)	استقبال حطیم سے نماز نہیں ہوگی	۴۹۶
(۴۹۱)	کیا حطیم میں نماز پڑھنے والا کسی طرف بھی رخ کرکے نماز پڑھ سکتا ہے	۴۹۶

قبلہ سے انحراف کے مسائل (۴۹۷-۵۱۸)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۹۲)	قبلہ سے انحراف کی حد کیا ہے	۴۹۷
(۴۹۳)	قبلہ سے اتنا انحراف جو مفسد صلوۃ نہ ہو	۴۹۷
(۴۹۴)	استقبالِ قبلہ سے کتنا انحراف مفسدِ صلوۃ ہے؟ اور مسجد بنانے والوں کو ہدایت	۴۹۹
(۴۹۵)	ربع دائرہ تک سمت کا اختلاف مضر نہیں	۵۰۱
(۴۹۶)	مسجد کی ظاہری خوب صورتی برقرار رکھنے کے لئے ۴۵ ڈگری منحرف کردینا	۵۰۳
(۴۹۷)	سمت قبلہ میں ۱۸/ ڈگری کا فرق ہو تو کیا کیا جائے	۵۰۵
(۴۹۸)	قبلہ سے ۲۷/ درجہ انحراف کی وجہ سے جماعتِ ثانیہ کے داعی کا حکم	۵۰۸
(۴۹۹)	مسجد کے سمت قبلہ میں معمولی فرق ہو تو نماز کا حکم	۵۰۹
(۵۰۰)	بجانب قبلہ بعض مواجہت قبلہ ہو تو نماز فاسد نہیں	۵۱۰
(۵۰۱)	اگر مسجد کی محراب سمت قبلہ پر درست نہ ہو تو کیا جائے	۵۱۰
(۵۰۲)	مغرب کے رخ پر بنائی گئی قدیم مساجد کا حکم	۵۱۱
(۵۰۳)	غلط سمت پر بنی ہوئی مسجد کے قبلہ کو درست کرنا	۵۱۲
(۵۰۴)	جدید مسجد کی سمت قبلہ میں تردد	۵۱۴
(۵۰۵)	صفوں کا قبلہ کی جانب سے ٹیڑھا پچھانا	۵۱۷

ریل گاڑی وغیرہ میں قبلہ کے مسائل (۵۱۹-۵۳۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۵۰۶)	ریل میں نماز کے اندر استقبال قبلہ کی بحث	۵۱۹
(۵۰۷)	ٹرین، ہوائی جہاز، اور پانی کے جہاز میں نماز ادا کرنے اور استقبال قبلہ کا حکم	۵۲۰
(۵۰۸)	ریل میں تیمّم، سمتِ قبلہ اور نماز کا حکم	۵۲۵
(۵۰۹)	بس (گاڑی) میں نماز کا حکم	۵۲۶

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۵۱۰)	گاڑی میں سوار ہو تو استقبال قبلہ کا حکم	۵۲۷
(۵۱۱)	گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتے وقت استقبال قبلہ اور قیام کا حکم	۵۲۸
(۵۱۲)	بحری جہاز میں قبلہ معلوم نہ ہو تو کیا کریں	۵۲۹
(۵۱۳)	اگر مسافر کو قبلہ معلوم نہ ہو تو کیا کرے	۵۳۰
	چانداور خلا وغیرہ پر قبلہ (۵۳۱-۵۳۲)	
(۵۱۴)	چاند پر نماز اور استقبال قبلہ کا حکم	۵۳۱
(۵۱۵)	چاند پر سمت قبلہ	۵۳۱
	قبلہ مشتبہ یا معلوم نہ ہونے کے احکام (۵۳۳-۵۳۴)	
(۵۱۶)	قبلہ معلوم نہ ہو تو کیا کرے	۵۳۳
(۵۱۷)	قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو تو تحری کا حکم	۵۳۴
	مخالف قبلہ سمت نماز پڑھنے کی صورت میں اعادہ (۵۳۵-۵۳۸)	
(۵۱۸)	کوئی شخص سہواً یا قصداً قبلہ چھوڑ کر دوسری سمت نماز پڑھے تو کیا درست ہے	۵۳۵
(۵۱۹)	لاعلمی میں قبلے کی مخالف سمت میں ادا کی گئی نمازیں	۵۳۵
(۵۲۰)	قبلہ معلوم کئے بغیر نماز پڑھ لینے کا حکم	۵۳۶
(۵۲۱)	بغیر تحری خلاف قبلہ پڑھی ہوئی نماز دہرانا ہوگی	۵۳۶
(۵۲۲)	جس جگہ کوئی قبلہ بتانے والا نہ ہو، وہاں غلط پڑھی ہوئی نماز درست ہے	۵۳۷
(۵۲۳)	کیا نابینا آدمی کو دوسرے سے قبلے کا تعین کروانا ضروری ہے	۵۳۷
(۵۲۴)	نماز کے اندر قبلہ سے سینہ پھر جانے کا حکم	۵۳۸
(ذ)	اردو کتب فتاویٰ	۵۳۹
(ح)	مصادر ومراجع	۵۴۱

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الشکر

الحمد لله آپ کے ہاتھوں میں ''فتاویٰ علماء ہند'' کی چھٹی جلد ہے، زیرنظر کتاب میں نماز کے ارکان وشرائط کے مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے، نماز دین کا ستون ہے ''الصلاۃ عماد الدین'' اگر یہ اچھی نکلی تو بقیہ اعمال کے اچھے ہونے کی امید ہے، اس کے اہتمام سے پورے دین کی تکمیل کی راہیں استوار ہونے کی امید ہے۔

یہ اللہ پاک کے لامحدود خزانوں سے استفادہ کرنے کی راہیں ہموار کرتی ہے، عبادت میں اس کا درجہ سرفہرست ہے، نماز ہی ایک ایسا فریضہ ہے، جو پوری امت پر ہوش وحواس رہتے ہوئے یکساں ضروری ہے، اس لیے کہ روزے میں بیمار ومسافر کے لیے گنجائش ہے، زکوۃ صاحب نصاب کے لیے اور حج جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔

تمام انبیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شریعت میں مختلف شکلوں میں اللہ کی عبادت کا طریقہ موجود تھا، نماز میں تقریباً ان تمام شکلوں کا اجتماع ہے۔ منظمۃ السلام العالمیہ اپنے بے بضاعتی پر حیران ہے اور اللہ کے غیبی تائیدات کا شکر گذار ہے کہ محض فضل الٰہی ہے، جس کی بنا پر یہ گراں قدر کام ممکن ہو پا رہا ہے۔

ہم شکر گذار ہیں اپنے محبّ ومحترم مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب؛ جن کی انتھک کوشش ومحنت سے یہ کام ہو رہا ہے، مولانا محترم خود اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں، ان کی کامل توجہ اس کام کے لیے معین ومددگار رہے، عزیزم مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی سلمہ نے اس کام کا اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے، دن ورات اسی کی نیند سوتے اور جاگتے ہیں، اللہ پاک سے دعا ہے کہ جملہ احباب کے مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخش دے اور ہم سب کو اپنی رضا کے لیے آخری سانس تک دینی فکر میں مشغول رکھے۔ (آمین)

بندہ شمیم احمد

خادم منظمۃ السلام العالمیہ

ناشر: فتاویٰ علماء ہند

یکم ربیع الآخری ۱۴۳۷ھ

مطابق: ۱۲/ جنوری ۲۰۱٦ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزم مخلصم مفتی محمد اسامہ صاحب سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا تحفۂ کتاب **(فتاویٰ علماء ہند)** موصول ہوا۔ (جزاک اللہ تعالیٰ)

کام کی نوعیت اور ترتیب سے دلی مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ اس کام کو قبول فرمائے۔ جس قدر کام میں اخلاص ہوگا، اسی قدر وہ مقبول ہوگا اور آپ عند اللہ ماجور ہوں گے۔

اس علمی کام کی تکمیل نیز قبولیت کے لیے صمیم قلب سے دعا کرتا ہوں ــــــــــــ والسلام

محمد کلیم اللہ عفی عنہ

ناظم مدرسہ اشرف العلوم ومجلس دعوۃ الحق ہردوئی

۱۸؍شوال ۱۴۳۶ھ مطابق: ۴؍اگست ۲۰۱۵ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ !

شریعت اسلامیہ کا بلند وبالا اور مستحکم قلعہ جن دینی ، روحانی اور عرفانی ستونوں پر قائم ودائم ہے،اس میں ذہنی اور فکری اجتماعیت اور عقیدہ وعقیدت میں توانائی پیدا کرنے والا ایک مضبوط ستون فقہ وفتاویٰ کے عنوان سے ملت اسلامیہ کے درمیان مشہور ومتعارف ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ قرآن وسنت کے بعد ایوان اسلام میں عدل وانصاف؛ بلکہ عادلانہ ومنصفانہ نظام قائم رکھنے والا تیسرا استون ،یہی ہمارا فقہی دستور اور قانون شریعت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس پندرہ سو سالہ طویل دور میں ملت اسلامیہ کے علما، اصحاب فکر وبصیرت اور ملت کی تہذیبی وثقافتی تاریخ کو محفوظ رکھنے والے اصحاب علم وقلم نے ہمیشہ اس کی حفاظت کی اور مسلسل ومتواتر آبیاری کی اور چونکہ وحی الٰہی نے قرآن پاک میں ”لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ“ جیسے جملوں اور آیات کے ذریعہ اس کی ابدیت اور صداقت کی مہر بھی لگا رکھی ہے، اس لیے کہ ہر دور میں شریعت اسلامیہ کی اس اساس اور ستون کو بہتر سے بہتر اور عام فہم بنانے کے لیے یہ تمام حضرات تحریری وتقریری طور پر اس کی خدمت، اس کی ترویج اور اس کی اشاعت میں مصروف ومشغول رہے۔

چنانچہ اس کی خدمت اور اس کے ارتقائی منازل کے لیے جہاں ایک طرف اصحاب افتا اور اصحاب فتاویٰ کی جماعتیں تیار ہوکر میدان عمل میں آتی رہیں، وہیں وقت وقت پر دنیا کی کم وبیش ہر ہر زبان میں فتاویٰ کے مجموعے بھی تیار ہوتے رہے اور زمانے کے نشیب وفراز، حالات کے چڑھاؤ، اتار کے مطابق اپنے اپنے دور کے معتمد اور معتبر ارباب فتاویٰ قرآن وسنت کے دائرہ میں رہ کر اس میں نکھار پیدا کرتے رہے۔ اس خدمت کی انجام دہی میں شاہ وگدا ہی لائن میں کھڑے نظر نہیں آتے ہیں، ماضی بعید میں اس کی مثال فتاویٰ عالمگیری سے پیش کی جاسکتی ہے اور جہاں تک تعلق ہے بوریہ نشیں علما وفقہا کی؛ اس میدان میں، خدمت، جدوجہد اور جانکاہی اور جان سوزی کا تو اس کا نہ کوئی حساب پیش کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کے اعداد وشمار بتلائے جاسکتے ہیں۔

خود ہمارے ملک ہندوستان میں جو ہمیشہ سے دین وشریعت کا مرکز رہا ہے، اس موضوع پر ایسی خدمات انجام دی

جا چکی ہیں کہ ان کا اعتراف عالم عرب اور عالم اسلام کے فقہا اور مشائخ بھرپور عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کی تالیفات ومصنفات سے استفادہ کو اپنے لیے عزت وشرف کا باعث سمجھتے ہیں، ایسے اصحاب افتا اور ارباب زہد وتقویٰ میں امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی، امام الفقہ حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی وغیرہ وغیرہ کے اسماء گرامی فقہ وفتاویٰ کی دنیا میں ہمیشہ چمکتے دمکتے رہیں گے، چنانچہ آج تک یہ حضرات اپنے تمام کارناموں کے ساتھ علمی دنیا میں اپنی شناخت اور بلند حیثیت قائم کئے ہوئے ہیں۔اس موجودہ دور میں بھی بحمد اللہ فقہ وفتاویٰ اور اس کے متعلقات کی تشریحات وتحقیقات کا سلسلہ برابر جاری وساری ہے، اس ضمن میں فتاویٰ رشیدیہ، فتاویٰ اشرفیہ، فتاویٰ خلیلیہ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، فتاویٰ رحیمیہ، فتاویٰ محمودیہ کے عظیم الشان اور قیمتی مجموعوں کو بطور استناد وثبوت دیکھا جاسکتا ہے۔

بڑی خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ اس سلسلۃ الذہب میں حال ہی میں ایک مستند مجموعہ بنام **''فتاویٰ علماء ہند''** کا اضافہ حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی کے قلم سے ترتیب، تحقیق اور تعلیق کے بعد وجود میں آیا ہے اور جو مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی کی زیرنگرانی منظمۃ السلام العالمیۃ ممبئی سے متعدد جلدوں میں شائع ہو رہا ہے اور اس کی دو جلدیں اس وقت احقر کے پیش نظر ہیں اور بڑی خوشی ومسرت کی بات ہے کہ ہندوستان وپاکستان کے ایسے قابل قدر ولائق اقتداء حضرات اہل علم کی اس پر تقریظات اور تصدیقات موجود ہیں، جو کسی بھی طرح سے دین وشریعت کے معاملہ میں نہ مداہنت برتتے ہیں اور نہ احوال وماحول سے متأثر ہو کر فقہ اسلامی میں کسی تغیر وتبدل کے قائل ہیں۔

اس لحاظ سے ان حضرات کی تصدیقات وتوثیقات پیش نظر کتاب ''فتاویٰ علماء ہند'' کے اعتماد واعتبار اور اس کو لائق تحسین وتبریک بنانے میں اپنا گہرا کردار ادا کرچکیں۔(ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء)

اللہ جل شانہ مفتی صاحب موصوف کی اس خدمت جلیلہ کو قبول فرما کر عمومی نفع کا ذریعہ بنائے۔(آمین)

(سید محمد شاہد غفرلہ)

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی

٨/ذی قعدہ ١٤٣٦ھ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

حامدًا ومصلیًا !

فتاویٰ نویسی ایک ذمہ داری والا کام اورامت کی عظیم خدمت ہے،علماء کرام نے اس کام کو بڑی عزیمت اور جانفشانی کے ساتھ دیا ہے، بہت سے مفتیان کرام تو وہ ہیں، جنھوں نے زندگی بھر فتویٰ کا معاوضہ نہیں لیا، حبسِ وقت کی وجہ سے گنجائش اور جواز کے باوجود انہوں نے اسے ذریعۂ معاش نہیں بنایا، خصوصاً ہندو پاک کے اکثر مفتیان کرام کی زندگی میں یہ وصف نمایاں رہا ہے۔

جس اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بےلوث خدمت انجام دی جاتی رہی، وہ بڑا قدرداں اور ذرہ نواز ہے، اخلاص والے کاموں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نئے نئے طریقوں سے فرماتے ہیں اور اس کے لیے بندوں کو نئی نئی راہیں سجھاتے رہتے ہیں، جیسا کہ وعدہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ. (سورۃ العنکبوت: ٦٩)

زیرِنظر کتاب **’’فتاویٰ علماء ہند‘‘** بھی بندہ کی نظر میں اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے خدام مفتیان کرام کی کاوشوں کی حفاظت اور ان کے فتاویٰ سے مزید آسان استفادہ کروانا چاہتے ہیں اور اپنی قدرت کا مظاہرہ بھی کرنا چاہتے ہیں کہ پہلا ’’فتاویٰ ہندیہ‘‘ (عالمگیری) بھی ہم ہی نے لکھوایا تھا اور موجودہ ’’فتاویٰ ہندیہ‘‘ (فتاویٰ علماء ہند) بھی ہم ہی لکھوار ہے ہیں، وہ کام بادشاہوں سے کروایا تھا اور یہ کام فقیروں سے کروار ہے ہیں؛ تا کہ یہ سمجھ میں آجائے کہ کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

قابل مبارک باد ہیں حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی مدظلہ العالی اور ان کے سرپرست ومعاون داعی کبیر بھائی شمیم انجینئر مدظلہ العالی، کہ اس عظیم خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان خوش نصیب بندوں کو منتخب فرمایا۔ان بزرگوں کے حق میں یُسر وسہولت کی دعا کے ساتھ اپنے اسلامی بھائیوں سے گذارش بھی کرتا ہوں کہ اس کارِخیر میں ان بزرگوں کی دامے، درمے، سخنے ہر طرح سے بڑھ چڑھ کر مدد کریں۔

جزاکم اللہ خیر الجزاء. فقط والسلام

۱۲/۷/۲۰۱۵ء (مفتی) محمد شاکر خان قاسمی، پونا مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین،اللّٰھم صل وسلم وبارک علی عبدک
ورسولک محمد،أشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین،أمابعد!

الحمدللہ ''فتاویٰ علماء ہند'' کی چھٹی جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، یہ محض خداوندقدوس کے کرم اور بے پناہ فضل کے صدقے ممکن ہو پارہا ہے، ورنہ ہمہ وقت یہ احساس غالب رہتا ہے کہ یہ ایک بہت اہم اور نازک ذمہ داری ہے۔

ماشاء اللہ یہ جلد ''فتاویٰ علماء ہند'' کی چھٹی اور کتاب الصلاۃ کی تیسری جلد ہے، جس میں اذان واقامت، پاکی وناپاکی اور قبلہ کے مسائل مذکور ہیں۔

سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں کتاب کی ضخامت کے پیش نظر مکررات کے حذف کرنے اور مفتیٰ بہ مسائل کے اضافے کا خاصہ اہتمام کیا گیا ہے؛ لیکن بہرحال یہ ایک بشری کاوش ہے، جس میں خطاوصواب کا امکان ہے، چنانچہ ناظرین سے التماس ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں۔

میں اس بات پر اپنے مالک کا جتنا شکر کروں کم ہے کہ کتاب اہل علم کے نزدیک خوب مقبول ہورہی ہے، ہر چہار جانب سے مراسلات موصول ہورہے ہیں، ان کی ہمت افزائی کے کلمات وتأثرات نے کام میں جلابخش دی ہے، اللہ پاک محض اپنے کرم سے قبول فرمائے۔

میں مشکور ہوں؛ اپنے ان تمام دوستوں اور بزرگوں کا، جنہوں نے اس کام کی تکمیل میں ہماری معاونت کی اور ہمارے ساتھ تصحیح ومراجعت کے کاموں میں ہمہ تن شریک رہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

یکم ربیع الاخریٰ ۱۴۳۷ھ
مطابق: ۱۲؍ جنوری ۲۰۱٦ء

بندہ محمد اسامہ شمیم الندوی
رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الواحد القھار والصلوٰۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی اٰلہ وصحبہ أجمعین.

أمابعد!

شریعت محمد یہ میں حکم خداوندی کی اتباع کی بڑی اہمیت ہے۔نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ ساری عبادتیں اصل میں حکم الٰہی کی تابعداری سے مربوط ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے ''**فتاویٰ علماء ہند**'' کی نماز کے مسائل سے متعلق جلد-٦ کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، فتاویٰ کی اہمیت وافادیت دین اسلام میں قرن اول سے آج تک برقرار ہے، انشاء اللہ آئندہ بھی رہے گی۔جلد-۵ میں اوقات نماز کے علاوہ اذان سے متعلق مسائل کا احاطہ کیا گیا تھا، اس جلد میں اذان واقامت کے مسائل کے علاوہ نماز میں بدن، کپڑے، اور مکان کی پاکی، نیت، استقبال وانحراف قبلہ وغیرہ سے متعلق مسائل کو شامل کیا گیا ہے۔حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔جس کی وجہ سے جدید اور قدیم تمام اہم مسائل شامل ہوگئے ہیں۔امید ہے کہ علماء، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو نقل کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہوگئے ہیں۔(والحمد للّٰہ علی ذٰلک)

میں شکر گذار ہوں اپنے احباب ومعاونین کا جو ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے تحت میرے ساتھ فتاویٰ کی ترتیب وتزئین میں شریک ہیں، اسی طرح شکر گذار ہوں اپنے بزرگ الحاج شمیم احمد صاحب (انجینئر) اور عزیز گرامی مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی زید مجدہم کا، جن کی خصوصی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے؛ اللہ ان کی اس سعی کو قبول فرمائے اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔(آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)
ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ

۳۰؍ربیع الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
مطابق: ۱۱؍جنوری ۲۰۱۶ء

قال عثمان بن عفان رضى اللّٰه عنه:

”من عمل عملاً، كساه اللّٰه رداء ه

إن خيرًا فخير وإن شرًا فشر“.

(مصنف ابن أبى شيبة (ح: ٣٥٤٢٠)

شہادتین کے وقت انگوٹھا چومنا

اذان میں شہادتین پرانگوٹھے چومنا کیسا ہے:

سوال: اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھوں کو بوسہ دینا کیسا ہے، جوشخص اس سے منع کرے اس کی اقتدا نماز میں جائز ہے یانہیں اور جوانگوٹھوں کو بوسہ نہ دے وہ گنہگار ہے یا نہ؟ اگر بوسہ دینا مستحب یا سنت ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

الجواب

استحباب تقبیل ابہامین کی دلیل، شامی کی یہ عبارت ہے:

يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادتين "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" وعند الثانية منها "قَرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" ثم يقول "اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" بعد وضع ظفرى الإبهامين على العينين فإنه عليه السلام يكون قائدًا له إلى الجنة. كذا في كنز العباد، قهستاني، ونحوه في الفتاوىٰ الصوفية، وفي كتاب الفردوس: من قبّل ظفرى إبهاميه عند سماع "أشهد أن محمدًا رسول الله" في الأذان أنا قائده ومدخله في صفوف الجنة. وتمامه في حواشي البحر للرملي عن المقاصد الحسنة للسخاوي. وذكر ذلك الجراحي وأطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. (رد المحتار: ٢٦٧/١، باب الأذان)(١)

آخرعبارت شامی سے یہ بھی واضح ہوا کہ مرفوع حدیث صحیح اس بارہ میں نہیں ہے۔ غایت یہ کہ ضعیف حدیث پر بھی فضائل اعمال میں عمل کرنا درست ہے، مگراس کی شرط یہ ہے کہ اس فعل کو مسنون نہ سمجھے۔ كذا في الدر المختار. (٢)

پس چونکہ بعض عوام کواس میں غلو ہوگیا اوراس کو سنت سمجھ کر کرتے ہیں اورتارک پر طعن وملامت کرتے ہیں۔ اس لئے ترک اس کا علماء محققین احوط سمجھتے ہیں اوروہ شخص گناہ گارنہیں۔ اقتدا اس کی درست ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم: ١٠٦/٢-١٠٧) ☆

---

(١) مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة، انيس

(٢) {فائدة} شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه، وأن يدخل تحت أصل عام وأن لايعتقد سنية ذلك الحديث. (الدر المختار على صدر رد المحتار، سنن الوضوء، مطلب في بيان ارتقاء الحديث الضعيف إلى مرتبة الحسن: ١٢٨/١، دار الفكر بيروت)

==

’’محمد رسول اللّٰہ‘‘ پر انگوٹھا چومنا کیسا ہے:

سوال: ’’أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه‘‘، سن کر ’’قُرَّةُ عَيْنِى بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ‘‘ کہہ کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

بعض فقہا نے لکھا ہے کہ ’’أشهد أن محمداً رسول اللّٰه‘‘، سن کر ’’ قَرَّتْ عَيْنِى بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ‘‘ کہنا

== قال ابن مفلح فى الآداب الكبرىٰ قطع غيرواحد ممن صنف فى علوم الحديث حكاية عن العلماء أنه يعمل بالحديث الضعيف فيماليس تحليلاً ولاتحريماً كالفضائل.(التحبير شرح التحرير:١٩٤٥/٤)

لقداختلف العلماء فى الاحتجاج بالحديث الضعيف،والحق أن الحديث الضعيف يحتج به فى فضائل الأعمال والترغيب والترهيب - مالم يكن موضوعاً - ولايحتج به إلابشروط هى كما يلى:

الشرط الأول: ألايكون الضعف شديداً فيخرج عن هذا من انفردمن الكذابين،والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه.

الشرط الثانى: أن يندرج تحت أصل معمول به.

الشرط الثالث: ألايعتقد - عندالعمل به - ثبوته ؛لئلا ينسب إلى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم مالم يقله، بل يعتقدالاحتياط .

وأماالأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق ونحوذلك فلايعمل فيهاإلابالحديث الصحيح أوالحسن فقط.(المهذب فى علم أصول الفقه المقارن،المطلب الخامس فى الخبرالواحد:٨٣٩/٢.انيس)

☆ اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھا چومنا:

سوال: اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھا چومنا اور آنکھوں سے لگانا اور ’’قرة عينى بك يارسول اللّٰه‘‘ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

علامہ شامیؔ نے کنز العبّادؔ سے نقل کیا ہے کہ شہادتین کے وقت اذان میں ایسا کرنا مستحب ہے، پھر جراحیؔ سے نقل کیا ہے:

’’ولم يصح فى المرفوع من كل هذا شىء‘‘. (رد المحتار، باب الأذان،مطلب فى كراهة تكرارالجماعة،تتمة: ٣٧٠/١،ظفير)

اور نہیں صحیح ہے مرفوع حدیث میں اس میں سے کچھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ سنت سمجھ کر یہ فعل کرنا صحیح نہیں ہے، چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ اس کو سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور تارک کو ملام ومطعون کرتے ہیں۔ اس لئے اب اس کو علمائے محققین نے متروک کر دیا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۹۰/۲)

مستحب ہے،اور بعض روایات اس بارہ میں نقل کی ہیں جو ثابت نہیں ہیں،اور قول وفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ عمل ثابت نہیں ہے، پس ترک اس کا احوط ہے، بوقتِ اذان جو کلمات منقول ہیں،اس کو معمول بہ بنانا چاہئے،''إحداث فی الدین''(۱) نہ کرے۔فقط

جواب صحیح ہے۔اس سوال کے متعلق یہ بھی سمجھ لیا جاوے کہ بعض احادیث موقوفہ بھی اس باب میں آئی ہیں، قطع نظر صحتِ سند کے اس میں دو امر قابل لحاظ ہیں۔

ایک یہ کہ! ان روایات میں یہ عمل بطور علاج وحفاظتِ رمد کے آیا ہے، جو ایک امر دنیوی ہے،اس میں کوئی فضیلت وثواب وغیرہ نہیں اور اب لوگ اس کو ثواب وتعظیم نبوی، کہ امر دینی ہے، سمجھ کر کرتے ہیں،اور تداوی کو عبادت سمجھنا بدعت ہے۔(۲) اس لئے یہ اس اعتقاد سے بدعت ہوگا۔

دوم یہ کہ! کرنے والے اس کا التزام عملی واعتقادی کرتے ہیں اور تارک کو مطعون سمجھتے ہیں۔(۳) فقط

کتبہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۲۵-۱۲۶)

---

(۱) عن عائشة قالت:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:''من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهورد''.(الصحيح لمسلم،كتاب الأقضية،باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور.رقم الحديث:۱۷۱۸)

قال أهل العربية الرد هٰهنا بمعنى المردود ومعناه فهو باطل غير معتد به وهذا الحديث قاعدة عظيمة من قواعد الإسلام وهو من جوامع كلمه صلى الله عليه وسلم فإنه صريح فى رد كل البدع والمخترعات.(شرح النووى لمسلم،باب نقض الأحكام الباطلة،الخ:۲/۱۶.انيس)

(۲) وأما إن لم يثبت انحتام الدفع فيمكن اعتبار جهة التسليط والابتلاء وأن ذلك الشاق مرسل من المسلط المبلى فيستسلم العبد للقضاء ولذلك لما لم يكن التداوى محتمًا، تركه كثير من السلف الصالح وأذن عليه الصلاة والسلام فى البقاء على حكم المرض كما فى حديث السوداء المجنونة التى سألت النبى صلى الله عليه وسلم أن يدعو لها، فخيرها فى الأجر مع البقاء على حالتها أو زوال ذلك ، وكما فى الحديث:''ولا يكتوون وعلى ربهم يتوكلون''.ويمكن اعتبار جهة الحظ بمقتضى الإذن و يتأيد بالندب كما فى التداوى حيث قال عليه الصلاة والسلام:''تداووا فإن الذى أنزل الداء أنزل الدواء''،وأما إن ثبتت الاباحة فالأمر أظهر.(الموافقات،النوع الثانى فى بيان قصد الشارع ....:۲/۲۶۲.انيس)

(۳) قال العلامة الحلبى:كل مباح يؤدى إليه أى (إلى اعتقاد الجهلة سنيتها)فمكروه. (غنية المستملى المعروف بالكبيرى،فصل فى مسائل شتىٰ:۵۶۹.انيس)

فى الشامى:۱/۲۹۳، باب الأذان،مطلب فى كراهة تكرار الجماعة (تتمة):

يستحب أن يقال عند سماع الأولىٰ من الشهادة''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ''وعند الثانية منها''قُرَّتْ عَيْنِىْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ''(إلىٰ قوله) وذكر ذلك الجراحى وأطال ثم قال:ولم يصح فى المرفوع من كل هذا شئ، الخ. (محمد جميل الرحمن غفرله)

اذان واقامت میں شہادتین پر انگلیوں کو چومنا:

سوال: اذان یا اقامت یا دوسرے اوقات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر انگلیوں کو چومنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شرعاً یہ ثابت نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۱۲/۵/۰ ۱۳۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۱۹)

شہادتین سن کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے:

سوال: پنجابی زبان میں ایک کتاب ہے، جس کا نام پکی روٹی کلاں ہے، اس میں تقبیل ابہامین وقت اذان نزدیک سننے "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" کے متعلق حدیث لکھی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی وقت شہادت دے نونہہ دائیں انگوٹھیاں دے اے اکھیں دے رکھیں دے رکھدا اتے چمدا اتے پڑھدا "قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" حق تعالیٰ گناہ اسدے بخشیندا ہے اوسیدیاں اکھیں کدی درد کرسن اتے پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا لے ڈرساں اسنوں طرف بہشت دے، جناب یہ تحریر فرمائیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا موضوع اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

تقبیل ابہامین کا کوئی پختہ ثبوت نہیں۔ اس لئے اس کو موجب ثواب سمجھ کر کرنا بے ثبوت بات ہے۔ البتہ بعض لوگ اس کو بیماری چشم سے محفوظ رہنے کا عمل سمجھ کر کرتے ہیں تو اس صورت میں مثل دیگر عملیات وتعویذات کے یہ عمل بھی مباح ہوگا، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تارک پر کوئی طعن یا ملامت نہ کی جائے، جو اس عمل کو کرے کرے جو نہ کرے نہ کرے۔(۲) فقط (کفایت المفتی:۳/۵۷)

(۱-۲) "ذكر ذلك الجراحي وأطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء". (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ۳۹۸/۱، ط: سعيد كمپنی)

وحكى الشمس محمد صالح المدني إمامها وخطيبها في تاريخه عن المجد - أحد القدماء من المصريين - أنه سمعه يقول: من صلى على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سمع ذكره في الأذان، وجمع أصبعيه المسبحة والإبهام وقبلهما ومسح بهما عينيه لم يرمد أبداً، ثم قال ابن صالح المذكور: وسمعت ذلك أيضاً من الفقيه محمد بن الزرندي عن بعض شيوخ العراق أو العجم أنه يقول عندما يمسح عينيه: "صلى اللّٰه عليك ياسيدي يارسول اللّٰه ياحبيب قلبي يانور بصري ياقرة عيني"، وقال لي كل منهما: منذ فعلته لم ترمد عيني، قال ابن صالح: وأنا ولله الحمد والشكر منذ سمعته منهما استعملته فلم ترمد عيني، وأرجو أن عافيتهما تدوم، وإني أسلم من العمى إن شاء اللّٰه تعالیٰ. ==

سوال مثل بالا و جواب دیگر:

سوال: اذان کے وقت انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنا حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں اور بشرط ثبوت تارک قابل ملامت ہے یا نہیں؟

الجواب

اذان میں کلمہ ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' سن کر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، اس کے متعلق جو روایت مسند فردوس وغیرہ میں ہے وہ صحیح نہیں ہے، بعض بزرگوں نے اس فعل کو آنکھوں کی بیماری سے محفوظ رہنے کا ایک عمل قرار دیا ہے تو یہ شرعی بات نہ ہوگی۔ اگر اس کو یہ سمجھ کر کرے کہ اس عمل کو کرنے سے آنکھیں نہیں دکھتیں تو اسے اختیار ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی یہ عمل نہ کرے تو اسے مجبور نہ کیا جائے نہ اس پر اعتراض کیا جائے، کیونکہ عملیات اور تعویذات کوئی شرعی چیزیں نہیں ہیں، ہر شخص کو حق ہے کہ کوئی عمل کرے اور تعویذ باندھے یا عمل نہ کرے اور تعویذ نہ باندھے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جواب دیگر: تقبیل ابہامین بحیثیت ایک شرعی فعل کے صحیح سند سے ثابت نہیں، ہاں ایک رقیہ کی حیثیت سے بعض بزرگوں نے یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ آنکھیں دکھنے سے محفوظ رہیں تو بحیثیت رقیہ کے کوئی کرے کرے اور نہ کرے تو مورد الزام نہیں ہوسکتا۔(۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۵۷/۳-۵۸) ☆

== قال وروى عن الفقيه أبى الحسن على بن محمد: من قال: حين يسمع المؤذن يقول: ''أشهد أن محمداً رسول الله'' مرحباً بحبيبى وقرة عينى محمد بن عبدالله صلى الله عليه وسلم ويقبل إبهاميه ويجعلهما على عينيه؛ لم يعم ولم يرمد.

ونقل عن الطاؤوسى أنه سمع من محمد بن أبى نصر البخارى حديثاً: من قبل عند سماعه من المؤذن كلمة الشهادة ظفرى إبهاميه ومسحهما على عينيه، وقال عند المسح: اللهم احفظ حدقتى ونورهما ببركة حدقتى محمد صلى الله عليه وسلم ونورهما لم يعم. ولم يصح فى المرفوع من كل هذا شىء. (كشف الخفاء، ت: هنداوى، حرف الميم: ٢٤٤/٢/ كذا فى المقاصد الحسنة، حرف الميم: ٦٠٦/١. انيس)

(١-٢) ذكر ذلك الجراحى وأطال ثم قال: ولم يصح فى المرفوع من كل هذا شىء. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ٣٩٨/١، ط: سعيد كمپنى)

حديث: ''من قال حين يسمع أشهد أن محمداً رسول الله مرحباً بحبيبى وقرة عينى محمد بن عبدالله ثم يقبل إبهاميه ويجعلهما على عينيه لم يعم ولم يرمد أبداً'' قال فى التذكرة: لا يصح. (الفوائد المجموعة فى الأحاديث الموضوعة، كتاب الصلاة: ٢٠/١، ح: ١٩. انيس) ==

== ☆ **اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھے چومنا:**

سوال: اذان کے وقت "أشهد أن محمدًا رسول الله" پر لوگ اکثر انگوٹھے چوم کر کے آنکھوں پر لگاتے ہیں، تو یہ جائز ہے کہ ناجائز؟ اس کو بالتشریح تحریر کیجئے گا؟

(المستفتی نمبر: ۱۱۷۳، عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور) ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ، م ۸/ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر لگانے کا کوئی ثبوت نہیں۔ (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة، تتمة: ۱/ ۳۹۸، ط: سعید کمپنی)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۵۱)

شہادتین سن کر انگوٹھے چومنا ثابت نہیں:

سوال: جب مؤذن اذان دیتا ہے تو سننے والا "أشهد أن محمدًا رسول الله" پر دونوں انگشت چوم کر آنکھوں پر رکھتا ہے تو کیا یہ گناہ ہے یا ثواب؟

الجواب

شہادتین سن کر انگوٹھے چومنا ثابت نہیں۔ (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة، تتمة: ۱/ ۳۹۸، ط: سعید کمپنی) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۵۴)

ایضاً:

سوال: بے شک حدیث صدیق اکبرؓ موضوع ہے؛ لیکن شامی نے لکھا ہے کہ "**تقبیل ظفر إبهامین عند استماع اسمه صلی الله علیه وسلم عند الأذان**" جائز ہے۔

الجواب

شامی نے اس مسئلے کو قہستانی سے اور قہستانی نے کنز العباد سے نقل کیا ہے، نیز شامی نے فتاویٰ صوفیہ کا حوالہ دیا ہے، کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ دونوں قابل فتویٰ دینے کے نہیں ہیں اور جب کہ حدیث کا ناقابل استدلال ہونا ثابت ہے تو پھر اس کو سنت یا مستحب سمجھنا بے دلیل ہے اور اس کے تارک کو ملامت یا طعن کرنا مذموم، زیادہ سے زیادہ اس کو بطور علاج رمد کے ایک عمل سمجھ کر کوئی کرے، تو مثل دیگر اعمال کے مباح ہوسکتا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت ثابت نہیں۔ (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة، تتمة: ۱/ ۳۹۸، ط: سعید کمپنی) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۴۷) ==

تکبیر میں شہادتین پر انگوٹھا چومنا:

سوال: اگر کوئی شخص ایک اذان صرف فجر کی دیتا ہو اور اقامت نہ کہتا ہو اور روزانہ کا معمول بنا لیا ہو، اس خیال سے کہ ہمیں ''حی علی الصلوٰة'' پر کھڑا ہونا ہے، اس سے پہلے ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' پر ہاتھوں کو آنکھوں پر لگا کر چومنا ہے۔ یہ مسئلہ اسلامی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟

هو المصوب

شخص مذکور کو اذان دینا چاہئے اور کھڑے ہو کر اقامت بھی کہنا چاہئے، بیٹھنا لازم نہیں ہے۔

والأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم.(١)

اور اس سلسلہ میں حدیث بھی ہے:

''من أذن فهو يقيم''.(٢)

== اذان میں کلمۂ شہادت پر انگلیوں کو چومنا:

سوال(١) اذان کے وقت جب ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' کہا گیا، تو سب نے انگلیاں چوم کر آنکھوں سے لگائیں؟

(٢) اذان کے تھوڑی دیر بعد، درود شریف بآواز بلند ایک صاحب نے پڑھا۔

هو المصوب

(١) آشوب چشم کے لئے یہ عمل بزرگوں سے منقول ہے، یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔(ذكر ذلك الجراحي و أطال ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء.(رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ٦٨/٢)

(٢) درود شریف پڑھنا باعث ثواب و برکت ہے، اذان کے بعد لازم و متعین طور پر پڑھنا بدعت ہے۔(''من أحدث في أمرنا هذا فهو رد''.(الصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب بيان نقض الأحكام الباطلة ومحدثات الأمور. رقم الحديث: ١٧١٨)/(والبدعة بالكسر: الحدث في الدين بعد الإكمال، أو ما أحدث بعد النبي صلى الله عليه وسلم من الأهواء والأعمال.(القاموس المحيط، فصل الباء: ٧٠٢/١-انيس)

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔(فتاویٰ ندوة العلماء: ٣٧٢/١)

---

(١) الفتاویٰ الهندية: ٥٤/١، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن.

وينبغي أن كون المؤذن والمقيم واحداً لما روى زياد بن الحارث الصدائي قال أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يؤذن في صلاة الفجر فأراد بلال أن يقيم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء قد أذن ومن أذن فهو يقيم، الخ.(رسائل الأركان، فصل في الأذان: ٦٦، المطبع العلوي لكناؤ. انيس)

(٢) جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء أن من أذن فهو يقيم. رقم الحديث: ١٩٩-(وكذا في المصنف لعبد الرزاق الصنعاني، باب من أذن فهو يقيم (ح: ١٨٣٣)/سنن أبي داؤد، باب رفع الصوت بالأذان (ح: ٥١٤)انيس)

انگوٹھے کو چومنا سنت سمجھ کر اس طرح کرنا درست نہیں ہے اور چونکہ اکثر لوگ اس کو سنت سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو لعن طعن کرتے ہیں، اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ نے جراحیؒ سے نقل کیا ہے:

''ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیء''.(۱)

لہذا احدیث مرفوع سے اس طرح کرنا صحیح نہیں ہوا۔ بہتر یہی ہے کہ پہلے ہی سے کھڑے ہو کر صفوں کو سیدھا کرلیا جائے اور پھر امام کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ اقامت مکمل ہونے کے بعد ہی تکبیر تحریمہ (تکبیر اولیٰ) باندھے۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۲/۳۷۲-۳۷۳)

بوقت اذان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ناخنوں کو آنکھوں سے لگانا:

سوال: اذان کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کو آنکھوں سے لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

بعض فقہاء نے اس کو مستحب قرار دیا اور اس سلسلہ میں حدیث بھی نقل کردی۔ مگر وہ صحیح نہیں اور امر مستحب میں کرنے والا اور چھوڑنے والا کوئی بھی مستحق ملامت نہیں ہوا کرتا۔

جامع الرموز میں ہے:

''اعلم أنه یستحب أن یقال عند سماع الأولیٰ من الشهادة ''صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' و عند سماع الثانیة منها ''قُرَّتْ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ''، ثم یقال ''اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ'' بعد وضع ظفری الإبهامین علی العینین فإنه صلی اللّٰه علیه وسلم یکون قائدًا له إلی الجنة، کذا فی کنز العباد، انتهٰی(۲) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۰۱)

اذان واقامت میں نام مبارک پر انگوٹھے چومنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ جس وقت مؤذن اقامت میں '' أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه''، بولے تو سننے والا دونوں انگوٹھوں کو چوم کر دونوں آنکھوں پر رکھے یا نہیں، اگر رکھنا ہے تو آیا جائز آیا

(۱) رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة، تتمة:۶۸/۲۔(کشف الخفاء للجراحی، ت:هنداوی، حرف المیم: ۲۴۴/۲/ وکذا فی المقاصد الحسنة، حرف المیم: ۶۰۶/۱۔انیس)

(۲) جامع الرموز، کتاب الصلاة، فصل الأذان: ۷۰، ط:مظهر العجائب کلکته.انیس

مستحب آیا واجب آیا فرض ہے، اور جو شخص اس کا مانع ہووے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر نہیں رکھتا ہے، تو آیا مکروہ تحریمہ آیا حرام ہے؟ اور مرتکب اس فعل کا ہووے اور اس کا جو حکم کرے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ جدید یہ کہ اذان پر قیاس کر کے تحریر نہ فرماویں، بلکہ درصورت جواز یا عدم جواز کسی کتاب معتبر سے عبارت نقل کر کے تحریر فرماویں؟

الجواب

اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعضے لوگوں نے اس بارہ میں روایت کیا ہے، وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں۔ چنانچہ شامی بعد نقل عبارت کے لکھتے ہیں:

وذكر ذلك الجراحي وأطال ثم قال ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء، انتهٰى. (۲٦٧/۱)(۱)

مگر اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں، پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت چومنے سے بھی زیادہ بدعت اور بے اصل ہے۔ اسی واسطے فقہا نے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔ یہ عبارت شامی کی ہے۔

ونقل بعضهم أن القهستاني كتب علىٰ هامش نسخته أن هذا مختص بالأذان وأما في الإقامة فلم يوجد بعد الاستقصاء التام والتتبع. (۱/:۲٦٧)(۲)☆

۵/محرم الحرام ۱۳۰۱ھ (امداد: ۴/۵۷)۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/۲۵۹)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیتے وقت دونوں انگوٹھوں کے ناخن کو چومنا:

سوال: تقبیل الابہامین یعنی بوقت کہنے مؤذن کے ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' بنام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ناخن دونوں انگوٹھوں کے چوم کر آنکھوں پر رکھنے بدعت ہیں یا سنت؟ اگر اس کی کوئی اصل ہو تو وہ حدیث یا اثر جس قدر تعداد میں ذہن مبارک میں ہوں بقید نام کتاب حدیث باب وفصل وصفحہ مرقوم فرما کر ممنون ومشکور فرماویں، ایک

(۱-۲) رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ۱/۳۹۸، ط: سعيد كمپنى، انيس

☆ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کہنے پر ہاتھ چومنا:

سوال: اذان کے وقت محمد رسول اللہ کہنے پر ہاتھ چومنا کیسا ہے؟ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ آنکھوں میں لگانے سے دکھتی نہیں؟

الجواب

اذان کے وقت جو عادت ہے، انگوٹھوں کے چومنے کی یہ فی نفسہ آشوب چشم کا عمل تھا، لیکن لوگ اس کو ثواب اور تعظیم اسم مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر کرتے ہیں، اس لیے بدعت ہے اور اگر اعتقاد نہ ہو، تو دوسرے کو شبہ پڑے گا، اس لیے درست نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۴/ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد: ۴/۸۴)۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/۲۵۹-۲٦۰)

دفعہ کسی صاحب نے اس کے متعلق دو حدیثیں دو کتابوں سے پیش کی تھیں، اگرچہ ضعیف تھیں، لیکن کتابیں یاد نہیں رہیں، للہ جواب سے جلدی سرفرازی عطا فرماویں۔ **والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ.**

نیز اگر وہ حدیثیں ضعیف ہوں تو ارشاد ہو کہ ان پر عمل کرنے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

مقاصد حسنہ سخاوی میں ان روایات کی تحقیق ہے، ان کا مضمون صرف یہ ہے کہ یہ عمل ہے رمد یعنی آشوب چشم کا، مگر اب لوگ اس کو دین سمجھ کر کرتے ہیں، تو بدعت ہونا ظاہر ہے اور صحیح نیت پر بھی تشبہ ہے اہل بدعت کے ساتھ، اس لیے ترک لازم ہے۔(۱)

۱۹/ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص:۸۳) (امداد الفتاویٰ:۲۶۰/۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کیسا ہے:

سوال: --- احمد آباد سے شائع ہونے والے ماہنامے طیبہ (گجراتی) کے اگست ۱۹۶۰ء کے شمارے کے ایک فتوے کی نقل ارسال خدمت ہے، جس میں مرقوم ہے کہ بہت سے علماء ایسے ہیں جو فقہ حنفی پر عامل نہیں ہیں اور اس کے باوجود خود کو حنفی جتلاتے ہیں اور ناواقف مسلمانوں کو غلط راہ پر لے جاتے ہیں، یہ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک لیتے وقت خصوصا اذان کے وقت انگوٹھے چومنا بدعت ہے، جو لوگ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت کو بیان کرتے ہیں، انہیں یہ علماء بدعتی کہتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ ٹھیک ہیں یا نہیں؟ اور انگوٹھے چومنا سنت ٹھیرایا ہے، وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت کریں؟

الجواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پڑھ کر یا سن کر درود شریف پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس میں سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعظیم بھی ہے، ایک مجلس میں کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پڑھا جائے

(۱) عن عبداللّٰہ بن عمر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من تشبہ بقوم فھو منھم. (سنن أبی داؤد، باب فی لبس الشھرة (ح: ٤٠٣١)، وقد أخرجہ البزار فی مسندہ (ح: ٢٩٦٦) والطبرانی فی الأوسط (ح: ٨٣٢٧) عن حذیفة بن الیمان. انیس)

قال الإمام الصنعانی: ھذا الحدیث دال علی أن من تشبہ بالفساق کان منھم، أو الکفار، أو المبتدعة فی أی شيء مما یختصون. (فتح العلی الحمید فی شرح کتاب مفید المستفید فی کفر تارک التوحید، تفسیر قولہ: من تشبہ بقوم فھو منھم: ٨٧/١. انیس)

یا سنا جائے تو اس کے لئے فتویٰ یہ ہے کہ ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا مستحب اور کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے۔(درمختار وشامی:۱/۴۸۱)(۱) مگر اس وقت انگوٹھے چومنے کے متعلق کوئی صحیح یا ضعیف حدیث وارد نہیں ہے، لہذا نام مبارک لیکر یا سن کر انگوٹھے چومنے کو حدیث سے ثابت ماننا اور مسنون سمجھنا، اور اس کو آپ کی تعظیم ٹھہرانا غلط اور بے دلیل ہے، یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهورد". (صحيح البخاري، پ: ۱۰: ۱/۳۷۱/ ومسلم: ۲/۷۷)(۲)

(یعنی)''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات نکالی کہ جو دین میں داخل نہیں ہے تو وہ نا قابل تسلیم ہے''۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشاد ہے:

"من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهوردٌ". (مسلم: ۲/۷۷)(۳)

(یعنی)''جو شخص ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی جو ہمارے طریقہ پر نہ ہو) وہ رد ہے۔

نیز اذان واقامت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے کے ناخن چومنا ہے اور آنکھوں پر رکھنا اس فعل کو سنت سمجھا اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تصور کرنا اور اس کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعظیم وعزت ٹھیرالینا اور حنفی ہونے کی علامت بتلانا اور نہ چومنے والے کو لعن طعن اور ملامت کے قابل سمجھنا، یہ بھی غلط ہے اور دین میں تحریف (ردوبدل) کرنے کے مانند ہے، اتنی بات درست ہے کہ بعض علما نے کچھ ایسی حدیثوں کی بنا پر جن کو علماء محققین نے ضعیف قرار دیا ہے، یہ جائز اور بعض نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ اذان میں جب نام نامی آئے تو انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھے، مگر یہ بھی آنکھ کی بیماری کے عمل اور علاج کے طور پر ہے، عبادت اور سنت مقصودہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص تعظیم اور عظمت کے لئے نہیں۔(مقاصد حسنہ وغیرہ)

(مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ بھی یہی بتلا رہا ہے جو آگے تحریر ہے)۔

لیکن اب صورت یہ ہے کہ لوگ اس کو آپ کی خاص تعظیم اور دین وسنت مقصودہ سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو لعن طعن کرتے ہیں اور حقیقت کے خلاف اور اہل سنت سے خارج تصور کرتے ہیں، یہ تمام باتیں غلط ہیں اور ان کی بنا پر

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، مطلب في وجوب الصلاة عليه كلما ذكر عليه السلام: ١/٥١٦، دار الفكر بيروت. انيس

(۲) الصحيح للبخاري، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود (ح: ٢٦٩٧)/الصحيح لمسلم، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور (ح: ١٧١٨) انيس

(۳) الصحيح لمسلم، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور (ح: ١٧١٨)/مسند الإمام أحمد، مسند الصديقة عائشة (ح: ٢٥٤٧٢)/الصحيح للبخاري، كتاب البيوع، باب النجش (ح: ٢١٣٠) انيس

یہی ضروری ہے کہ ایسا نہ کیا جائے اور اس عمل کو ترک کر دیا جائے، فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ مستحب کو جب اپنے مرتبہ (درجہ) سے بڑھا دیا جاتا ہے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

"واستنبط منه أن المندوب ربما ينقلب مكروهًا إذا خيف أن يرفع عن رتبته". (مجمع البحار: ٢/٢٤٤)(١)

فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے کہ!

"قال ابن المنير: إن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن مرتبتها لأن التيامن مستحب في كل شيء من أمور العبادة لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته والله أعلم. (فتح الباری: ٢/٢٨١)(٢)

(یعنی) مستحبات مکروہات بن جاتے ہیں جبکہ انہیں اپنے اصلی مرتبہ سے بڑھا دیا جاتا ہے (مثال ملاحظہ ہو) ہر نیکی کے کام میں دائیں جانب سے ابتدا کرنا مستحب ہے، لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اپنے زمانے میں اس کا بے حد اہتمام دیکھا، تو اس کو مکروہ فرما دیا، کیونکہ ان کو خطرہ ہوا کہ لوگ اس مستحب کو واجب سمجھنے لگیں گے۔

بعض فقہا نے اپنے زمانہ میں ایام بیض (ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں، پندھویں) کے روزوں کے متعلق کراہت کا فتویٰ دیا، کیونکہ ان کے زمانہ میں ان روزوں کا عام رواج ایسا ہو گیا تھا کہ خطرہ ہوا کہ لوگ واجب سمجھنے لگیں گے، حالانکہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں، ان کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

"وكل مباح أدى إلى هذا فهو مكروه حتى أفتى بعض الفقهاء حين شاع صوم أيام البيض في زمانه بكراهته لئلا يؤدي إلى اعتقاد الواجب مع أن صوم أيام البيض مستحبة ورد فيه أخبار كثيرة فما ظنك بالمباح وما ظنك بالمكروه". (مجالس الأبرار: ٥/٢٩٩)

اس درجہ کی حدیث انگوٹھے چومنے کے متعلق کوئی پیش نہیں کر سکتا۔

اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے متعلق جو احادیث اور روایات آئی ہیں، وہ مسند الفردوس دیلمی کے حوالے سے **"موضوعات کبیر"** اور **" تذكرة الموضوعات"** اور **"الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة "** وغیرہ میں منقول ہیں۔

علامہ سخاوی کے حوالے سے ملا علی قاری مذکورہ روایات کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ!

"لايصح". (موضوعات کبیر: ٧٥)　　یعنی روایات صحیح نہیں ہے۔

---

(١)　مجمع بحار الأنوار، صرف: ٣/٣١٥، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية. انيس

(٢)　فتح الباری لابن حجر، باب الانفتال والانصراف عن اليمين: ٢/٣٣٨.

القسم الرابع: بدع مكروهة، وهي ماتناولته أدلة الكراهة من الشريعة وقواعدها كتخصيص أيام أوغيرها من العبادات ... ومن هذا الباب الزيادة في المندوبات المحدودات كما ورد في التسبيح عقيب الصلاة ثلاثة وثلاثين فيفعل مائة، الخ. (الفروق للقرافي، الفرق بين قاعدة الحدود وقاعدة التعازير: ٤/٢٠٤. انيس)

اور علامہ طاہرؒ رقمطراز ہیں کہ!

’’ولا یصح‘‘. (تذکرۃ الموضوعات: ۲٤)(۱)

یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

اور علامہ شوکانیؒ علامہ طاہر کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ!

’’لا یصح‘‘. (الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ: ۹)

اور امام المحدثین علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ!

’’الأحادیث التی رویت فی تقبیل الأنامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی اللّٰه علیه وسلم عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات‘‘. (تیسیر المقال وغیرہ)(۲)

(یعنی) موذن سے کلمۂ شہادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کے متعلق جو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں وہ سب موضوع یعنی غلط اور بناوٹی ہیں۔

موضوع حدیث پر عمل ناجائز ہے اور ضعیف حدیث پر بچند شرائط عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ امام سخاویؒ بحوالہ حافظ حدیث علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ!

’’ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ زیادہ ضعیف نہ ہو اور اس پر عمل کرنے والوں کا اعتقاد نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے‘‘۔ (القول البدیع: ۱۹۵)

اور شیخ الاسلام ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ!

’’اگر حدیث ضعیف ہو، موضوع نہ ہو تو عمل جائز ہے، لیکن اگر اس سے دین میں کوئی شعار یعنی امتیازی علامت قائم ہوتی ہو (جیسے کرنے والے کو سنی، حنفی اور نہ کرنے والے کو وہابی کہا جانے لگے) تو اس پر عمل کرنا ممنوع ہو جائے گا‘‘۔ (احکام الاحکام: ۱/۵۱)

اور علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ!

’’بعض اعمال فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہوتے ہیں مگر حیثیت بدل جانے سے یا بدل جانے کے خوف سے لائق ترک بن جاتے ہیں‘‘۔ (الاعتصام: ۲/۹۲)

---

(۱)　تذکرۃ الموضوعات، باب الأذان ومسح العینین فیه ونحوه: ۲٤/۱. انیس

(۲)　مسح العینین بباطن أنملة السبابتین أو ظفری إبهامیه ومسحهما علی عینیه عند سماع کلمة الشهادة من المؤذن، لا أصل له فی المرفوع نعم یرویٰ عن بعض السلف. (الجد الحثیث فی بیان مالیس بحدیث، باب المیم: ۲۰۹/۱. انیس)

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریف دین کے اسباب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ!

وأن يلتزم السنن والآداب كالتزام الواجبات، یعنی دین میں ایک تحریف یہ بھی ہے کہ سنن اور مستحبات کو واجب کی طرح لازم وضروری قرار دے لیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ:۱/۲۶۱)

تحریر بالا سے انگوٹھے چومنے کی شرعی حقیقت اور حیثیت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے؛ آپ کے بھیجے ہوئے فتاویٰ کی نقل میں بعض حوالات غلط ہیں اور بعض کتابیں مثلاً فتاویٰ صوفیہ، جامع الرموز، کنز العباد، خزانۃ الروایات اور شرح مختصر وغیرہ غیر معتبر ہیں، علامہ برکلی، علامہ عصام الدین، علامہ جلال الدین مرشدیؒ، علامہ ملّا علی قاریؒ اور علامہ ابن عابدین شامی نے ان کتابوں کے حوالے سے فتوے لکھنے کی ممانعت فرمائی ہے جب تک معتبر کتابوں سے کسی مسئلہ کی تائید نہ ہوتی ہو۔ (دیکھئے مقدمہ مفید المفتی:۹۴-۹۵)

اب آخر میں فرقہ رضاخانی کے بانی مبانی اور بریلی پارٹی کے حضور پرنور امام اہل سنت مجدد دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت مولانا الحاج القادری الشاہ احمد رضا خان بریلوی کی تحقیق اور آپ کا واضح فیصلہ پیش کرتا ہوں، غور سے ملاحظہ ہو فرمائیے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب سے پوچھا گیا کہ:

مسئلہ:　اکثر وبیشتر مخلوق خدا کا طریقہ ہے کہ اذان اور فاتحہ خوانی یعنی پنچایت پڑھنے کے وقت (ختم اجتماعی) انگوٹھے چومتی ہے اور علما بھی درست بتلاتے ہیں اور حدیث شریف سے ثابت کر دکھلاتے ہیں، تو یہ قول درست ہے یا نہیں؟

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے جواب کا اصل اور ضروری حصہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے، ملاحظہ فرمائیے؟

الجواب: اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخون چومنا، آنکھوں پر رکھنا، کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں، یہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے، کلام سے خالی نہیں، پس جو اس کے لئے ثبوت مانے یا اسے مسنون یا موکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے، ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد ہے ——— اور بعض کتب فقہ میں مثلاً جامع الرموز، شرح نقایہ وفتاویٰ صوفیہ، وکنز العباد وشامی حاشیہ درمختار کہ اکثر ان میں مستندات علمائے طائفہ اسماعیلیہ سے ہیں، وضع ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔ (ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال، ص:۱۱-۱۲)

مذکورہ بالا کتب کنز العباد، جامع الرموز، فتاویٰ صوفیہ، شامی وغیرہ میں جو انگوٹھے چومنے کو مستحب لکھا ہے، اس کو بھی مولانا احمد رضا خاں صاحب نے پسند نہیں کیا۔ آگے تحریر کرتے ہیں کہ "پس حق اس میں اس قدر ہے کہ جو کوئی بامید زیادتی روشنائی بصر مثلاً از قبیلہ اعمال مشائخ جان کر یا بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد

سنیت فعل وصحت احادیث وشناعت ترک اسے عمل میں لائے ،اس پر بنظر اپنے نفس فعل واعتقاد کے خیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی ومنع کو مستلزم نہیں ——— اور پنچایت (فاتحہ خوانی) کے وقت اس فعل کا ذکر کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا، اور فقیر کے نزدیک بر بنائے مذہب ارجح واصح غالباً ترک زیادہ انسب والیق ہونا چاہئے۔ (ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال:١٢، ١٣۔ ۱۳۳۸ھ حسنی پریس بریلی میں طبع ہوئی ہے۔)

مذکورہ فتوے کا حاصل یہ کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک مجلس فاتحہ خوانی جیسے موقع پر انگوٹھے چومنے کا ثبوت کسی بھی کتاب میں نہیں ہے، اس لئے ان کا نظریہ یہ ہے کہ نہ چومنا ہی زیادہ مناسب ہے۔

اور یہ بات کہ اذان کے وقت انگوٹھا چومنا ثابت ہے، اس کے متعلق بھی وہ فرماتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اور اس شخص کو غلطی پر مانتے ہیں جو اس کا قائل ہو کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے یا جو شخص نہ چومنے کو برا سمجھے ،صرف آنکھ کی روشنی کے علاج کے لئے مانتے ہیں، سنت نہیں سمجھتے اور ان احادیث کو ضعیف اور مجروح مانتے ہیں، جن میں اذان کے وقت چومنے کی کوئی فضیلت آئی ہے اور چومنے کی اجازت اس شرط پر دیتے ہیں کہ!

(١)　سنیت کا اعتقاد نہ ہو۔

(٢)　اس کے بارے میں جو حدیث ہے، اس کو صحیح نہ سمجھے۔

(٣)　نہ چومنے والے کو برا نہ جانے وغیرہ۔

یہ ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک مسئلہ کی حقیقت! جس کو سنی وہابی بلکہ کفر واسلام کی علامت ونشانی بتایا گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ١/ ۵۸۔ ٦٣) ☆

☆ اذان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے وقت انگوٹھا چومنا:

سوال: جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے اس وقت ہم دل سے درود شریف پڑھتے ہیں لیکن انگوٹھا نہیں چومتے۔ اس لئے بہت سے برادران اسلام وہابی کہتے ہیں۔ اور ایک دوست نے ''هدية الحرمين'' نامی گجراتی کتابچہ دیا ہے، اس میں ہے کہ جب اسم مبارک کا ذکر آوے، تو انگوٹھا چومنا چاہئے۔ اس کتاب کے حوالے یہ ہیں:

(١)　مسند الفردوس میں حضرت ابوبکر صدیق سے حدیث ہے کہ اذان میں ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' سنا، تو ہم نے شہادت کی دونوں انگلیوں کے پورو ے چومے اور آنکھوں سے لگائے۔

(٢)　''کتاب معارج النبوۃ'' اور ''فتاویٰ جواہر'' میں بھی حضرت آدم علیہ السلام نے بوسہ دیا وغیرہ لکھا ہے۔　==

==(۳) حضرت امام حسنؓ کی روایت ہے کہ جو آدمی اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنکر دونوں ابہام کو بوسہ دیکر آنکھوں پر رکھے گا تو وہ اندھا نہ ہوگا اور اس کی آنکھیں کبھی درد نہ کریں گی۔ (نور العینین)

علاوہ ازیں دیگر حوالجات کتب لکھے تھے مگر آپ واقف ہوں گے۔ لہذا حوالے نہیں لکھے ہیں۔ خلاصہ فرمائیں؟

الجواب

آپ ٹھیک کرتے ہو، سنت طریقہ یہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سنکر یا لیکر درود شریف پڑھنے کی فضیلت اور تاکید احادیث صحیحہ میں آئی ہے۔ مشکوۃ میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"البخيل الذى من ذكرت عنده فلم يصل عليّ". (۸۷)(سنن الترمذی، باب: ۱۰۱ (ح:۳۵۴٦)/السنن الكبریٰ للنسائی، من البخيل (ح: ۹۸۰۲)/عمل اليوم والليلة للنسائی، من البخيل (ح:۵۷)/شعب الإيمان، تعظيم النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ح:۱۴٦۵)/مشيخة قاضی المارستان، أبو الغنائم محمدبن أبی عثمان الدقاق (ح:۴۱۹)انیس))

حقیقت میں بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

اور فرمایا:

"رغم أنف رجل ذكرت عنده فلم يصل عليّ. (۸٦)(مسندالإمام أحمد، مسندأبی هريرة (ح: ۷۴۵۱)/سنن الترمذی، باب: ۱۰۱ (ح:۳۵۴۵)انیس)

ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

نوٹ: ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا یا سنا جائے تو اس کے بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے، پھر بعدہ مستحب ہے۔ مگر تقبیل ابہام کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهورد ". (الصحيح لمسلم : ۷۷/۲ رقم الحديث: ۱۷۱۸)

جوکوئی ایسا کام کرے جس کے متعلق ہمارا فرمان نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔

عن نافع أن رجلاً عطس إلٰى جنب ابن عمر رضی اللّٰه عنهما. فقال: "الحمد للّٰه والسلام علٰى رسول اللّٰه". فقال ابن عمر. رضی اللّٰه عنهما: وأنا أقول "الحمد للّٰه والسلام علٰى رسول اللّٰه" وليس هكذا علمنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، علمنا أن نقول: " الحمد للّٰه علٰى كل حال". (سنن الترمذی: ۱۵۳/۲، رقم الحديث: ۲۷۳۸، باب مايقول العاطش إذا عطس)

حضرت ابن عمر کے سامنے ایک آدمی نے چھینک کر **الحمد للّٰه** کے ساتھ **والسلام علٰى رسول اللّٰه** کی زیادتی کی، تو ابن عمر نے اس زیادتی کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہتا ہوں؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسی تعلیم نہیں دی، ہم کو چھینک پر " **الحمد للّٰه علٰى كل حال**" سکھلایا ہے۔ ==

== صرف اذان کے وقت جب مؤذن ”أشهد أن محمدًا رسول الله“ بار دیگر کہے، تو دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخن کو آنکھ پر رکھنے کے متعلق بعض عالموں نے لکھا ہے، مگر اول تو ایسی روایتوں کے حوالہ سے لکھا ہے، جو ضعیف ہیں، جن سے استدلال درست نہیں۔اس کے علاوہ بطور عبادت نہیں، بلکہ اس کو آنکھ کے مرض کا علاج بتایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص تعظیم کے طور پر نہیں۔(مقاصد حسنہ)(المقاصد الحسنة للسخاوی، حرف المیم: ٦٠٦/١. انیس)

اب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص تعظیم اور دین اور سنت مقصودہ سمجھ کر کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی سے طعن کیا کرتے ہیں؛ لہٰذا یہ بھی مکروہ ومنع ہے۔اعتصام میں ہے:

” ثم اقتحمت الصحابة ترك السنة حذرًا من أن يضع الناس الأمر علٰى غير وجهه فيعتقدونها فريضة (إلٰى)والرابع من باب الذرائع وهو أن يكون العمل فى أصله معروفًا إلا أنه يتبدل الاعتقاد فيه مع طول العهد بالذكرى“.(٤٩١/٢)(الاعتصام للشاطبی، فصل ماجاء فی الأحاديث فی ذم البدع وأهلها: ٩٩/١. ت: الهلالی، انیس)

خلاصہ یہ ہے کہ بعض عمل فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہوتے ہیں، مگر اس کی حیثیت بدل جانے یا بدل جانے کے اندیشہ کی وجہ سے وہ قابل ترک ہوتا ہے۔

دیکھئے! امور خیر کو جانب یمین سے شروع کرنا مستحب ہے۔مگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اس کا کافی اہتمام دیکھ کر واجب سمجھ لینے کے ڈر سے مکروہ ہونے کا حکم لگایا۔

قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها لأن التيامن مستحب فى كل شىء أى من أمور العبارة لكن لما خشى ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلٰى كراهته“. والله أعلم (فتح البارى شرح البخارى: ٢٨١/٢)

” وكل مباح أدى إلٰى هذا فهو مكروه حتى أفتٰى بعض الفقهاء حين شاع صوم أيام البيض فى زمانه بكراهته لئلا يؤدى إلى اعتقاد الواجب مع أن صوم أيام البيض مستحب“.(مجالس الأبرار: ٢٩٩/م: ٥٠)

اور جو امر مباح اس حد تک پہنچ جائے کہ لوگ اس کو ضروری اور واجب کے درجہ میں سمجھنے لگیں (اور نہ کرنے والوں پر طعن کرنے لگیں) وہ مکروہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بعض فقہا نے جب ان کے زمانے میں ایام بیض کے روزوں کا زیادہ اہتمام ہونے لگا تو اس کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا تاکہ واجب اعتقاد کر لینے تک نوبت نہ پہنچ جائے باوجودیکہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں۔

فقہ کا متفقہ اور مسلمہ قانون ہے کہ مستحب کو اس کے درجہ سے بڑھا دیا جائے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

”واستنبط منه: أن المندوب ربما ينقلب مكروهاً إذا خيف أن يرفع عن رتبته“.(مجمع البحار: ٢٤٤/٢)

اگر کسی کی نیت واعتقاد غلط نہ ہو، پھر بھی دوسروں کے عقیدہ کو فساد کے خوف سے اور اہل بدعت کی مشابہت کی وجہ سے منع کیا جائے گا کیونکہ یہ تو بدعتیوں کا ایک شعار بن گیا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مهما صارت السنة شعارًا لأهل البدعة قلنا يتركها خوفاً عن التشبه بهم“.(إحياء العلوم: ٢٧٠/٢)

جب کوئی سنت بدعتیوں کا امتیازی شعار بن جائے تو ہم ان کے مشابہہ بن جانے کے خوف سے اس کے ترک کرنے کا حکم دیں گے۔ ==

== آپ نے جو احادیث لکھی ہیں، ان کے متعلق میں کچھ ذکر کروں بجائے اس کے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تحقیق اور خلاصہ پیش کر دینا بہتر ہے، وہ آپ اور آپ کے دوست احباب کے لئے زیادہ اطمینان بخش ہوگا۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ:

مسئلہ: (السوال) اکثر مخلوق خدا کا یہ طریق ہے کہ وقت اذان اور وقت فاتحہ خوانی یعنی پنجایت پڑھنے کے وقت انگوٹھے چومتے ہیں اور علما بھی درست بتلاتے ہیں اور حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں، آیا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ جو کچھ اس میں روایات کیا جاتا ہے، کلام سے خالی نہیں۔ پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون ومؤکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے، وہ بیشک غلطی پر ہے۔ ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد ہے۔

أخرجه الديلمي في مسند الفردوس وأورده الإمام السخاوي في المقاصد الحسنة والعلامة خير الدين الرملي في حواشي البحر الرائق وذكره العلامة الجراحي فأطال ثم قال: ولم يصح في المرفوع من هذا شيء كما اثره المحقق الشامي في رد المحتار. (باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ٣٩٨/١، انيس)

اور بعض کتب فقہ میں مثل جامع الرموز شرح نقایہ وفتاویٰ صوفیہ وکنز العباد وشامی حاشیہ درمختار کے! اکثر ان میں مستندات علماء طائفہ اسماعلیہ سے ہیں۔ وضع ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔

فاضل قہستانی شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں:

واعلم أنه يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" وعند سماع الثانية منها "قُرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" ثم قال "اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" بعد وضع ظفري الإبهامين على العينين فإنه صلى الله عليه وسلم يكون قائدًا له إلى الجنة كما في كنز العباد انتهى. (جامع الرموز، كتاب الصلاة، فصل الأذان: ٧٠، ط: مظهر العجائب كلكته. انيس)

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں اسے نقل کر کے فرماتے ہیں:

"**ونحوه في الفتاویٰ الصوفية**". (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ٣٩٨/١، انيس)

پس حق اس میں اس قدر کہ جو کوئی بامید زیادت روشنی بصر مثلاً از قبیل اعمال مشائخ جان کر یا بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد سنیت فعل وصحت حدیث وشناعت ترک اسے عمل میں لائے اس پر نظر اپنے نفس فعل واعتقاد کے! خیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی ومنع کو مستلزم نہیں۔ (ابر المقال فی استحسان الاجلال: ١٠-١٢)

مذکور فتویٰ کا خلاصہ:

مولوی احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک اذان کے علاوہ فاتحہ خوانی وغیرہ مواقع پر تقبیل ابہامین کا کسی کتاب سے ثبوت نہیں ہے، لہٰذا وہ مانتے ہیں کہ نہ چومنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ ==

اذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ:

سوال: اذان کے دوران جب مؤذن "أشهد أن محمدًا رسول الله" پڑھے، تو سننے والوں کے لئے اس وقت انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب

صرف اذان کے وقت جب اذان ہو رہی ہو تو "أشهد أن محمدًا رسول الله" کے سننے پر شفاءِ عینین کے حصول کے لئے بغیر نیت ثواب اور سنت، واجب سمجھنے کے انگوٹھے چومنا جائز ہے، اگرچہ بعض نے مستحب لکھا ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ عمل صرف اذان کے ساتھ خاص ہے، دیگر مقامات میں نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين تحت (قوله: ويدعوا، الخ... (تتمة):

يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة، "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"، وعند الثانية منها، "قَرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" ثم يقول "اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" بعد وضع ظفرى الإبهامين على العينين فإنه عليه السلام يكون قائدًا له إلى الجنة. (رد المحتار: ٣٩٨/١، باب الأذان)(١)

(فتاویٰ حقانیہ: ٦٢/٣)

اذان کے وقت انگوٹھے چومنا روایت صحیحہ سے ثابت نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر لوگ "أشهد أن محمدًا رسول الله" کو اذان کے دوران سننے پر اپنے انگوٹھے چومتے ہیں اور آنکھوں پر لگاتے ہیں، یہ کام بعض لوگ سنت

== اذان کے وقت بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں مانتے اور چومنے کو مسنون اور حدیث کو صحیح کہنے والے کو اور سمجھنے والے کو نیز نہ چومنے والے کو برا ماننے والے کو غلطی پر سمجھتے اور مانتے ہیں۔ اذان کے وقت چومنے کی احادیث کو ضعیف اور مجروح مانتے ہیں اور شرائط ذیل سے چومنے کی اجازت دیتے ہیں۔

(١) مسنون کا عقیدہ نہ رکھے۔　(٢) اس کے متعلق جو حدیث وارد ہے اس کو صحیح نہ سمجھے۔

(٣) نہ چومنے کو برا نہ جانے۔

یہ ہے مسئلہ کی سچی حقیقت، جس کو سنی وہابی بلکہ اسلام و کفر کی علامت بنالی گئی ہے۔ افسوس صد افسوس۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ٣٠٣/٢-٣٠٨)

(١) قال العلامة الشيخ السيد أحمد الطحطاوي: يستحب أن يقول عند سماع الأولى من الشهادتين للنبي صلى الله عليه وسلم "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"، وعند سماع الثانية "قَرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"، "اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" بعد وضع إبهاميه على عينيه. (الطحطاوي حاشية مراقي الفلاح: ٦٥، باب الأذان)

سمجھتے ہیں اور استدلال میں روایات ذکر کرتے ہیں جن کو مظاہر حق والے نے روایت کیا ہے، حالانکہ یہ خلاف سنت رسم ہے، اس کو چھوڑ دینا چاہئے اور جس حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے، اس کو علامہ ابن طاہر نے تذکرہ میں کہا ہے کہ وہ صحیح نہیں۔(فوائد المجموعة فی الأحاديث الموضوعة، ص: ٥، مؤلفة علامة شوكانی)

الغرض یہ کام کرنا کیسا ہے؟ سنت یا خلاف سنت یا بدعت؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولانا رحیم اللہ اضاخیل، نوشہرہ......١٧/رجولائی/١٩٧۵ء)

الجواب

یہ مخصوص تقبیل اگر چہ علاجاً جائز ہے، لیکن ثواب کی نیت سے کرنا بدعت ہے اور چونکہ موجودہ وقت میں عوام اس کو ثواب کی نیت سے کرتے ہیں، لہٰذا فتویٰ نہ کرنے کا دیا جائے گا۔

"لأن حديث الصديق لايصح رفعه. (كما فی المصنوع فی أحاديث الموضوع، ص: ٢٥، والفوائد المجموعة، ص: ٩)

وعدم صحة الرفع لايستلزم صحة الموقوف بل لا بد من المراجعة إلى الإسناد وكذا ما نقل عن الخضر عليه السلام ليس بحجة وفی سنده مجاهيل مع الانقطاع. (بوادر، ص: ٤٠٩)(١)

وما فی كنز العباد وغيره من كتب الفقه فبناء علٰی تلک الروايات دون النقل عن الأئمة. (٢)

فافهم وتدبر. (فتاویٰ فریدیہ: ١٨٦/٢-١٨٧)

(١) قال الشيخ أشرف علی التهانوی: قلت أورد صاحب المقاصد فی الباب عدة أقسام من الروايات المرفوع من حديث أبی بكر الصديق عن الديلمی ثم قال: لا يصح، وقال أيضاً ولايصح فی المرفوع من كل هذا شیء والمنقول عن الخضر عليه السلام عن كتاب موجبات الرحمة وعزائم المغفرة لأبی العباس أحمد بن أبی بكر الرداد اليمانی المتصوف بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه (فلم يصح) والموقوف علی الحسن عن الفقيه محمد بن سعيد الخولانی بسنده والمنقول عن المشائخ كمحمد بن البابا والمجد أحد القدماء من المصريين وبعض شيوخ العراق أو العجم و ابن صالح ومحمد بن أبی نصر البخاری أقوالهم وورد فی فضله فی الأول فقد حلت عليه شفاعتی وفی سائرها حفظ العين عن الرمد والعمی ودم الألم عنها ملخص ما فی المقاصد أما حكم هذا الفعل فظاهر وهو أنه إن فعل باعتقاد الثواب الذی لم يثبت دليله كان بدعة وزيادة فی الدين وأكثر من يفعله فی زماننا اعتقادهم كذلک فلاشک فی كونه بدعة وإن فعل بنية الصحة البدنية فهو نوع من الطب فيجوز فی نفسه لكن لو أقصٰی إلٰی إيهام القربة كما هو المظنون من العوام فی هذا الزمان يمنع منه مطلقاً. (بوادر النوادر، ص: ٤٠٨-٤٠٩، چونتیسواں نادرہ درمسح عينين بالأنامل عند الأذان)

(٢) وفی منهاج السنن: وأما تقبيل ظفر الإبهامين فقد ذكر فی جامع الرموز وكنز العباد والفتاویٰ الصوفية أن يقول عند السماع الأولی من شهادتی الرسالة: "صلی الله تعالٰی عليک يا رسول الله" ==

اذان میں ''انگوٹھا چومنے'' کے متعلق مفصل گفتگو:

سوال: علمائے دیوبند مفتیان کرام سے درخواست ہے کہ درمیان ''تقبیل ابہامین عندالاذان'' پر جوفتویٰ علماء مدارس کا پیش خدمت ہے، اس کے جواز پر محققانہ جواب ارسال کریں؟

الجواب ــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اولاً تو کسی حدیث کا اصطلاح محدثین کے مطابق صحیح نہ ہونا دوسری چیز ہے اور کسی حدیث کا ثبوت صحیح نہ ہونا دوسری چیز ہے، دونوں میں خلط کرنا بڑا مغالطہ یا بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ ثبوت صحیح نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا وجود کسی درجہ میں بھی نہیں ہے، نہ تو درجۂ حسان میں نہ درجۂ صحاح میں، غرض بالکل غیر معتبر ہے، اور کسی درجہ میں بھی دین شمار کرنا ''من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهورد'' (۱) میں داخل ہوگا، بدعت ہوگا۔

علامہ شامیؒ نے طویل کلام کر کے جو تحقیق نقل فرمائی ہے کہ!

''ولم يصح فی المرفوع من كل هذا شیء''. (ردالمحتار: ۱/۳۷۰، باب الأذان، مطلب فی کراهة تكرار الجماعة)

اس کا مفہوم یہی ہے کہ اس کا ثبوت صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو سنت یا مستحب شرعی وغیرہ کا درجہ دینا صحیح نہ ہوگا۔

دو تمش جتنی اور عبارات جواب استفتا میں پیش ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ یہ عمل آشوب چشم میں مفید ہے اور اس پر بعض مشائخ کا تجربہ بھی ہے، اس کا درجہ بیش از بیش اباحت کا ثبوت ہوسکتا ہے اور فی زمانہ لوگ اس کو سنت اور مستحب بلکہ واجب کا درجہ دیکر اور واجب جیسا ضروری کام سمجھ کر بھی کرتے ہیں اور نہ کرنیوالوں کو برا بھلا کہتے ہیں، ان

== وعند الثانية منها: '' قرت عينی بک يارسول اللّٰه'' ويقول: '' اللّٰهم متعنی بالسمع والبصر'' بعد وضع ظفری الإبهامين على العينين فمن فعله كان رسول اللّٰه قائده إلى الجنة. وفی كتاب الفردوس: من قبل ظفری إبهاميه عند سماع أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه فی الأذان أنا قائده و مدخله فی الجنة''. انتهىٰ. قالوا لم يصح فی المرفوع فی هذا شیء نعم وردذلک فی أحاديث مرفوعة ضعيفة، فإن قيل الحديث الضعيف يكفی فی الفضائل قلنا: إنهم اشترطوا فی العمل بالضعيف شروطاً منها ما ذكره السيوطی والرملی أن لايعتقد سنية ذلک الفعل الثابت بالحديث الضعيف بل يعتقد الاحتياط.

وفی السعاية: فعلى هذا لوقبل الظفراحتياطاً أحياناً فلا بأس وإن التزمه واعتقده ضرورياً يشبه أن يكون مكروهاً فرب شیء مندوب مباح يكون بالتخصيص والالتزام مكروهاً انتهىٰ قلت: وورد فی بعض الروايات فی فضل التقبيل أنه لا يصيبه الرمد والعمى كما فی المقاصد الحسنة للسخاوی، فعلى هذا لوقبل للصحة البدنية فلا بأس ولوقبل رجاء للثواب فلا خيرفيه ويكون بدعة لعدم ثبوت هذه الروايات عن النبی صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، نعم يختص هذا بالأذان. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما يقول إذا أذن المؤذن: ۲/۸۷)

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور (ح: ۱۷۱۸) انيس

پر طعن وتشنیع تک کرنے لگتے ہیں، جس کا حاصل غیر واجب کو واجب قرار دینا ہے اور قاعدۂ شرعیہ یہ ہے کہ جب کسی امر مباح کے ساتھ لوگ واجب جیسا معاملہ کرنے لگتے ہیں، تو اس کا ترک واجب ہو جاتا ہے اور اس پر اصرار والتزام بدعت قرار دیا جاتا ہے۔ کما یؤخذ من هذه الروایات.

وعن عبد اللّٰه بن مسعود:" ألا لایجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلوٰته یری أن علیه حقاً أن لاینصرف إلا عن یمینه ، لقد رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کثیرًا ینصرف عن یساره". (مشکوة المصابیح، باب الدعاء فی التشهد، رقم الحدیث: ٩٤٦)(١)

فی المرقاة عن الطیبی:

"من أصر علیٰ أمر مندوب وجعله عزمًا ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الاحتمال". (مرقاة المفاتیح شرح المشکوٰة: ٧٥٥/٢، باب الدعاء فی التشهد)(٢)

اس لیے اس عمل میں شرعاً اس سے زیادہ گنجائش کسی طرح نہیں نکل سکتی کہ اگر کسی کی آنکھ میں آشوب ہو اور وہ یہ عمل کرے، تو اس پر نکیر نہ کی جاوے اور اسی طرح جو نہ کرے، اس پر بھی کوئی نکیر نہیں۔ نیز اس عمل کو سنت یا مستحب یا واجب کا درجہ ہرگز نہ دیا جاوے؛ ورنہ بدعت ہو کر کرنا ناجائز شمار ہوگا اور عند اللہ والرسول احداث فی الدین شمار ہو کر "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد" کا ایک فرد شمار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیو بند۔ ٦/١٠/١٤٨٧ھ/الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیو بند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ٩٧-٩٩) ☆

(١) أخرجه البخاری فی باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال (ح: ٨٥٢)/مسلم فی صلاة المسافرین وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة (ح: ٧٠٧)/وابن حبان فی ذکر الإباحة أن یکون انصرافه (ح: ١٩٩٧)/ والإمام أحمد، فی مسند عبداللّٰه بن مسعود (ح: ٣٦٣١)/وکذا الشاشی فی المسند، ما روی الأسود بن یزید أبو عمرو النخعی عنه (ح: ٤١٨)/الطبرانی فی المعجم الکبیر (ح: ١٠١٦٢) انیس)

(٢) کذا فی شرح المشکوٰة للطیبی الکاشف عن حقائق السنن، باب الدعاء فی التشهد: ١٠٥١/٣. انیس

☆ کتاب "جامع رموز" میں انگشت بوسی کے مسئلہ کی وضاحت:

سوال: انگشت چومنے والا کہتا ہے کہ کتاب "جامع رموز" میں انگشت چومنے کا حکم بتاتے ہوئے جائز لکھا ہے، تو یہ کتاب کیسی ہے، اس کا حکم کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

اس عمل کو بعض مشائخ نے آشوب چشم کا علاج بتایا ہے، اسی سے بعض کو دھوکہ لگ گیا ہے، سخاویؒ نے اس پر اچھی بحث کی ہے، سوائے قرآن پاک وحدیث کے اور کسی کتاب کی سب باتیں صحیح ہونا لازم نہیں ہے، جب تک دلائل شرعیہ سے اس کا صحیح ہونا ثابت نہ ہو، دلیل نہیں بنا سکتے۔ ==

”محمد رسول اللّٰہ“ پر، ”صلی اللّٰہ“ الخ، کہنا کیسا ہے:

سوال: اذان وتکبیر میں جب لفظ ” محمد رسول اللّٰہ “ آتا ہے تو اذان کا کہنے والا ٹھہر کر ”صلی اللّٰہ علیہ وسلم“ کہتا ہے۔

الجواب

ایسا کہنا اذان میں ثابت نہیں ہے۔(١) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/٩٤)

== اسی درجہ کی ”جامع رموز“ بھی ہے، اس کے بعض مسائل ضعیف ہیں۔(وفی شرح الأشباہ لشیخنا المحقق ہبة اللّٰہ البعلی قال شیخنا العلامة صالح الجنینی: إنہ لایجوز الإفتاء من الکتب المختصرة کالنہر وشرح الکنز للعینی والدرالمختار شرح تنویر الأبصار، أو لعدم الاطلاع علی حال مؤلفیہا کشرح الکنز لمنلا مسکین، وشرح النقایة للقہستانی.(ردالمحتار، مقدمة، تتمة، مطلب فی طبقات المسائل وکتب ظاہر الروایة: ١/٧٠. دارالفکر بیروت. انیس)

ومنہا عدم الاطلاع عل حال مؤلفہ ہل کان فقیہاً معتمداً أم کان جامعاً بین الغث والسمین وإن عرف اسمہ واشتہر رسمہ کجامع الرموز للقہستانی، فإنہ وإن تداولہ الناس لکنہ لما لم یعرف حالہ أنزل من درجة الکتب المعتمدة إلی حیز الکتب غیر المعتبرة. (المدخل إلی دراسة المذاہب الفقہیة، کتب الحنفیة غیر المعتبرة: ١/١٣١. انیس) فقط واللّٰہ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ٨/٩/١٣٨٧ھ/الجواب صحیح: محمود عفی عنہ ٩/٩/١٣٨٧ھ۔
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:٩٩)

(١) عبداللّٰہ بن زید بن عبدربہ کی حدیث میں اور دوسری کسی حدیث میں ”صلی اللّٰہ علیہ وسلم“ کا لفظ مذکور نہیں ہے۔ عبداللّٰہ بن زید کی حدیث میں ہے:

تقول: اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، أشہد أن لا إلہ إلا اللّٰہ، أشہد أن لا إلہ إلا اللّٰہ، أشہد أن محمدًا رسول اللّٰہ، أشہد أن محمدًا رسول اللّٰہ، الخ. (فتح القدیر، باب الأذان: ١/٢١١)

پھر ”شرح المہذب للشافعیة“ میں صراحت ہے:

والزیادة فی الأذان مکروہة. (البحر الرائق، باب الأذان: ١/٢٧٥، ظفیر)

یکرہ أن یقال فی الأذان ”حی علی خیر العمل“ لأنہ لم یثبت عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وروی عن البیہقی فیہ شیئًا موقوفاً علی ابن عمر وعلی بن الحسین رضی اللّٰہ عنہم، قال البیہقی: لم تثبت ہذہ اللفظة عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فنحن نکرہ الزیادة فی الأذان، واللّٰہ أعلم. (المجموع شرح المہذب، باب الأذان: ٣/٩٨)

... فأکرہ الزیادة فی الأذان، وأکرہ التثویب بعدہ. (کتاب الأم، باب حکایة الأذان: ١/١٠٤. انیس)

کتب مالکیہ میں ہے:

ثم ذکر أنہ قیل: إن التثویب ہو قول المؤذن: حی علی خیر العمل، لأنہا کلمة زادہا من خالف السنة من الشیعة. (مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل، فرع التثویب بین الأذان والإقامة فی الفجر: ١/٤٣٢. انیس)

اذان میں "محمد رسول اللّٰہ" پر درود پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اذان کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

اذان میں جب نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنے؛ درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ پس جس وقت مؤذن سے کلمۂ "أشھد أن محمدا رسول اللّٰہ" سُنے خود بھی یہ کلمہ کہہ کر "صلی اللّٰہ علیہ وسلم" کہے۔(۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/۱۲۱)

اذان میں درود شریف، شہادت رسالت کے بعد پڑھنا:

سوال: اذان واقامت میں جب لفظ "أشھد أن محمدًا رسو ل اللّٰہ" سنے تو درود شریف سامع پر واجب ہوگا یا مستحب؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملھم الصواب

اذان واقامت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف نہ منقول ہے اور نہ معمول، بلکہ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم بھی وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے۔ پھر اذان کے بعد پہلے درود شریف پڑھو، پھر دعا۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ أنہ سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فإنہ من صلی علیّ صلوٰۃ صلی اللّٰہ

(۱) اذان میں تو "أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ" کے جواب میں "أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ" کی صراحت ہے۔ مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إذا قال المؤذن "اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر" فقال أحدکم: "اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر" ثم قال: "أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ" قال: "أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ"، ثم قال "أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ"، قال: "أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ". (الصحیح لمسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، عن عمر بن الخطاب (ح: ٣٨٥) / سنن أبی داؤد، باب مایقول إذا سمع المؤذن (ح: ٥٢٧) / السنن الکبریٰ للنسائی، مایقول إذا قال المؤذن حی علی الصلاۃ (ح: ٩٧٨٥)

البتہ اذان کے ختم پر درود پڑھنے کا حکم ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول، ثم صلوا علیّ فإنہ من صلّی علیّ صلوٰۃ صلّی اللّٰہ علیہ بھا عشرًا"..(الصحیح لمسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ (ح: ٣٨٤) واللّٰہ أعلم. ظفیر)

علیہ بہا عشرًا ثم سلوا اللّٰہ لی الوسیلة فإنه منزلة فی الجنة لاتنبغی إلا لعبد من عباد اللّٰہ وأرجو أن أکون أنا ہو فمن سأل لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة ".(الصحیح لمسلم: ١٦٦/١(ح: ٣٨٤)

وأما ما قیل من أنه یستحب أن یقول عند سماع الأولٰی من الشہادتین "صلی اللّٰہ علیک یا رسول اللّٰہ" الخ، فلم یصح فی المرفوع من کل ہذا شیء. کذا فی الشامیة معزیًا إلی الجراحی. (رد المحتار، باب الأذان: ٣٧٠/١، مطلب فی کراہة تکرار الجماعة، تتمة) فقط

١٤/ جمادی الآخرہ ١٣٩٣ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢٦٨/٢-٢٦٩) ☆

کلمۂ شہادت کے بعد آہستہ درود پڑھنا:

سوال: ایک شخص اذان دیتا ہے اور "أشہد أن محمدًا رسول اللّٰہ" کہنے کے بعد ہی آہستہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) درود پڑھتا ہے، تو اذان کے دوران اس جگہ درود پڑھنا درست ہے یا نہیں اور اگر درست نہیں ہے تو وضاحت بھی بتا دیجئے؟ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ "جو شخص میرا نام آنے پر درود نہ پڑھے، اس پر لعنت ہے"، یہ مؤذن کا قول ہے۔

☆ اذان میں شہادتین پر درود کا معمول بنالینا:

سوال: ایک شخص اذان دیتا ہے اور اذان کا یہ کلمہ "أشہد أن محمدًا رسول اللّٰہ" کے بعد معمول کے مطابق وقف کرتا ہے اور اس وقفہ کے دوران صلعم آواز سے ادا کرتا ہے کہ بذریعہ لاؤڈ اسپیکر کم از کم دو سو قدم تک لوگوں کو سنائی دیتا ہے تو کیا مؤذن کا یہ طرز عمل اور مستقلاً اس کو معمول بنالینا شرعاً درست ہے؟

ھو المصوب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مؤذنین یعنی حضرت بلال، عبداللہ بن ام مکتوم، حضرت سعد اور ابو محذورۃ رضی اللہ عنہم سے اذان دینے کا جو طریقہ منقول ہے، اس میں اس طرح کا کوئی عمل نہیں پایا جاتا ہے، حالانکہ سب صحابی ہیں۔ ان کی اذان کے کلمات حرف بہ حرف صحیح روایتوں میں ہیں۔ کسی سے اذان کے درمیان صلعم بآواز بلند ثابت نہیں ہے۔ (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب صفة الأذان، رقم الحدیث: ٣٧٩/ سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب کیف الأذان، رقم الحدیث: ٤٩٥)

درود شریف کا ثبوت اذان کے بعد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول، ثم صلوا علیّ فإنه من صلّی علیّ صلٰوۃ صلّی اللّٰہ علیه بہا عشرًا، الخ. (الصحیح لمسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح: ٣٨٤) انیس)

تحریر: ساجد علی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ٣٧٤/١)

ھـــو المـصــوب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن؛ حضرت بلال یا سعد قرظی وعبداللہ بن ام مکتوم وغیرہ رضی اللہ عنہم سے؛ اس موقع پر صلی اللہ علیہ وسلم کہنا ثابت نہیں ہے۔(۱)

درود شریف نہ پڑھنے پر لعنت اذان کے علاوہ موقع پر ہے۔

تحریر: مسعود حسن حسنی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۷۱-۳۷۲)

☆☆☆

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب صفة الأذان، رقم الحديث: ٣٧٩/سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب كيف الأذان، رقم الحديث: ٤٩٥)

عن عبدالله بن عمرو بن العاص أنه سمع النبی صلی الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا عليّ فإنه من صلّی عليّ صلوٰة صلّی الله عليه بها عشرًا، الخ. (الصحيح لمسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح: ٣٨٤)

مذکورہ حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ درمیان اذان درود شریف پڑھنے کا عمل قرون اولیٰ سے ثابت نہیں ہے۔انیس

حیعلتین کے مسائل

”حی علی الفلاح“ میں آواز زیادہ نہیں کھینچنی چاہئے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ”حی علی الفلاح“ میں ”الفلاح“ لفظ جو ہے؛ اس میں سانس طویل کر کے کھینچنا، ایک مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ آواز نہیں کھینچنی چاہئے۔ کیا مولانا صاحب کا قول درست ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: مثل زادہ ترلاندی ضلع صوابی......١٢/٥/١٩٦٩ء۔)

الجواب

یہاں مد موجود نہیں ہے، لہٰذا زیادہ کھینچنا نہیں چاہئے۔(١) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ٢/٤٧)

اذان میں سینہ پھیرنے کی ممانعت:

سوال: ایک شخص اذان میں اپنے سینہ کو دائیں بائیں پھیرتا تھا، میں نے اس کو منع کیا کہ اس طرح سینہ پھیرنا منع ہے، یہ صحیح ہے یا نہ؟

الجواب

یہ صحیح ہے کہ اذان میں حیعلتین میں صرف منھ کو دائیں بائیں متوجہ کیا جاوے، سینہ قبلہ کی طرف رہے۔(٢) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ٢/١٠٧)

---

(١) قال العلامة الحصكفي: ومنها القراءة بالإلحان إن غير المعنى وإلا لا إلا في حرف مد ولين ... فلوفي إعراب أوتخفيف مشدد وعكسه أوبزيادة حرف فأكثر. (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة، مطلب مسائل زلة القارى: ٤٦٦/١)

(٢) و يستقبل بهما (أى الأذان والإقامة) القبلة ولوترك الاستقبال جازويكره، كذا في الهداية، وإذا انتهٰى إلى الصلوٰة والفلاح حوّل وجهه يميناً وشمالاً وقدماه مكانهما. (الفتاوىٰ الهندية، ط: كشورى، باب الأذان: ٥٤/١، ظفير)

عن عون بن أبى جحيفة عن أبيه قال: أتيت النبى صلى الله عليه وسلم بمكة وهوفى قبة حمراء من أدم فخرج بلال فأذن فكنت أتتبع فمه هاهنا وهاهنا، فقال: ثم خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه حلة حمراء برود يمانية قطرى - قال موسىٰ - قال: رأيت بلالاً خرج إلى الإبطح فأذن، فلمابلغ حى على الصلاة، حى على الفلاح، لوى عنقه يميناً وشمالاً ولم يستدرثم دخل فأخرج العنزة، وساق حديثه. (سنن أبى داؤد، باب فى المؤذن يستديرفى أذانه (ح: ٥٢٠)/ السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب الالتواء فى حى على الصلاة، حى على الفلاح (ح: ١٨٥٢)/ شرح السنة للبغوى، باب الالتواء فى الأذان (ح: ٤٠٩) وفى رواية النسائى، فى باب كيف يصنع المؤذن فى أذانه (ح: ٦٤٣) بلفظ: ... فجعل يقول فى أذانه هكذا ينحرف يميناً وشمالاً) انيس)

اذان واقامت میں "حی علی الصلوٰۃ" و "حی علی الفلاح" کہتے وقت رخ پھیرنا:

سوال: اذان میں حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح میں رخ یمین ویسار کرتے ہیں تو اقامت میں یا جو بچہ کے کان میں اذان کہتے ہیں ان میں بھی منہ پھیرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

التفات یمین ویسار جیسا اذان میں مسنون ہے؛ ویسا ہی اقامت میں (١) اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔

"ویلتفت فيه وكذا فيها مطلقا، وقيل: إن المحل متسعًا يمينًا ويسارًا فقط لئلايستدبر القبلة بصلاة وفلاح ولو وحده أو لمولود لأنه سنة الأذان مطلقًا". (الدر المختار على صدر رد المحتار، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنابر للأذان: ٣٨٧/١ ـ انيس)

مورخہ ١٣ / جمادی الاول ١٣٠٣ھ ـ (امداد، صفحہ: ١٠٥، جلد: ١) (امداد الفتاویٰ جدید: ١٦٦/١)

نومولود کے کان میں اذان دیتے وقت رخ پھیرنا:

سوال: اگر بچہ کے کان میں اذان دی جائے تو کیا "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" پر دائیں اور بائیں رخ کرنا چاہئے، یا اس کی ضرورت نہیں؟　　(محمد بلال، جدہ)

---

(١) اقامت کے حیعلتین میں تحویل وجہ کے متعلق تین قول ہیں اول تحویل نہ کرے اس لئے کہ اقامت حاضرین کے اعلام کے لئے ہے برخلاف اذان کے کہ وہ غائبین کے اعلام کے لئے ہے دوم اگر جگہ وسیع ہو یعنی مسجد بڑی ہو تو تحویل کرے ورنہ نہ کرے سوم خواہ جگہ وسیع ہو یا نہ ہو ہر صورت میں تحویل کرے۔ یہ تیسرا قول صاحب درمختار کا پسندیدہ ہے کبیری ص ٣٦٠ میں تحویل کو سنت متوارثہ کہا ہے۔ حضرت مجیب نے بھی اسی قول کے مطابق فتویٰ ارقام فرمایا ہے، لیکن سراج وہاج میں پہلا قول ہے۔ علامہ شامیؒ نے منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق (٢٥٨/١) میں النہر الفائق شرح کنز الدقائق سے اسی کی ترجیح نقل کی ہے:

قوله في السراج الوهاج لايحول، الخ، قال في النهر: الثاني أعدل الأقوال، آه۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے سعایہ (١٨/٢) میں اسی کو حق کہا ہے:

قلت: والحق الصريح هو القول الأول، آه.

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے محمود الروایہ حاشیہ شرح نقایہ میں اذان واقامت کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وكذا لا تحويل فيها. (شرح النقاية: ٦١/١)

یعنی ایک فرق یہ بھی ہے کہ اذان میں تحویل ہے لیکن اقامت میں نہیں ہے اور گو یہ بات صحیح ہے کہ اقامت احدالاذانین ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اذان کی تمام سنتیں اقامت میں بھی ہوں۔ اذان میں انگلیوں سے کان بند کرنا مسنون ہے۔ نیز ترسل یعنی ٹھیر ٹھیر کر اذان دینا بھی مسنون ہے، لیکن اقامت میں یہ دونوں چیزیں مسنون نہیں ہیں۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ اقامت میں تحویل وجہ مسنون نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم (سعید احمد)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

چونکہ ''حي علی الصلوٰة'' اور''حي علی الفلاح'' پردائیں اور بائیں رخ کرنا اذان کی سنتوں میں سے ہے۔(۱) اس لئے اس موقع پر بھی اس کی رعایت کرنا بہتر ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' میں ہے:

'' الصحيح أنه يؤذن للمولود ينبغي أن يحول علیٰ كل حال،لأنه صارسنة للأذان فيؤتى به علیٰ كل حال''.(۲)

''صحیح قول یہ ہے کہ نومولود کے لئے اذان دے تو اس حال میں بھی دائیں اور بائیں''حي علی الصلوٰة'' اور ''حي علی الفلاح'' پر رخ کرنا چاہئے۔اس لئے کہ یہ اذان کی سنت ہے،لہذا اسے ہر حال میں کیا جائے گا''۔

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۴-۱۵۵)

اذان میں حیعلتین پر گردن نہ پھیرنا:

سوال: اذان میں اگر''حي علی الصلوٰة'' اور''حي علی الفلاح'' پر مؤذن قصداً یا بھول سے گردن نہیں گھماتا،تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

اس نے خلاف سنت کیا،اذان ہوگئی۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۳۸۸)

---

(۱) دیکھئے:الصحيح لمسلم،رقم الحديث:۵۰۳، باب سترة المصلی/ سنن أبي داؤد،رقم الحديث:۵۲۰.

نیز دیکھئے:الهداية مع شرح العلامة عبد الحي اللكهنوی:۱/۲۷۵، محشي

عن أبى جحيفة قال:رأيت بلالاً يؤذن ويدور وأتتبع فاه هاهنا وهاهنا وأصبعاه فى أذنيه.(مسندالإمام أحمد،حديث أبى جحيفة (ح: ۱۸۷۵۹)/سنن الترمذى،باب ماجاء فى إدخال الإصبع فى الأذن (ح: ۱۹۷)/المعجم الكبيرللطبرانى،سفيان الثورى عن عون بن أبى جحيفة (ح: ۲۴۸)/المستدرك للحاكم،باب فى فضل الصلوات الخمس (ح:۷۲۵)انيس)

(۲) الفتاویٰ التاتارخانية:۱/۵۱۵،الأذان نوع آخرفي بيان ما يفعل فيه.

(۳) (ويلتفت فيه)أى فى الأذان(وكذا فيها)(أى فى الإقامة (يميناً و يسارًا) فقط ... ؛ لأنه سنة الأذان مطلقاً''.(الدرالمختارعلى صدرردالمحتار،كتاب الصلاة، باب الأذان،مطلب فى أول من بنى المنابر:۱/۳۸۷، سعيد)

عن أبى جحيفة قال:أتيت النبى صلى الله عليه وسلم بالإبطح وهو فى قبة حمراء فخرج بلال فأذن فاستدار فى أذانه وجعل أصبعيه فى أذنيه.(سنن ابن ماجة،باب السنة فى الأذان (ح:۷۱۱)انيس)

لاؤڈاسپیکر پر اذان میں بھی دائیں بائیں التفات سنت ہے:

سوال: لاؤڈاسپیکر پر اذان دیتے وقت بھی دائیں بائیں طرف منہ موڑنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

''حی علی الصلٰوۃ'' اور''حی علی الفلاح'' کہتے وقت دائیں اور بائیں جانب التفات اذان واقامت میں بہر حال سنت ہے، حتی کہ بچے کے کان میں اذان دیتے وقت بھی التفات مسنون ہے، لاؤڈاسپیکر پر اذان کا بھی یہی حکم ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ / ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/ ۲۹۳)

بارش کی وجہ سے اذان میں حیعلتین کے بجائے''صلوا فی رحالکم'' کہنا:

سوال: کثرت بارش کے وقت جب اذان دینے والا بجائے''حی علی الصلاۃ'' و''حی علی الفلاح'' کے''صلوا فی رحالکم'' کہے تو جائز ہے یا نہیں، جب کہ لوگ مسجد میں نہ آسکیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اذان کہنے والا''حی علی الصلاۃ'' و''حی علی الفلاح''ہی کہے، باقی بوجہ کثرت بارش اگر کوئی شخص مسجد میں آکر شریک نہ ہو سکے تو درست ہے اور ترک جماعت بارش کی وجہ سے جائز ہے۔(۲) لیکن اذان میں کچھ تغیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور حنفیہ نے اذان میں کچھ تغیر کو اختیار نہیں کیا۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۸۹)

---

(۱) لاؤڈاسپیکر پر اذان دیتے وقت دائیں بائیں چہرہ کرنے سے آواز مائک سے نہ پہونچنے کا اندیشہ رہتا ہے۔اس لیے یہاں اس طرح چہرہ دائیں بائیں کی طرف نہ کرے، جس سے آواز مائک سے نہ پہونچے۔

والمستحب للمؤذن أن يستقبل القبلة استقبالاً،هكذا روى عن عبدالله بن زيد رضى الله عنه عن النازل من السماء فلأن قوله حي على الصلاة،حي على الفلاح دعاء إلى الصلاة وخطاب للناس للحضور وماقبله وبعده ثناء على الله فماكان ثناء يستقبل القبلة وماكان دعاء للناس يحول وجهه يميناًوشمالاً ليتم سماع الناس ذلك،ومن الناس من يقول إذا كان يصلى وحده لايحول وجهه لأنه لاحاجة إلى الإعلام وهوقول شمس الأئمة الحلوانى،والصحيح أنه يحول على كل حال لأنه صارسنة الأذان فيؤتى به على كل حال ،قال حتى قالوا فى الذى يؤذن لمولود: ينبغى أن يحول وجهه يمنةًويسرةً عند هاتين الكلمتين وإن استدار فى الصومعة فحسن لأنه دعاء إلى الصلاة فيحتاج فيه إلى ذلك لإسماع الجميع وهذا الأداء لم يستطع سنة الصلاة والفلاح وهو تحويل الرأس يميناً وشمالاً مع ثبات قدميه لاتساع الصومعة فأما بغيرحاجة فلا يفعل ذلك .(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى،الفصل سادس عشر فى التغنى والإلحان:۱/ ۲۴۰-۲۴۱/ وكذا فى البناية شرح الهداية،مايسن فى الأذان والإقامة:۲/ ۹۱)انيس)

(۲) فلا تجب(أى الجماعة) على مريض، الخ ، ولا على من حال بينه وبينها مطروطين.(الدرالمختار) ==

اذان فجر میں ’’الصلوٰۃ خیر من النوم‘‘ کا اضافہ:

سوال: فجر کی اذان میں ’’الصلاۃ خیر من النوم‘‘ کیوں زیادہ ہے؟

الجواب

فجر کی اذان میں ’’الصلاۃ خیر من النوم ‘‘ زیادہ ہونا حدیث سے ثابت ہے۔(۱) اور وہ وقت چونکہ غفلت اور نیند کا ہے؛ اس وجہ سے یہ کلمات اس وقت کہنا مستحب ہیں۔ کیونکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نماز بہتر ہے سونے سے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۹۹/۲)

== إشار بالحيلولة إلىٰ أن المراد المطر الكثير. (رد المحتار، باب الإمامة: ٥١٩/١، ظفير)

(٣) یعنی بارش کی وجہ سے ترک جماعت جائز ہے۔ علامہ کشمیری لکھتے ہیں:

قوله: (فلمابلغ المؤذن حي على الصلاة، فأمره أن ينادى: الصلاة في الرحال) الخ، ففي هذاالحديث أنه أمر بتلك الكلمات مكان حي على الصلاة، ثم ليس فيه ذكر بقية الأذان وعن ابن عمر في الحديبية أنه أمربها بعدالفراغ منه، قلت: وعليه ينبغي العمل، فإن ابن عمر رضي الله عنهما أكثر اتباعاً للأثر، وأقل اجتهاداًمن ابن عباس رضي الله عنهما وفي طرقه تصريح أنه كان يوم الجمعة وعد من أعذار الجمعة في فقهنا أيضا، وروى محمدرحمه الله تعالىٰ في كتاب الحجج: إذا ابتلت النعال فالصلاة في الرحال، ثم فسر النعال بالأرض الصلبة، دون النعل المعروف. والحافظ رحمه الله تعالىٰ لمالم يظفر بكتاب الحجج نقل تفسيره عن غريب الحديث لأبي عبيد، وأبوعبيد هذا كثيرًا مايقول في كتابه. ومن الروايات التي تأولناها على محمدبن الحسن أي أخذنا شرحه منه وعلم منه أن شاكلة الجمعة تغاير شاكلة سائر الصلوات عندهم ولذا من تخلف منهم عن الجمعة لم يصلها في بيته ولو كان حال الجمعة كحال سائر الصلوات لأقاموا الجمعات في رحالهم أيضاً، فافهم. (فيض الباري شرح البخاري، باب الكلام في الأذان: ٣١٦/٢ (ح: ٦١٦) انيس)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) عن أبي محذورة رضي الله عنه قال: قلت: يارسول الله ! علّمني سنة الأذان؟ قال: فمسح مقدم رأسه، قال: تقول: الله أكبر، الخ، فإن كان صلوٰة الصبح قلتَ: ’’الصلوٰة خير من النوم‘‘ الخ. (مشكوٰة المصابيح، باب الأذان: ٦٣/١. ظفير) أخرجه الإمام أحمد، أبومحذورة المؤذن (ح: ١٥٣٧٩)/ أبو داؤد في سننه، باب كيف الأذان (ح: ٥٠٠)/ الصحيح لابن حبان، ذكر البيان بأن المؤذن إذا رجع في أذانه (ح: ١٦٨٢)/ المعجم الكبير للطبراني، سمرة بن معيز أبومحذورة الجمحي مؤذن رسول الله، الخ (ح: ٦٧٣٥) انيس)

(۲) و يقول ندباً بعد فلاح أذان الفجر (الصلوٰة خيرمن النوم مرتين) لأنه وقت نوم. (الدرالمختار علىٰ صدر ردالمحتار، باب الأذان، مطلب في أول من بني المنابر: ٣٦٠/١، ظفير)

وأخرجه الحافظ أبوالشيخ في كتاب الأذان له عن ابن عمر قال: جاء بلال إلى النبي صلى الله عليه وسلم يؤذنه بالصلاة فوجده قد أغفىٰ فقال: الصلاة خيرمن النوم، فقال له: إجعله في أذانك إذا أذنت للصبح، فجعل بلال يقولها إذا أذن للصبح. (عمدة القاري، باب بدء الأذان: ١٠٨/٥. انيس)

''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کا ثبوت:

سوال: ابھی علامہ السید محمد صدیق صاحب کی کتاب ''کشف الاسرار'' پڑھ رہا تھا، انہوں نے مشکوٰۃ، صفحہ: ٦٣-١١٤، کے حوالے سے لکھا ہے کہ اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے ہے اور تراویح بھی۔ مگر مشہور یہ ہے کہ یہ اضافہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے ہوا ہے۔ براہ کرم تفصیل سے وضاحت فرمائیں، تاکہ حقیقت کا لوگوں کو علم ہو سکے؟

الجواب

صحیح یہ ہے کہ اذان فجر میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کا اضافہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا، بلکہ یہ متعدد احادیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (١)

موطا امام مالک میں بلاغاً روایت ہے کہ ''موذن'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز صبح کی اطلاع دینے کے لیے آیا تو دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں، اس نے ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' یا أمیر المؤمنین کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا کہ یہ فقرہ اذان فجر میں کہا کرو۔ (٢)

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنی قدس سرہ ''اوجز المسالک شرح موطا امام مالک'' میں اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر اشکال ہو سکتا ہے، کیوں کہ اس فقرے کا صبح کی اذان میں ہونا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد روایات میں ثابت ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو اس فقرے کا اذان صبح میں کہا جانا معلوم نہ ہو، پس سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس ارشاد سے

(١) عن أبی محذورة رضی اللّٰه عنه قال: قلت: یا رسول اللّٰه! علِّمنی سنّة الأذان؟ قال: فمسح مقدّم رأسه قال: تقول'' اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر'' ... فإن کان صلوٰة الصبح ، قلت: ''الصلوٰة خیر من النوم، الصلوٰة خیر من النوم''. (مشکوٰة المصابیح، باب الأذان: ٦٣/١) (أخرجه أبو داؤد فی سننه ، باب کیف الأذان (ح: ٥٠٠) انیس)

أیضاً: عن عبد العزیز بن رفیع قال: سمعت أبا محذورة قال: کنت غلاماً صبیًّا فقال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: قل: ''الصلوٰة خیر من النوم، الصلوٰة خیر من النوم''. (شرح معانی الآثار: ١٠٣/١، باب قول المؤذن فی أذان الصبح ''الصلوٰة خیر من النوم''. طبع مکتبة حقانیة)

(٢) عن مالک بلغه أن المؤذن جاء عمر یؤذنه لصلوٰة الصبح فوجده نائمًا فقال: ''الصلوٰة خیر من النوم''، فأمره عمر أن یجعلها فی نداء الصبح. (مشکوٰة المصابیح، باب الأذان، الفصل الثالث، طبع مکتبة قدیمی) (أخرجه الإمام مالک فی الموطأ، ت: عبدالباقی، باب ماجاء فی فی النداء للصلاة (ح: ٨) انیس)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ تھا کہ اس فقرے کا محل صبح کی اذان ہے، امیر کا دروازہ نہیں۔ گویا آپ نے امیر المؤمنین کے دروازے پر اس فقرے کو دہرانا ناپسند فرمایا اور مؤذن کو حکم فرمایا کہ اس فقرے کے اذانِ صبح میں کہنے پر اکتفا کیا کرے۔ اس توجیہ کو حافظ ابن عبد البر اور علامہ باجی نے اختیار کیا ہے اور علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ یہی توجیہ متعین ہے اور میرے نزدیک یہی توجیہ سب سے بہتر ہے۔ (۱)

اس کے بعد حضرت شیخ نے اور بھی متعدد توجیہات نقل کی ہیں، بہرحال یہ طے شدہ ہے کہ اذان فجر میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنے کا حکم پہلی بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا، بلکہ یہ معمول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانے سے چلا آرہا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

اسی طرح تراویح کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے چلی آرہی تھی، (۲) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں دو اہتمام فرمائے، ایک جماعت، دوسرے بیس رکعات۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۹۵/۳۔۲۹۶)

---

(۱) ... وقد يشكل قوله رضی الله عنه هذا لأن كون هذه الكلمة فی أذان الصبح عن النبی صلی الله عليه وسلم ثابت فی عدة روايات فلا يمكن أن يظن بعمر رضی الله عنه أنه لم يعلم بعد كونها من الأذان، فالأوجه أن يقال إن مقصوده رضی الله عنه أن محل هٰذه الكلمة هو نداء الصبح فقط لا باب الأمير، وقال الزرقانی هو المتعين، وهو الأوجه عندی. (أوجز المسالک إلی موطأ الإمام مالک: ٣٠/٢، طبع مكتبة إمدادية، مكة المكرمة) (شرح الزرقانی علی الموطأ، باب ماجاء فی النداء فی الصلاة: ٢٨٣/١/ المنتقی شرح الموطأ، باب ماجاء فی النداء فی الصلاة: ١٣٨/١. انیس)

(۲) كان رسول الله صلی الله عليه و سلم يرغب فی قيام رمضان من غير أن يأمرهم فيه بعزيمة فيقول: "من قام رمضان إيماناً واحتساباً غُفرله ما تقدم من ذنبه"، فتوفی رسول الله صلی الله عليه وسلم والأمر علیٰ ذلک، الخ. (جامع الأصول، شهر رمضان: ٣٣٩/٩) (الصحيح لمسلم، باب الترغيب فی قيام رمضان (ح: ٧٥٩)/ أخبار مكة للفاكهی، ذكر الاعتكاف فی المسجد الحرام (ح: ١٣٤٨)/ سنن أبی داؤد، باب فی قيام شهر رمضان (ح: ١٣٧١)/ سنن النسائی، باب ثواب من قام رمضان وصامه إيماناً واحتساباً (ح: ٢١٩٨) انیس)

أيضاً: "إن الله فرض صيام رمضان وسننت لكم قيامه، فمن صامه وقامه إيماناً واحتساباً خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه". (جامع الأصول: ٤٤١/٩) (مسند الإمام أحمد، حديث عبدالرحمن بن عوف الزهری (ح: ١٦٦٠)/ السنن الكبریٰ للنسائی، ذكر اختلاف يحيٰ بن أبی كثير (ح: ٢٥٣١)/ مسند أبی يعلی الموصلی، من مسند عبدالرحمن بن عوف (ح: ٨٦٤) انیس)

(۳) "إن عمر بن الخطاب أمره (أی أبی بن كعب) أن يصلی بالليل فی رمضان، فقال: إن الناس يصومون النهار ولا يحسنون أن يقرؤا فلو قرأت عليهم بالليل، فقال: يا أمير المؤمنين! هٰذا شیء لم يكن، فقال: قد علمت ولكنه حسن، فصلی بهم عشرين ركعة". (كنز العمال: ٤٠٩/٨، رقم الحديث: ٢٣٤٧١، طبع بيروت)

عن ابن عباس قال: كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يصلی فی رمضان عشرين ركعة ويوتر بثلاث. (المنتخب من مسند عبد بن حميد، ت: الصبحی، مسند ابن عباس (ح: ٦٥٣)　==

''الصلاۃ خیر من النوم'' کو قصداً دو حصوں میں پڑھنا:

سوال: ہمارے محلّہ میں ایک حافظ صاحب صبح کی اذان پڑھتا ہے، تو وہ ''الصلاۃ'' پڑھ کر قصداً سانس توڑ دیتا ہے اور پھر ''خیر من النوم'' پڑھتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ یہ سانس توڑنا سنتِ رسول ہے اور بڑا ثواب ہے۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس مؤذن کا طریقہ غلط ہے اور اس کو سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا بڑی غلطی ہے۔ ''الصلاۃ خیر من النوم'' کے دو ٹکڑے نہ کئے جائیں۔(١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٥/٤١٩-٤٢٠)

== قال زيد بن وهب كان عبدالله بن مسعود يصلي بنا في شهررمضان فينصرف وعليه ليل ، قال الأعمش: كان يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث،وقال عطاء : أدركتم يصلون في رمضان عشرين ركعة والوترثلاث ركعات،الخ.(مختصرقيام الليل وقيام رمضان وكتاب الوتر،باب عددركعات يقوم بهاالإمام: ١/٢٢١)

عن أبي الشحناء أن علياًرضي الله عنه أمررجلاًأن يصلي بالناس في رمضان خمس ترويحات عشرين ركعة.(الشريعة للآجري،باب ذكراتباع علي بن أبي طالب (ح: ١٢٤٠)انيس)

أيضاً:"وروى أسد بن عمروعن أبي يوسف قال: سالت أبا حنيفة رحمه الله عن التراويح وما فعله عمررضي الله عنه ... ولقد سن عمرهٰذا وجمع الناس على أبي بن كعب فصلاها جماعة،والصحابة متوافرون، الخ.(الاختيار لتعليل المختار: ٦٨/١،باب صلاة التراويح)

(١) "يترسل في الأذان،ويحدرفي الإقامة، وهذا بيان الاستحباب والترسل أن يقول:"اللّٰه أكبر،اللّٰه أكبر"،ويقف ثم يقول مرة أخرى مثله،وكذلك يقف بين كل كلمتين إلٰى آخرالأذان ".(الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما: ٥٦/١،رشيدية)

(ويترسل فيه) بسكتة بين كل كلمتين .(الدر المختار)"وهذه السكتة بعد كل تكبيرتين لا بينهما ".(رد المحتارعلى الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٣٨٧/١،سعيد)

(قوله:لحن)فلا ينقص شيئا من حروفه،ولايزيد في أثنائه حرفاً، وكذا لايزيد ولاينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات وغيرذلك لتحسين الصوت.(حاشية الشلبي علٰى تبيين الحقائق، كتاب الصلاة،باب الأذان: ٩٠/١،امدادية)

"(ويتمهل)يترسل في الأذان بالفصل بسكتة بين كل كلمتين أي جملتين إلا في التكبيرالأول،فإن السكتة تكون بعد تكبيرتين"(مراقي الفلاح،كتاب الصلاة،باب الأذان: ١٩٦،قديمي)

(ويترسل فيه)أي يتمهل في الأذان بأن يفصل بين كلمتين ولايجمع بينهما فإنه سنة كما في شرح الطحاوي،وفي القنية وينبغي أن يفصل قليلاً،وإلا فالإعادة (ويحدرفيها)أي يسرع في الإقامة ويكون صوته فيها أخفض من صوته في الأذان.(مجمع الأنهر،باب الأذان: ١١٥/١،دارالكتب العلمية.انيس)

"الصلوٰۃ خیر من النوم" کب کہا جائے:

سوال: ایک مسجد کے مؤذن صاحب روزانہ فجر کی اذان میں "حی علی الفلاح" کے بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" چھوڑ کر اذان مکمل کر دیتے ہیں، پھر بعد میں ان کلمات کو بولتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، بی بی کا چشمہ)

الجواب

فجر کی اذان میں "حی علی الفلاح" کے بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنا مستحب ہے۔

(ویقول) ندبا (بعد فلاح أذان الفجر، الصلوٰۃ خیر من النوم...)". (الدرالمختار: ٥٤/٢)(١)

کیونکہ حدیث میں اسی موقع پر "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنا ثابت ہے،(٢) گو بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اذان مکمل ہونے کے بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہا جائے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔(٣) (کتاب الفتاویٰ: ١٤٢/٢)

فجر کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" چھوٹ گیا:

سوال: اگر مؤذن فجر کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" بھول جائے، تو اذان صحیح ہو جائے گی یا دوبارہ دینا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر اذان کے درمیان ہی یاد آ جائے، تو جو کلمات چھوٹ گیا ہے وہاں سے آخر تک کے کلمات کہہ کر اذان پوری کرے اور اگر اذان پوری کرنے کے بعد یاد آئے تو غلطی درست کر کے آخر تک کلمات کا اعادہ کرے، اگر کافی وقت گذر جائے تو دوبارہ اذان دینا ضروری نہیں۔

عالمگیری میں ہے: "ویرتب بین کلمات الأذان والإقامة کما شرح، کذا فی محیط السرخی".

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنابر: ٣٨٧/١-٣٨٨۔

(٢) دیکھئے! أبوداؤد، رقم الحدیث: ٥٠٠، باب کیف الأذان، محشی

أبو محذورۃ رضی اللّٰہ عنہ یقول: کنت غلامًا صبیًا فأذنت بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الفجر یوم حنین فلما بلغت حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح قال رسول اللّٰہ. صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ألحق فیها "الصلوٰۃ خیر من النوم". (الدارقطنی، باب ذکر الإقامة واختلاف الروایات فیها (ح: ٨٩٩)

عن بلال رضی اللّٰہ عنہ أنہ أتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یؤذنہ بصلاۃ الفجر، فقیل: ہو نائم، فقال: "الصلاۃ خیر من النوم، الصلاۃ خیر من النوم"، فأقرت فی تأذین الفجر فثبت الأمر علی ذلک. (سنن ابن ماجة، باب السنة فی الأذان (ح: ٧١٦)/سنن البیہقی، باب التثویب فی أذان الصبح (ح: ١٩٨٣) انیس)

(٣) دیکھئے! رد المحتار: ٥٤/٢ (کتاب الصلاۃ، مطلب فی أول من بنی المنابر للأذان. انیس)

”وإذا قدم فی أذانه أوفی إقامته بعض الکلمات علٰی بعض نحوأن یقول:”أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه“ قبل قوله: ” أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه“ فالأفضل فی هذا أن ما سبق علٰی أوانه لایعتد به حتی یعیده فی أوانه و موضعه وإن مضٰی علٰی ذلک جازت صلٰوتهم،کذا فی المحیط. (الفتاویٰ الهندیة: ١/٣٤،الباب الثانی فی الأذان،الفصل الثانی)(١)فقط و اللّٰه تعالٰی أعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۴/۲۹۷)

”الصلاة خیرمن النوم“ کے بغیراذان:

سوال: فجر کی اذان میں اگر ”الصلاة خیرمن النوم“ بھول جائے،تواذان ہوگئی یادوبارہ پڑھیں؟اگرکوئی جان بوجھ کرچھوڑ دے،تواذن ہوگئی یادوبارہ پڑھیں؟

الجواب

فجرکی اذان میں ”الصلاة خیرمن النوم“ کہنامستحب ہے۔(٢) جان بوجھ کرتونہیں چھوڑناچاہیے،لیکن اگریاد نہیں رہایاجان بوجھ کرچھوڑدیاتب بھی اذان ہوگئی،دوبارہ نہیں کہی جائے گی۔(آپ کے مسائل اوران کاحل:۳/۲۹۵)

فجرکی قضاکیلئے اذان میں ”الصلاة خیرمن النوم“ کہے یانہیں:

سوال: اگرفجرکی نمازقضاہوجائے اوراس کوپڑھتے وقت اذان کہی جاوےتواس میں ” الصلاةخیرمن النوم“ کہنامسنون ہے یانہ؟

الجواب

نمازِفجراگرقضاہوئی اورجماعت کے ساتھ اس کواداکرناہے،تواذان کہنااس کے لئے سنت ہے اوراذان ویسے ہی ہونی چاہئے؛جس طرح صبح کی اذان ہے،یعنی مع ”الصلوٰة خیرمن النوم“ کے۔کما یفیده إطلاق قول القهستانی.(٣)

(و)یسن أن (یؤذن ویقیم لفائتة)رافعاً صوته لوبجماعة أو صحراء لا ببیته منفرداً.(الدرالمختار)(۴)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۶)

(١) المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی،الفصل السادس عشرفی التغنی والإلحان: ١/٣٤٨.انیس
ویرتب بین کلمات الأذان والإقامة کماشرع ، فإن قدم بعضاًوأخربعضاًفالأفضل الإعادة مراعاةً للترتیب وأن یوالی بین کلمات الأذان والإقامة حتی لوترک الموالاة فالسنة أن یعیدالأذان.(العنایة شرح الهدایة،باب الأذان: ١/٣٤٤.انیس)

(٢) ویزید بعد فلاح أذان الفجر ”الصلوٰة خیرمن النوم“ مرتین کذا فی الکافی.(الفتاویٰ الهندیة: ١/٥٥)
عن سعیدبن المسیب عن بلال أنه أتی النبی صلی الله علیه وسلم یؤذنه بصلاة الفجر فقیل هونائم فقال:الصلاة خیرمن النوم ،الصلاة خیرمن النوم فأقرت فی تأذین الفجر فثبت الأمر علی ذلک.(سنن ابن ماجة، باب السنة فی الأذان (ح:٧١٦)انیس)

(٣) (ویؤذن للفائتة) الواحدة (ویقیم)أیضاًوان اکتفیٰ بهاجاز،کما فی الجلابی،(وکذا)یؤذن ویقیم (لأولی الفوائت) الکثیرة (ولکل من)الفوائت (البواقی یأتی بهما)أی الأذان والإقامة (أوبها)أی بالإقامة کماقال محمد، وأما عندهما فإنه یأتی بهمالکل، کمافی الجلابی.(جامع الرموز،فصل الأذان: ٧١،مظهرالعجائب کلکته.انیس)

(۴) الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب الأذان: ١/٣٦٢،ظفیر

اذان کے اخیر میں محمد رسول اللہ کا اضافہ

اذان کے آخر میں ''محمد رسول اللّٰہ'' پڑھنا خلاف سنت ہے:

سوال: ہمارے شہر کی جامع مسجد کے پیش امام صاحب جب اذان دیتے ہیں، تو اذان کے آخری الفاظ ''اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر، لا إلٰہ إلا اللّٰہ'' کے ساتھ ''محمد رسول اللّٰہ'' بھی پڑھتے ہیں، جب کہ اذان کے آخری الفاظ پورا کلمہ طیبہ کے طور پر نہیں پڑھے جاسکتے، کیا اس طرح اذان درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

آپ کے امام صاحب خلاف سنت کرتے ہیں، اذان ''لا إلٰہ إلا اللّٰہ'' پر ختم کی جاتی ہے۔(۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۹۶/۳-۲۹۷)

اذان کے ختم پر ''محمد رسول اللّٰہؐ'' کہنا:

سوال: جوابِ اذان میں اخیر کلمہ ''لا الٰہ الا اللّٰہؐ'' کے بعد اگر کوئی شخص ''محمد رسول اللّٰہ'' پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس جگہ ثابت نہیں، (۲) ویسے جس طرح ''لا إلٰہ إلا اللّٰہ'' پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح ''محمد رسول اللّٰہ'' پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۲/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۳/۵)

---

(۱) کما فی أذان عبد اللّٰہ بن زید بن عبد ربہ الأنصاری. (مشکوٰۃ: ٦٤) أخرجہ البخاری فی خلق أفعال العباد، باب أفعال العباد: ٥٤/١/ وابن أبی شیبة فی تاریخ المدینة، موافقات أخریٰ عن عروة بن رویم: ٨٦٧/٣/ وأبو داؤد فی سننه، باب کیف الأذان (ح: ٤٩٩)/ وابن الجارود فی المنتقیٰ، باب ماجاء فی الأذان (ح: ١٥٨)/ ابن حبان فی صحیحه (ح: ١٦٧٩)/ والبیهقی فی السنن الصغریٰ، باب السنة فی الأذان والإقامة للصلاة (ح: ٢٧٣) والکبریٰ، باب بدء الأذان (ح: ١٨٣٥)==

اجابت اذان میں "محمد رسول اللّٰہ" بڑھانا بدعت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب مؤذن اذان دیتا ہے، تو اجابت اذان جو کی جاتی ہے، تو آخری کلمہ "لا إلٰہ اللّٰہ" کے بعد اجابت میں "محمد رسول اللّٰہ" بھی پڑھنا چاہئے، یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ کلمہ بڑھانا گناہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پورا کلمہ پڑھنا چاہئے، اس میں کونسا قول صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔ (المستفتی: نامعلوم......١٠/٥/١٩٩٠ء)

الجواب

اجابت اذان سنت ہے اور اپنی طرف سے اذان کے کلمات کی زیادت بدعت سیئہ ہے۔(١) وھو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ:١٧٥/٢)

☆☆☆

== وأیضاً: کما فی أذان أبی محذورة .(مسندالإمام أحمد،أبومحذورة المؤذن (ح: ١٥٣٧٩)/سنن أبی داؤد، باب کیف الأذان (ح: ٥٠٠)/الصحیح لابن حبان،ذکرالبیان بأن المؤذن إذا رجع فی أذانه (ح: ١٦٨٢)/المعجم الکبیر للطبرانی،سمرة بن معیز أبومحذورة الجمحی مؤذن رسول اللّٰہ،الخ (ح:٦٧٣٥)انیس)

(٢) حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہما کی اذان میں محمد رسول اللہ کا اضافہ نہیں ہے۔اذان میں ایسا اضافہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے،فقہاء کرام نے اس سے منع فرمایا ہے۔انیس

حاشیہ صفحہ ھذا:

(١) قال العلامة الحصکفی:(بأن یقول)بلسانه (کمقالته) إن سمع المسنون منه.(الدرالمختار)

قال ابن عابدین:(قوله کمقالته)أی مثلها فی القول لا فی الصفة من رفع صوت ونحوه.(رد المحتار علی هامش الدرالمختار، باب الأذان،مطلب فی کراهة تکرارالجماعة فی المسجد: ٢٩٢/١)

عن عائشة رضی الله عنها قالت:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:من أحدث فی أمرنا هذا مالیس فیه فهو رد.(الصحیح للبخاری،باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود (ح:٢٦٩٧)/الصحیح لمسلم،باب نقض الأحکام الباطلة ومحدثات الأمور (ح:١٧١٨)انیس

اذان کا اعادہ-احکام ومسائل

اذان کے الفاظ غلط پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مؤذن ہے، جو اذان کے بعض الفاظ اسی طرح پڑھتا ہے کہ "أللّٰہ أکبر" کے 'ھا' پر فتحہ اور "حی علی الفلاح" میں "الفلاح" کے 'فا' کلمہ پر ضمہ پڑھتا ہے، تو اذان دینا صحیح ہے یا غلط؟ ہمیں جلدی جواب سے نوازیں، زیادہ آداب وسلام عرض ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی حکیم قلم خان لنڈی کوتل......٦/٣/١٩٧٨ء)

الجواب

اس مؤذن کے لئے الفاظ درست کرنے سے قبل اذان دینا مکروہ ہے۔

فی الدر المختار: (ولا لحن فیه) أی تغنی یغیر کلماته فإنه لایحل،الخ. (ردالمحتار: ٣٥٩/١)(١)وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ:١٧٧/٢)

اذان یا تکبیر غلط کہے تو اسے لوٹائے یا نہیں:

سوال: کوئی شخص اذان یا تکبیر غلط کہے تو دوبارہ لوٹائی جاوے یا نہیں؟

الجواب

لوٹائی جاوے۔(٢) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:١٢٠/٢)

---

(١) قال العلامة ابن عابدين: (قوله يغير كلماته) أی بزيادة حركة أو حرف أو مد أو غيرها فی الأوائل والأواخر. قهستانی. (ردالمحتار هامش الدر المختار، قبيل مطلب فی أول من بنی المنابر للأذان: ٢٨٥/١)

كذا فی جامع الرموز للقهستانی، فصل الأذان: ٧٠، مظهر العجائب كلكته. انيس

(٢) غلط اذان سے جب اذان مسنون ادا نہ ہوئی تو اس کا اعادہ ہوگا، جس طرح غیر عاقل بچہ کی اذان لوٹائی جائیگی۔

"وصبی غير العاقل إذا أذن يجب أن يعاد لعدم حصول المقصود، الخ، ولو قدم فی أذان وإقامة شيئاً علٰى محله يعود إلى الترتيب ولا يستأنف. (غنية المستملی: ٣٦١، ظفير)

ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان والإقامة حتى لو قدم البعض على البعض ترك المقدم ==

اذان میں غلطی کی وجہ سے اس کا اعادہ:

سوال (الف) اذان میں ''أشهد أن محمدًا رسول الله''، میں مؤذن نے ''أشهد أن محمدٌ رسول الله'' پڑھا، تو اذان فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

(ب)　ایسی اذان کا اعادہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

(ج)　ایسی غلط اذان پر مؤذن گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ جب کہ وہ معنی نہیں سمجھتا اور محض نادانی اور جہل کے باعث غلط پڑھتا ہے۔

(د)　پہلی مرتبہ غلط پڑھنے پر یعنی ''أنّ'' کی جگہ ''أنّا'' پڑھنا مؤذن کو دوبارہ ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' نہ پڑھنے دینا اور اذان ایسے ہی روک دینا اور خود یا دوسرے سے جو صحیح پڑھ سکے، اسی سے اذان پڑھوانا شروع کر دینا ٹھیک ہے یا نہیں؟　(محمد احمد عفی عنہ، ۲۱/۲/۱۳۵۹ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس طرح اذان میں پڑھنا ناجائز اور غلط ہے، مؤذن کو چاہئے کہ اذان کو صحیح کرے، اگر وہ بالقصد اس طرح پڑھتا ہے، تو گناہ گار ہے۔(۱)

گو وہ صحیح طریقہ سے اذان کے کلمات کو ادا نہیں کر سکتا، تو اس کو چاہئے کہ اذان کے کہنے سے احتراز کرے، اگر وہ اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرے اور غلط اذان کہنے سے باز نہ آئے اور دوسرا شخص اذان کہنے والا موجود ہو، تو پھر اس دوسرے شخص کو اذان کے لئے متعین کر دیا جائے۔(۲)

تاہم جو اذانیں وہ اس غلط طریقہ پر پڑھ چکا ہے، ان کا اعادہ واجب نہیں۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۲/۱۳۵۹ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم/ربیع الاول/۱۳۵۹ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، یکم/ربیع الاول/۱۳۵۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۴۷-۴۴۸)

== ثم يرتب ويؤلف ويعيد المقدم لأنه لم يصادف محله فلغا وكذلك إذا ثوّب بين الأذان والإقامة في الفجر فظن أنه في الإقامة فأتمها ثم تذكر قبل الشروع في الصلاة فالأفضل أن يأتي بالإقامة من أولها إلى آخرها مراعاة للترتيب. ودليل كون الترتيب (واجب) أن النازل من السماء رتب، وكذا المروي عن مؤذني رسول الله صلى الله عليه وسلم أنهما رتبا، ولأن الترتيب في الصلاة واجب والأذان شبيه بها فكان الترتيب فيه سنة. (بدائع الصنائع، فصل في بيان سنن الصلاة: ۱/۱۴۹. انيس)

(۱)　''الأذان: (هو)... (إعلام مخصوص)... (على وجه مخصوص بألفاظ كذلك)... (ولا لحن فيه) أي تغني بغير كلماته فإنه لا يحل فعله وسماعه''. (الدر المختار) ==

اذان کے ادھورے فقرے کو دوبارہ دہرانا:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد کے مولانا نے ابھی چند روز قبل فجر کی اذان دیتے وقت میری نظر میں ایک غلطی کی تھی، مولانا فجر کی اذان دے رہے تھے کہ ان کو درج ذیل ادھورے جملے پر کھانسی آگئی ''الصلاۃ خیر من'' اور کھانسنے لگے اور اس کے بعد انہوں نے نئے سرے سے دو مرتبہ اس جملے کو دہرایا، میرے خیال میں ان جملوں کی تعداد تین ہوگئی۔ اب میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا اس میں مولانا صاحب کی غلطی ہے یا نہیں؟ اگر تھی، تو پھر کیا ان کو اذان دوبارہ کہنی چاہیے تھی؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے، تو اب جب کہ وہ وقت (فجر) بھی نکل گیا ہے، تو آپ بتائیے کہ اس کا کفارہ مولانا صاحب کس طرح ادا کریں؟

الجواب

جب پورا فقرہ نہیں کہہ سکے تھے، تو اس کو دہرانا ہی چاہیے تھا، اس لیے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۹۷/۳)

کلمات اذان میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو وہاں سے اعادہ کرے:

سوال: اگر مؤذن اذان یا اقامت غلط کہے مثلاً ''حی علی الصلاۃ'' سے پہلے ''حی علی الفلاح'' کہہ دے، تو اذان کا اعادہ کرنا سنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

== ''(قوله يغير كلماته): أى بزيادة حركة أو حرف أو مد أو غيرها فى الأوائل والأواخر. قهستانى''. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۳/۱-۳۸۷، سعيد) (قبيل مطلب فى أول من بنى المنابر للأذان)

''لأن اللحن حرام بلا خلاف''. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع فى الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر، الخ: ۳۷۱/۵، رشيدية)

(۲) ''(و) لا (غير الألثغ به) أى بالألثغ (على الأصح) كما فى البحر عن المجتبىٰ، وحرر الحلبى وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائماً حتماً كالأمى، فلا يؤم إلا مثله، ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه، هذا هو الصحيح المختار فى حكم الألثغ''. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فى الألثغ: ۵۸۱/۱، سعيد)

(۳) ''(و) سببه (بقاء دخول الوقت، وهو سنة)... (مؤكدة)... (للفرائض)... (فى وقتها ولو قضاء)؛ لأنه سنة للصلاة حتىٰ يبرد لا للوقت، (لا) يسن (لغيرها) كعيد''. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۴/۱، سعيد)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان والإقامة حتى لو قدم البعض على البعض ترك المقدم ثم يرتب ويؤلف ويعيد المقدم لأنه لم يصادف محله فلغا. (بدائع الصنائع، فصل بيان سنن الصلاة: ۱۴۹/۱. انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

”حی علی الفلاح“ پہلے کہنے کی صورت میں ”حی علی الصلاۃ“ کے بعد پھر ”حی علی الفلاح“ کہے۔

قال فی شرح التنویر: ولو قدم فیهما مؤخرًا أعاده ما قدم فقط. (الدر المختار)

وفی الشامیة: کما لو قدم الفلاح علی الصلاة یعیده فقط ؛ أی ولا یستأنف الأذان من أوله. (رد المحتار: ١/ ٣٦١)(١) فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم

٢٣/ رجب ١٣٨٩ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢/ ٢٨٥)

اذان سے کوئی کلمہ چھوٹ جائے، تو اذان لوٹائے:

سوال: اذان واقامت میں اگر کوئی لفظ بھول جائے اور بعد اذان واقامت کے یاد آئے، تو اذان واقامت یہی کافی ہے، یا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر اذان واقامت کے فوراً بعد یاد آ گیا، تو جو کلمہ چھوٹ گیا تھا، وہاں سے اعادہ کرے اور اگر کچھ دیر کے بعد یاد آیا تو شروع سے لوٹائے۔

قال فی العلائیة: (ویترسل فیه) بسکتة بین کل کلمتین، ویکره ترکه وتندب إعادته ... ثم قال: ولو قدم فیهما مؤخرًا أعاد ما قدم فقط (ولا یتکلم فیهما) أصلاً ولو رد سلام، فإن تکلم استأنفه. (الدر المختار مع رد المحتار: ١/ ٣٥٩-٣٦١)(٢)

وفی الشامیة: (قوله أعاد ما قدم فقط کما لو قدم الفلاح علی الصلاة یعیده فقط ؛ أی ولا یستأنف الأذان من أوله (قوله استأنفه) إلا إذا کان الکلام یسیرًا، خانیة. (رد المحتار: ١/ ٣٦١)

ان عبارات میں نقص صفت سے حکم اعادہ مذکور ہے، پس نقص ذات سے بطریق اولیٰ اعادہ ہوگا۔ فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

١٠/ صفر ١٣٩٤ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢/ ٢٨٥) ☆

---

(١) باب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنابر للأذان: ١/ ٣٨٩، دار الفکر بیروت
حتی لو قدم البعض علی البعض یعید ثم یؤذن. (البنایة شرح الهدایة، ما یسن فی الأذان والإقامة: ٢/ ٩٦. انیس)

(٢) کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنائر للأذان، انیس

☆ اذان میں کوئی کلمہ بھول جائے:

سوال: اگر اذان کہنے کے درمیان ایک یا دو کلمے چھوٹ جائیں (بھول کر) تو اذان ہوگی یا نہیں؟ ==

اذان میں کوئی کلمہ بھول سے چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: مؤذن صاحب اذان کہہ رہے تھے، وہ اذان کہتے کہتے بیچ میں ”أشهد أن محمدًا رسول الله“ یا ”حي على الصلاة“ بھول گئے، جب اذان پوری کہہ چکے، تو بعد میں یاد آیا فلاں حرف رہ گیا، کیا اذان اس صورت میں دوبارہ کہی جائے گی، یا وہی کافی ہے؟

ھو المصوب

دریافت کردہ صورت میں اذان لوٹائی جائے گی، اذان کی تقدیم وتاخیر سے اذان لوٹانی پڑتی ہے، اسی طرح چھوٹ جانے سے بدرجۂ اولیٰ لوٹانی پڑے گی۔(۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳٦۹)

کلمات اذان میں توقف نہ کیا تو اعادہ مستحب ہے:

سوال: اذان میں ترسل اور اقامت میں حدر مسنون ہے، اس سنت کے ترک سے اذان واقامت کا اعادہ ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

== ھو المصوب

اذان دہرانی ہوگی۔(ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان وأن يوالى بينهما حتى لوترك الموالاة فالسنة أن يعيد.(الفتاوىٰ التاتارخانية: ۱/۳۱۹)

ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان والإقامة حتى لوقدم البعض علىٰ البعض ترك المقدم ثم يرتب ويؤلف ويعيد المقدم لأنه لم يصادف محله فلغا.(بدائع الصنائع: ۱/۳٦۹))

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳٦۹)

(۱) وإذا قدم فى أذانه أوفى إقامته بعض الكلمات علىٰ بعض نحوأن يقول أشهد أن محمدًا رسول الله قبل قوله أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه فالأفضل فى هذا أن ما سبق علىٰ أوانه لايعتد به حتى يعيد فى أوانه وموضعه وإن مضى علىٰ ذلک جازت صلاته.(الفتاوىٰ الهندية: ۱/٥٦،الفصل الثانى فى كلمات الأذان والإقامة)

وإذا قدم المؤذن فى أذانه وإقامته بعض الكلمات علىٰ البعض نحوأن يقول أشهد أن محمدًا رسول الله قبل قوله أشهد أن لا إلٰه إلا الله فالأفضل فى هذا أن ما سبق أوانه لايعتد به حتى يعيد فى أوانه وموضعه؛لأن الأذان شرعت متطوعة مترتبة فتؤدى علىٰ نظيره وترتيبه إن مضى على ذلک جازت صلاتهم.(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى،الفصل السادس عشر فى التغنى والإلحان: ۱/۳٤۸.انيس)

الجواب ــــــــــــ باسم ملہم الصواب

اذان کے ہر کلمہ کے بعد اتنا توقف کرنا کہ اس میں جواب دیا جا سکے، مسنون ہے، اس سنت کا ترک مکروہ ہے، اور اس صورت میں اذان کا اعادہ مستحب ہے۔ اقامت کے کلمات میں سنت یہ ہے کہ توقف نہ کرے، بلکہ جلدی کہے، مگر اس میں ترک سنت سے اعادہ مستحب نہیں۔

قال فی العلائیة: (ویترسل فیه) بسکتة بین کل کلمتین، ویکره ترکه وتندب إعادته...

ثم قال: (ویحدر فیها) فلو ترسل لم یعدها فی الأصح. (الدر المختار)

وفی الشامیة: بخلاف ما لو حدر فی الأذان حیث تندب إعادته کمامر لأن تکرار الأذان مشروع أی کما فی یوم الجمعة بخلاف الإقامة وعلیه فما فی الخانیة من أنه یعید الإقامة مبنی علٰی خلاف الأصح وتمامه فی النهر. (رد المحتار: ١/٣٦١)(١) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

٨/ ربیع الآخر ١٣٩٩ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢/٢٨٦)

"الصلوٰة خیر من النوم" چھوڑ دیا:

سوال: صبح کی اذان میں "الصلوٰة خیر من النوم" کہنا یاد نہیں رہا، تو کیا اذان ہوگئی؟ یا دوبارہ کہی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملہم الصواب

اذان فجر میں "الصلوٰة خیر من النوم" کہنا سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ مندوب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد فوراً یاد آ گیا، تو بہتر ہے کہ یہ جملہ کہہ کر بعد کے کلمات کا اعادہ کرے اور اگر دیر سے علم ہوا، تو اعادہ نہ کرے۔

قال فی شرح التنویر: (ویقول) ندباً (بعد فلاح أذان الفجر: "الصلاة خیر من النوم" مرتین).

قال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالٰی: فیه رد علٰی من یقول إن محله بعد الأذان بتمامه وهو اختیار الفضلی، بحر عن المستصفی. (رد المحتار: ١/٣٦٠)(٢) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

١٥/ رجب ١٣٩٤ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢/٢٨٦)

اولِ وقت میں اذان کہہ دی؛ کیا اعادہ کرے:

سوال: آج کل عصر کا وقت چار بج کر پندرہ منٹ پر شروع ہو جاتا ہے، دوامی جنتری کے حساب سے اتفاق سے زید نے چار بجے عصر کی اذان پڑھ دی، اس اذان کا اعادہ ضروری ہے یا صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے کافی سمجھا جائے گا؟

(١-٢) کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنابر، انیس

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

احوط یہ ہے کہ اذان دوبارہ کہی جائے۔(۱) تکرارِ اذان مشروع ہے۔(۲)

اگر اذان دوبارہ نہ کہی گئی تب بھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ جماعت بلا اذان ہوئی، کیونکہ صاحبین کے نزدیک وقت ہوگیا تھا، کیونکہ صاحبین کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل رہتا ہے اور ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۴۶/۵-۴۴۷)

موجودہ دور میں نقشہ اوقات اذان کا حکم اور قبل از وقت اذان کا اعادہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) جس آدمی کو صبح صادق اور کاذب کی پہچان کا تجربہ نہ ہو، تو اس کے لئے آج کل چھاپ شدہ نقشوں پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) ”(ووقت الظهر من زواله)...(إلٰى بلوغ الظل مثليه)...(سوى فیء)... (الزوال)...(ووقت العصر منه إلٰى)قُبيل (الغروب)“.(الدرالمختار)

”الأحسن ما فى السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل،وأن لايصلى العصر حتٰى يبلغ المثلين،ليكون مؤدياً للصلاة فى وقتهما بالإجماع“.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۵۹/۱، سعيد)

”حتٰى لو أذن قبل دخول الوقت لايجزيه،ويعيده إذا دخل الوقت فى الصلاة فى قول أبى حنيفة ومحمد“.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل فى بيان وقت الأذان والإقامة: ۶۵۸/۱،دارالكتب العلمية،بيروت)

”إذا أذن قبل الوقت يكره الأذان والإقامة،ولايؤذن لصلاة قبل الوقت“.(الفتاوىٰ التاتارخانية،كتاب الصلاة،باب الأذان،نوع آخر فى بيان الصلوات التى لها أذان والتى لا أذان لها: ۵۲۲/۱،إدارة القرآن،كراچى)

قال:(وإن أذن قبل دخول الوقت لم يجزه ويعيده فى الوقت)لأن المقصود من الأذان إعلام الناس بدخول الوقت فقبل الوقت يكون تجهيلاً لا إعلاماً ولأن المؤذن مؤتمن قال صلى الله عليه وسلم:”الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن اللّٰهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنين“،وفى الأذان قبل الوقت إظهار الخيانة فيماائتمن فيه ولوجاز الأذان قبل الوقت لأذن عند الصبح خمس مراتٍ لخمس صلوات وذلک لايجوّزه أحد ، و لا خلاف فيه إلا فى صلاة الفجر.(المبسوط للسرخسى،باب الأذان: ۱۳۴/۱.انيس)

(۲) ”والأشبه أن يعاد الأذان دون الإقامة؛لأن تكرار الأذان مشروع فى الجملة كما فى الجمعة دون الإقامة“.(تبيين الحقائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۲۴۹/۱،دارالكتب العلمية،بيروت)

(۳) ”(ووقت الظهر من زواله)...(إلٰى بلوغ الظل مثليه)وعنه مثله،وهوقولهما وزفروالأئمة الثلاثة.قال الإمام الطحاوى: وبه نأخذ ... (سوى فیء) ... (الزوال) ... (ووقت العصر منه إلٰى)قُبيل(الغروب)“.(الدرالمختار على صدرردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۵۹/۱،سعيد)

==

(۲) وقت سے قبل اذان دینے پر جو اعادہ واجب ہے وہ کتنے منٹ قبل اذان دینے پر ہے ایک شخص نے دس منٹ قبل اذان دینے پر اعادہ کا کہا ہے جواب سے نوازیں اور اجر داریں حاصل کریں۔

(المستفتی: نامعلوم......۱۱ر دسمبر ۱۹۸۳ء)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) چونکہ ان نقشوں کا دارومدار تقلید اغیار پر ہوتا ہے، نہ کہ مشاہدات پر، لہٰذا بجائے اس کے کہ ان پر اعتماد کیا جائے، احوط یہ ہے کہ مشاہدہ پر اعتماد کیا جائے اور طلوع شمس سے سوا گھنٹہ قبل اذان دی جائے اور اس سے قبل ادا شدہ نماز کو دوبارہ پڑھی جائے۔(۱)

(۲) آدھا منٹ اور اس سے بھی کم موجب اعادہ ہے۔(۲) ھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۷۹/۲)

وقت مقرر سے پہلے دی گئی اذان کا حکم:

سوال: قصداً یا سہواً وقت مقرر سے دس، بیس منٹ پہلے اذان پکار دی گئی، تو اسی اذان سے نماز پڑھنی چاہئے یا دوبارہ اذان پکارنا ضروری ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

وقت مقررہ کچھ ہو، اگر نماز کا وقت ہو گیا ہے، تو اذان درست ہے دوبارہ نہیں دی جائے گی۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی ۔ ۱۳۷۱/۱/۲۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۱۳/۲-۱۱۴)

== "فعندهما: إذا صار ظل كل شيء مثله خرج وقت الظهر، ودخل وقت العصر، وهو رواية محمد عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ، وإن لم يذكره في الكتاب نصاً في خروج وقت الظهر". (المبسوط، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة: ۲۹۰/۱، غفارية كوئٹه)

(۱) وفي المنهاج: قلت وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وكذا بين غروب الشمس وغيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد، والمشاهد في ديارنا قدر ساعة وربع ساعة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱۰/۲)

(۲) قال في الهندية: تقديم الأذان على الوقت في غير الصبح لايجوز اتفاقاً وكذا في الصبح عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله وإن قدم يعاد في الوقت، هكذا في شرح مجمع البحرين لابن ملك، وعليه الفتوىٰ هكذا في التاتارخانية ناقلاً عن الحجة. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول في صفة أحوال المؤذن: ۵۳/۱)

وقال العلامة عبد الحيء اللكهنوي: (قوله: في وقتها) أي فتجب إعادة الأذان إن أذن قبل الوقت وكذا لو قدم بعض كلماته على الوقت ووقع بعضها في الوقت يلزم استيناف الكل. (عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية، باب الأذان: ۱۵۲/۱)

(۳) جس نماز کے لئے اذان دی گئی ہے، اگر اس نماز کے مقررہ شرعی وقت سے پہلے اذان دی گئی، تو اس کا اعتبار نہیں، دوبارہ اذان دینی ہوگی۔ اور اگر شرعی وقت شروع ہونے کے بعد اذان دی گئی جو مسجد کی انتظامیہ کے مقرر کئے گئے وقت سے پہلے ہے، تو کوئی حرج نہیں، اذان معتبر ہوگی۔ [مجاہد] ==

صبح صادق اور اذان کے اوقات کی پہچان اور قبل از وقت اذان ونماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس آدمی کو صبح صادق اور کاذب جاننا مشکل ہو ،جیسے عام لوگ، تو ان کے لئے مساجد میں آویزاں شدہ نقشوں کی پابندی ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نقشہ کے حساب سے پندرہ منٹ پہلے اذان دی جائے تو کیا ان کی اذان درست ہوگی اور اگر مسافر اذان سنتے ہی اس اذان پر نماز پڑھ لے تو کیا اس نماز کا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا تو جروا۔

(المستفتی: رحم الدین بام خیل صوابی......۲۱/دسمبر ۱۹۸۳ء)

الجواب

ان نقشوں کی پابندی نہ مطلوب ہے اور نہ ممنوع، ہمارے مشاہدے کے مطابق صبح صادق، طلوع شمس سے سوا گھنٹہ قبل ظاہر ہوتا ہے۔(۱) لہٰذا اس سے قبل جو اذان دی جائے وہ معاد کی جائے گی، اور اس سے قبل ادا شدہ نماز کو بھی معاد کی (لوٹائی) جائے گی۔(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۱۸۰-۱۸۱)

وقت سے پہلے اذان:

سوال: کیا اذان وقت شروع ہونے سے پہلے دی جاسکتی ہے؟ مثلاً: فجر کی اذان کا وقت ۵/۳۷ منٹ پر شروع ہو تو کیا ۵-۳۰ پر اذان دی جاسکتی ہے؟ (محمد جاوید خان، وجے نگر کالونی)

الجواب

اذان کا مقصد نماز کا وقت شروع ہوجانے کی اطلاع دینا ہے، اگر وقت شروع ہوجانے سے پہلے ہی اذان دے دی جائے تو یہ مقصد فوت ہوجائے گا، اور لوگ بھی غلط فہمی میں پڑیں گے، اس لئے ظاہر ہے کہ وقت شروع ہونے کے بعد ہی اذان دینی چاہئے، قبل از وقت اذان دینی درست نہیں، اور اگر دے دی جائے تو اس کا اعتبار نہیں، خواہ فجر کا

== "وأما بيان وقت الأذان والإقامة فوقتهما ماهووقت الصلوات المكتوبات حتى لوأذن قبل دخول الوقت لايجزيه ويعيده إذا دخل الوقت فی الصلوات كلها فی قول أبی حنيفة ومحمد". (بدائع الصنائع: ۱/۴۲۱)

(۱) قلت: وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وكذا بين غروب الشمس وغيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد، والمشاهد فی ديارنا قدر ساعة وربع ساعة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما جاء فی مواقيت الصلاة عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ۲/۱۰)

(۲) قال العلامة عبد الحیء اللكهنوی: (قوله: فی وقتها) أی فتجب إعادة الأذان إن أذن قبل الوقت وكذا لوقدم بعض كلماته علی الوقت ووقع بعضها فی الوقت يلزم استيناف الكل وكذا تجب إعادة الإقامة قبل الوقت. (عمدة الرعاية علیٰ هامش شرح الوقاية، باب الأذان: ۱/۱۵۲)

وقت ہو یا کسی اور نماز کا وقت۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بلال! جب تک صبح طلوع نہ ہوجائے اذان نہ دو، "یا بلال! لا تؤذن حتی یطلع الفجر". (۱)

نیز حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک بار صبح سے پہلے ہی اذان دے دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اعلان کرنے کا حکم فرمایا کہ بندہ سو گیا تھا "إن العبد قد مات". (۲)

تا کہ لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو، (۳) معلوم ہوا کہ فجر میں بھی وقت شروع ہونے کے بعد اذان دینا ضروری ہے۔ قبل از وقت اذان دینی درست نہیں اور اگر دے دے تو اذان کا لوٹانا واجب ہے، ... یہ حنفیہ کی رائے ہے، البتہ بعض فقہا کے نزدیک صرف فجر کی نماز میں رات کے اخیر حصہ میں اذان دینے کی گنجائش ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۱۲۹-۱۳۰)

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقي: ۱/ ۵۶۵، حدیث نمبر: ۱۸۰۲، ابوداؤد میں بھی اس معنی کی حدیث: "حتی یستبین لک الفجر" کے الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے، دیکھئے: ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۳۴، باب الأذان قبل دخول الوقت۔ محشی

عن أبی هریرة عن بلال قال: دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یتسحر بتمر فقال: یابلال! ادن فکل، یابلال! لاتؤذن حتی یطلع الفجر، ثم قال: ثم أتیته بالثانیة وهو یتسحر بتمر فقال: یابلال! ادن فکل، یابلال! لاتؤذن حتی یصیر الفجر هکذا، وأشار وجمع محمد بین أصبعیه السبابتین وفتحهما وأرانا أبو عبدالله. (مسند الرویانی، حدیث بلال مؤذن رسول الله صلی الله علیه وسلم (ح: ٧٤٨) ونحوه فی السنن الکبریٰ للبیهقی عن شداد مولیٰ عیاض عن بلال، باب روایة من روی النهی عن الأذان قبل الوقت (ح: ١٨٠٢) انیس)

عن شداد مولیٰ عیاض بن عامر عن بلال أن رسول الله. صلی الله علیه وسلم. قال له: لا تؤذن حتی یستبین لک الفجر هکذا ومد یدیه عرضًا. (سنن أبی داؤد، باب فی الأذان قبل دخول الوقت (ح: ٥٣٤) [قال أبو داؤد: شداد مولیٰ عیاض لم یدرک بلالاً. قال الألبانی: حدیث حسن. (صحیح أبی داؤد: ٣/ ٤٥)]

عن أبی محذورة أنه أذن لرسول الله صلی الله علیه وسلم و لأبی بکر وعمر، فکان لا یؤذن حتی یطلع الفجر. (مصنف ابن أبی شیبة، من کره أن یؤذن قبل الفجر (ح: ٢٢٢٢) انیس)

(۲) ابوداؤد، اسی طرح ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی، دارمی، مصنف ابن ابی شیبہ، وغیرہ میں یہ حدیث "إن العبد قد نام" کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے، اگرچہ مفہوم دونوں حدیث کا تقریباً برابر ہی ہے۔ سنن ابوداؤد: ۱/ ۷۹، حدیث نمبر: ۵۳۲، باب في الأذان قبل دخول الوقت.

عن ابن عمر أن بلالاً أذن قبل طلوع الفجر فأمره رسول الله صلی الله علیه وسلم أن یرجع فینادی: ألا إن العبد قد نام، ألا إن العبد قد نام. (سنن أبی داؤد، باب فی الأذان قبل الوقت (ح: ٥٣٢)/ مصنف عبدالرزاق، باب الأذان فی طلوع الفجر (ح: ١٨٨٨)/ سنن الترمذی، باب ماجاء فی الأذان باللیل (١/ ٢٧٧)/ شرح معانی الآثار، باب التأذین للفجر (ح: ٨٦٤)/ السنن الکبریٰ للبیهقی، باب روایة من روی النهی عن الأذان قبل الوقت (ح: ١٨٠٣)/ مسند البزار عن الحسن عن أنس بن مالک، مسند أبی حمزة أنس بن مالک (ح: ٦٦٦٧)/ الکنیٰ والأسماء للدولابی، من کنیته أبونصر وأبونصیرة أبونصر یحيٰ (ح: ١٩٢٣)/ معجم ابن الأعرابی، باب الجیم (ح: ١٤٢٤)/ سنن الدارقطنی، باب ذکر الإقامة واختلاف الروایات فیها (ح: ٩٥٤)/ معرفة السنن والآثار، الأذان قبل طلوع الفجر (ح: ٢٤٢٤)/ مسند الفاروق لابن کثیر، کتاب الإیمان (٢/ ٦٤٣) انیس)

(۳) لأن المقصود من الأذان إعلام الناس بدخول الوقت فقبل الوقت یکون تجهیلاً لا إعلاماً. (المبسوط للسرخسی، باب الأذان: ١/ ١٣٤. انیس)

وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر وقت سے پہلے مثلاً قبل الزوال اذان ہو جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: اختر گل ظہران افریقہ...... ۱۱/۲۷/ ۱۹۷۵ء)

الجواب

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اذان قبل الزوال جائز نہیں ہے۔

لأن المقصود من الأذان إعلام الناس بالوقت وفی الأذان قبل الوقت تجهيل لهم، (۱) ولم يروفيه حديث ثابت حتیٰ يترک به القياس. (۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۱۷۴)

رمضان المبارک میں عشا کی اذان قبل از وقت کہنا:

سوال: رمضان شریف کے مہینے میں کچھ لوگ جلدی تراویح پڑھنے کے واسطے مغرب کے وقت میں ہی عشا کی اذان دے دیتے ہیں، ابھی عشا کا وقت شروع ہی نہیں ہوتا ہے اور عشا کی اذان دے دیتے ہیں، اور اس کے بعد عشا کی نماز پڑھتے ہیں، کیا ان کی نماز بغیر اذان کے ہوئی یا اذان ہوگئی؟ ان کا یہ فعل کیسا ہے اور دوسروں کو کیا کرنا چاہیے، وہ لوگ دوسری مسجدوں کا حوالہ دیتے ہیں، دوسری مسجد ہمارے لیے حجت ہے یا نہیں؟

الجواب

جس اذان کا ایک جملہ بھی وقت سے پہلے کہا گیا ہو، وہ اذان کالعدم ہے، وقت ہونے کے بعد دوبارہ اذان دینا چاہیے، ورنہ نماز بغیر اذان کے ہوگی اور جو نماز اذان کے بغیر ہو وہ خلاف سنت ہوئی۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰۸)

---

(۱) كذا فی المبسوط للسرخسي، باب الأذان: ۱/۱۳٤. انيس

(۲) عن نافع عن مؤذن لعمر يقال له مسروح أذن قبل الصبح فأمره عمر رضی الله عنه أن يعيد. (مصنف ابن أبی شيبة، يؤذن بليل أيعيد الأذان أم لا (ح: ۲۳۰۸)/ سنن أبی داؤد، باب الأذان للأعمیٰ (ح: ۵۳۳)/ سنن الدار قطنی، باب ذكر الإقامة واختلاف الروايات فيها (ح: ۹۵۵)/ السنن الكبریٰ للبيهقی، باب رواية من روی النهی عن الأذان قبل الوقت (ح: ۱۸۰۱) انيس)

وفی الهندية: تقديم الأذان على الوقت فی غير الصبح لايجوز اتفاقاً وكذا فی الصبح عند أبی حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالیٰ وإن قدم يعاد فی الوقت هكذا فی شرح مجمع البحرين لابن ملك وعليه الفتویٰ هكذا فی التاتارخانية: ناقلاً عن الحجة. (الفتاویٰ الهندية، باب الأذان: ۱/۵۳)

(۳) حتی لو أذّن قبل دخول الوقت لا يجزيه ويعيده إذا دخل الوقت فی الصلوات كلها فی قول أبی حنيفة ومحمد. (بدائع الصنائع، فصل بيان وقت الأذان والإقامة: ۱/۱۵٤) ==

وقت سے پہلے اذان دینے کا وبال کس پر ہے:

سوال: زید ایک مسجد میں مؤذن کے فرائض انجام دے رہا ہے، مؤذن اپنے وقت پر اذان دیتا ہے، لیکن ''کمیٹی'' والوں کا اصرار ہے کہ اذان اس وقت دو جس وقت ہم کہہ رہے ہیں۔ کمیٹی والوں کا بتایا ہوا وقت دخول وقت اذان سے پہلے ہے۔ مثال کے طور پر آج کل عصر کا وقت فقہ حنفی کے مطابق چار بج کر تیرہ منٹ پر داخل ہو رہا ہے، لیکن کمیٹی والوں کا کہنا ہے کہ سوا چار کے بجائے چار بجے اذان دو، اور عشا کا وقت سات بج کر دس منٹ پر داخل ہو رہا ہے، جب کہ کمیٹی والوں کا کہنا ہے کہ اذان سات بجے دو، اور اسی طرح فجر کا وقت پانچ بج کر اکیاون منٹ پر داخل ہو رہا ہے، جب کہ کمیٹی والے کہتے ہیں کہ ساڑھے پانچ بجے اذان دو، یہ مسئلہ جب امام صاحب کے پاس پہنچا، تو انہوں نے بھی ارشاد فرمایا کہ جس طرح کمیٹی والے کہتے ہیں، اسی طرح کرو، اب اس صورت میں یہ مسائل دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا قبل از وقت اذان دینا صحیح ہے؟ یا اس کا اعادہ ضروری ہے؟

(۲) کمیٹی والوں کا اس طرح بے جا اصرار کرنا صحیح ہے؟

(۳) اس صورت میں مؤذن نے اگر اذان دی، تو اس کا وبال کس پر ہوگا؟ کمیٹی والوں پر یا پیش امام پر؟

(۴) امام کا کمیٹی والوں کی تائید کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ حق چھپانے کے زمرے میں نہیں آئے گا؟

الجواب

(۱) وقت سے پہلے اذان دینا صحیح نہیں، کیوں کہ اذان نماز کے وقت کی اطلاع کے لیے دی جاتی ہے اور وقت سے پہلے نماز ہوتی نہیں، لہٰذا قبل از وقت اذان کہنا غلط اور موجب تلبیس ہے، اگر کبھی غلطی سے ایسا ہو جائے، تو وقت شروع ہونے کے بعد دوبارہ اذان کہی جائے، ورنہ یہ نماز ''اذان کے بغیر'' شمار ہوگی۔ (۱)

== أیضاً: شرح مختصر الطحاوی: ۵۵۸/۱، طبع دار السراج، بیروت)

قال: (وإن صلى أهل المصر بجماعة بغير أذان وإقامة فقد أساء وا) لترک سنة مشهورة وجازت صلاتهم لأداء أركانها والأذان والإقامة سنة ولكنهما من أعلام الدين فتركهما ضلالة هكذا قال مكحول: السنة سنتان سنة أخذها هدى وتركها لا بأس به، وسنة أخذها هدى وتركها ضلالة كالأذان والإقامة وصلاة العيدين. (مبسوط السرخسي، أذان المرأة: ۱۳۳/۱. انیس)

(۱) ولا يؤذّن لصلاة قبل دخول وقتها، فإن فعل أعاد في الوقت، لأن الأذان للإعلام وهو قبل دخول الوقت تجهيل ... الخ. (الجوهرة النيرة: ٤٤/١)

أيضًا: قال أبو جعفر: ولا يؤذّن لشئ من الصلوات إلاّ بعد دخول وقتها في قول أبي حنيفة ومحمد... الحجة لأبي حنيفة ... ==

(٢) چونکہ قصداً وقت سے پہلے اذان کہنا، دینی امانت کے خلاف ہے،(١) اور اس سے لوگوں کی نماز کے غارت ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے مسجد کی انتظامیہ کا قبل از وقت اذان پر اصرار غلط ہے، گناہ ہے۔

(٣) اس کا وبال مؤذن پر بھی ہوگا، امام پر بھی اور مسجد کی انتظامیہ پر بھی۔ اگر یہ لوگ اپنی غلطی کی اصلاح نہ کریں تو امام، امامت کا اہل نہیں اور انتظامیہ مسجد کے معاملات کا انتظام کرنے کی اہل نہیں۔

(٤) اوپر آچکا ہے کہ امام کا انتظامیہ کے ایسے فیصلے کی تائید کرنا جو شرعاً غلط ہے، امام کی نااہلی کی دلیل ہے، امام کو ایسے غلط فیصلے کی تائید ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔(٢) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣/٣٠٥-٣٠٦)

اذان کے اوقات میں تلفیق بین المذاہب جائز نہیں:

سوال: ایک مسجد میں عصر کی اذان صاحبین کے قول کے مطابق اور نماز امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہوتی ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

== عن ابن عمر أنّ بلالاً رضی اللّٰہ عنہ أذّن قبل طلوع الفجر فأمره النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أن یرجع فینادی: " ألا إن العبد نام". (شرح مختصر الطحاوی: ١/٥٥٨-٥٥٩، باب الأذان)

ولا یؤذن لصلاة قبل دخول الوقت ویعاد فیه. (تحفة الملوک، فصل فی الأذان، الأذان قبل دخول الوقت: ١/٥٠)

عن أبی موسیٰ قال: کان الحسن إذا ذکر عنده هؤلاء الذین یؤذنون بلیل فقال: یقال: عُلُوجٌ فُرَّاغٌ لایصلون الإقامة لو أدرکهم عمربن الخطاب لأوجعهم ضرباً أو لأوجع رؤوسهم. (مصنف ابن أبی شیبة، یؤذن بلیل أیعید الأذان أم لا (ح: ٢٣٠٩) انیس)

(١) لأن المؤذن مؤتمن قال صلی اللّٰہ علیه وسلم: الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن اللّٰهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنین، وفی الأذان قبل الوقت إظهار الخیانة فیماائتمن فیه. (المبسوط للسرخسی، باب الأذان: ١/١٣٤)

ولأن الأذان شرع للإعلام بدخول الوقت والإعلام بالدخول قبل الوقت کذب وکذا هو من باب الخیانة فی الأمانة والمؤذن مؤتمن علی لسان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ولهذا لم یجز فی سائر الصلوات. (بدائع الصنائع، فصل بیان وقت الأذان والإقامة: ١/١٥٤)

قوله: (والمؤذن مؤتمن) یعنی: أمین علی صلاتهم وصیامهم، لأنهم یعتمدون علیه فی دخول الأوقات وخروجها وأیضاً هو یطلع علی حرم المسلمین لارتقاءه علی المواضع المرتفعة وعن هذا قالوا: یکره أذان الجاهل مواقیت الصلاة وأذان الفاسق. (شرح أبی داؤد للعینی، باب مایجب علی المؤذن من تعاهد الوقت: ٢/٤٦٨)

وأما أمانة المؤذنین فقیل: لأنهم أمناء علی مواقیت الصلاة. (قوت المغتذی علی جامع الترمذی، أبواب الصلاة: ١/١٢٤) انیس)

(٢) ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾. (سورة المائدة: ٢)

فیعم النهی کل ماهو من مقولة الظلم والمعاصی ویندرج فیه النهی عن التعاون علی الاعتداء والانتقام. (روح المعانی للآلوسی، تفسیر سورة المائدة: ٣/٢٣٠. انیس)

الجواب ــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً و مسلماً

کسی عمل واحد میں دو اماموں کے مذہب پر عمل کو فقہا کی زبان میں تلفیق (١) کہتے ہیں اور تلفیق منع و ناجائز ہے۔
واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حنیف غفرلہ، ١٦/١٢/١٤٠٩ھ۔ الجواب صحیح: حبیب اللہ القاسمی غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ٢/٣١٧)

اذان میں سانس ٹوٹ جائے تو کیا کرے:

سوال: جس مؤذن کا سانس اتنا کم ہو کہ وہ جب اذان دے تو سانس ختم ہونے کی وجہ سے کلمہ کا آخری حرف ختم ہو جاتا ہے اور دانت ٹوٹنے کی وجہ سے سامعین کو ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف معلوم ہوتا ہو تو کیا ایسے شخص کی اذان ہو جاتی ہے؟ اور ایسے شخص کا اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اگر وہ اذان دینے کے لئے ملازم ہے تو صحیح حرف ادا کرے، کوئی حرف کم نہ کرے ورنہ دوسرا شخص جو اہل ہو وہ اذان دیا کرے۔ (٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ ١٥/٦/١٣٨٨ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ ١٥/٦/١٣٨٨ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٥/٤١٦)☆

---

(١) التلفيق بين المذاهب:

المراد بالتلفيق بين المذاهب أخذ صحة الفعل من مذهبين معاًبعد الحكم ببطلانه على كل واحد منهما بمفرده ومثاله: متوضىء لمس امرأة أجنبية بلاحائل وخرج منه نجاسة كدم من غير السبيلين فإن هذا الوضوء باطل باللمس عند الشافعية وباطل بخروج الدم من غير السبيلين عندالحنفية ولاينقض بخروج تلك النجاسة من غير السبيلين عند الشافعية ولاينقض أيضاًباللمس عند الحنفية فإذا صلى بهذا الوضوء فإن صحة صلاته ملفقة من المذهبين معاً.(الموسوعة الفقهية الكويتية،التلفيق بين المذاهب:١٣/٢٩٤)انيس)

وأن الحكم الملفق باطل بالإجماع وأن الرجوع عن التقليد بعدالعمل باطل اتفاقاً وهو المختار فى المذهب وأن الخلاف خاص بالقاضى المجتهدوأما المقلد فلا ينفذ قضاؤه بخلاف مذهبه أصلاًكما فى القنية.(الدر المختار على صدر ردالمحتار،مقدمة:١/٧٥)

(قوله:وأن الحكم الملفق)المراد بالحكم الحكم الوضعى كالصحة ومثاله:متوضىء سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلى فإن صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي والتلفيق باطل فصحته منتفية.(رد المحتار، مقدمة، مطلب فى حكم التقليد والرجوع عنه : ١/٧٥.انيس)

(٢) "قال رحمه الله تعالىٰ:بلا ترجيع ولحن".(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق) ==

درمیان اذان میں بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ:

سوال: لاؤڈ اسپیکر کی مشین بالکل ایک کمرہ میں رکھی ہوئی ہے، اسی میں کھڑے ہوکر اذان کہی جاتی ہے، کبھی کبھی درمیان اذان لائٹ غائب ہوجاتی ہے، تو ایسی صورت میں کمرہ سے باہر آکر بقیہ اذان پوری کی جائے یا کمرہ میں، اور پھر کمرہ سے باہر آکر اذان کا اعادہ کیا جائے؟ ازروئے شرع فرمائیں؟

== قال الشيخ الشلبي: ”(قوله لحن)قال الشيخ باكير رحمه الله تعالىٰ عند قوله(بلا ترجيع ولحن): يقال: لحن في القراء ة طرب وترنم مأخوذ من إلحان الأغاني، فلا ينقص شيئاً من حروف ولا يزيد في أثنائه حرفاً وكذا لا يزيد ولا ينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات وغيرذلك لتحسين الصوت، فأما مجرد تحسين الصوت بلا تغيير، فإنه حسن آه“. (تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٢٤١/١، دار الكتب العلمية بيروت)

”ومنها: أي من صفات المؤذن: أن يكون عالماً بالسنة لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”يؤمكم أقرأكم، ويؤذن لكم خياركم، وخيار الناس العلماء“. ولأن مراعاة سنن الأذان لا يأتي إلا من العالم بها“ (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن: ٦٤٦/١، دار الكتب العلمية، بيروت)

☆ مؤذن کا دوران اذان واقامت بات چیت کرنا:

مسئلہ: مؤذن کے لئے اذان واقامت کے دوران بات چیت کرنا مکروہ ہے، اگر ایک دو بات کرلی تو اذان واقامت درست ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر زیادہ بات چیت کی تو اذان کا لوٹانا مستحب ہے، البتہ اقامت کو نہیں لوٹایا جائے گا، کیونکہ اقامت دوبارہ کہنا ثابت نہیں ہے۔

(الحجة على ما قلنا: ما في المبسوط للسرخسي: قال: (ولا يتكلم المؤذن في أذانه وإقامته) لأنه ذكر معظم كالخطبة فيكره التكلم في خلاله لما فيه من ترك الحرمة. (٢٧٨/١، باب الأذان)

ما في ”التنوير مع الدر والرد“: ولا يتكلم فيهما أصلاً ولورد السلام، فإن تكلم استأنفه. (التنوير مع الدر المختار)

قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: قوله: (استأنفه) إلا إذا كان الكلام يسيرًا. (٥٦/٢، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنائر للأذان)

ما في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ويكره الكلام في خلال الأذان ولو برد السلام ويكره الكلام في إقامته لتفويت سنة الموالاة، ويستحب إعادته أي الأذان بالكلام) فيه، لأن تكراره مشروع كما في الجمعة دون الإقامة. (قوله بالكلام فيه) أي مطلقاً، وقيل: لا يعاد مطلقاً، ثالثها يعاد بالكلام الكثير دون اليسير. وهو الأشبه كما في البحر عن الخلاصة: والكلمة والكلمتان يسير كما في القهستاني. (ص: ٢٠٠، باب الأذان)

ما في الفتاوىٰ الهندية: ولا ينبغي للمؤذن أن يتكلم في الأذان أو في الإقامة أو يمشي فإن تكلم بكلام يسير لا يلزمه الاستقبال. (٥٥/١، الباب الثاني في الأذان، قبيل الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة الخ، كذا في فتاوىٰ قاضيخان: ٣٨/١، مسائل الأذان، البحر الرائق: ٤٤٩/١، باب الأذان، الفتاوىٰ التاتارخانية: ٣٢٩/١، الأذان، نوع آخر في المتفرقات من هذا الفصل، خلاصة الفتاوىٰ: ٥٠/١، كتاب الصلاة، الفصل الأول في الأذان، قبيل من سمع الأذان)

ما في الهدية العلائية لتلميذ المكاتب الابتدائية: ولا يتكلم فيها أصلاً ولورد سلام، ولا يتنحنح إلا لتحسين صوته، فإن تكلم استأنفه، إلا إذا كان الكلام يسيرًا. (ص: ٧٠، باب الأذان، كيفية الأذان) (اہم مسائل: ٧٥/٥)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ایسی صورت میں کمرہ سے باہر آکر پوری اذان مستقل کہی جائے تا کہ سب لوگ اس کو پورے طور پر سن لیں اور کوئی اشتباہ نہ رہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند-۱۲/۶/۱۳۹۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۴۸/۵-۴۴۹)

بجلی چلی جانے کی وجہ سے دوبارہ اذان:

سوال: مسجد میں اذان مائک سے شروع ہوتے ہی بجلی چلی گئی، مگر مؤذن نے اذان بلا مائک ہی پڑھ دی، ایک صاحب نے کہا کہ محلّہ کی عورتیں اذانِ مسجد کی انتظار میں ہونگی، لہٰذا اذان دوبارہ مسجد کے باہر پڑھ دی جائے، کیونکہ پہلی اذان حجرہ میں ہوئی ہے، مسجد کے دروازہ تک نہیں پہنچی ہے، کچھ لوگوں نے دوسری اذان کو منع کیا۔اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اگر اس اذان کی خبر سب کو ہوگئی اور بجلی کے بھاگ جانے سے پوری اذان کی آواز نہیں پہونچ سکی تو یہ بھی کافی ہے، دوسری اذان کی ضرورت نہیں، تاہم اگر دوسری اذان بھی پڑھ دی جائے تب بھی کوئی گناہ نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۴۹/۵)

☆☆☆

(۱) ”لأن تكراره مشروع كما في أذان الجمعة ؛لأنه إعلام الغائبين،فتكريره مفيد لاحتمال عدم سماع البعض“(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٤٥٨/١،رشيدية)

ولأن ما يخفض به صوته لا يحصل به فائدة الأذان،وهو إعلام فلا يعتبر“.(حاشية الشيخ الشلبي على التبيين، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٩٠/١،إمدادية)

”لأن المقصود منه الإعلام،ولا يحصل بالإخفاء،فصار كسائر كلماته“. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٤٤٥/١،رشيدية)

”إذا حضر المؤذن في خلال الأذان...وعجز عن الإتمام يستقبل غيره“.(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الأول في صفة الأذان: ٥٥/١،رشيدية)

(۲) ”ويجب استقبالهما لموت مؤذن وغشيه وخرسه وحصره“.(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٣٩٣/١،سعيد)

ترجیع وتثویب کے احکام ومسائل

اذان میں ترجیع کی بحث:

سوال(۱) اذان میں جو بعض آدمی شہادتین دو دفعہ ہلکی آواز سے کہہ کر پھر دو دفعہ بلند آواز سے کہتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

حضرت بلال کی اذان:

(۲) اذان حضرتِ بلال کی کونسی ہے؟

الجواب

(۱) یہ ترجیع ہے جو حنفیہ کے نزدیک اذان میں سنت نہیں ہے۔ یہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے،ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض تعلیم شہادتین کے اعادہ کا حکم فرمایا تھا اور حضرت بلال کی اذان اور ملک نازل من السماء کی اذان میں ترجیع نہ تھی،اس پر حنفیہ کا عمل ہے۔(۱)

(۲) حضرت بلال کی اذان ایسے ہی تھی جیسے اب کہی جاتی ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم:۲/۹۴)

---

(۱) ترجیع کے لغوی معنیٰ لوٹانے کے آتے ہیں،یعنی شہادتین کو پہلے آہستہ کہنا،دوبارہ اسے بلند آواز سے کہنا ترجیع کہلاتا ہے۔انیس
ولاترجیع فإنه مکروہ،ملتقیٰ.(الدر المختار)

الترجیع: أن یخفض صوته بالشهادتین ثم یرجع فیرفعه بهما لاتفاق الروایات علیٰ أن بلالا لم یکن یرجّع،وما قیل إنه رجّع لم یصح ولأنه لیس في أذان الملک النازل بجمیع طرقه،الخ.(ردالمحتار،باب الأذان: ۱/۳۵۹،ظفیر)

(۲) یعنی اس میں ترجیع نہ ہوتی تھی۔جیسا کہ ذیل کی حدیث میں ہے:

عن محمدبن عبدالله بن زیدبن عبدربه قال:حدثني أبی عبد الله بن زیدرضی الله عنه قال:لما أمررسول الله صلی الله علیه وسلم بالناقوس یعمل لیضرب به للناس لجمع الصلوٰة،طاف بی وأنا نائم رجل یحمل ناقوسًا فی یده، فقلت:یا عبد الله ! أتبیع الناقوس؟ قال:ما تصنع به ؟فقلت:ندعوبه إلی الصلوٰة،قال:أفلا أدلک علیٰ ما هوخیرمن ذلک؟ فقلت له بلیٰ،قال:فقال تقول:الله أکبر،الله أکبر،الله أکبر،الله أکبر،أشهد أن لا إله إلا الله،أشهد أن لا إله إلا الله،أشهد أن محمدًا رسول الله، أشهد أن محمدًا رسول الله،حی علی الصلاة،حی علی الصلاة،حی علی الفلاح،حی علی الفلاح،الله أکبر،الله أکبر،لا إله إلا الله.(سنن أبی داؤد،باب کیف الأذان (ح: ٤٩٩)/سنن ابن ماجة ، باب بدء الأذان (ح:٧٠٦)/سنن الدارمی،باب فی بدء الأذان (ح:١٢٢٥)/المنتقی لابن الجارود،ماجاء فی الأذان(ح:١٥٨)انیس)

اذان بلاترجیع افضل ہے:

سوال: اذان ترجیع کے ساتھ کہنا افضل ہے یا بلاترجیع؟

الجواب

عندالحنفیہ اذان میں ترجیع نہیں ہے، بلکہ درمختار میں فرمایا ہے کہ ترجیع مکروہ ہے۔

"(ولا ترجیع) فإنه مکروه، ملتقی". (الدرالمختار)

شامیؒ نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی مراد ہے۔

اور یہ بھی شامیؒ میں ہے:

"لاتفاق الروایات علیٰ أن بلالاً لم یکن یرجّع وماقیل: إنه رجّع لم یصحّ ولأنه لیس فی أذان الملک النازل من السماء بجمیع طرقه، الخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۲۴)

جمعہ اور عشا میں تثویب:

سوال: بعض شہروں میں ایسا کرتے ہیں کہ اول نماز جمعہ کے واسطے اذان، اس کے بعد دو مرتبہ بآواز بلند "الصلاۃ" کہہ کر پکارتے ہیں، پھر اس کے بعد خطبہ کی اذان ہوتی ہے اور رمضان شریف میں بعد اذان عشا ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

یہ تثویب ہے جو کہ مختلف فیہ ہے اور احادیث میں اس پر اطلاق بدعت کا کیا گیا ہے اور بعض فقہا نے اس کو جائز فرمایا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ خاص قاضی ومفتی وغیرہ کیلئے اس کو جائز رکھتے ہیں اور اسی کو قاضی خاں نے اختیار کیا ہے۔ پس احوط ترک ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۹۰-۹۱)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، مطلب فی الکلام علی حدیث "الأذان جزم": ۱/۳۵۹۔

(الأذان سنة) ... (لخمس) ... (والجمعة) ... (بغیرترجیع) وهو أن یأتی بالشهادتین مخافتة ثم یأتی بهما مجاهرة لأنه لم ینقل فی حدیث عبداللّٰه بن زید، وقال الشافعی: لابد من الترجیع. (منحة السلوک شرح تحفة الملوک، فصل فی الأذان: ۱/۹۳)

عن ابن عمر قال: إنما کان الأذان فی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مرتین مرتین والإقامة مرة مرة. (سنن أبی داؤد، باب فی الإقامة (ح: ۵۱۰)/السنن الکبریٰ للنسائی، کیف الإقامة (ح: ۱۶۴۴)/الکنیٰ والأسماء للدولابی، من کنیته أبو المثنیٰ مسلم (ح: ۱۷۲۵)/الصحیح لابن خزیمة، باب ذکر الخبر المفسر للفظة المجملة (ح: ۳۷۴)/الصحیح لابن حبان، ذکر وصف الإقامة التی کان یقام بها الصلاة (ح: ۱۶۷۴) انیس) ==

سوائے مغرب کے دیگر اوقات میں تثویب مستحسن ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین، اس مسئلہ کے بارے میں کہ تثویب کے متعلق کافی اختلاف موجود ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں، صحیح اور فیصلہ شدہ قول کون سا معتبر ہوگا۔ بینوا توجروا۔

(المستفتی: بسم اللہ شاہ، متعلم دار العلوم حقانیہ......۱۵/دسمبر ۱۹۸۳ء)

الجواب

فقہاء کرام نے سوائے مغرب کے دیگر اوقات میں تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے۔(۱) اس کا ماخذ موجود ہے اور نظیر بھی موجود ہے۔(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۱۹۳-۱۹۴)

== تثویب کو فقہاء متقدمین نے مکروہ کہا ہے اور بعد کے فقہا نے لوگوں کی غفلت اور نماز میں تساہل کو دیکھتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے، مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے اسی بنا پر قول متقدمین پر فتویٰ دیا ہے، جبکہ دیگر مفتیان نے اس کی اجازت دی ہے، جیسا کہ آگے فتاویٰ آرہے ہیں۔ انیس

(۲) وقال أصحابنا المتقدمون: إنه مكروه في غير الفجر لما روى الترمذي وابن ماجة من حديث ابن أبي ليلى عن بلال رضي الله عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا أثوب في شيء من الصلوٰة إلا في الفجر، قال أصحابنا: هو أن يقول بين الأذان والإقامة: حَيَّ على الصلوٰة، حيَّ على الفلاح، مرتين، وقال غيرهم: هو أن يقول في أذان الفجر: " الصلوٰة خير من النوم"، مرتين. ولما روى أن علياً رضي الله عنه رأى مؤذناً يثوب في العشاء قال: أخرجوا هذا المبتدع من المسجد، وكذا كرهه مالك والشافعي مطلقاً. (شرح النقاية: ۱/٦۲) (كذا في مبسوط السرخسي، باب الأذان: ۱/۱۳۰)

عن مجاهد قال: كنت مع ابن عمر فسمع رجلاً يثوب في المسجد فقال: اخرج بنا من عند هذا المبتدع. (مصنف عبدالرزاق، باب التثويب في الأذان والإقامة (ح: ۱۸۳۲) انيس)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (قوله في الكل) أي كل صلوات لظهور التواني في الأمور الدينية، قال في العناية: أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة على حسب ما تعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب مع إبقاء الأول يعني الأصل هو تثويب الفجر وما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن. (رد المحتار هامش الدر المختار، باب الأذان، قبيل مطلب في أذان الجوق: ۱/۲۸٦) / كذا في العناية شرح الهداية، باب الأذان: ۱/۲٤٦)

والحديث بتمامه: عن عبدالله قال: إن الله عزوجل نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد صلى الله عليه وسلم فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد فجعلهم وزراءه يقاتلون على دينه فما رأى المسلمون حسناً فهو عندالله حسن وما رأى المسلمون سيّئاً فهو عندالله سيّء، وقد رأى أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم جميعا أن يستخلفوا أبابكر. (فضائل الصحابة للإمام أحمد، ومن فضائل عمر بن الخطاب من حديث أبي بكر (ح: ٥٤۱) / مسند الإمام أحمد، من مسند عبدالله بن مسعود (ح: ۳٦۰۰) / مسند أبي داؤد الطيالسي، ما أسند عبدالله بن مسعود (ح: ۲٤۳) / مسند البزار، زر بن حبيش عن عبدالله (ح: ۱۸۱٦) / الشريعة للآجرى، باب ذكر فضل جميع الصحابة (ح: ۱۱٤٤) انيس)

(۲) وفي منهاج السنن: وهذا التثويب وإن لم يعهد في الصدر الأول، لكن له أصلاً في الشرع ووجهًا وجيهًا في الأصول. ==

تثویب کی عادت مکروہ ہے:

سوال: مؤذن اذان پڑھ چکا اور کچھ نمازی مسجد میں ہیں اور کچھ مسجد سے باہر کھڑے ہیں اگر امام ان کو نماز کے لئے بلاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جو لوگ احاطہ مسجد سے باہر ہیں، ان کے بلانے کے لئے اذان کافی ہے اور جو احاطہ مسجد کے اندر ہیں، خواہ متفرق ہوں، کوئی صحن میں، کوئی اندر، ان کو بلانے کے لئے اقامت کافی ہے۔ ان کے علاوہ علاحدہ بلانے کی کوئی ضرورت نہیں، اذان واقامت کی غرض تو بلانا ہی ہے۔ اس لئے پیش امام کے ذمہ نہیں کہ وہ لوگوں کو بلاتا پھرے۔ البتہ اگر بلالے تو گناہ بھی لازم نہیں آتا۔ جس کسی نے ایسا کہا غلط ہے، لیکن اس کو بلانے کی عادت ڈالنے کو علمانے مکروہ کہا ہے۔

وکره التثويب وهو إعلام بعد الإعلام. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مسمّی امداد المفتین: ۲/۲۶۹)

تثویب کی عادت ڈال لینا مکروہ ہے:

سوال: اذان دینے کے بعد جماعت کی نماز کے لئے "**الله أكبر**" کے الفاظ کے ساتھ یا "**صلاة وسلام**" کے ساتھ، نمازیوں کو یا امام صاحب مثلاً مسجد میں نہیں ہیں، حجرے میں ہیں، ان کو بلانا ـــــ کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں اور کس طرح بلانا چاہئے، حوالہ کے ساتھ بیان فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

== روى أبوداؤد عن أبي بكرة رضي الله عنه قال: خرجت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لصلاة الصبح فكان لا يمربرجل إلا ناداه بالصلاة أوحركه بالرجل، وفيه تعاون على البروتكثير للجماعة ونظيره فى ترك ماعهد فى عصره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم منع النساء عن المساجد. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب التثويب فى الفجر: ۲/۷۶) (سنن أبى داؤد، باب الاضطجاع بعدها (ح: ۱۲٦٤) / السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب ماورد فى الاضطجاع بعد ركعتى الفجر (ح: ٤٨٩٤) / شرح السنة للبغوى، باب الضجعة بعد ركعتى الفجر (٤٦١/٢)

عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى ركعتى الفجر فإن كنت مستيقظة حدثنى وإلا اضطجع حتى يقوم إلى الصلاة. (مسند الحميدى، أحاديث عائشة أم المؤمنين (ح: ۱۷٥) / الصحيح للبخارى، باب ما تحدث بعدالركعتين ولم يضطجع (ح: ۱۱٦٧) / الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل (ح: ٧٤٣) / مستخرج أبى عوانة، باب إباحة الاضطجاع بعد ركعتى الفجر (ح: ۲۱٦۰) / شرح السنة للبغوى، باب الضجعة بعد ركعتى الفجر (٤٦١/٢) انيس)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: بدائع الصنائع، فصل فى كيفية الأذان: ۱٤٨/۲ / البناية شرح الهداية، التثويب فى أذان الفجر: ۱۰۰/۲ / مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، صفة الأذان: ۷۷/۱ / البحر الرائق شرح كنز الدقائق، جلوس المؤذن بين الأذان والإقامة: ۲۷٥/۱. انيس

الجواب

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے دور میں نماز کی اطلاع کے لئے اذان واقامت ہی کو کافی سمجھا جاتا تھا، ان کے درمیان مزید کوئی عام اطلاع نہیں دی جاتی تھی، غائبین کے لئے اذان کافی ہے اور حاضرین کے لئے جماعت کی اطلاع دینے کو اقامت کافی ہے، اذان اور اقامت کے درمیان اطلاع دینے کی عادت ڈال لینے کو علما نے مکروہ کہا ہے۔(۱) (امداد المفتین: ۲۳۶/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار رئیس الافتاء۔ ۱۸/۵/۱۴۰۲ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۲۶/۲)

تثویب جائز ہے اور اذان میں داخل سمجھنا بدعت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تثویب جائز ہے یا بدعت ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: گل فروز خان وزیر)

الجواب

تثویب جائز ہے، اس میں تعاون علی البر موجود ہے۔(۲) البتہ اذان میں داخل کرنا بدعت ہے۔(۳)

یدل علیہ ما فی شرح التنویر: (ویثوب) بین الأذان والإقامة فی الکل للکل بما تعارفوہ. (ھامش ردالمحتار: ۳۶۱/۱-۳۶۲) (۴) **وھو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۱۹۱/۲)

(۱) (والتثویب فی الفجر "حی علی الصلاة حی علی الفلاح مرتین بعد الأذان والإقامة حسن) لأنه وقت نوم وغفلة (وکرہ فی سائر الصلوات) ومعناہ العود إلی الإعلام بعد الإعلام وھو علی حسب ماتعارفوہ وھذا التثویب أحدثه علماء الکوفة بعد عھد الصحابة لتغیر أحوال الناس وخصوا الفجر به) فکرھوا فی غیرہ. (فتح القدیر مع الھدایة، باب الأذان: ۲۴۵/۱. انیس)

(۲) وفی منھاج السنن: وجوزہ المتأخرون فی الکل للکل بما تعارفوہ واستثنوا من الصلوات صلاة المغرب لعدم إفادة التثویب فیھا کما فی النھایة وغیرھا وھذا التثویب وإن لم یعھد فی الصدر الأول لکن له أصلاً فی الشرع ووجھا وجیھاً فی الأصول.

روی أبوداؤد عن أبی بکرة قال: خرجت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لصلاة الصبح فکان لا یمر برجل إلا ناداہ بالصلاة أو حرکه بالرجل، وفیه تعاون علی البر وتکثیر للجماعة ونظیرہ فی ترک ما عھد فی عصرہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم منع النساء عن المساجد. (منھاج السنن شرح جامع السنن، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر: ۷۵/۲)

(۳) عن مجاھد قال: کنت مع ابن عمر فثوب رجل فی الظھر أو العصر، قال: أخرج بنا فإن ھذہ بدعة. (سنن أبی داؤد، باب فی التثویب (ح: ۵۳۸) انیس)

(۴) الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، قبیل مطلب فی أذان الجوق: ۳۸۹/۱.

تثویب مفتیٰ بہ قول کی بنا پر جائز ہے:

محترم المقام حضرت مولانا مفتی صاحب، مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام عرض یہ ہے کہ ہمارا شیخ صاحب اذان کے بعد آواز دیتا ہے کہ ''ایمان والو نماز کے لئے آؤ'' صرف یہی الفاظ بولتا ہے، دوسری طرف ایک مولانا صاحب اور اس کا شیخ صاحب یہ حکم دیتا ہے کہ جس مسجد میں یہ آواز ہو جائے تو اس میں کسی کی نماز ادا نہیں ہوتی تو اس آواز کے جواز اور عدم جواز، نیز اس مسجد میں نماز کے ادا ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ واضح فرمائیں تو عین نوازش ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سید سلیمان شاہ بہلولہ پایاں چارسدہ)

الجواب

یہ تثویب ہے اور مفتیٰ بہ قول کی بنا پر جائز ہے۔

لما فی الدر المختار فی باب الأذان: (ویثوب) بین الأذان والإقامة فی الکل للکل بما تعارفوه.

قال العلامة الشامی (١٦٢/١): کتنحنح أو قامت قامت أو الصلاة الصلاة ولو أحدثوا إعلاماً مخالفاً لذلک جاز، نهر عن المجتبیٰ. (١)

اور یہ قول کہ اس مسجد میں کسی کی نماز ادا نہیں ہوتی تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قائل یا جاہل ہے یا متجاہل ہے۔ وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۱۹۲/۲-۱۹۳)

اذان میں تثویب کی کیا صورت ہے، اور تثویب کے معنیٰ:

سوال: اذان میں تثویب کی کیا صورت ہے، اور تثویب کے کیا معنیٰ ہیں؟

الجواب

اذان میں تثویب مسنون تو یہ ہے کہ اذان فجر میں ''**الصلاة خیر من النوم**'' اضافہ کیا جائے، (٢) اور تثویب

---

(١) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، قبیل مطلب فی أذان الجوق: ٣٨٩/١۔

(٢) عن حماد عن إبراهیم قال: سألته عن التثویب قال: هو مما أحدثه الناس وهو حسن مما أحدثوا وذکر أن تثویبهم کان حین یفرغ المؤذن من أذانه الصلاة خیر من النوم، قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ. (کتاب الآثار للإمام محمد، باب الأذان (ح: ٦٠)

عن سعید بن المسیب عن بلال أنه أتی النبی صلی الله علیه وسلم یؤذنه بصلاة الفجر فقیل: هو نائم، فقال: ''الصلاة خیر من النوم'' فأقرت فی تأذین الفجر، فثبت الأمر علی ذلک. (سنن ابن ماجة، باب السنة فی الأذان (ح: ٧١٦)/ وکذا فی سنن الدارمی، التثویب فی أذان الفجر (ح: ١٢٢٨) عن سعد القرظ. انیس)

مبتدع ایک تو اذان میں ہے کہ "حـیّ عـلٰـی خیـر العمل" اضافہ کیا جائے جیسا روافض کرتے ہیں، (۱) اور ایک مابین الاذان والاقامۃ ہے کہ مؤذن تھوڑی دیر میں۔۔۔ "الصلاۃ جامعۃ" یا "الـصلاۃ الصلاۃ رحمکم اللّٰہ" پکارتا ہے، یہ دونوں بدعت ومکروہ ہیں، (۲) والأول أشد ابتداعاً و کراھۃً. (امداد الاحکام: ۲/۴۷)

حکم تعدد اذان فجر در رمضان بوقت سحر وصبح صادق:

سوال: سحری کے لئے اذان کہنا پھر صبح کو اذان کہنا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، کیا اس پر قرونِ ثلاثہ میں عملدرآمد رہا۔ ہمارے فقہا اسے مواقع اذان سے نہیں لکھتے تو کیا ہمارے یہاں مکروہ ہے؟

الجواب

قـال مـالک فـی الـموطأ، آخر ما جاء فی النداء للصلاۃ مانصہ: لم تزل الصبح ینادیٰ لھا قبل الفجر فأما غیرھا من الصلوات فإنا لم نرھا ینادی لھا إلا بعد أن یحل وقتھا. (۳)

وفـی الجزء الثانی من عمدۃ القاری، باب أذان الأعمٰی فی بیان أذان ابن أم مکتوم وبلال فی وقت الصبح تحت "قولہ أصبحت" قال عیاض ... :ولأنہ العمل المنقول فی سائر الحول بالمدینۃ، آہ. (۴)

ان نقول سے معلوم ہوا کہ سحر کے وقت اذان کہنا خیر القرون میں معمول بہ تھا۔ آگے یہ دوسری بحث ہے کہ اس پر اکتفا کیا جاوے (۵) یا نہیں؟ اس میں اختلاف مشہور ہے لیکن یہ اختلاف نفس عمل کی نقل میں مخل وقادح نہیں

قـال مـحـمـد فی الموطأ، باب مایحرم الطعام علی الصائم تحت حدیث" إن بلالا ینادی بلیل فـکـلـوا واشـربـوا حتی ینا دی ابن أم مکتوم". وبطریق اٰخر: "وکان ابن أم مکتوم: لا ینادی حتٰی یقال لہ: "قد أصبحت" ما نصہ: کان بلال ینادی بلیل فی شھر رمضان لسحور الناس". (۶)

(۱) فی شرح المھذب للشافعیۃ: یـکـره أن یقال فی الأذان: "حی علٰی خیرالعمل"؛ لأنہ لم یثبت عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم والزیادۃ فی الأذان مکروھۃ، آہ، وقد سمعناہ الاٰن عن الزیدیۃ ببعض البلاد. (البحرالرائق شرح کنزالدقائق، کتاب الصلاۃ، جلوس المؤذن بین الأذان والإقامۃ: ۱/۲۷۵)

ھـم زادوا فـی الأذان شـعـارًا لـم یـکـن یـعـرف عـلٰـی عھد النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وھو "حی علٰی خیرالعمل". (منھاج السنۃ النبویۃ، الردعلی الرافضی أن عثمان زادالأذان: ۶/۲۹۳-۲۹۴. انیس)

(۲) ...وعند المتقدمین ھومکروہ فی غیرالفجروھو قول الجمھور، الخ. (البحر الرائق شرح کنزالدقائق، کتاب الصلاۃ، جلوس المؤذن بین الأذان والإقامۃ: ۱/۲۷۵)

(۳) موطأالإمام مالک، باب ماجاء فی النداء للصلوٰۃ (ت: الأعظمی): ۲/۹۸. انیس

(۴) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، باب الأذان بعدالفجر: ۵/۱۳۱. انیس

(۵) یعنی سحری والی اذان صبح کی نماز کے لئے کافی ہے یا اس کے لئے صبح صادق ہونے کے بعد دوسری اذان کہنا ضروری ہے۔ سعید

(۶) موطأالإمام محمد، باب متی یحرم الطعام علی الصائم: ۱/۱۲۲. انیس

وفی عمدة القاری، باب الأذان قبل الفجر تحت قوله: وطأطأ، مانصه: فيه أن الأذان الذى كان يؤذن به بلال كان لرجع القائم وإيقاظ النائم وبه قال أبو حنيفة. (۱)

ان نقول سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اس اذان کو مکروہ نہیں فرماتے، چنانچہ امام محمد کا کراہت کا نقل نہ کرنا اور عینی کا ''به قال أبو حنيفة'' کہنا اس کی صاف دلیل ہے۔ باقی فقہا کا نہ لکھنا اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ مقاصد میں سے نہیں، لیکن فقہا کراہت کا بھی حکم نہیں کرتے۔ پس مذہب میں مخیّر فیہ رہا۔ لیکن قواعد سے اس کو مقید کیا جائے گا عدم تشویش کے ساتھ۔ (۲) واللہ اعلم

۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ۔ (النور، صفحہ: ۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۱۸۹-۱۹۰)

اذان سے پانچ منٹ قبل لاؤڈاسپیکر سے نماز کا اعلان:

سوال: اگر فجر کی اذان سے پانچ منٹ پہلے آدمیوں کو نماز کے لئے اٹھانے کی نیت سے مسجد کے لاؤڈاسپیکر پر ''صلاة'' کہا جائے تو یہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اذان تو اسی مقصد کے لئے دی جاتی ہے، قبل اذان مستقلاً لاؤڈاسپیکر پر ''الصلاة'' کی پابندی کرنے سے نفسِ اذان کا خاص فائدہ نہیں رہے گا اور لوگ اس کو اذان کی طرح مستقل شرعی حکم سمجھ لیں گے۔ اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۵۰۰)

صبح صادق سے پہلے ''الصلاة الصلاة'' پکارنا:

سوال: ہمارے یہاں رمضان المبارک میں سحری میں صبح صادق سے پہلے مؤذن منارہ پر چڑھ کر صلاۃ صلاۃ چلاتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

یہ چیز ثابت نہیں، اس کو بند کرنا چاہئے۔ (۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۴۹۹)

---

(۱) عمدة القاری شرح البخاری: ۵/ ۱۳۵. انیس

(۲) یعنی اگر کسی جگہ سحری کے لئے اذان کہی جائے تو پہلے تمام لوگوں کو واقف کردیا جائے کہ فلاں شخص جو اذان دے گا وہ سحری شروع کرنے کی اطلاع کے لئے ہوگی، ورنہ لوگوں کو دھوکہ ہوگا، وہ اس کو صبح کی اذان سمجھ کر سحری بند کردیں گے۔ سعید احمد

(۳) ولاتثويب إلا فى صلاة الفجر لما روى أن علياً رضى الله تعالىٰ عنه رأى مؤذناً يثوب فى العشاء فقال: "أخرجوا هذا المبتدع من المسجد". (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۲۷۴، المکتبة الغفارية، کوئٹہ)

(۴) المخرج السابق

==

اذان فجر کے چند منٹ بعد ’’الصلوٰۃ خیر من النوم‘‘ کی صدا لگانا:

سوال: بعض مساجد کے اندرونی حصہ میں اذان کے لئے نصب شدہ مائک پر اذان فجر کے چند ہی منٹ بعد ’’الصلاۃ خیر من النوم‘‘ کی صدا لگائی جاتی ہے، کیا اس طرح کہنا درست ہے؟

(محمد حبیب الدین، قاضی باغ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

اذان فجر کے کچھ بعد اور اقامت سے پہلے دوبارہ ’’الصلاۃ خیر من النوم‘‘ کہنا درست نہیں؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایسا کرنا ثابت نہیں، امام مجاہد سے منقول ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا، جس میں اذان ہو چکی تھی، ہم نماز پڑھنا ہی چاہتے تھے کہ مؤذن نے ’’الصلاۃ خیر من النوم‘‘ (تثویب) کہی، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں اس بدعت کرنے والے شخص کے پاس سے لے چلو، اور اس مسجد میں نماز ادا نہیں فرمائی۔(١) (کتاب الفتاویٰ:٢/١٤٢-١٤٣)

اذان فجر کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا:

سوال: فجر کی اذان دینے کے بعد مؤذن یا دوسرا کوئی شخص محلّہ والوں کو نماز کیلئے سارے محلّہ میں گھر گھر پھر کر بیدار کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو کیوں کر، اور نہیں کرسکتا تو اس کی توضیح فرمائیں؟

(المستفتی نمبر ٢٧٣٦، منشی مسرور علی صاحب، ملازم ہمدرد دواخانہ، دہلی-٢٩/جولائی ١٩٤٢ء/١٤/رجب ١٣٦١ھ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

یہ عمل اول تو تثویب میں داخل نہیں بلکہ اس سے زیادہ حیثیت رکھتا ہے۔ دوسرے تثویب بھی ایک امر مستحدث اور مبتدع ہے۔ اذان سے پہلے بہ نیت امر بالمعروف اس امر کی گنجائش ہے۔ اذان کے بعد یہ امر کراہت سے خالی نہیں ہے۔(٢)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

== وأما التثويب المحدث فمحله: صلاة الفجر أيضاً ... ووقته: ما بين الأذان والإقامة“. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في كيفية الأذان: ١/١٤٦، دار الكتب العلمية، بيروت)

والأصح أنه بعد الأذان؛ لأنه مأخوذ من الرجوع والعود إلى الإعلام، وذلك إنما بعد الفراغ“. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٢٤٥، دار الكتب العلمية، بيروت)

(١) الجامع للترمذي: ١/٥٠، حدیث نمبر: ١٩٨، باب ماجاء في التثويب في الفجر

(٢) قال في العناية: ”أحدث المتأخرون بين الأذان والإقامة علیٰ حسب ماتعارفوه، وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس، الخ“. (رد المحتار، باب الأذان: ١/٥٦، ط سعيد)

الجواب

ازمولانا مفتی مظہر اللہ صاحب:

ہاں اس فعل میں کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ موجب ثواب ہے کہ یہ تثویب کے معنی میں ہے۔

والتثويب حسن عند المتأخرين.(۱)

تبیین میں ہے:

”وتفسيره أن يؤذن للفجر ثم يقعد قدر ما يقرأ عشرين آية ثم يثوب ثم يقعد مثل ذلك ثم يقيم“.(۲)(هكذا في الفتاوىٰ الهندية: ۵٦/۱)(۳)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام جامع مسجد فتح پوری، دہلی

جواب الجواب

ازحضرت مفتی اعظم:

تثویب کو اگرچہ متاخرین حنفیہ نے مستحسن قرار دیا ہے، مگر اس میں شبہ نہیں کہ یہ امر مستحدث ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانے میں تثویب نہ تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ اس کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک مسجد میں نماز پڑھنے گئے، وہاں مؤذن نے تثویب کی تو وہ بغیر نماز پڑھے چلے آئے اور چونکہ نابینا ہوگئے تھے، اس لئے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہم کو لے چلو۔

عن مجاهد قال: دخلت مع عبد الله بن عمر مسجدًا وقد أذن فيه ونحن نريد أن نصلي فيه فثوب المؤذن فخرج عبد الله بن عمر من المسجد وقال أخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم يصل فيه“.(سنن الترمذي: ۲۸/۱)(۴)

نیز متاخرین حنفیہ کا تثویب کو مستحسن فرمانا اور اس کی یہ تعریف کرنا کہ اذان کے بعد تھوڑا وقفہ کر کے مؤذن یہ الفاظ پکار کر کہے: ”الصلاة الصلاة“ یا ”قامت قامت“ وغیرہ تو یہ عمل عام طور پر مساجد حنفیہ میں معمول نہیں ہے، عام عمل اس پر ہے کہ جو جامع صغیر کی روایت سے تثویب کا مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وفي الجامع الصغير: أنه يكره في سائر الصلوات.(جامع الرموز: ۵۷/۱)(۵)

(۱) كذا في الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، باب شروط صحة الصلاة: ٤٦/۱. انيس

(۲) تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، الأذان للفائتة: ۹۲/۱. انيس

(۳) الفتاوىٰ الهندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما: ۵٦/۱، ط ماجدية

(۴) سنن الترمذي، باب ما جاء في التثويب في الفجر: ۵۰/۱، ط ماجدية (ح: ۱۹۸)

(۵) جامع الرموز، فصل في الأذان، ۱۲۵/۱، ط: قزان (الجامع الصغير متن النافع الكبير، باب الأذان: ۸۳/۱. انيس)

پھر تثویب جس کو متاخرین حنفیہ مستحسن فرماتے ہیں، وہ صرف مؤذن کا عمل ہے، دوسروں کا نہیں۔

قیّد بکون المثوب هو المؤذن لأنه لاینبغی لأحد أن یقول لمن فوقه فی العلم والجاه"حان وقت الصلاة" سوی المؤذن لأنه استفضال لنفسه.(الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح:۱۰۷)(۱)

میں نے پہلے جواب میں اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ محلّہ میں گھر گھر جا کر بیدار کرنا تثویب سے کچھ زیادہ ہے۔اس کا مطلب یہ تھا کہ تثویب تو مؤذن کا مسجد میں اذان کے بعد الفاظ معہودہ پکار کر کہنے کا نام ہے اور یہ عمل اس سے آگے بڑھ کر گھروں پر جانے اور کنڈیاں کھٹکھٹا کر لوگوں کو جگانے اور کئی آدمیوں کے مل کر گھومنے پر مشتمل ہے اور یہ امور تثویب معروف عند الفقہاء سے جس کو انہوں نے مستحسن فرمایا ہے، یقیناً زیادہ ہیں۔صرف مؤذن کی تثویب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ مبارک میں نہیں تھی۔

ولم یکن فی زمنه صلی اللّٰه علیه وسلم ولا فی زمن أصحابه،الخ.(الطحطاوی)(۲)

یعنی تثویب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرام کے زمانے میں نہ تھی۔

اور ان زیادہ باتوں کا وجود بھی مستحدث اور مبتدع ہونے کے علاوہ کئی منکرات پر مشتمل یا محتمل ہوسکتا ہے۔**اول** یہ کہ جگانے والے اور کنڈیاں بجا بجا کر بیدار کرنے والے؛ بسا اوقات ایسے گھروں کی کنڈیاں بھی کھٹکھٹاویں گے، جن میں کوئی مریض ہو؛ جو درد و تکلیف کی وجہ سے رات بھر نہ سو سکا تھا، اس کی اسی وقت آنکھ لگی تھی، وہ جاگ کر پھر درد و کرب میں مبتلا ہوگیا۔**دوم** یہ کہ بعض گھر والے بیباک اور دنیوی حیثیت سے بڑی پوزیشن والے ہوتے ہیں اور جگانے والے بے چارے غریب اور دنیوی حیثیت سے کم درجے کے ہوتے ہیں تو گھر والے بجائے ان کی بات سننے کے ان کو گالیاں دینے لگتے ہیں، یہاں تک بھی صبر کیا جاسکتا تھا مگر وہ بے باکی اور دلیری سے نعوذ باللہ خدا، رسول اور نماز کی شان میں بھی ایسے کلمات کہہ دیتے ہیں جو کفر تک نوبت پہنچا دیتے ہیں اور چونکہ اسلامی حکومت اور محکمۂ احتساب موجود نہیں، اس لئے اس کا کوئی تدارک نہیں ہوسکتا۔ مجھے خوف ہے کہ ایسی صورت میں ان کے کفر کی کسی حد تک ذمہ داری ان جگانے والوں پر بھی نہ آجائے، جنہوں نے تبلیغ وتذکیر میں حکمت وموعظۂ حسنہ کی رعایت میں کوتاہی کی اور اس وجہ سے ایک مسلمان (گو فاسق ہو) کافر ہوگیا۔**سوم** یہ کہ یہ جگانے والے اگر مرتاض اور مخلص نہ ہوں تو ان میں اپنے متعلق تکبر اور ترفع اور دوسرے لوگوں کے متعلق نفرت وحقارت کے جذبات بڑی حد تک پیدا ہونے کا یہ عمل قوی ذریعہ بن جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں یہ عمل اختیار نہیں کیا گیا، باوجودیکہ نماز اور جماعت سے رہ جانے والوں کا وجود اس زمانہ میں بھی تھا جو وعید احراق بیوت کی روایت سے واضح ہے۔

---

(۱) حاشیة الطحطاوی،باب الأذان :۱/۱۱۷،ط:مصر.

(۲) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،باب الأذان:۱/۱۹۸.انیس

بہرحال اذان کے بعد تو یہ عمل ضرور مکروہ ہے اوراذان سے پہلے بھی ہر دروازے کی بلاتمیز کنڈی بجانا خطرناک اورگلی میں سے درمیانی درجہ کی آواز دیتے ہوئے نکل جانا مباح اور جس شخص پر بھروسا ہو یا جس کی طرف سے اجازت ہواس کو جگادینا مستحسن ہے۔

حضرت امام ابویوسف نے ایسے لوگوں کے لئے جوامور مسلمین یعنی اسلامی ضروریات میں مصروف رہتے ہوں یہ اجازت دی ہے کہ اذان کے بعد جب جماعت کاوقت قریب ہواور مؤذن ان کو دوبارہ اطلاع کردے تو وہ دوسری بات ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔(کفایت المفتی:۵۸/۳-۶۰)

اذان کے بعد نماز کے لئے بلانا تثویب میں داخل ہے:

سوال: اذان واقامت کے درمیان ان الفاظ میں تثویب ''اعلام بعد اعلام'' ہر نماز کے لئے پکارنا '' **الصلاۃ و السلام علیک یارسول اللّٰہ. الصلوٰۃ والسلام علیک یانبی اللّٰہ. الصلاۃ والسلام علیک یا حبیب اللّٰہ**'' جائز ہے یا ناجائز۔لغت اوراصطلاح شرعیہ میں تثویب کے کیا معنی ہیں، جس مسجد میں یہ تثویب کبھی نہ پکاری گئی ہو اگر وہاں کچھ لوگ اس کو پکاریں اور بغیر پکارے نماز نہ پڑھیں نہ دوسروں کو پڑھنے دیں اوران لوگوں پر جو اس فعل کو نامناسب اورخلاف حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں لعن وطعن کریں اوران کو وہابی دیوبندی مردود کافر کہیں اورلڑنے جھگڑنے کو تیار ہوجائیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۲) حدیث ''**لا تثوّبنَّ في شيء من الصلاة إلا في صلاة الفجر**''. (سنن الترمذی: ۲۷)(۲) کی روایت میں جو ایک روای اسرائیلی واقع ہوئے ہیں۔ان کو صاحب ترمذی نے ضعیف کہا ہے تو کیا اس سے روایت قابل عمل رہتی ہے یا نہیں ان کی ثقاہت وعدالت وضبط وغیرہ کے بارے میں کتب اصول سے کیا مستنبط ہوتا ہے؟

(المستفتی نمبر:۲۲۶۸، حافظ عبدالجلیل خان صاحب۔۲۵/ربیع الاول ۱۳۵۷ھ/۲۶/مئی ۱۹۳۸ء)

الجواب

تثویب اس معنی کے لحاظ سے کہ اس سے مراد اذان اوراقامت کے درمیان میں کچھ الفاظ پکار کر لوگوں کو نماز کے لئے

(۱) قال أبویوسف: لاأری بأسًا أن یقول المؤذن للأمیر فی الصلوات کلها''السلام علیک أیهاالأمیرورحمة اللّٰه وبرکاته، حی علی الصلاة حی علی الفلاح'' واستبعده محمد لاستواء الناس فی أمر الجماعة لکن أبویوسف خصهم بذلک لزیادة اشتغالهم بأمور المسلمین کیلا تفوتهم الجماعة، وعلی هذا القاضی والمفتی.(الکبیری شرح منیة المصلی، فصل فی السنن: ۳۷۶. ط:دارسعادت.انیس)

(۲) سنن الترمذی، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر: ۵۰/۱، ط: سعید کمپنی

بلا نامد نظر ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان اور اقامت کے درمیان میں ایسی کوئی چیز نہ تھی، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی، اس کو لوگوں نے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایجاد کیا اور صحابہ نے اس کا انکار کیا۔(۱)

حضرت عبداللہ ابن عمر نماز کے لئے ایک مسجد میں گئے اور وہاں تثویب پکاری گئی تو وہ اس مسجد سے بغیر نماز پڑھے چلے آئے اور کہا کہ اس مبتدع کے پاس سے مجھے لے چلو۔ یہ واقعہ ترمذی: ۱/ ۲۸، اور ابوداؤد میں موجود ہے۔(۲)

امام ابو یوسف نے قاضی یا مفتی یا کسی ایسے ہی شخص کے لئے جو خدمت مسلمین میں مشغول رہتا ہو اس امر کی اجازت دی ہے کہ اس کو اقامت سے کچھ قبل اطلاع دیدی جایا کرے تو وہ جماعت میں شریک ہو جائے اور خدمت خلق میں نقصان نہ پڑے۔(شامی: ۱/ ۳۵۹)(۳)

ان کی اجازت کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اذان اور اقامت کے درمیان تثویب کی رسم ہی قائم کر لی جائے اور پھر طرفہ یہ کہ اس کو ایک واجب کا درجہ دے دیا جائے اور منکر یا تارک کو وہابی، مردود کہہ کر لعن طعن کیا جائے، یہ تو یقینی تعدی اور ظلم اور انتہائی بدعت ہے۔ ترمذی کی روایت ابو اسرائیل الملائی کی اگرچہ ضعیف ہے، مگر عبداللہ ابن عمر کی روایت مذکورہ بالا سے اس کی تقویت ہو جاتی ہے اور وہ قابل عمل ہو جاتی ہے۔(۴) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔(کفایت المفتی: ۳/ ۵۴-۵۵)

---

(۱) وأما التثويب بين الأذان والإقامة فلم يكن في عهده عليه السلام،آه.(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،باب الأذان: ۲/ ۵۵۱.انيس)

(۲) وروى عن مجاهد قال:دخلت مع عبدالله بن عمر مسجداً وقد أذن فيه،ونحن نريد أن نصلى فيه،فثوب المؤذن،فخرج عبدالله بن عمر من المسجد وقال:اخرج بنا من عندهذا المبتدع ولم يصل فيه.(سنن الترمذى،باب ماجاء في التثويب في الفجر(ح: ۱۹۸)انيس)

(۳) وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضى والمفتى والمدرس واختاره قاضى خان وغيره ، نهر.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان،قبيل مطلب فى أذان الجوق: ۱/ ۳۵۹)

وخصه الثانى بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضى والمفتى والمدرس واختاره قاضى خان وغيره.(النهرالفائق شرح كنزالدقائق،باب الأذان: ۱/ ۱۷۷.انيس)

(۴) قال فى العناية:"أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة علىٰ حسب ما تعارفوه فى جميع الصلوات الخ وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضى والمفتى والمدرس،الخ.(رد المحتار،باب الأذان: ۱/ ۳۸۹،ط: سعيد كمپنى)

وعند المتقدمين هومكروه فى غيرالفجر،وهوقول الجمهور،الخ.(البحرالرائق، باب الأذان: ۱/ ۲۷۵،ط:بيروت لبنان)

عن منصور عن إبراهيم قال:كانوايثوبون فى العتمة والفجر وكان مؤذن إبراهيم يثوب فى الظهروالعصر فلاينهاه.(مصنف ابن أبى شيبة،فى التثويب فى أى صلاة هو (ح: ۲۱۷۵)انيس)

اذان کے بعد لوگوں کو جماعت کے لئے بلانا:

سوال: لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب اذان مسجد میں ہوجائے، تو مؤذن کو یا اور جو آدمی داخل مسجد ہے، اگر باہر سے ان آدمیوں کو جو باہر کسی مکان میں دس بیس بیٹھے ہیں، اس غرض سے بلالے کہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہیں، تو ایک کفارہ کا بکرا آتا ہے، ان کو بلانا جائز ہے یا نہیں، اور کفارہ آتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

بعد اذان کے مؤذن یا دیگر حاضر مسجد کو کسی کو جماعت کی شرکت کے واسطے اطلاع کردینا اور بلانا درست ہے، بلکہ ثواب ہے اور یہ عوام کا کلام ہے کہ بکرا کفارہ آتا ہے، سو یہ غلط ہے۔ البتہ بعد اذان کے الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہنے کی عادت کرنا، بعض علما کے نزدیک بدعت ہے اور یہی صحیح ہے کہ عوام کے نزدیک اذان لغو ہوجاتی ہے اور موجب سستی کا ہوتا ہے، مگر کسی رہ گئے کو مطلع کردینا، یہ ہرگز منع نہیں، نہ اس میں کچھ کفارہ ہے۔ (١) فقط واللہ اعلم

رشید احمد۔ (فیوض رشیدیہ ص ٢٤)۔ (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ١٤٢)

راستہ میں نماز کی دعوت دیتے ہوئے آنے کا حکم:

سوال: کچھ عرصہ سے مجھے شوق پیدا ہوا ہے کہ جس وقت میں اپنے مکان سے نماز کے لئے روانہ ہوتا ہوں، تو اپنے ہمسایہ اور ملنے والوں کو نماز کی دعوت دیتا ہوا مسجد پہنچتا ہوں، راستہ میں اکثر ''نماز، نماز'' کی آواز بھی لگاتا ہوں۔ میرے اس فعل کو کچھ لوگ بدعت کہتے ہیں اور حدیث یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے، تو وہاں ایک شخص نے تثویب شروع کردی، ابن ابی شیبہ مجاہد کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مؤذن نے اذان کے بعد ''الصلاۃ الصلاۃ '' کے لفظ سے تثویب کی اور لوگوں کو نماز کی دعوت دی، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجاہد سے فرمایا کہ یہ بدعت ہے، مجھے یہاں سے لے چل۔ (کتاب کا نام ہے ''راہ سنت'' ص: ١٣٢، مصنفہ مولوی محمد سرفراز خان صفدر، فاضل دیوبند، خطیب جامع مسجد گکھڑ منڈی، صدر مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ)

مولوی عبدالحنان صاحب گجر کھڈہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث مؤذن کے لئے ہے کہ مسجد کی طرف سے مؤذن دوبارہ نماز کا اعلان نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی شخص مسجد کے باہر لوگوں کو ''نماز، نماز'' پکار کر بلاتا ہے، تو یہ بدعت نہیں، اس لئے جائز ہے۔

---

(١) (قوله: والتثويب، الخ): هذا هو التثويب المحدث وإنما اختص بالفجر لاختصاصه بوقت يستحب فيه النوم فاستحب زيادة الاعلام و لم ير عامة مشايخنا اليوم بأسًا فى الصلوات كلها لتغير أحوال الناس. (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، باب الأذان: ٨٤/١. انيس)

میرے مکان سے مسجد تک کچھ فاصلہ ہے۔راستہ میں کئی مکان پڑتے ہیں،جن کے قریب سے گزرتے ہوئے میں ''نماز،نماز'' کی آواز لگاتا ہوا مسجد کو پہنچتا ہوں۔اب آپ یہ فرمائیں کہ میرا یہ فعل جائز ہے یا بدعت؟ عبدالحنان صاحب نے یہ بھی کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ صبح کے وقت لوگوں کو نماز کیلئے جگایا کرتے تھے۔

بہرحال آپ کا جواب آنے پر میں قطعی فیصلہ کروں گا کہ مجھے یہ کام بند کرنا چاہئے،یا جاری رکھنا چاہئے؟

الجواب

ایک تو تثویب ہے،جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ نماز کے عادی ہیں،لیکن اپنے مشاغل میں مشغول ہیں اور احتمال ہے کہ غفلت ومشغولی کے سبب نماز سے نہ رہ جائیں،ایسے لوگوں کو دوبارہ نماز کی اطلاع دینا۔

لأن معنى التثويب العود إلى الإعلام بعد الإعلام،درر.(ردالمحتار: ۲۸۶/۱)(۱)

متقدمین نے اسے ناجائز کہا ہے اور متأخرین کے نزدیک اس کی گنجائش ہے (گوعملاً آج کل متروک ہے) اور اس کا محل مسجد ہے۔

اور دوسرے دعوت وتبلیغ ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا،اس کو بذریعہ ترغیب وترہیب نماز کا عادی بنایا جائے،یہ بھی جائز ہے،خواہ اذان کے بعد ہو یا اذان سے پہلے۔لیکن اذان کے بعد مسجد کو جاتے ہوئے ''نماز،نماز'' کا نعرہ لگاتے ہوئے جانا نہ تثویب ہے نہ تبلیغ،اس لئے اس کا کوئی خاص فائدہ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ سلف سے کہیں منقول لکھا ہے۔

جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور وہ سوئے ہوئے ہیں،ان کو ''الصلاۃ'' کہہ کر جگانا امر آخر ہے،(۲) لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل سے استدلال کرنا بظاہر صحیح نہیں۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاویٰ:۲/۲۰۲۔۲۰۳)

بعد اذان امام اور مقتدیوں کو بلانا کیسا ہے:

سوال:　مؤذن کو بعد اذان کے امام یا دیگر نمازیوں کو بلانا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱)　ردالمحتار،کتاب الصلاۃ،باب الأذان،قبیل مطلب فی أذان الجوق.انیس

(۲)　كان عمر بن الخطاب يصلي كل ليلة ماشاء الله أن يصلي،حتى إذا كان من آخر الليل أيقظ أهله للصلاة ، الخ.(موطأالإمام محمد،باب صلاة الليل (ح:۱٦۹)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمر بباب فاطمة ستة أشهر إذا خرج لصلاة الفجريقول:الصلاة يا أهل البيت،إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ.(اتحاف المهرة لابن حجر (ح:۱۰۲۲)

عن عائشة قالت:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل إحدىٰ عشرة ركعة فإذا فجر الفجر صلى ركعتين خفيفتين ثم اتكى على شقه الأيمن حتى ياتيه المؤذن يؤذنه للصلاة.(مصنف عبدالرزاق الصنعانی،باب صلاة النبي صلى الله عليه وسلم من الليل (ح:٤٧٠٤)انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ اچھا نہیں ہے، الا بضرورت کبھی ایسا ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۲/۱۰۳)

اذان کے بعد مقتدیوں کو آواز دینا کیسا ہے:

سوال: فی زمانہ عوام کی حالت سخت خراب ہے اگر امام ان کا انتظار نہ کرے تو سخت تنگ کرتے ہیں۔ اگر کبھی نماز پڑھ لے اور بعض لوگ رہ جاویں تو سخت تنگ کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک طالب علم نے کہا کہ تثویب طریقۂ مسنونہ ہے، مؤذن امام کو وقتِ نماز پر جب سب نمازی جمع ہو جاویں بلا سکتا ہے اور یہ طریقہ متأخرین کا جاری کردہ ہے کہ بعد اذان قبل اقامت مسجد کے منارہ پر چڑھ کر مقتدیوں کو پکارا جاوے اور حضرت، بلال رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانا ثابت ہے۔

"إن بلالاً كان يجيء بباب النبي صلى الله عليه واله وسلم بين الأذانين ويؤذنه بالصلاة"، (۲)

سو قول فیصل تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

"(ويثوب) بين الأذان والإقامة في الكل للكل.(الدرالمختار)

(قوله في الكل):أي كل الصلاة لظهور التواني في الأمور الدينية، قال في العناية:أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة علىٰ حسب ماتعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب مع إبقاء الأول يعني الأصل وهوتثويب الفجر،ومارآه المسلمون حسناً فهوعندالله حسن.

(قوله للكل):أي لكل أحد وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس،واختاره قاضي خان وغيره،نهر.(۳)

---

(۱) قال أصحابنا المتقدمون: إنه مكروه في غيرالفجر؛ لماروى الترمذي وابن ماجة من حديث ابن أبي ليلىٰ عن بلال قال:" أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا أثوب في شيء من الصلوٰة إلا في الفجر". قال أصحابنا:هوأن يقول بين الأذان والإقامة" حَيَّ على الصلوٰة،حيَّ على الفلاح"مرتين،وقال غيرهم:هوأن يقول في أذان الفجر"الصلوٰة خيرمن النوم"مرتين.ولماروى أن علياً رضي الله عنه رأى مؤذناً يثوب في العشاء قال: "أخرجوا هذاالمبتدع من المسجد،وكذا كرهه مالك والشافعي مطلقاً.(شرح النقاية: ۱/٦۲)ظفير)

(۲) عن سعيدبن المسيب عن بلال أنه أتى النبي صلى الله عليه وسلم يؤذنه بصلاة الفجر فقيل:هو نائم،فقال:"الصلاة خيرمن النوم" فأقرت في تأذين الفجر فثبت الأمر على ذلك.(سنن ابن ماجة، باب السنة في الأذان (ح:۷۱٦)/ وكذا في سنن الدارمي،التثويب في أذان الفجر (ح:۱۲۲۸) عن سعد القرظي،انيس)

(۳) دیکھئے! رد المحتار،باب الأذان،قبيل مطلب في أذان الجوق:۱/۳٦۱-۳٦۲.ظفير

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ تثویب احداث متأخرین سے ہے اور امام ابو یوسف نے اس کو قاضی ومفتی کے واسطے خاص کیا ہے۔ پس اجتناب اس سے بہتر ہے اور کوئی ضرورت خاصہ ہو تو جائز ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۲/۱۲۶-۱۲۷)

اذان کے بعد یہ اعلان کہ ''پندرہ منٹ باقی ہیں'':

سوال: دار العلوم میں اذان لاؤڈ اسپیکر پر دی جاتی ہے اور لڑکے یہ بھی کہنے لگیں کہ پندرہ منٹ پہلے یہ اعلان بھی کر دیا جایا کرے کہ نماز تیار ہے یا نماز کا وقت ہو گیا ہے اور اس کو منظور کر لیا جاوے، تو کوئی نقص یا کراہت تو نہیں آتی، یا بدعت کے اندر داخل تو نہیں؟ جو بھی ہو، اس کو مع حوالہ ذکر کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

لاؤڈ اسپیکر پر اذان ہوتی ہے، گھڑی عامۃً ہاتھ پر یا جیب میں موجود رہتی ہے، اذان ونماز کا فصل متعین ہے، وقت کی تبدیلی کا اعلان با قاعدہ ہوتا ہے، ماشاء اللہ سبھی نماز وجماعت کا اہتمام رکھنے والے ہیں، اتفاقیہ کسی ایک کو غفلت ہو جائے، تو دوسرے ساتھی تنبیہ کر دیتے ہیں۔

ان حالات میں پندرہ منٹ پہلے نماز تیار ہے کا اعلان کرنا گویا کہ اذان کو غیر معتبر قرار دینا ہے، جن عوارض کے تحت تثویب کی گنجائش دی گئی ہے، وہ یہاں موجود نہیں۔

"قالوا: لابأس بالتثويب المحدث في سائر الصدور لفرط غلبة الغفلة على الناس في زماننا و شدة ركونهم إلى الدنيا وتبادرهم بأمور الدنيا، آه". (بدائع الصنائع: ١٤٨/١)(١) فقط والله سبحانه تعالىٰ

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ ۲۸/۱/۱۳۸۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۹۹-۵۰۰)

نماز کے لیے بار بار اعلان کرنا کیسا ہے:

سوال: محلے میں ایک مسجد سے (بلکہ چند مساجد سے) صبح فجر کی نماز کے بعد اعلان ہوتا ہے کہ: ''فجر کی نماز میں دس منٹ باقی رہ گئے ہیں''، اس کے بعد ''پانچ منٹ باقی رہ گئے ہیں''۔ یہ جملے تین تین مرتبہ دہرائے جاتے ہیں اور ان مساجد سے بار بار اعلان سے محلے میں دوسری مساجد میں جہاں لوگ سنت کی ادائیگی، قرآن کی تلاوت یا گھر میں

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في كيفية الأذان: ٤١/١، دار الكتب العلمية، بيروت

والمتأخرون استحسنوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية، ولهذا أطلقه في الكتاب". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٢٤٥/١، دار الكتب العلمية، بيروت)

وأما المتأخرون فاستحسنوا التثويب في جميع الصلوات؛ لأن الناس قد ازداد بهم الغفلة، وقلما يقومون عند سماع الأذان، فيستحسن التثويب للمبالغة في الإعلام، ومثل هذا يختلف باختلاف أحوال الناس". (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٢٧٤/١، المكتبة الغفارية، كوئٹة)

خواتین نماز کی ادائیگی میں مصروف ہوتی ہیں۔اسی طرح بعض حضرات نماز کے لیے مسجد کی طرف جاتے ہیں،تو یہ اعلان کرتے ہوئے گزرتے ہیں کہ:''بھائیو! نماز کا وقت ہوگیا ہے،اٹھ جایئے'' کہاں تک درست ہے؟

الجواب

نماز کی اطلاع کے لیے شریعت نے اذان مشروع کی ہے،اوراذان کے ذریعے سے نماز کے وقت کا اعلان کیا جاتا ہے،اذان کے بعد یہ جو دوسرا اعلان ہوتا ہے،اس کو''تثویب'' کہتے ہیں،اور فقہائے امت نے اس کو بدعت اور مکروہ قرار دیا ہے۔(۱)اور یہ کہ کوئی آدمی کسی دینی کام میں منہمک ہو،تو اس کو نماز کے وقت کی اطلاع کردینا جائز ہے۔(۲)

الغرض! آپ کے ہاں جو رواج چلا آتا ہے یہ شرعاً جائز نہیں،اس کو بند کردینا چاہیے۔(۳)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۲۹۹/۳-۳۰۰)

اذان کے بعد جماعت سے پہلے اسپیکر پر بلند آواز سے''سبحان اللّٰہ،سبحان اللّٰہ''کہنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کے بعد جماعت سے کچھ منٹ پہلے ایک آدمی یہ کلمات لاؤڈ اسپیکر میں کہتا ہے،مثلاً''سبحان اللّٰہ،سبحان اللّٰہ''اٹھو،نماز کا وقت ہوگیا ہے،جلدی مسجد میں آؤ،نماز کا وقت قریب ہے،وغیرہ وغیرہ۔کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ نیز کیا ان کلمات سے اذان کی اہمیت میں تو کوئی فرق نہیں آتا؟

الجواب

اذان واقامت کے درمیان مذکورہ کلمات کہنا اصطلاح شرع میں تثویب کہلاتا ہے۔(۴)

فتاویٰ امداد الاحکام میں اسے مکروہ لکھا ہے۔(جلد:۳۴۱/۱)فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،نائب مفتی،۱۳/۱۱/۷ ۱۴۰ھ۔(خیر الفتاویٰ:۲۱۹/۲-۲۲۰)

---

(۱) التثويب في الفجر حي على الصلاة حي على الفلاح مرتين بين الأذان والإقامة حسن لأنه وقت نوم و غفلة وكره في سائر الصلوات.(الهداية: ۸۹/۱،باب الأذان،طبع مكتبة شركة علمية،ملتان)

(۲) قوله للكل)وخصه أبو يوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس واختاره قاضيخان وغيره نهر.(ردالمحتار: ۳۸۹/۱، مطلب في أوّل من بنى المنابر للأذان)

(۳) ناجائز کسی فقیہ کا قول نظر سے نہیں گذرا،البتہ مکروہ کہا گیا ہے۔انیس

(۴) {ثوب} إذا ثوب بالصلاة فأتوها أي أقيمت ، وأصل التثويب أن يجيء مستصرخ فيلوح بثوبه ليرى ويشتهر فسمي به الدعاء ،وقيل:من ثاب إذا رجع فهو رجوع إلى الأمر بالمبادرة إلى الصلاة بقوله:الصلاة خير من النوم بعدقوله حي على الصلاة.(مجمع بحار الأنوار،مادة ثوب: ۳۰۹/۱)

التثويب: هو الإعلام بعد الإعلام بنحو''الصلاة خير من النوم'' أو''الصلاة الصلاة'' أو'' الصلاة حاضرة'' أو نحو ذلك ، بأي لسان كان وقدكان يسمى في العهد النبوي وعهد أصحابه زيادة الصلاة خير من النوم في أذان الفجر تثويباً.(التعريفات الفقهية،مادة التثويب: ۵۱/۱.انيس)

عشاوتراویح میں تثویب کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں رمضان المبارک میں عشا کی اذان کے بعد فرض نماز شروع کرنے سے تقریباً چار پانچ منٹ قبل ایک آدمی قبلہ رو کھڑا ہوکر بلند آواز میں مثل اذان کے پکارتا ہے۔ "الصلاۃ سنۃ التراویح رحمکم اللّٰہ" دو مرتبہ۔ اس کے بعد وقت مقررہ پر نماز عشا ادا کی جاتی ہے۔ ۲/سنت، ۲/نفل کے بعد تراویح نماز کے لئے اٹھنے سے قبل "فضل من اللّٰہ ونعمۃ ومغفرۃ ورحمۃ وعافیۃ والسلامۃ لا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد" یہ کلمات ہر دو رکعت کے سلام پھیرتے ہی پڑھی جاتی ہے، بلکہ جتنی کلمات پڑھی جاتی ہے، مندرجہ ذیل وضاحت سے مذکور ہے۔

(۲) بعد وتر "سبحان ذی الملک والملکوت، الخ" تین بار، اب کچھ لوگ ان تسبیحات کے قائل ہیں اور کچھ لوگ "سبحان ذی الملک، الخ" کا قائل ہیں۔ دونوں میں بحث ومباحثہ ہوکر لڑائی ہوجاتی ہے، وہ ان کو بدعتی کہتے ہیں، یہ ان کو بدعتی کہتے ہیں، صحیح کیا ہے؟

هــو المـصـوب

(۱) صورت مسئولہ میں نماز عشا سے قبل اس طرح کا اعلان کرنے یا تراویح کی نماز سے قبل اس طرح کے الفاظ ادا کرنے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے، اس طرح کے اعلان کو تثویب کہتے ہیں، جمہور کے نزدیک تثویب مکروہ ہے۔ فقہاء احناف میں بھی اختلاف ہے، بعض جواز کے قائل ہیں۔ (۱)

(۲) سبھی فقہا تراویح میں ہر چار رکعت بعد جلسۂ استراحت کے قائل ہیں، اس دوران متعین طور پر کوئی تسبیح مشروع نہیں ہے، انفرادی طور پر کوئی تسبیح، استغفار، درود وغیرہ پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح خاموش رہے، تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تسبیح یا دعا پڑھنے میں یہ خیال رہے کہ دوسروں کے حق میں خلل نہ ہو۔ (۲)

---

(۱) والتثویب فی الفجر "حی علی الصلاۃ وحی علی الفلاح" مرتین بین الأذان والإقامۃ؛ لأنه وقت نوم وغفلة وکرہ فی سائر الصلوات ومعناہ العود إلی الإعلام بعد الإعلام وهو علیٰ حسب ماتعارفوہ وهذا التثویب أحدثه علماء الکوفة بعد عهد الصحابة لتغیر أحوال الناس وخصوا الفجر به لما ذکرنا والمتأخرون استحسنوہ فی الصلوات کلها لظهور التوانی فی الأمور الدینیة. (الهدایة مع الفتح: ۱/: ۲۴۹)

(۲) (الفصل الرابع فی الانتظار بعد کل ترویحتین) وهو مستحب هکذا عن أبی حنیفة لأنها سمیت بهذا الاسم لمعنی الاستراحة وأنها مأخوذۃ عن السلف وأهل الحرمین فإن أهل مکة یطوفون سبعا بین کل ترویحتین کما حکینا عن مالک. (المبسوط للسرخسی، فصل الانتظار بعد کل ترویحتین: ۲/۱۴۵. انیس)

سوالنامہ میں مذکور دعائیں وتسبیحات انفرادی طور پر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اس کو دوسروں پر لازم قرار دینا اور بآواز بلند اجتماعی طور پر پڑھنا درست نہیں ہے۔ بہر حال صحابۂ کرام کے دور میں یہ امور نہ تھے۔(۱)

تحریر: ساجد علی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۸۸۔۳۸۹)

جماعت کیلئے نقارہ بجانا کیسا ہے:

سوال: محلّہ شیش گران میں صرف ایک مسجد ہے اور محلّہ وسیع ہے، اذان کی آواز بھی سب جگہ نہیں جاتی۔ باشندگانِ محلّہ سب نمازی ہیں، جو کاری گر لوگ ہیں سب نمازوں کے وقت ان کے کام کے ہیں اور کام پر سے اٹھنا ان کے حرج ونقصان کا باعث ہوتا ہے اس لئے وہ جماعت کی پابندی نہیں کر سکتے۔ نظر بر آں یہ ترکیب کی گئی تھی کہ اذان وقت پر ہوتی تھی اور جماعت کی تیاری پر نقارہ کے ذریعہ سے جو خارج مسجد رکھا ہوا ہے کاریگروں کو اطلاع کردی جاتی تھی اور سب کاریگر آجاتے تھے، اس میں ان کو جماعت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا اور جم غفیر کے ساتھ جماعت ہو جاتی تھی۔ اب بعض حضرات نے نقارہ کی ممانعت کی اور جماعت ٹوٹ گئی جس کو توفیق ہوتی ہے فرداً فرداً نماز پڑھ لیتا ہے، ورنہ کچھ ضروری نہیں سمجھتا۔ ایسی صورت میں نقارہ کے اعلان کو جو خارج از مسجد ہے کیسا سمجھا جاتا ہے اور اس کی بابت کیا حکم ہے اور کون ذریعہ اطلاع کا مستحسن ہے؟

الجواب

اعلام بعد الاذان جس کو تثویب کہتے ہیں۔ علماء متقدمین نے اس کو مکروہ اور بدعت کہا ہے اور علماء متاخرین نے بوجہ تساہل کے اس کو جائز رکھا ہے۔ پس بر بنائے مذہب متاخرین اگر اعلام کے واسطے کوئی صورت جماعت کے انتظام کی نہ ہو تو نقارہ کے ساتھ اعلام جائز ہے۔ **کما فی الدر المختار ورد المحتار:**

"(ویثوب) بین الأذان والإقامة فی الکل للکل بما تعارفوہ". (الدر المختار) "کتنحنح أو "قامت قامت" أو "الصلاۃ الصلاۃ" ولو أحدثوا إعلاماً مخالفاً لذلک جاز. (رد المحتار)(۲) فقط

(اور جبکہ اذان کی آواز پہنچ جاتی ہو، تو بلا ضرورت نقارہ بجانے سے بچنا چاہئے، اس وجہ سے کہ ابتدائے امر اذان میں اس طرح کی تمام صورتیں رد کردی گئی تھیں۔ ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۰۴۔۱۰۵)

(۱) (والمستحب فی الجلوس بین الترویحتین مقدار الترویحة) کان من حقه أن یقول: والمستحب فی الانتظار بین الترویحتین لأنه استدل بعادۃ أهل الحرمین علی ذلک وأهل الحرمین لایجلسون فإن أهل مکة یطوفون بین کل ترویحتین سبعاً وأهل المدینة یصلون بدل ذلک أربعاً وأهل کل بلدۃ بالخیار یسبحون أویهللون أوینتظرون سکوتاً. (العنایة شرح الهدایة، فصل فی قیام شهر رمضان: ۱/۴٦۸)

بلند آواز سے تسبیح پڑھنے سے دوسروں کو خلل ہوگا، اس لیے مناسب نہیں ہے۔ انیس

(۲) دیکھئے! ردالمحتار للشامی، باب الأذان، قبیل مطلب فی أذان الجوق: ۱/۳٦۲، ظفیر

نمازیوں کی خبر کے لئے مسجد میں نقّارہ بجانا کیسا ہے:

سوال: مسجد میں واسطے حاضری نمازیوں کے نقارہ بجانا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اذان کہیں،(۱) نقارہ مسجد میں حاضری کے واسطے درست نہیں ۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۲۵)

اذانِ جمعہ کیلئے نقارہ بجانا اوراس کے متعلق چند سوالات:

سوال: آج کل دیہاتوں میں یہ قاعدہ ہے اختیار کیا ہے کہ ہرایک مسجد میں ایک ایک نقارہ رکھا ہوا ہے،اس واسطے کہ جمعہ کے روز اس کو واسطے اعلان نمازِ جمعہ کے بجایا جاوے۔ کیونکہ اکثر لوگ دیہاتوں کے باہر کھیتوں میں دور دور ہوتے ہیں، اذان کی آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔اس وجہ سے مسجدوں میں نقارے رکھے گئے ہیں،اس واسطے وہ نقارہ جمعہ کے روز اور روزہ افطاری کے وقت اور سحری کے وقت بجایا جاتا ہے اور مسجد کے روپے سے وہ نقارہ بنایا گیا ہے،سواس طرح یہ نقارہ بجانا اعلان کے واسطے اور مسجد کے روپے سے اس کو بجانا جائز ہے کہ نہیں اوراس کو جائز جاننا کیسا ہے؟

دوسرے بیمارِ طاعون کے واسطے اس نقارے پر ایک دعا لکھ کر اس کو بجایا جاتا ہے،اس واسطے کہ اس کی آواز جہاں تک جائے گی بیماری طاعون دور ہو جائے گی ،اس طرح بجانا اوراس کو جائز جاننا کیسا ہے،اور نقارہ کو مسجد کے اندر رکھنا اور بجانا کیسا ہے،خلاصہ جواب باصواب مع حوالۂ کتبِ احادیث کے مرحمت فرمادیں؟ بینوا وتوجروا۔فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ

افطار اور سحری کے لئے تو نقارہ بجانا جائز ہے،لیکن اذانِ جمعہ کی اطلاع کے لئے جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں نقارہ سے اذان کا کام لینا لازم آئے گا اور یہ حدیث کے خلاف ہے۔

(۱) " لأن الأذان من أعلام الدين". (الكبيرى شرح منية المصلى: ۳۵۷،ظفير)

(۲) وفى حديث أبى داؤد عن عبد الله بن زيد. رضى الله عنه. قال:" لما أمر النبى صلى الله عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به الناس لجمع الصلوٰة طاف بى وأنا نائم (إلىٰ قوله) تقول: "الله أكبر، الله أكبر" (إلىٰ آخر الحديث). (الكبيرى شرح منية المصلى: ۳۵۷)

اس سے پہلے مفتی علام نے نقارہ کی اجازت دی ہے،مگر اس شرط کے ساتھ کہ جب وہ اذان کے بعد نماز کی مزید اطلاع کے لئے ہو،اور جماعت کے انتظام کی اس کے سوا کوئی اور صورت نہ ہو۔ یہاں سوال مختصر ہے اور کسی مجبوری کا ذکر نہیں ہے،اس لئے اجازت نہیں دی ہے۔واللہ اعلم۔ظفیر

فإنه صلى اللّٰه عليه وسلم اهتمّ أوّلا بأن يضرب الناقوس أو البوق فتركه حذرًا عن التشبه بالكفار فلا يجوز لنا إحداث ماتركه النبى صلى اللّٰه عليه وسلم لإعلام الصلاة. (۱)

دوسرے دیہات والوں کے ذمہ جمعہ کی نماز فرض نہیں تو ان کو اطلاع کی ضرورت ہی کیا ہے جو شخص بدوں اطلاع کے آسکے پڑھ لے، ورنہ خیر۔

اور مسجد کے روپیہ سے نقارہ بنانا اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ لوگوں نے مسجد میں اس غرض سے روپیہ دیا ہو کہ اس سے نقارہ بنایا جائے، یہ صورت تو جائز ہے، ایک یہ کہ جو روپیہ مصارفِ مسجد کے لئے جمع تھا، اس سے نقارہ بنایا جائے، یہ جائز نہیں۔

فقد صرح فى الخلاصة أنه لايجوز لقيم المسجد أن يشترى جنازة أو تختًا لغسل الأموات من مال المسجد. (۲)

اور طاعون کے زمانہ میں نقارہ پر دعا لکھ کر بجانا بھی جائز نہیں، **لفساد عقيدة العوام فيه**، اور نقارہ کو مسجد کے اندر یا مسجد کی چھت پر رکھ کر بھی بجانا جائز نہیں، بلکہ جن مواقع میں بجانا جائز ہے، اس وقت مسجد سے باہر رکھ کر بجایا جائے اور نقارۂ مسجد کو مسجد میں رکھنا اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے رکھنے سے نمازیوں کو تنگی نہ ہوتی ہو، ورنہ باہر رکھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

٦ ر شوال ۱۳۴۷ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۴۶-۴۷)

---

(۱) عن أبى عمير بن أنس عن عمومة له من الأنصار قال: اهتم النبى صلى اللّٰه عليه وسلم للصلاة كيف يجمع الناس لها، فقيل له: انصب رأية عند حضور الصلاة فإذا رأوها آذن بعضهم بعضًا، فلم يعجبه ذلك، قال: فذكر له القنع يعنى الشبور، وقال زياد: شبور اليهود، فلم يعجبه ذلك وقال: هو من أمر اليهود، قال: فذكر له الناقوس، فقال: هو من أمر النصارىٰ، فانصرف عبداللّٰه بن زيد بن عبدربه وهو مهتم لهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأرى الأذان فى منامه، قال: فغدا على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأخبره فقال له: يارسول اللّٰه! إنى لبين نائم ويقظان إذ أتانى آتٍ فأرانى الأذان، قال: وكان عمر بن الخطاب رضى اللّٰه عنه قد رآه قبل ذلك فكتمه عشرين يومًا، قال: ثم أخبر النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فقال له: مامنعك أن تخبرنى؟ فقال: سبقنى عبداللّٰه بن زيد، فاستحييت، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يابلال! قم فانظر مايأمرك عبداللّٰه بن زيد، فافعله، قال: فأذن بلال، قال أبو بشر: فأخبرنى أبو عمير أن الأنصار تزعم أن عبداللّٰه بن زيد لولا كان يومئذ مريضًا لجعله رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مؤذناً. (سنن أبى داؤد، باب بدء الأذان (ح: ٤٩٨)/ السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب بدء الأذان (ح: ١٨٣٤) انيس)

(۲) ليس لقيم المسجد أن يشترى جنازةً وإن ذكر الواقف أن القيم يشترى جنازة، كذا فى السراجية. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثانى فى الوقف وتصرف القيم وغيره: ٤٦٢/٢. انيس)

اذان کے بعد نقارہ:

سوال: ضربِ نقارہ قبل یا بعد اذان بغرض ہوشیاری وبداری غافلین ومتساہلین واطلاع دور دور مسجد سے رہنے والے مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ علاقہ مدراس میں اکثر شہروں میں رواج ہے۔ بینوا وتوجروا۔

(محمد صالح، مدراسی، ۱۷/اپریل/۱۹۳۵ء)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

اذان کے بعد دوبارہ اعلان کرنے کو تثویب کہتے ہیں، متأخرین نے علی الاطلاق اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

في المراقي، ص: ١٤٤: ”ويثوب بعد الأذان في جميع الأوقات لظهور التواني في الأمور الدينية في الأصح، وتثويب كل بلد بحسب ما تعارفه أهلها“.

قال الطحطاوي: (قوله في جميع الأوقات) استحسنه المتأخرون، الخ. (١)

قال الشامي: ٢٤٧/٥: ”أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام، تأمل“. (٢)

مسلمانوں کو خود شرم وحیا کا موقعہ ہے کہ فریضۂ مذہبی ادا کرنے کے لئے اذان کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ نقارہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔ ۲۸/۱/۱۳۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔ ۳۰/محرم الحرام/۱۳۵۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۳)

نمازیوں کا گھنٹی کی آواز پر حاضر ہونا نہ کہ اذان کی آواز پر:

سوال: توقیر آواز اذان چہ قدر ست مصلیاں چند بمقابلہ جرس سرکاری ہیچ توقیر اذان کہ نقارۂ حاکم حقیقی ست نمی کنند تا جرس سرکاری کہ مقرر شدہ است آواز ندہد بمسجد برائے صلوٰۃ نمی آیند چہ حکم مابین است مشرح مطلع فرمایند واجر توقیر کردن وتادیب غیر توقیر کردن چہ قدر است؟ بینوا توجروا۔ (۳)

---

(١) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١٩٨، قديمي

(٢) رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس: ٣٥٠/٦. سعيد

”وأطلق في التثويب، فأفاد أنه ليس لفظ يخصه، بل تثويب كل بلد على ما تعارفوه، إما بالتنحنح أو بقوله: ”الصلاة الصلاة“، أو ”قامت قامت“؛ لأنه للمبالغة في الإعلام، وإنما يحصل بما تعارفوه، فعلى هذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لما ذكر جاز“. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٤٥٣/١، رشيدية)

(۳) ترجمۂ سوال: اذان کا کتنا احترام چاہئے؟ بعض نمازی سرکاری گھنٹی کے مقابل اذان کی کوئی توقیر نہیں کرتے، ==

الجواب ــ

برجرس آمدن وبراذان نیامدن اگر بنا برتوقیر جرس وعدم توقیر اذان بودے ہر آئینہ امرے بس قبیح وشنیع بود لیکن جائے چنیں دیدہ وشنیدہ نشد بلکہ دراصل مدار نماز بروقت است واز جملہ معرفات وقت جرس ہم است چوں معرفات وآلات دیگر مثل مقیاس کہ در دائرۂ ہندیہ منتصب می باشد وفقہاء نیز اعتبارش کردہ اند پس ہر کہ برجرس می آید نہ بایں حیثیت کہ مقصودش خصوصیت جرس است، بلکہ بایں حیثیت کہ آوازمعرفات وقت ست، وبر مسلمانان بدگمانی کردن خود بےتوقیری اسلام است کہ از بےتوقیری اذان اشد است۔(۱) واللہ اعلم وعلمہ اتم

۹ رشوال ۱۳۲۳ھ۔امداد، صفحہ:٦٦ رجلد:۱ (حوادث صفحہ:٦۹، جلد:۱-۲) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۱٦۰-۱٦۱)

اذان کے بعد گھنٹہ وغیرہ بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے بلانا مکروہ اور بدعت ہے:

سوال: ہمارے اس دیہات میں بعض نے ایسے رواج کرلیا کہ ہرنماز یا بعض نماز جیسے فجر وعصر وجمعہ کی اذان کے آگے یا پیچھے گھنٹے بجاتے ہیں یا ٹین پر مارتے ہیں، تاکہ لوگوں کو نماز کے وقت کا ہونا...... یا جماعت شروع ہونا معلوم ہوتا کہ جلد مسجد کی طرف روانہ ہوں نماز کے باجماعت ادا کے لئے، بعض نے مسجد کے ساتھ ہی گھنٹہ لٹکایا اور ٹین کو لٹکایا، ان سے جب اس کی علت پوچھی گئی تو جواب دیا کہ گھنٹے وٹین کی آواز بہت بلند ہے لوگ بہت دور سے سنتے ہیں کہ جہاں اذان کی آواز نہیں پہنچ سکتی، بعض کہتے ہیں کہ فجر میں نیند سے بیداری کے لئے ایسا کیا جاتا ہے، غرضیکہ کسی صورت سے یہ نامشروع فعل جائز ہوسکتا ہے یا نہیں، نادان کا یہ خیال ہے کہ ایسا فعل قطعاً حرام ہوگا، کیونکہ اس سے اذان مسنونہ بالکل بیکار ہوجاتی ہے، اس کی کوئی حاجت ہی نہیں رہتی، اس پر اعتماد کرکے لوگ بھی گھنٹے کی آواز کی طرف تاک لگائے رہتے ہیں، حالانکہ اذان کو ایسے بیکار چھوڑنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے، اور اس سے تشابہ بالکفار بھی لازم آتا ہے؟

== حالانکہ اذان حاکم حقیقی کا نقارہ ہے۔سرکاری گھنٹی (جس کے بجنے کا وقت مقرر ہے) جب تک نہیں بجتی وہ لوگ نماز کے لئے مسجد نہیں آتے ان کے بارے میں جو حکم ہو، وہ مشرح بیان فرمایا جائے اور اذان کے احترام کرنے کا کتنا ثواب ہے؟ اور بے حرمتی کی کیا سزا ہے؟ بینوا توجروا۔سعید پالنپوری

(۱) ترجمۂ جواب:۔گھنٹی بجنے پر آنا اور اذان پر نہ آنا اگر گھنٹی کے احترام اور اذان کی بے حرمتی کی وجہ سے ہے تو واقعی یہ بہت قبیح وشنیع حرکت ہے لیکن کہیں ایسا سنا گیا نہ دیکھا گیا بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ نماز کا مدار وقت پر ہے اور وقت کی علامات میں سے دیگر آلات کی طرح گھنٹی بجنا بھی ہے جیسے دائرۂ ہندیہ کا مقیاس کہ اسے فقہانے بھی معتبر مانا ہے، لہٰذا جو شخص گھنٹی بجنے پر مسجد آتا ہے، اس کا مقصد گھنٹی کی کوئی خصوصیت نہیں ہوتی، بلکہ اس نے اس کی آواز کو منجملہ معرفات وقت قرار دیا ہے اور مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی کرنا خود اسلام کی بےتوقیری ہے، جو اذان کی بےتوقیری سے بڑھی ہوئی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔سعید پالنپوری

الجواب

صورت مسئولہ سوال مکروہ ہے اور بدعت، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اعلان نماز کے لئے طریق اعلان نماز کی فکر ہوئی تو حضور نے ان سب طریقوں کو ناپسند فرمایا اور الہام ووحی کے بعد اذان کو اختیار فرمایا، اب اذان کے ساتھ دوسرے طریقے اعلان کے لئے اختیار کرنا بدعت ہے۔

وأيضًا ففي الجرس للعبادة مثل الصلاة تشبهًا بالهنود.(۱)

البتہ اگر اذان سے پہلے گھنٹہ اس واسطے بجایا جائے تاکہ بستی والوں کو وقت کی اطلاع ہوجائے اور مؤذن وقت کو معلوم کرکے اذان دے تو اس میں گنجائش ہے۔

لكون الجرس لغير الصلاة من بيان الأوقات وفيه سعة. والله أعلم

۱۵/ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ۔(امدادالاحکام:۲/۴۹-۵۰)

اذان کے بعد جماعت کے لئے گھنٹہ بجانا مکروہ ہے:

سوال: شہر پیران پٹن علاقہ گجرات میں مسجدوں کی اذان گاہ پر بعد اذان مسنونہ صلوٰۃ خمسہ کے ایک پیتل کی تختی جسے عرف عام میں گھنٹہ کہتے ہیں بجایا جاتا ہے، اس کا بجانا شریعت محمدی سے جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر:۱۲۲۳، محمد سعید، ناگدیوی، اسٹریٹ نمبر ۱۵۰، ممبئی نمبر ۳-۲۱/رجب ۱۳۵۵ھ، م ۸/اکتوبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

(از اشرف علی مفتی اول بلدہ وصدارت عالیہ)

حامدًا ومصليًا: ابتداء زمانۂ اسلام میں لوگ بہ یک وقت نماز کے لئے جمع نہ ہوسکتے تھے اور ضرورت تھی کہ نماز کے اعلان کا کوئی مخصوص طریقہ ہو۔ صحابۂ کرام میں سے بعض نے بوق اور بعض نے ناقوس وغیرہ کی بابت رائے دی جو بوجہ تشبہ یہود ونصاریٰ ناپسند ہوئی، ابھی اس امر کی بابت کوئی تصفیہ نہ ہوا تھا کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری نے ایسی غنودگی کی حالت میں جو نیند اور بیداری کے درمیان تھی دیکھا کہ ایک شخص آسمان سے نازل ہوا جس کے ہاتھ میں ناقوس کے مشابہ کوئی شے تھی حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے اسے خریدنا چاہا تو اس نے پوچھا کہ کیا کروگے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی نمازوں کا اس سے اعلان کریں گے۔ اس نے کہا کہ میں کیوں ایسی شے

(۱) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الجرس مزامير الشيطان. (الصحيح لمسلم، باب كراهة الكلب والجرس في السفر (ح: ٢١١٤) انيس)

تمہیں نہ بتاؤں جواس سے بہتر ہو، بہرحال اس شخص نے اذان کی تعلیم دی اور یہ خواب سماعت فرما کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی۔

والمشهور أنه صلى اللّٰه عليه وسلم لما قدم المدينة كان يؤخر الصلاة تارة ويعجلها أخرىٰ فاستشار الصحابة فى علامة يعرفون بها وقت أداء الصلاة لكى لاتفوتهم الجماعة،فقال بعضهم ننصب علامة حتى إذا رآها الناس أذن بعضهم بعضًا فلم يعجبه ذلك وأشاربعضهم بضرب الناقوس فكرهه لأجل النصارى وبعضهم بالنفخ فى الشبورفكرهه لأجل اليهود وبعضهم بالبوق فكرهه لأجل المجوس فتفرقوا قبل أن يجتمعوا علىٰ شيء،قال عبد اللّٰه بن زيد الأنصارى فبت لايأخذ فى النوم وكنت بين النائم واليقظان إذا رأيت شخصًا نزل من السماء وعليه ثوبان أخضران وفى يده شبه الناقوس فقلت:أتبيعنى هذا؟ فقال ماتصنع به؟ فقلت: نضربه عند صلاتنا،فقال:ألا أدلك علىٰ ما هوخيرمن هذا ؟ فقلت:نعم،الخ.(المبسوط للسرخسي: ١٢٧/١،المبسوط، باب الأذان)

اسلام میں اذان ہی طریقۂ اعلان نماز پنجگانہ ہے،اذان کے بجائے یا اذان کے بعد ناقوس یا اسی سے مشابہ کسی چیز سے اعلان نماز شرعا درست نہیں ہے۔ایسے طریقہ ہائے اعلان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے۔فقط

اشرف علی مفتی اول بلدہ وصدارت العالیہ۔

الجواب ———————————

(ازحضرت مفتی اعظم)

بے شک بجائے اذان کے یا اذان کے بعد گھنٹہ بجانا اوراس کو نماز باجماعت کا اعلان قرار دینا مکروہ اور بدعت ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔(کفایت المفتی: ۵۱/۳-۵۲)

گھنٹہ کی آواز سے نماز کی اطلاع:

سوال: جہاں اہل محلّہ کو اذان کی آواز نہ آتی ہو، کیا وہاں گھنٹہ سے جیسے دربان آپ کے یہاں اسباق کے لئے بجاتا ہے،تثویب کرنا کیسا ہے، یعنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو علامہ شامی کے:''وإن خالف ذلك''(۲) کا کیا مطلب ہے اور جائز ہے تو تشبہ بالکفار ہے؟ مع حوالہ کتب مفصل تحریر فرماویں۔

---

(۱) ولا تثويب إلا فى صلاة الفجرلما روى أن علياً رضى اللّٰه عنه رأى مؤذناً يثوب فى العشاء،فقال: ''أخرجواهذا المبتدع من المسجد،الخ''... ولحديث مجاهد.(المبسوط للسرخسى،باب الأذان: ١٣٠/١، ط:دارالمعرفة،بيروت،لبنان)

(۲) ولوأحدثوا إعلامًا مخالفًا لذلك جاز،نهرعن المجتبىٰ.(رد المحتار،كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب فى أذان الجوق: ٣٨٩/١،سعيد)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر کوئی اور صورت غیر مخدوش تثویب کی نہ ہو تو پھر اس طرح بھی درست ہے اور کیفیتِ دق کو ممتاز کردیا جائے تاکہ تشبہ نہ رہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی ۲/۲/۱۳۶۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۱)

گھنٹی اذان کے قائم مقام ہرگز نہیں:

سوال: اگر کسی گاؤں میں مسجد ایک کنارے پر ہے اور اذان پورے گاؤں میں نہ پہنچتی ہو، نمازی لوگ جماعت سے رہ جاتے ہوں تو اذان پڑھ کر اگر خبر کرنے کے لئے گھنٹی بجادی جائے تو ٹھیک ہے یا نہیں، اگر ٹھیک ہے تو کس طرح؟ پوری تفصیل سے تحریر فرمائیں، کیونکہ کچھ حضرات کا قول ہے کہ گھنٹی بجانا جائز نہیں، جب کہ ہمارے مذہب نے خبر دینے کے لئے اذان مقرر کی ہے، اس لئے صحیح جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کو ترک کرکے اس کی جگہ گھنٹی بجانے کی کسی طرح اجازت نہیں، اذان کے بعد بھی گھنٹی نہ بجائی جائے، خاص کر جب کہ لوگوں کے پاس آج کل گھڑی کا بھی دستور ہے، ہر شخص کا نماز کی طرف دھیان لگا رہنا چاہئے، بے فکر نہیں رہنا چاہئے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۲)

---

(۱) ویثوب بین الأذان والإقامة فی الکل للکل بما تعارفوہ کتنحنح،أو"قامت قامت"،أو"الصلاة الصلاة"، ولو أحدثوا إعلامًا مخالفًا لذلک جاز،نهر عن المجتبیٰ". (الدر المختار)

(قوله باتعارفوہ). (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، قبیل مطلب فی أذان الجوق: ۱/۳۸۹، سعید)

(کذا فی النهر الفائق، باب الأذان: ۱/۱۷۷. انیس)

"وأطلق فی التثویب، فأفاد أنه لیس لفظ یخصه، بل تثویب کل بلد علیٰ ما تعارفوہ، إما بالتنحنح أو بقوله "الصلاة الصلاة"، أو "قامت قامت"؛ لأنه للمبالغة فی الإعلام، وإنما یحصل بما تعارفوہ، فعلیٰ هذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لما ذکر جاز". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/٤٥۳، رشیدیة)

"ثم التثویب فی کل بلد علیٰ ما تعارفوہ ... إما بالتنحنح، أو بقوله "الصلاة الصلاة"، أو "قامت قامت"، أو "بایک بایک"، کما یفعل أهل بخاری؛ لأنه الإعلام، والإعلام وإنما یحصل بما یتعارفونه". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی کیفیة الأذان: ۱/٦٤۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲) شریعتِ مقدسہ نے نمازوں کی اطلاع کے لئے اذان مقرر فرمائی ہے اور وہ شعائرِ اسلام میں سے ہے:

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: کان المسلمون حین قدموا المدینة یجتمعون فیتحینون الصلوات==

جھنڈوں اورنعروں کے ذریعہ لوگوں کونماز کے لئے اٹھانے کی شرعی حیثیت:

سوال: لوگوں کونماز کے لئے جمع کرنے کے واسطے جھنڈا گلی گلی لے کر گھومنا، نعرۂ تکبیر بالجہر المفرط کرتے رہنا لوگوں کے گلوں میں پرتلہ ڈالنا وغیرہ وغیرہ یہ امور کیسے ہیں؟ اگر منع ہیں تو مخالفت کی تصریح ممانعت کے الفاظ تلاش کر کے لکھیں کہ علاوہ غزوات کے جھنڈا اٹھانا ثابت نہیں ہے، اگر ثابت ہے تو اس کو مع حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اصل اس باب میں یہ ہے کہ اذان اور نماز کے درمیان لوگوں کو نماز کے لئے بلانا اور جمع کرنا (کسی متعارف ذریعہ سے) مشائخ اور ائمہ نے بضرورت جائز بلکہ!

(۱) مستحسن قرار دیا ہے، جس کو اصطلاح میں تثویب کہتے ہیں۔ کیوں کہ مسلمانوں میں روزافزوں غفلت اس کی مقتضی ہے کہ بار بار تنبیہ کی جائے اور اس تنبیہ کے لئے مشائخ رحمہم اللہ نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ!

(۲) ہرزمانہ اور ہر جگہ کے عرف پر چھوڑا ہے کہ جو چیز لوگوں میں نماز کو بلانے کے لئے متعارف ہو جائے وہی ہر جگہ میں لائی جائے اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے رمضان المبارک میں ابتداء اور انتہائے سحر کے لئے ہر شہر وقصبہ میں اپنے عرف کے موافق مختلف صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ کہیں گھنٹہ بجاتے ہیں کہیں نقارہ وطبل اور کہیں گولہ یا توپ چھوڑی جاتی ہے۔

اور عموماً فقہانے اس کو جائز و مستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ شامی نے **کتاب الحظر و الإباحة** میں ذکر کیا ہے، اس لئے امور مذکورہ سوال میں جو چیزیں فی نفسہ جائز ومباح ہوں اور کسی جگہ وہ نماز کے بلانے کا ذریعہ متعارف بن جائیں تو ان کا استعمال جائز ہوگا۔ اور یہ طریقہ اگرچہ تثویب کے معروف طریقہ سے کچھ جداگانہ صورت ہے لیکن اشتراک مقصد سے اس کا حکم اختیار کرسکتا ہے۔ البتہ اس میں دو چیزوں کی رعایت زیادہ ضروری ہے ایک تو یہ کہ ان امور میں کوئی چیز ایسی داخل نہ ہو جو فی نفسہ ناجائز و مکروہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ان میں غلو اور تعدی نہ کی جائے۔

(۳) مثلاً امور مندرجہ سوال میں بہت سے آدمیوں کا جمع ہونا غزل خوانی کرتے ہوئے بازاروں اور کوچوں میں پھرنا مکروہ ہے اس کو ترک کرنا چاہئے۔

== و ليس ينادى بها أحد، تكلموا يومًا في ذلك، فقال بعضهم: اتخذوا ناقوسًا مثل ناقوس النصارىٰ، وقال بعضهم: اتخذوا قرناً مثل قرن اليهود، قال: فقال عمر: أولا تبعثون رجلاً ينادى بالصلاة؟ قال: فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "يا بلال! قم فنادِ بالصلاة". (سنن الترمذى، أبواب الصلاة، باب ماجاء فى بدء الأذان: ۱/۴۸، سعيد)

لما روى أن علياً رضى الله تعالىٰ عنه رأى مؤذناً يثوب فى العشاء فقال: "أخرجوا هذا المبتدع من المسجد". (المبسوط للسرخسى، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۷۴، المكتبة الغفارية، كوئٹه)

(۴) جھنڈا اٹھانا فی نفسہ جائز ومباح ہے اور کسی نص میں اس کی ممانعت وارد نہیں، لیکن ابتدائے اذان کے وقت جھنڈے کی تجویز بعض صحابہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں پیش کی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ پسند نہ فرمایا، سو اگرچہ وہ اذان کا معاملہ تھا اور یہ ایک درمیانی بے ضابطہ اعلان ہے اور ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا تاہم ذوقاً ترک بہتر معلوم ہوتا ہے۔

(۵) امر دوم یعنی غلو اور تعدی کی توضیح یہ ہے کہ اس میں کسی خاص وضع واطوار کو تمام شہروں اور قصبوں کے لئے لازم وضروری نہ قرار دیا جائے، بلکہ ہر جگہ کے لوگوں کو اپنے اپنے طرز پر اپنی تجویز کے موافق آزاد چھوڑا جائے۔نیز اگر کچھ لوگ بالکل بھی اس کو نہ کریں اور اس میں شریک نہ ہوں تو ان کو ہرگز برا بھلا نہ کہا جائے۔ان پر کسی قسم کا طعن وتشنیع نہ کی جائے

(۶) اور جب اس قسم کا غلو ہونے لگے تو پھر اس کا ترک ضروری ہو جائے گا۔

والدليل علىٰ ماقلنا، أما أولاً،فلما فى الدر المختار:

(ويثوب)بين الأذان والإقامة فى الكل للكل بماتعارفوه.

وفى الشامية:لظهور التوانى فى الأمور الدينية،قال فى العناية:أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة علىٰ حسب ما تعارفوه فى جميع الصلوات سوى المغرب،آه. (رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان،قبيل مطلب فى أذان الجوق: ۲٦۱/۱)

وقال فى البحر:وهو اختيار المتأخرين لزيادة غفلة الناس وقلما يقومون عند سماع الأذان و عند المتقدمين هومكروه فى غير الفجر. (البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۲۷۵/۱)

وأما ما قلنا ثانياً فلما فى البحر:

ليس له لفظ يخصصه بل تثويب كل بلد علىٰ ما تعارفوه إما بالتنحنح أوبقوله"الصلاة الصلاة"أو"قامت قامت"لأنه للمبالغة فى الإعلام وإنما يحصل بما تعارفوا فعلىٰ هذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لما ذكر جاز،كذا فى المجتبىٰ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۲۷۵/۱)

وذكره الشامي بلفظه عن النهر والمجتبىٰ. (ردالمحتار: ۲٦۱/۱)

وأما ما قلنا ثالثاً:فلما شاع فى عامة كتب الفقه والحديث من منع التغنى للناس ولاسيما بالاجتماع والسعى فى الشوارع و الرساتيق وهوأغنى من أن يذكر له نقل ولذا نكتفى فيه ببعض الكلمات.

قال فى الفتاوىٰ الخيرية من كتاب الكراهة والاستحسان (۱۷۹/۲): ذكر محمد فى السير الكبير عن أنس بن مالك أنه دخل علىٰ أخيه البراء بن مالك وهو يتغنى بالحديث(قوله وهو يتغنى)بظاهره حجة لمن يقول لابأس للإنسان أن يتغنى إذا كان يسمع ويونس نفسه وإنما يكره إذا كان يسمع ويونس غيره،انتهىٰ كلام الخيرية.

وبمثله قال الشامی من الحظر والإباحة وقال: وبه أخذ السرخسی وذكر شيخ الإسلام أن كل ذٰلک مكروه عندعلمائنا. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة،قبيل فصل فی اللبس: ٢٤٢/٥)

وأيضاً قال فی الخيرية: لأن التغنی واستماع الغناء حرام أجمع عليه العلماء وبالغوا فيه ومن أباحه من المشائخ الصوفية فلمن تخلی عن الهویٰ وتحلی بالتقویٰ، ثم قال: والحاصل أنه لا رخصة فی باب السماع فی زماننا لأن جنيدًا رحمه الله تاب عن السماع فی زماننا. (الفتاویٰ الخيرية: ١٧٩/٢)

وأما ما قلنا رابعاً : فلما فی السنن الكبریٰ للبيهقی من أبی عميربن أنس عن عمومة له من الأنصار قال: اهتم النبی صلی الله عليه وسلم للصلاة كيف يجمع الناس لها فقيل له انصب راية عند حضور الصلوٰة فإذا رأوها آذن بعضهم بعضاً فلم يعجبه ذٰلک. (سنن البيهقی: ٣٩٠، دائرة المعارف)(۱)

وأما ما قلنا خامساً وسادساً : فلما قال الطيبی فی شرح حديث الانصراف من الصلاة إلی اليمين ما نصه: فيه أن من أصرعلٰی مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصرعلٰی بدعة أومنكر. (۲) من مجموعة الفتاویٰ لمولانا الشيخ عبد الحیء اللكهنوی. (مجموعة الفتاویٰ: ٢٩٥/٢)

تنبیہ: یہ تمام افعال مذکورہ فی السوال چونکہ زیادہ تران کا مقصد بے نماز لوگوں کونماز کی ترغیب دینا اور نمازی بنانا ہے۔ نمازیوں کو جماعت کے وقت پر مطلع کر دینا بھی اس کے ضمن میں متحقق ہوسکتا ہے۔ اس لئے یہ افعال ایک حیثیت سے تثویب ہیں اور ایک حیثیت سے تبلیغ۔ لہٰذا اس کو کلیۃً تثویب کا حکم بھی نہیں دیا جا سکتا۔ مثلاً! تثویب کے لئے بتصریح فقہا موذن ہی ہونا شرط ہے۔ یہاں تک یہ شرط نہیں، رواج تثویب کو بعض اکابر نے پسند نہیں کیا تو اس سے اس خاص طرز کا ناپسند ہونا لازم نہیں آتا۔ لیکن بایں ہمہ مجموعی حیثیت سے ایک تماشہ کی صورت بنا دینا مکروہ معلوم ہوتا ہے اگر صرف اس پر اکتفا کیا جائے کہ چند آدمی تکبیر یا اور کوئی کلمہ مناسب کہتے ہوئے نکل جائیں تو مضائقہ نہیں، ڈھونگ بنانا مناسب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد شفیع غفرلہ۔ الجواب صحیح: بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: محمد رسول خاں عفا عنہ۔

الجواب صحيح حقيق بالاتباع والعمل ولعل الحق لايعدوه ولابد لما يفعل للعبادة أن يفعل عبادة لا تلهياً وتلعباً۔

محمد اعزاز علی غفرلہ۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند مسمیٰ امداد المفتین: ۲/ ۲۷۰-۲۷۲)

---

(۱) سنن أبی داؤد،باب بدء الأذان (ح: ٤٩٨)/السنن الكبریٰ للبيهقی،باب بدء الأذان (ح: ١٨٣٤)انيس)

(۲) شرح المشكاة الكاشف عن حقائق السنن للطيبی،باب الدعاء فی التشهد: ١٠٥١/٣. انيس

اذان کے بعد دوبارہ نمازیوں کو بلانا:

سوال: بعد اذان کے اگر نمازی نہ آویں تو ان کو بلالا نا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر احیاناً کسی کو بعد اذان بوجہ ضرورت بلوالیں تو درست ہے۔مگر اس کی عادت ڈالنی اور ہمیشہ کا التزام نادرست ہے۔فقط (۱) (تالیفات رشیدیہ:۲٦۰)

سنت جمعہ کیلئے مؤذن کا آواز دینا ثابت نہیں:

سوال: سنت جمعہ پڑھنے کے لئے ملک گجرات کی مسجدوں میں جوایک ''صلاة سنة قبل الجمعة'' پڑھنے کے واسطے مؤذن بلند آواز سے کہتا ہے اور بغیر ''صلاة سنة قبل الجمعة'' کہنے کے سنت قبل الجمعہ کی لوگ نہیں پڑھتے اور اس ''صلاة سنة قبل الجمعة'' کا مسجد میں جمع ہو کر انتظار کرتے ہیں تا مؤذن یہ ''صلوٰۃ'' کہے تو سنت جمعہ پڑھیں۔بدیں الفاظ مؤذن پکارتا ہے ''الصلاة سنة قبل الجمعة،الصلوٰة رحمكم الله'' کا کہنا فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟اور ابتدا اس صلوٰۃ سنت کی کہاں سے ہوئی؟اور یہ'' صلاة سنة قبل الجمعة'' اگر نہ کہی جاوے اور سنتیں جمعہ کی پڑھ لیں تو سنت جمعہ ہو جاتی ہے یا نہیں؟اور کیا یہ ''صلاة سنة قبل الجمعة'' اگر کوئی نہ پکارے اور نہ کہے اور سنت قبل الجمعہ اور نماز جمعہ پڑھ لے تو غیر مقلد،نجدی،وہابڑہ بن جاتا ہے؟اور حنفی مذہب اور اسلام سے نکل کر بے ایمان بددین ہو جاتا ہے؟کیا تثویب جس کو فقہاء حنفیہ نے مستحسن جانا ہے وہ نمازوں کے لئے مخصوص ہے یا سنت قبل الجمعہ کے واسطے بھی صلوٰۃ مذکورہ شریعت محمدیہ میں ثابت ہے؟معتبر کتب حنفیہ سے ثبوت اس صلوٰۃ مذکورہ کا مع دلائل شرعیہ مع نقل اصل عبارت کتب مستندہ ونام کتاب ونام مصنف کتاب وغیرہ صاف تحریر فرما کر اجر عظیم حاصل کریں؟

الجواب

''صلاة سنة قبل الجمعة'' پکارنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے،بلکہ جس وقت زوال ہو جائے اور اذان اول جمعہ کی ہو جائے نمازیوں کو چاہئے کہ خود سنت قبل الجمعہ ادا کرلیں اور جبکہ وقت سنتوں کا ہو جائے تو بغیر پکارے ''الصلاة سنة قبل الجمعة،الخ'' کے،اگر کوئی شخص سنت قبل الجمعہ پڑھ لے گا،سنت ادا ہوگئی اور اس سے غیر مقلد

(۱) من أصر علىٰ مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر علىٰ بدعة أو منكر.(شرح المشكاة الكاشف عن حقائق السنن للطيبى،باب الدعاء فى التشهد:۱۰۵۱/۳.انیس)

وغیرہ نہیں بنتا، یہ جاہلوں کے خیالات ہیں اور تثویب جس کو بعض فقہا(۱) نے بعض نمازوں میں بعض اشخاص کیلئے مستحب فرمایا تھا وہ فرائض کے ساتھ مخصوص ہے اور تثویب بھی متروک ہے بسبب خلاف سنت ہونے کے کہ صحابہ(۲) نے اس پر انکار فرمایا ہے۔(۳) فقط

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی مدرسہ عالیہ دیوبند۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۲۷-۱۲۸)

اذان ثانی سے پہلے ''استووا رحمکم اللّٰہ'' کہنا کیسا ہے:

سوال: وقت خطبہ کے اذان سے پہلے '' استووا رحمکم اللّٰہ'' کہنا کیسا ہے؟

الجواب

وقت خطبہ کے جو اذان خطیب کے سامنے ہو، اس کے شروع میں اس لفظ کے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں، البتہ اگر امام بوقت تکبیر تحریمہ ایسا کہے، تو مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۲۹)

☆☆☆

(۱) یعنی من المتأخرین کما فی الهداية وغيرها و إلا فالمتقد مون من فقهاء الحنفية منعوا عنه كما فى كتب الفقه وللفاضل اللكهنوى فيه رسالة مستقلة للتحقيق العجيب فى التثويب فراجعها.

(۲) كعلى وابن عمررضى الله عنهم، كما فى كتب الحديث.

(وروى عن مجاهد قال: دخلت مع عبدالله بن عمرمسجداً وقد أذن فيه، ونحن نريد أن نصلى فيه، فثوب المؤذن، فخرج عبدالله بن عمرمن المسجد وقال: اخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم يصل فيه. (سنن الترمذى، باب ماجاء في التثويب في الفجر (ح: ۱۹۸) انيس)

(وعن على رضى الله عنه إنكاره بقوله: أخرجوا هذاالمبتدع من المسجد. (مرقاة المفاتيح، باب الأذان: ۵۵۱/۲. انيس)

(۳) والتثويب فى الفجر "حَيَّ على الصلوٰة، حيَّ على الفلاح" بين الأذان والإقامة حسن لأنه وقت نوم وغفلة وكره فى سائر الصلوات ومعناه العود إلى الإعلام وهوعلىٰ حسب ما تعارفوه، هذا تثويب أحدثه علماء الكوفة بعد عهد الصحابة لتغيرأحوال الناس الخ والمتأخرون استحسنوه فى الصلوات كلها لظهور التوانى فى الأمورالدينية وقال أبويوسف: لا أرىٰ بأساً أن يقول المؤذن للأمير، الخ، واستبعده محمد لأن الناس سواسية فى أمر الجماعة، الخ. (الهداية، باب الأذان: ۸٤/۱، ظفير)

اذان کا جواب-احکام ومسائل

اجابت اذان قولاً واجب ہے یا فعلاً:

سوال: اجابت اذان قولی وفعلی دونوں واجب ہیں یا اول واجب ہے، دوسری مستحب یا عکس اس کا؟

الجواب

اجابتِ اذان قولاً مستحب ہے اور بالقدم واجب ہے۔

قال الشامي:(قوله وقال الحلواني ندباً،الخ)أی قال الحلواني:إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الإجابة بالقدم،الخ.(۱)

والتحقيق فی الشامي،وقد ذكر إشكالاً فی وجوبها ثم أجاب عنه فلينظر ثمه.(۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۸۶_۸۷)☆

---

(۱) ردالمحتار،باب الأذان،قبيل مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد: ۱/۳٦۷_۳٦۸،ظفير

(۲) قال فی النهر:وقوله بوجوب الإجابة بالقدم مشكل،لأنه يلزم عليه وجوب الأداء فی أول الوقت وفی المسجد، إذ لامعنى لإيجاب الذهاب دون الصلاة،ومافی شهادات المجتبیٰ"سمع الأذان وانتظر الإقامة فی بيته لاتقبل شهادته مخرج علیٰ قوله كما لايخفیٰ،وقد سألت شيخنا الأخ(المرادبشيخه أخوه الشيخ زين بن نجيم صاحب البحر،منه)عن هذا فلم يبد جواباً،آه.

أقول وبالله التوفيق:ما قاله الإمام الحلواني مبنی علیٰ ماكان فی زمن السلف من صلاة الجماعة مرة واحدة وعدم تكرارها كماهوفی زمنه صلی الله عليه وسلم وزمن الخلفاء بعده،وقد علمت أن تكرارها مكروه فی ظاهر الرواية إلا فی رواية عن الإمام ورواية عن أبی يوسف،كما قدمناه قريباً وسيأتی أن الراجح عند أهل المذهب وجوب الجماعة وأنه يأثم بتفويتها اتفاقاً،وحينئذٍ يجب السعی بالقدم لا لأجل الأداء فی أول الوقت أوفی المسجد بل لأجل إقامة الجماعة وإلا لزم فوتها أصلاً،أوتكرارها فی مسجد إن وجد جماعة أخریٰ وكل منهما مكروه فلذا قال بوجوب الإجابة بالقدم،لايقال يمكنه أن يجمع بأهله فی بيته فلايلزم شیء من المحذورين،لأنا نقول إن مذهب الإمام الحلوانی أنه بذلک لاينال ثواب الجماعة وأنه يكون بدعةً ومكروهاً بلاعذر،وسيأتی فی الإمامة أن الأصح أنه لو جمع بأهله لايكره وينال فضيلة الجماعة لكن جماعة المسجد أفضل.(ردالمحتار،باب الأذان،مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد: ۱/۳٦۸، ظفير)

☆ زبان پر اذان کا جواب دینا مسنون اور بالقدم واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کا جواب واجب ہے یا مسنون یا مستحب، اگر واجب ہے، تو لساناً یا عملاً، توضیح مسئلہ فرما کر ممنوع فرماویں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالقیوم ناظم مدرسہ سراج العلوم ٹیکسلا راولپنڈی۔۳۰/ذی الحجہ۱۴۰۲ھ) ==

کیا اذان کا جواب دینا واجب ہے:

سوال: اذان کا جواب دینا کیسا ہے، جو شخص مسجد میں موجود ہو، تو کیا اس کے لئے جواب دینا واجب ہے اور مسجد کے باہر ہو، تو اس کے لئے مستحب ہے؟ مولانا مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی نے اپنے ایک رسالہ میں تحریر کیا ہے کہ ''اذان کا جواب دینا واجب ہے، اس شخص کے واسطے جو مسجد میں موجود ہے اور جو مسجد کے باہر ہے، تو اس کے واسطے مستحب ہے، جو مؤذن کہے سننے والا بھی وہی جواب میں کہے''۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

فقہا کی ایک جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (کذا فی رد المحتار: ٢٧٩/١) (١) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ: ٤٢٢/٥)

==

الجوابــــــــــــــــ

اجابت باللسان مسنون ہے اور بالقدم واجب ہے، اس شخص پر جس پر جماعت واجب ہو۔ (شامیہ)

(قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: والذي ينبغي تحريره في هذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة و أن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة. (رد المحتار هامش الدر المختار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ٢٩٤/١) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ١٨٣/٢)

اجابت بالقدم واجابت باللسان:

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنے گھر میں تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو اور اذان شروع ہو جائے تو اس پر اجابت بالقدم یعنی قرآن کریم کی تلاوت موقوف کر کے جماعت کی حاضری کے لئے مسجد کی طرف چل دینا واجب ہے، جب کہ ایسا نہ کرنے سے جماعت فوت ہو جاتی ہو، اور اگر جماعت کے ساتھ نماز فوت نہ ہوتی ہو تو پھر واجب نہیں، اور اگر وہ مسجد میں تلاوت کر رہا ہو تو تلاوت موقوف کر کے زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔

(الحجة على ما قلنا: ما في التنوير وشرحه مع الشامية: (ويجيب) وجوباً، وقال الحلواني ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لا حائضاً ونفساء... بخلاف قرآن... (ولو كان في المسجد حين سمعه ليس عليه الإجابة، ولو كان خارجه أجاب) بالمشي إليه (بالقدم، ولو أجاب باللسان لا به لا يكون مجيباً) وهذا (بناء على أن الإجابة المطلوبة بقدمه لا بلسانه) كما هو قول الحلواني، وعليه (فيقطع قراءة القرآن لو) كان يقرأ (بمنزله، ويجيب) لو أذان مسجده كما يأتي (ولو بمسجد لا) لأنه أجاب بالحضور، وهذا متفرع على قول الحلواني، وأما عندنا فيقطع و يجيب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث ''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول''.

قال المحقق ابن عابدين رحمه الله تعالى: والذي ينبغي تحريره في هذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة وأن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة، وإلا بأن أمكنه إقامتها بجماعة ثانية في المسجد أو بيته لا تجب، بل تستحب مراعاة لأول الوقت والجماعة الكثيرة في المسجد بلا تكرار، هذا ما ظهر لي. (٦٥/٢-٦٩، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد) (اہم مسائل: ٥٦/٦)

(١) ''يجب على السامعين عند الأذان الإجابة: وهي أن يقول مثل ما قال المؤذن،　　==

اذان کا جواب دینا سنت ہے:

سوال: جب مؤذن اذان پڑھتا ہے، تو اذان کے الفاظ دہرانا اور بعد میں دعا کا پڑھنا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور نہ پڑھنے سے کوئی گناہ تو نہیں ہوتا؟

(المستفتی نمبر: ۱۶۷۳، فقیر سید منور علی صاحب (ہمت نگر) ۶/ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ، م ۱۴/ اگست ۱۹۳۰ء)

الجواب

اذان کے وقت اذان کے الفاظ کو دہرانا اور "حی علی الصلاۃ"، "حی علی الفلاح" کی جگہ "لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ" کہنا اور ختم اذان کے بعد "اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ، الخ" دعا پڑھنا سنت (۱) ہے، نہ پڑھنے سے ترک سنت ہوگا۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۵۴)

== إلا فی قولہ: "حی علی الصلاۃ"، "حی علی الفلاح"، فإنہ یقول مکان "حی علی الصلاۃ" "لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلی العظیم"، ومکان قولہ "حی علی الفلاح" "ما شاء اللّٰہ کان ومالم یشأ لم یکن"، کذا فی محیط السرخسی. (الفتاویٰ الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی فی الأذان، ومما یتصل بذلک إجابۃ المؤذن: ۱/ ۵۷، رشیدیۃ)

لیکن راجح قول یہ ہے کہ جو آدمی مسجد میں موجود ہو، اس پر اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔ (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان، قبیل باب شروط الصلاۃ: ۱/ ۴۰۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت. انیس)

(۱) یہاں سنت سے مراد مستحب ہے۔ انیس

(۲) (ویجیب) وجوبًا، وقال الحلوانی: "ندبا" والواجب الإجابۃ بالقدم (من سمع الأذان) بأن یقول بلسانہ کمقالتہ إلا الحیعلتین فیحوقل وفی "الصلوٰۃ خیر من النوم" فیقول: "صدقت وبررت". ویدعو عند فراغہ بالوسیلۃ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. (تنویر الأبصار مع الدر المختار علی صدر رد المحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۹۶-۳۹۸، ط: سعید)

عن عبد اللّٰہ بن علقمۃ بن وقاص قال: إنی لعند معاویۃ إذا أذن مؤذنہ فقال معاویۃ: کما قال مؤذنہ حتی إذا قال: حی علی الصلاۃ، قال: لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ ولما قال: حی علی الفلاح، قال: لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ (ولاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ، قیل معناہ لاحول عن المعصیۃ ولاقوۃ علی الطاعۃ إلا بتوفیق اللّٰہ وقیل الحول الحرکۃ تقول حال الشخص إذا تحرک فالمعنی لاحرکۃ ولااستطاعۃ إلا بمشیۃ اللّٰہ وقیل الحول والحیلۃ والاحتیال والتحیل الحذق وجودۃ النظر والقدرۃ علی دقۃ التصرف أی لا إجادۃ للعمل ولا قدرۃ للإنسان علیہ إلا بمعونۃ اللّٰہ وقدفھم من ھذا أن السنۃ أن یتابع السامع المؤذن فیمایقول إلافی الحیعلتین فلہ أن یتابعہ بدل ماقال المؤذن لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ وھکذا مذھب الحنفیۃ) ثم قال بعد ذلک ما قال المؤذن، ثم قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ذلک. (مسند الشافعی بترتیب السندی، الباب الثانی فی الأذان (ح: ۱۸۲)

قال العینی بعد ذکر حدیث إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن، الخ: ... ثم الذی یستفاد من عموم ھذا الحدیث أن یقول من یسمع الأذان مثل مایقول المؤذن حتی یفرغ من أذانہ کلہ ==

اذان کے جواب کا استحباب:

سوال: جو آدمی مسجد میں ہوں ان پر جواب اذان کا واجب ہے یا مستحب؟

الجواب

مستحب ہے۔

في الدرالمختار: (ولوبمسجد لا)لأنه أجاب بالحضور،الخ.ورجح الاستحباب في رد المحتار.(۱)

(تتمہ اولیٰ صفحہ:۳۴، ج:۱)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۶۹)

کیا اذان کا جواب دینا ضروری ہے؟ نیز کس طرح دیں:

سوال: جب مؤذن نماز کے لیے اذان دیتا ہے، تو ہمیں اذان کا جواب دینا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب

زبان سے اذان و اقامت کا جواب دینا مستحب ہے، جو کلمات مؤذن کہتا ہے، انہی کلمات کو جواب دینے والا بھی دہرائے اور ''حي على الصلاة'' اور ''حي على الفلاح'' کے جواب میں ''لا حول ولا قوة إلا بالله'' کہا جائے۔ فجر کی اذان میں ''الصلاة خير من النوم'' کے جواب میں ''صدقت وبررت'' کہا جائے، اور اقامت میں ''قد قامت الصلاة'' کے جواب میں ''أقامها الله وأدامها'' کہا جائے۔(۲)(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۱۰)

== وهومذهب الشافعي وعندأصحابنا يقول مثل مايقول المؤذن في التكبيروالشهادتين ويقول في الحيعلتين:لاحول ولاقوة إلابالله،لحديث عمركمايجي ... وقالوا:إن حديث أبي سعيدالخدري مخصوص بحديث عمر رضي الله عنه.(شرح سنن أبي داؤد للعيني،باب مايقول إذا سمع المؤذن:۲/۴۷۸)انيس)

عن عبد الله بن عمروبن العاص أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول:''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول ثم صلوا عليّ فإنه من صلي عليّ صلاة صلى الله عليه بها عشرًا ثم سلوا الله لي الوسيلة فإنها منزلة في الجنة ولاتنبغي إلا لعبد من عبادالله وأرجو أن أكون أنا هو،فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة''.(الصحيح لمسلم،كتاب الصلاة،باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح:۳۸۴)انيس)

(۱) والذي ينبغي تحريره في هذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة و أن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة وإلا بأن أمكنه إقامتها بجماعة ثانية في المسجد أو بيته لاتجب بل تستحب مراعاة لأول الوقت والجماعة الكثيرة في المسجد بلا تكرارهذا ما ظهرلي.(رد المحتار،كتاب الصلوٰة،باب الأذان،قبل باب شروط الصلاة:۱/۳۹۹،دارالكتب العلمية،بيروت-انيس)

(۲) وفي فتاوى قاضيخان:إجابة المؤذّن فضيلة وإن تركها لايأثم ... وفي المحيط:يجب على السامع للأذان الإجابة ويقول مكان حي على الصلاة:''لا حول ولا قوة إلا بالله''،وكذا إذا قال''الصلاة خيرمن النوم''فإنه يقول:''صدقت وبررت'' ... وفي غيره أنه يقول إذا سمع''قد قامت الصلاة'':''أقامها الله وأدامها''.(البحرالرائق:۱/۲۷۳،باب الأذان) ==

اذان کا جواب:

سوال: اذان کے جواب دینے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا خواتین پر بھی اذان کا جواب دینا فرض ہے؟

(مہر سلطانہ، باغ جہاں آرا)

الجواب

حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہے وہی تم بھی کہو''۔(۱)

البتہ بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''حي على الصلاة'' اور ''حي على الفلاح'' کے جواب میں '' لاحول ولا قوة إلا بالله'' کہا جائے''۔(۲)

بعض اہل علم کے نزدیک اذان کا جواب دینا اس حدیث کی وجہ سے واجب ہے، لیکن اکثر فقہا کے نزدیک زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے نہ کہ واجب، جواب دے تو ثواب ہوگا اور جواب نہ دے تو گناہ بھی نہ ہوگا، البتہ جن لوگون پر نماز واجب ہے ان کے لئے اپنے عمل سے اذان کا جواب دینا یعنی چل کر مسجد جانا واجب ہے۔(۳)

اور حدیث میں زبان سے جواب دینے کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ استحباب کے درجہ کا حکم ہے۔اس لئے زبان سے جواب دینا نہ مردوں پر فرض ہے اور نہ عورتوں پر، اور مستحب مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انے مردوں کے ساتھ مخصوص کر کے یہ حکم نہیں دیا ہے، دوسرے اذان کے جواب کا مقصد اللہ تعالی سے اطاعت اور احکام خداوندی سے وفا شعاری کا اظہار ہے، جیسا کہ حج میں تلبیہ کا مقصد ہے اور ظاہر ہے مسلمان مرد ہو یا عورت، ہر ایک کو حکم خداوندی کے سامنے سر جھکانے کا اظہار کرنا چاہیئے۔(۴) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۳۳-۱۳۴)

== عن أبی أمامة أوعن بعض أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أن بلالاأخذ فی الإقامة فلما أن قال: قدقامت الصلاة قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم:أقامهااللّٰہ وأدامها، ... یستفاد من الحدیث فائدتان: یستحب أن یقال عند الإقامة مثل ما یقول المؤذن،إلا فی الحیعلتین یقول فیهما:لاحول ولاقوة إلا باللّٰہ،کما فی الأذان، والثانیة:یستحب أن یقال عند قوله '' قد قامت الصلاة '' : '' أقامها اللّٰہ وأدامها ''.(شرح أبی داؤد للعینی،باب ما یقول إذا سمع المؤذن :۲/۴۹۰-۴۹۱ (ح:۵۱۰)انیس)

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۲۰۸، باب مایقول إذا أذن المؤذن ،نیز دیکھئے:صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۶۱۱،صحیح مسلم،حدیث نمبر:۸۴۸،سنن ابی داؤد،حدیث نمبر:۵۲۲۔محشی

(۲) صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۶۱۳،باب ما یقول إذا سمع المنادی،الصحیح لمسلم،حدیث نمبر:۸۵۰،باب استجاب القول مثل قول المؤذن،الخ۔محشی

(۳) دیکھئے! الکبیری شرح منیة المصلی:۳۶۳.

(۳) دیکھئے! الترغیب والترھیب:۱/۱۱۵.انیس

تہجد اور اذان کا جواب مستحب ہے:

سوال: تہجد سنت مؤکدہ ہے یا مستحب اور جواب اذان اور دعا بعد اذان اور سننا اذان کا واجب ہے، یا کیا؟

الجواب

تہجد میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مؤکدہ اور بعض کے نزدیک مستحب اور اذان کا سننا مستحب اور اس کا جواب بھی مستحب [ہے]۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص،ص ۵٦) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۴۲)

اذان کا جواب اور دعا:

سوال: وقتِ اذان حکم درحدیث ایجاب بود حالانکہ دریں زمان بعد ختم اذان کلمہ طیبہ می گویند چہ حکمِ شرعی است؟(۲)

الجواب

بوقتِ اذان سامعین را مستحب است کہ ہماں کلمات را کہ مؤذن می گوید سامعین ہم می گویند و در حیعلتین ''لا حول ولا قوة إلا باللّٰه'' گویند و بعد ختمِ اذان دعاءِ ماثورہ ''اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة،الخ بگویند و ظاہر است کہ اتباعِ ماثور اولیٰ واحب است۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۷)

(۱) احادیث میں اذان کا جواب کسی خاص وقت کی اذان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔اس لیے تہجد کی اذان کا جواب دینا بھی مستحب ہوگا۔

عن أبی سعید الخدری أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال:إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن.(سنن أبی داؤد،باب مایقول إذا سمع المؤذن (ح: ٥٠٤)/الصحیح للبخاری،باب الأذان،باب مایقول إذا سمع المنادی (ح: ٦١١)/الصحیح لمسلم،باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه،الخ (ح: ٣٨٣)/سنن الترمذی، باب مایقول الرجل إذا أذن المؤذن (ح:٢٠٨)/سنن ابن ماجة،باب مایقال إذا أذن المؤذن (ح: ٧٢٠)انیس)

(۲) خلاصۂ سوال:اذان کے وقت حدیث میں حکم اذان کا جواب دینا ہے،حالانکہ اس زمانے میں لوگ اذان ختم ہونے کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں،حکمِ شرعی کیا ہے؟انیس

(۳) خلاصۂ جواب:اذان کے وقت سامعین کے لئے مستحب ہے کہ مؤذن جو کلمات کہے وہی کلمات وہ کہیں،اور حیعلتین میں ''لا حول ولا قوة إلا باللّٰه'' کہیں،اور اذان کے ختم کے بعد دعاء ماثورہ ''اللّٰهم رب هذه الدعوة، الخ پڑھیں اور ظاہر ہے کہ منقول کی اتباع زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔انیس)

(ویجیب) وجوباً،وقال الحلوانی:ندباً،والواجب الإجابة بالقدم(من سمع الأذان)،الخ بأن یقول بلسانه کمقالته، الخ إلا فی الحیعلتین فیحوقل وفی ''الصلوٰة خیرمن النوم''فیقول ''صدقت وبررت''الخ ویدعوعند فراغه بالوسیلة لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم.(الدرالمختار) ... وروی البخاری وغیره:من قال حین یسمع النداء''اللّٰهم ربَّ هذه الدعوة التامة والصلوٰة القائمة اٰتِ محمدًا الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاماً محمودًا نالذی وعدتّه''حلت له شفاعتی یوم القیامة،الخ.(ردالمحتار،باب الأذان،قبل باب شروط الصلاة:١/ ٣٦٧۔ ٣٧٠،ظفیر) ==

اذان کے جواب دینے کا حکم سب پر ہے:

سوال: اذان جس وقت ہو اور کسی جگہ دس پانچ آدمی بیٹھے ہوں، تو ایک کا جواب دینا سب کی جانب سے کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب

نہیں۔**لعدم دليل عليه.**(۱)

(تتمہ اولیٰ، ص:۳۴، ج:۱)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۶۸-۱۶۹)

خواتین کو اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: جس طرح مرد اذان کا جواب دیتے ہیں تو خواتین کیلئے بھی اسی طرح اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

اذان کا جواب جس طرح مرد دیتے ہیں، اسی طرح خواتین بھی اذان کا جواب دے سکتی ہیں، بلکہ ان کی بھی یہ دینی ذمہ داری بنتی ہے کہ اذان کا جواب دیا کریں۔

عن ميمونة.رضى الله عنها.أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام بين صف الرجال و النساء فقال:"يا معشر النساء إذا سمعتن أذان هذا الحبشي وإقامته فقلن كما يقول؛فإن لكُنّ بكل حرف ألف ألف درجة".قال عمر:فهذا للنساء يارسول الله !فما للرجال؟ قال:"ضعفان يا عمر".(الترغيب و الترهيب:١/١١٥، الترغيب في إجابة المؤذن)(۲)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۶۷)

==　عن عبدالله بن مسعود أنه قال:إن من الجفاء أربعة: أن يسمع المؤذن يقول:الله أكبر،الله أكبر،أشهد أن لا إله إلا الله ،أشهد أن لا إله إلا الله ، فلايقول مثل مايقول وأن يمسح وجهه قبل أن يقضى صلاته وأن يبول قائمًاوأن يصلى وليس بينه وبين القبلة شيء يستره .(المعجم الكبير للطبراني،باب (ح:٩٥٠١)انيس)

(۱)　کسی ایک آدمی کا اذان کا جواب دینا کافی نہیں ہوگا، بلکہ ہر شخص کو علاحدہ علاحدہ جواب دینا مستحب ہے۔حدیث میں ہے:

عن أبي سعيد الخدري.رضى الله عنه.أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:"إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن".(الصحيح لمسلم،باب استحباب القول مثل قول المؤذن و الصلوٰة على النبي وسؤال الوسيلة له(ح:٣٨٣)/سنن ابن ماجة،باب ما يقال إذا أذن المؤذن،كتاب الأذان،السنة فيه (ح:٧٢٠)

إذا أذن المؤذن فقولوا مثل قوله(أي إلا في الحيعلتين فيأتي بِ"لاحول ولاقوة إلا بالله" لحديث عمروغيره فهو عام مخصوص وهذا هوالذي يؤيده في المعنى؛لأن إجابة "حي على الصلوٰة"بمثله يعد استهزاءً وهذا التخصيص قد صرح به علماء نا الحنفية أيضًا فيمكن أن يقال مثل هذا التخصيص ممايؤيده العقل والنقل جميعاً.(حاشية السندي على سنن ابن ماجة،١/٢٤٥،دارالجيل، بيروت.انيس)

(۲)　قال العلامة عبد الحيء اللكهنوي:قلت يستنبط منه أن الإجابة باللسان واجبة على النساء الطاهرات أيضًا وهو ظاهرعبارات فقهائنا.(السعاية،باب الأذان:١/٥١)　==

عورت اذان کا جواب کب دے:

سوال: کیا عورتوں کو بھی اذان کا جواب دینا چاہیے؟

الجواب

جی ہاں! مگر حیض ونفاس والی جواب نہ دیں۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۱۷۷)

حائضہ عورت اذان کا جواب نہ دے:

سوال: کیا خواتین حالت حیض میں اذان کا جواب دے سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب

علماء کرام نے لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی خواتین کو اذان کا جواب دینا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: لایجیب الجنب ولا الحائض لعجزهما عن الإجابة بالفعل. (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی، باب الأذان: ۱٦۳) (۲) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/٦۷-٦۸)

جنبی کو جوابِ اذان جائز ہے یا نہیں:

سوال: درحالت جنابت اجابت اذان جائز است یا نہ؟ (۳)

الجواب

فی الدر المختار: (ویجیب)... (من سمع الأذان) ولو جنباً، الخ.

یعنی ہر کہ اذان بشنود اجابت کند اگرچہ جنبی باشد، (۴) **وعلله فی الشامی: بأن إجابة الأذان لیست بأذان، بحر عن الخلاصة.** (۵) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۸٦)

== أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، العالیة بنت سبیع عن میمونة (ح: ۲۸) انیس

(۱) (ویجیب)... (من سمع الأذان)... لاحائضًا ونفساء. (الدر المختار)

وفی الشامیة: (قوله لاحائضًا ونفساء) لأنهما لیسا من أهل الإجابة بالفعل فکذا بالقول... إلخ. (رد المحتار: ۱/۳۹٦، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد)

وفی المجتبیٰ فی ثمانیة مواضع إذا سمع الأذان لا یجیب: فی الصلاة واستماع خطبة الجمعة وثلاث خطب الموسم والجنازة وفی تعلم العلم وتعلیمه والجماع والمستراح وقضاء الحاجة والتغوّط، قال أبو حنیفة: لا یثنی بلسانه وکذا الحائض والنفساء لایجوز أذانهما وکذا ثناؤهما، آه. (البحر الرائق، إجابة المؤذن: ۱/۲۷٤. انیس)

(۲) قال العلامة عبد الحیء اللکهنوی: لایجیب الحائض والنفساء بعجزهما عن الإجابة بالفعل فکذا بالقول. (السعایة، باب الأذان: ۲/۵۱) ==

جنبی کو اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: جنبی اور محتلم آدمی اذان کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟ علما سے سنا ہے کہ اذان نہیں پڑھ سکتا ہے، کیا جواب اذان بھی نہیں دے سکتا؟ (محمد ادریس ٹوبہ ٹیک سنگھ)

الجواب

جنبی کو اذان کا جواب دینا چاہیے۔

ومن سمع الأذان فعليه أن يجيب وإن كان جنباً؛ لأن إجابة الأذان ليس بأذان آه. (خلاصة الفتاویٰ: ۵/۱) كذا في الشامية: ۲۹۲/۱، باب الأذان، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد) فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ ۱۹/۲/۱۴۰۲ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۳۵-۲۳۶)

ٹی وی، ریڈیو والی اذان کا جواب دینا:

سوال: ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر جو اذانیں ہوتی ہیں، تو کیا ان کو سن کر اذان کا جواب دیا جاسکتا ہے؟

الجواب

ٹی وی اور ریڈیو پر ہونے والی اَذان، اذان نہیں، بلکہ اذان کی آواز ہے، جسے ٹیپ کرلیا جاتا ہے اور اذان کے وقت وہی ٹیپ لگادی جاتی ہے، اس لیے اس کا حکم اذان کا نہیں، لہٰذا اس کا جواب بھی مسنون نہیں۔ (۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰۹)

اذان کے بعد مسجد کی طرف چلنا ضروری ہے یا نہیں:

سوال: سنا ہے کہ اذان ہونے پر جو شخص مسجد میں نہ جاوے تو گنہگار رہے، اگر دوسرے شخص کے تاکید کرنے سے بھی وہ نماز کو نہ جاوے تو کافر ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

== (۳) خلاصۂ سوال: جنابت کی حالت میں اذان کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟ انیس

(۴) خلاصۂ جواب: اگر جنبی شخص اذان سنے تو وہ بھی اذان کا جواب دے، کیونکہ اذان کا جواب دینا اذان کے حکم میں نہیں ہے، جیسا کہ درمختار و شامی میں ہے۔ انیس

(۵) **ردالمحتار، باب الأذان، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۱/ ۳۶۷-۳۶۸، ظفير**

حاشیہ صفحہ ھذا

(۱) **وأما أذان الصبي الذي لايعقل فلا يجزئ ويعاد لأنّ ما يصدر لا عن عقل لا يعتد به كصوت الطيور. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۰، كتاب الصلاة، فصل في بيان سنن الأذان)**

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس میں شک نہیں ہے کہ جو شخص اذان سن کر مسجد میں نہ جاوے اور با جماعت نماز ادانہ کرے وہ بھی گنہگار رہے۔(۱) اور اگر بالکل ہی تارک نماز ہے کہ نہ مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے اور نہ اپنے گھر پر نماز ادا کرتا ہے تو وہ اشد درجہ کا فاسق وعاصی ہے اور بعض ائمہ اس کو کافر کہتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

''من ترک الصلاة متعمدًا فقد کفر''. (۲)

یعنی جس نے قصدًا نماز ترک کی وہ کافر ہوگیا یعنی قریب کفر کے ہوگیا اور انکار کرنا فرضیت نماز کا باتفاق کفر ہے۔(أعاذنا اللّٰہ تعالیٰ منه) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۰۲/۲)

اذان سن کر مسجد نہ جانا کیسا ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب نے کہا کہ اذان سن کر جو مسجد میں نہ آیا، اس نے اپنی ماں کے ساتھ ہزار بار زنا کیا۔ یہ امر کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا عذاب ہے اذان سن کر مسجد نہ آنے کا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مولوی صاحب کا یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے، لیکن ہاں! جو شخص اذان سن کر بلا وجہ شرعی مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھے گا وہ سخت گنہگار ہوگا۔(۳) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۱۳/۵/۱۳۴۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۲۱/۲)

---

(۱) الجماعة سنة مؤكدة لقوله عليه السلام: الجماعة من سنن الهدىٰ لايتخلف عنها إلامنافق. (الهداية، باب الإمامة: ۱/ ۱۰۹، ظفير)

قال عبدالله: لقدرأيتناومايتخلف عن الصلاة إلا منافق قد علم نفاقه أومريض إن كان المريض ليمشى بين رجلين حتى يأتى الصلاة وقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدىٰ وإن من سنن الهدىٰ الصلاة فى المسجد الذى يؤذن فيه. (الصحيح لمسلم، باب فضل صلاة الجماعة (ح: ٦٥٤) انيس)

(۲) فيض القدير، حرف الميم: ۱۰۲/٦، میں یہ حدیث طبرانی کی معجم اوسط سے منقول ہے اور مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''من ترک الصلوٰة متعمدًا فقد برأت منه ذمة محمد صلى الله عليه وسلم''

المعجم الأوسط، من اسمه جعفر (ح: ٣٣٤٨) بلفظ: من ترک الصلاة متعمدًا فقد كفرجهارًا، آه/مسند الإمام أحمد، حديث معاذ بن جبل (ح: ٢٢٠٧٥) بلفظ: ولاتتركن صلاة مكتوبة متعمداً فان من ترک صلاة مكتوبة متعمداً فقد برئت منه ذمة الله، آه. (انيس)

(۳) عن أبى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''والذى نفسى بيده لقد هممت أن آمر بحطب فيُحطب ثم آمر بالصلوٰة فيؤذن لها ثم آمر رجلاً فيؤم الناس ثم أخالف إلىٰ رجال وفى رواية: لايشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم'' الخ. (مشكوٰة المصابيح: ٩٥/١، مجاهد) ==

اذان سن کر مسجد نہ جانے والا کیا کافر ہے:

سوال: زید نے نماز کی اذان سنی نماز کے لئے جانے میں دو چار منٹ کی دیر ہوگئی، زید نے بکر سے کہا کہ میں تو کافر ہوگیا ہوں، بکر نے کہا کہ کیوں زید نے جواب دیا؛ اس لئے کہ میں اذان سنکر فوراً نماز پڑھنے نہیں گیا۔ دریافت یہ ہے کہ زید کافر ہوایا کہ نہیں؟

الجواب ________ وباللّٰہ التوفیق

لغو جملہ بول گیا؛ جو ہرگز نہ بولنا چاہئے، لیکن کافر نہیں ہوا ہے۔ آئندہ ایسے جملہ بولنے سے احتیاط واجب ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور۔ ۱۹/۹/۱۳۸۵ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۲۲۵)

اذان کے بعد مسجد سے جانا:

سوال: بلا عذر شرعی کے بعد اذان مسجد سے نکلنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ________ باسم ملهم الصواب

جو شخص مسجد کی حدود کے اندر ہو، اس کے لئے اذان کے بعد بلا ضرورت شدیدہ نکلنا مکروہ ہے، البتہ اگر واپس آ کر اسی مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ اگر مسجد کی شرعی حدود سے باہر ہے یا مسجد کے اندر تنہا ہو تو بھی چلے جانا بلا کراہت جائز ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱/ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۹۱)

== صحيح البخاري، أبواب صلوٰة الجماعة و الإمامة، باب وجوب صلوٰة الجماعة (ح: ٦١٨)/وفي رواية مسلم: "فقد ناسًا في بعض الصلوات فقال:" لقد هممت أن آمر رجلا يصلي بالناس ثم أخالف الى رجال يتخلفون عنها فآمر بهم فيحرقوا عليهم بحزم الحطب". (باب فضل صلوٰة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، وفي رواية أبي داؤد في باب في التشديد في ترك الجماعة (ح: ٥٤٨) بلفظ: لايشهدون، الخ. انيس)

(۱) وقال: ﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾ (سورة القصص: ٥٥) يعني الكفر والكلام القبيح. (أحكام القرآن للجصاص، ت: قمحاوي، في تفسير سورة البقرة: ٢/٤٣، انيس)

(۲) (وكره خروجه من مسجد أذن فيه) أو في غيره (حتى يصلي) لقوله صلى الله عليه وسلم: لايخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق أو رجل يخرج لحاجة يريد الرجوع (إلا إذا كان مقيم جماعة أخرىٰ) كإمام ومؤذن لمسجد آخر لأنه تكميل معنى (وإن خرج بعد صلاته منفردًا لايكره) لأنه قد أجاب داعي الله مرة فلايجب عليه ثانياً (إلا) أنه يكره خروجه... لأن من صلى وحده ارتكب الكراهة، بحر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، باب إدراك الفريضة: ١/٤٥٧. انيس)

اذان کے بعد ایک مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد میں ساڑھے بارہ بجے اذان ہوتی ہے، اور ایک بجے نماز جمعہ شروع ہوتی ہے اور دوسری مسجد میں پون بجے نماز جمعہ ہوتی ہے، لوگ پہلی مسجد میں آکر وضو کرتے ہیں، سنت پڑھتے ہیں، اذان بھی سنتے ہیں اور جمعہ پڑھنے کے لئے دوسری مسجد میں جہاں پون بجے نماز جمعہ ہوتی ہے، چلے جاتے ہیں، دوسری مسجد میں نماز جمعہ پڑھ کر واپس پہلی مسجد میں آجاتے ہیں اور بقیہ سنتیں اس پہلی مسجد میں پڑھ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں، کیا ان لوگوں کا طرز عمل ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، واضح رہے کہ اذان کے وقت جو لوگ مسجد میں موجود ہوں، یا اذان ہوجانے کے بعد مسجد میں داخل ہوں، ان کے لئے نماز ادا کرنے سے پہلے بلا ضرورت شدیدہ کے مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے۔

لما فی الحدیث: عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: "أمرنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه و سلم إذا كنتم فی المسجد فنودی بالصلاة فلايخرج أحدكم حتیٰ يصلی". (رواه أحمد)(۱)

عن أبی الشعثاء رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فيه، فقال أبوهريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه: أما هذا فقد عصی أبا القاسم صلی اللّٰه عليه وسلم. (رواه مسلم)(۲)

عن عثمان بن عفان رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: "من أدركه الأذان فی المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة وهولايريد الرجعة فهومنافق". رواه ابن ماجة. (مشكوة : ۹۷/۱)(۳)

وفی الدرالمختار، باب إدراك الفريضة: (وكره) تحريمًا.

للنهی (خروج من لم يصل من مسجد أذن فيه) ... (إلا لمن ينتظم به أمر جماعة أخریٰ) ... و(لمن صلی الظهر والعشاء) وحده (مرة) فلا يكره خروجه بل تركه للجماعة (إلاعند) الشروع فی (الإقامة) فيكره لمخالفة الجماعة بلا عذر. (۴)

(۱) كما فی ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۵۴/۱، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی (أخرجه الإمام أحمد فی مسنده من مسند أبی هريرة (ح: ۱۰۹۳۴)/والجعد فی مسنده، شريك عن أشعث بن أبی الشعثاء (ح: ۲۲۴۸) انيس)

(۲) مشكوٰة المصابيح، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثالث (أخرجه مسلم فی صحيحه، باب النهی عن الخروج من المسجد (ح: ۶۵۵)/وابن ماجة فی سننه، باب إذا أذن وأنت فی المسجد فلاتخرج (ح: ۷۳۳) انيس)

(۳) مشكوٰة المصابيح، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثالث (أخرجه ابن ماجة فی سننه، باب إذا أذن وأنت فی المسجد فلاتخرج (ح: ۷۳۴) انيس)

(۴) الدرالمختار، مطلب فی كراهة الخروج من المسجد بعدالأذان: ۵۴/۲_۵۵، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی

وفی الکنز،ص: ٣٦:"وکره خروجه من مسجد أذن فيه حتٰى يصلی وإن صلی لا، إلا فی الظهر والعشاء إن شرع فی الإقامة"الخ.(١)

وفی فتح المعين:"(کره خروجه،الخ)تحريمًا لقوله عليه السلام:"لا يخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق أورجل يخرج لحاجة يريد الرجوع وقوله أذن فيه أی علی الغالب والمراد دخول الوقت أذن فيه أولا ولا فرق بين ما أذن وهوفيه أودخل بعد الأذان،وقالوا:إذاکان ينتظم به أمرجماعة بأن کان مؤذناً أوإماماً فی مسجد آخرتتفرق الجماعة لغيبته يخرج بعد النداء؛لأنه ترک صورة تکميل معنی.(٢)

وفی النهاية:إذا خرج يصلی فی مسجد حيّه مع الجماعة فلا بأس به مطلقاً من غيرقيد بالإمام والمؤذن فلايخفٰی مافيه إذ خروجه مکروه تحريمًاوالصلاة فی مسجد حيه مندوبة فلا يرتکب المکروه لأجل المندوب بخلاف الخروج لحاجة إذاکان علی عزم العود؛لأنه مستثنٰی بنص الحديث.(٣)

ان احادیث اورفقہی جزئیات سے واضح ہوا کہ صورت مسئولہ میں ان لوگوں کے لئے پہلی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے،(البتہ اگران لوگوں میں کوئی دوسری مسجد کا مؤذن یاامام ہوجووہاں جا کر جمعہ قائم کرتا ہو،ان کے لئے نکلنا جائز ہے)لہٰذا یہ لوگ پہلی ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں کہ اس مسجد کا ان پرحق ہےاورثواب بھی اس میں زیادہ ہے۔

"أفضل المساجد مکة ، ثم المدينة ، ثم القدس، ثم قبا ، ثم الأقدم ، ثم الأعظم ، ثم الأقرب،الخ".(الدرالمختار)(٤)واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود:١/٨٣٧-٨٣٩)

---

(١) کنزالدقائق،باب إدراک الفريضة،ص:٣٦،طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹۃ

(٢-٣) کذا فی الدرالمختار،باب إدراک الفريضة،مطلب فی کراهة الخروج من المسجد بعدالأذان: ٢/٥٤،دارالفکر.انیس

(ومن دخل مسجداً قد أذن فيه)فيه تفصيل:وذلک أن من دخل مسجداًقدأذن فيه،فإما أن يکون قدصلی أو لا؟فإن لم يصل فإما أن يکون مسجدحيه أو لا؟فإن کان کره له أن يخرج قبل الصلاة لأن المؤذن دعاه ليصلی فيه،وإن لم يکن فإن صلی فی مسجد حيه فکذلک،لأنه صاربالدخول فيه من أهله،وإن لم يصل فيه فهو يخرج لأن يصلی فيه لا بأس به؛لأن الواجب عليه أن يصلی فی مسجد حيه.(العناية شرح الهداية،باب إدراک الفريضة: ١/٤٧٤،وکذا فی البناية شرح الهداية،باب إدارک الفريضة:٢/٥٦٨-انیس)

(٤) الدرالمختار،باب ما يفسد الصلاة وما يکره فيها،مطلب فی أفضل المساجد:١/٦٥٨،ط:ایچ ایم سعید، کراچی

اذان کے وقت ریڈیو بلند آواز سے لگانے والے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو کہ ہوش وحواس کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے لیکن جب اذان شروع ہوجاتی ہے تو وہ ریڈیو کو بلند آواز سے لگاتا ہے اور ریڈیو بند کرنے کو جب کہا جاتا ہے تو انکار کرتا ہے، نیز نماز کے لئے بلا کر بھی انکار کرتا ہے، اس شخص کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سید غلام حیدر شاہ......۱۰/۱۰/۱۹۸۹ء)

الجواب

ایسے شخص کے ساتھ ترک موالات کرنا چاہئے، (۱) کیونکہ حکم شرعی (حبس دائم) ہمارے بس میں نہیں ہے۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۰۶-۲۰۷) ☆

(۱) قال العلامة ابن حجر العسقلاني: فتبين هنا السبب المسوغ للهجر وهو لمن صدرت منه معصية ويسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها... قال المهلب: غرض البخاري في هذا الباب أن يبين صفة الهجران الجائز وأنه يتنوع بقدر الجرم، فمن كان من أهل العصيان يستحق الهجران بترک المكالمة كما في قصة كعب وصاحبيه... وقال الطبري: قصة كعب بن مالک. رضي الله عنه. أصل في هجران أهل المعاصي. (فتح الباري شرح صحيح البخاري، باب ما يجوز من الهجران لمن عصٰى: ۱۳/۵۹۸)

☆ اذان کے بعد اِدھر اُدھر کھڑے ہوکر باتیں کرنا:

مسئلہ: اذان کے بعد نماز کے لئے مسجد کی طرف چل دینا واجب ہے، کیونکہ عام مشائخ کے نزدیک نماز با جماعت واجب ہے۔ (الحجة علٰى ما قلنا: مافي بدائع الصنائع: أما الأول فقد قال عامة مشائخنا: إنها واجبة... وجه قول العامة الكتاب، والسنة وتوارث الأمة، أما الكتاب فقوله تعالٰى: ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ (سورة البقرة: ۴۳). أمر الله تعالٰى بالركوع مع الراكعين، وذلک يكون في حالة المشاركة في الركوع، فكان أمرًا بإقامة الصلاة بالجماعة، ومطلق الأمر لوجوب العمل. (آیت مذکورہ میں ’’ارکعوا‘‘ صیغۂ امر مطلق ہے، اور مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، مرتب) وأما السنة: فماروى عن النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم أنه قال: ’’لقد هممتُ أن آمرًا رجلاً يصلي بالناس، فأنصرف إلٰى أقوام تخلفوا عن الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم‘‘. ومثل هٰذا الوعيد لايلحق إلابترک الواجب. وأما توارث الأمة: فلأن الأمة من لدن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم إلٰى يومنا هٰذا واظبت عليها، وعلٰى النكير علٰى تاركها، والمواظبة علٰى هٰذا الوجه دليل الوجوب، آه. (یعنی جو لوگ نماز با جماعت نہیں پڑھتے، میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کے گھروں کو جلادوں، اور اس طرح کی سخت وعید ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔ مرتب) (۱/۳۸۴، كتاب الصلاة، صلاة الجماعة وأحكامه: ۱/۶۶۱-۶۶۲، فصل فيما يجب علٰى السامعين)

اور ہر ایسا کام جو ترکِ واجب کا سبب ہو وہ مکروہِ تحریمی ہوتا ہے، اس لئے اذان کے بعد اِدھر اُدھر کھڑے ہوکر، اس طرح باتوں میں مشغول ہونا کہ نماز با جماعت چھوٹ جائے، شرعاً مکروہِ تحریمی ہے۔ (ما في البحر الرائق: عن عائشة رضي الله تعالٰى عنها قالت: ’’إذا سمع الأذان فما عمل بعده فهو حرام‘‘. (۱/۵۱۴، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۵۱۲) (اہم مسائل: ۱/۳۶)

کیا اذان کا جواب دینے کے لئے باوضو ہونا ضروری ہے:

سوال: اذان کا جواب دیتے وقت وضو میں ہونا ضروری ہے کہ نہیں؟

الجواب

باوضو جواب دینا افضل ہے، بے وضو جائز ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۲۱۰)

جمعہ کی اذان کا جواب وغیرہ کے احکام:

سوال: جمعہ کی اذان کا جواب دینا اور ختم پر اذان کی دعا پڑھنا، أشهد أن محمدًا رسول الله، پر شہادت کی انگلی چومنا اور آنکھوں پر لگانا، اور اذان کے بعد درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

هو المصوب

جمعہ کی اذان اول کا جواب دینا مستحب ہے۔

عن أبی سعيد الخدری رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن". (۲)

اذان ثانی کا جواب نہیں دینا چاہئے۔(۳) کلمۂ شہادت پر انگلی چومنا اور اس موقعہ پر درود شریف پڑھنا ثابت ہے، اس کا التزام ثابت نہیں ہے۔(۴)

تحریر: محمد اختر جمال ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۷۹-۳۸۰)

---

(۱) کیوں کہ بے وضو جب اذان دینا جائز ہے، تو اذان کا جواب دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ (وينبغی أن يؤذن ويقيم على الوضوء) فإن ترک الوضوء فی الأذان جاز وهو الصحيح لأنّه ذكر وليس بصلاة فلا يضره تركه. (الجوهرة النيرة: ٤٤، باب الأذان، طبع دهلی)

(۲) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا سمع المنادی، رقم الحديث: ٦١١۔

(۳) قوله: وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام، لماروا ه ابن أبی شيبة فی مصنفه عن علی وابن عباس وابن عمر رضی الله عنهم كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام وقول الصحابی حجة ولأن الكلام يمتد طبعا فيخل بالاستماع والصلاة قد يستلزمه. (البحر الرائق: ٢/٢٧٠)

وينبغی أن لايجيب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بين يدی الخطيب وأن يجيب بقدمه اتفاقاً فی الأذان الأول يوم الجمعة لوجوب السعی بالنص. (الدر المختار على صدر ردالمحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ٣٩٩/١)

(۴) إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علی. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب القول مثل قول المؤذن، رقم الحديث: ٣٨٤)

جمعہ کی دوسری اذان کا جواب:

سوال: جمعہ کے روز منبر کے روبرو جو اذان کہی جاتی ہے اس کے جواب دینے کو در مختار نے مکروہ لکھا ہے، مگر اس کے حاشیہ رد المحتار یعنی شامی اور طحطاوی وغیرہ فقہاء محققین نے ترجیح دی ہے یا کہ اس کے خلاف جواب دینے کا استحباب ثابت کیا ہے اور ترجیح وتائید جواب دینے کو دی ہے؟

الجواب

أقول: لكن في الشامي، باب الجمعة: والظاهر أن مثل ذلك يقال أيضًا في تلقين المرقي الأذان للمؤذن والظاهر أن الكراهة على المؤذن دون المرقي لأن سنة الأذان الذي بين يدي الخطيب تحصل بأذان المرقي فيكون المؤذن مجيبًا لأذان المرقي وإجابة الأذان حينئذ مكروهة،الخ. (ردالمحتار: ۵۵۱/۱) (۱)**وفيه أيضاً وذكر الزيلعي أن الأحوط الإنصات.**

حاصل یہ ہے کہ اذان ثانی کا جواب دینا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۹۱/۲) ☆

جمعہ کے روز اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں:

سوال: کوئی کہتا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی کی اجابت اور مناجات مکروہ تحریمی ہے، کوئی کہتا ہے مکروہ تنزیہی ہے، کوئی کہتا ہے بدعت ہے اور کوئی کہتا ہے کہ مستحب ہے۔ لہذا عرض پرداز ہوں کہ کونسی بات صحیح ہے، معہ ادلہ تحریر فرماویں گے؟

---

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب: ۷٦٩/۱، ظفير

☆ **جمعہ کی اذان ثانی کا جواب:**

سوال: ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ جمعہ کے دن اذانِ ثانی جو امام کے سامنے کھڑے ہو کر کہی جاتی ہے اس کا جواب صرف امام ہی کو دینا چاہئے، سامعین کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

(احمد سعید احمد صابری، منچر یال)

الجواب

آپ کے دوست نے صحیح رہنمائی کی ہے، خطیب کے سوا کسی اور شخص کو زبان سے اذان کا جواب نہیں دینا چاہئے، فقہا نے لکھا ہے کہ خواہ کوئی بھی خطبہ ہو، خطبہ کے درمیان سامعین اذان کا جواب نہ دیں۔

" **لا حائضًا و نفساء وسامع خطبة ... أي خطبة كانت** ". (**الدر المختار مع رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۳۹٦/۱_انیس**) (کتاب الفتاویٰ: ۱۴۰/۲)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا مختلف فیہ ہے، صاحبین کے نزدیک جائز ہے، اور امام صاحبؒ کے قول میں مختلف روایات ہیں، ایک روایت سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور ایک روایت سے جواز معلوم ہوتا ہے اور طحطاوی نے اس کا اصح ہونا نقل کیا ہے اور امام صاحبؒ سے جو یہ قول مشہور ہے کہ خروج امام قاطع صلوٰۃ وکلام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خروج امام قاطع کلام الناس ہے، اور قاطع سائر الکلام خطبہ کا شروع ہوجانا ہے، پس ابتداء خطبہ سے پہلے کلام دینی یعنی تسبیح وجواب اذان جائز ہے۔

وبه وردت الأحاديث ناطقة كما ذكرته في إعلاء السنن فعن أبي هريرة مرفوعاً خروج الإمام يوم الجمعة للصلوٰة يقطع الصلوٰة و كلامه يقطع الكلام. (أخرجه البيهقي وسنده حسن)(١)

وعن ابن شهاب عن ثعلبة ابن مالك القرظي أنه أخبره (أي ابن شهاب) أنهم كانوا في زمن عمربن الخطاب يصلون يوم الجمعة حتى يخرج عمرفإذاخرج عمر وجلس على المنبروأذن المؤذنون، قال ثعلبة: وجلسنا نتحدث فإذا سكت المؤذنون وقام عمربن الخطاب يخطب أنصتنا فلم يتكلم منا أحد. (أخرجه مالك في الموطأ وسنده صحيح) (٢) وثعلبة مختلف في صحبته قال صاحب التهذيب له صحبة ،آه.

وقال الطحطاوي في حاشيته علىٰ مراقي الفلاح: وفي البحرعن العناية والنهاية اختلف المشائخ على قول الإمام في الكلام قبل الخطبة فقيل: إنما يكره ماكان من جنس كلام الناس أما التسبيح ونحوه فلا وقيل ذلك مكروه. (أيضاً)(٣) والأول أصح.

ومن ثمه قال في البرهان: وخروجه قاطع للكلام أي كلام الناس عند الإمام فعلم بهذا أنه لاخلاف بينهم في جوازغيرالدنيوي على الأصح ويحمل لفظة الكلام في الأثرعلى الدنيوي ويشهد له ما أخرجه البخاري أن معاوية رضي الله عنه أجاب المؤذن بين يديه فلما أن قضى التأذين قال: يا أيها الناس إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ماسمعتم مني من مقالتي،آه. (ص: ١٠٣)(٤)والبسط في الإعلاء. (٢/٥٩-٦١)

۷/رجب ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۳۳-۳۴)

(١) السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب الصلاة يوم الجمعة نصف النهار وقبله (ح: ٥٦٨٧)انيس

(٢) أخرجه مالك في الموطأ، ت: الأعظمي، ماجاء في الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب (ح: ٣٤٣)انيس

(٣) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الجمعة: ١/٥١٨. انيس

(٤) الصحيح للبخاري، باب يجيب الإمام على المنبرإذا سمع النداء (ح: ٩١٤)انيس

خطبہ کی اذان کا جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ کی اذان کا جواب دینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب

درست نہیں۔

کما فی الدر المختار: وینبغی أن لایجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب. (١) **فقط واللہ اعلم** (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١٢٤) ☆

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے، مگر دعا کرنا جائز نہیں:

سوال: جمعہ میں اذان ثانی کا جواب دینا اور اذان کی دعا پڑھنا ازروئے مذہب حنفیہ جائز ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی نے سعایہ فی کشف شرح الوقایہ میں اس کے متعلق بہت بحث کی ہے اور آخر میں اپنی رائے سے یہ لکھی ہے کہ جواب دینا جائز ہے۔لہذا آپ سے امید کرتا ہوں کہ اس کے متعلق کافی بحث کریں گے، بندہ اب تک جواب نہیں دیتا اور نہ دعا پڑھتا ہے، لیکن سعایہ کے دیکھنے سے اب شبہ پڑ گیا ہے۔

الجواب

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا تو جائز ہے، کیونکہ وہ قبل از خطبہ ہے، مگر اذان کے بعد دعا پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ وہ خطبہ کا وقت ہے۔

وکلام الإمام یقطع سائر أنواع الکلام، والبسط فی إعلاء السنن. (٢/٦٠)

٢٧/شعبان ١٣٤٦ھ۔(امدادالاحکام:٢/٤٥)

---

(١) الدر المختار، مجتبائی، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ١/٦٥، ظفیر

☆ **خطبے کی اذان کا جواب اور دعا:**

سوال: جمعے کے دن خطبے کی اذان کا جواب زبان سے دینا اور اس کے بعد دعا پڑھنا، درست ہے یا کیا حکم ہے؟

الجواب

خطبے کی اذان کا جواب نہیں دیا جاتا، نہ اس کے بعد دعا ہے۔(وفی المجتبیٰ: فی ثمانیة مواضع إذا سمع الأذان لا یجیب: فی الصلاة، واستماع خطبة الجمعة، إلخ. (البحر الرائق: ١/٢٧٤، کتاب الصلاة، باب الأذان، طبع دار المعرفة، بیروت) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣/١٠٣)

نوٹ: جیسا کہ قبل میں تحقیق ہوچکی ہے کہ جمعہ کے اذان ثانی کے جواب میں دو قول ہیں، یہ جواب امام اعظم کے ایک قول کے موافق ہے۔انیس

خطبہ کی اذان کا جواب اوراس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا:

سوال جواذان کہ خطبۂ جمعہ کے واسطے کہی جاتی ہے اس کا جواب دینااور ہاتھ اٹھا کر ’’اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ‘‘ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

جائز نہیں اور جب امام اپنی جگہ سے اٹھے اسی وقت سے سکوت واجب ہے۔(۱) فقط (تالیفات رشیدیہ:۲٦۰)

جمعہ کے دن شہر کی متعدد اذانوں میں سے پہلی اذان پرخرید وفروخت کے مکروہ ہونے کی تحقیق:

سوال: جمعہ کے روز جس وقت اذان خطبہ کہی جاوے،اس وقت تو بیع وفروخت منع ہے،آیا کل شہر پر یکساں حکم ہے، یا مختلف، کیونکہ اذان کسی مسجد میں پیشتر ہوتی ہے، کسی میں بعدکو، ہر محلّہ کی مسجد کے موافق حکم علٰیحدہ علٰیحدہ ہے، یا کل شہر کے لئے حکم یکساں ہے؟

الجواب

جو بیع مخل سعی ہو، وقت اذان اول جمعہ کے مکروہ ہے،اوراگر چند جا اذان کہی جاوے،تو اظہر یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ کراہت ثابت ہوجائے، اگرچہ اس کی روایت صریحہ احقر نے نہیں دیکھی، لیکن تعدد اذان میں اجابت اذان اول کو لکھا ہے۔اس قیاس پر وجوب سعی وکراہت بیع بھی اذان اول پر چاہئے خواہ مسجد محلّہ میں ہو یا غیر میں۔(۲)

(۱) وکذا کل ماشغل عن سماع الخطبة من التسبيح والتهليل والكتابة ونحوها بل يجب عليه أن يستمع ويسكت وأصله قوله تعالىٰ﴿وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا﴾(الأعراف: ٢٠٤)قيل نزلت الآية فى شأن الخطبة أمر بالاستماع والإنصات ومطلق الأمر للوجوب.(بدائع الصنائع،حكم الخطبة: ٢٦٤/١.انيس)

(۲) روایتِ صریحہ تو اس سلسلہ میں ہے نہیں، جیسا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، بلکہ جواب ’’اجابت اذان اول‘‘ پر قیاس کر کے لکھا گیا ہے، لیکن یہ قیاس صحیح نہیں معلوم ہوتا؛ کیونکہ درمختار کی جس عبارت سے استشہاد کیا گیا ہے، وہ ایک مسجد کی چند اذانوں کے متعلق ہے اور زیر بحث متعدد مساجد کی اذانیں ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اجابت اذان کی دو قسمیں ہیں۔ایک اجابت بالقدم،یعنی اذان سنکر مسجد میں جانا اور دوسری اجابت باللسان یعنی اذان سنکر منھ سے اس کا جواب دینا،اول واجب ہے اور ثانی مستحب ہے۔۔۔اسی طرح چند اذانوں کی بھی دو صورتیں ہیں۔اول ایک ہی مسجد میں چند اذانیں ہوں۔دوم چند اذانیں الگ الگ مساجد میں ہوں،قسم اول کا حکم درمختار میں یہ بیان کیا ہے کہ صرف اذان اول کا جواب دے۔

ولوتكرر أجاب الاول،آه.(الدرالمختار،باب الأذان،مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد)

(قوله ولوتكرر)أى بأن أذن واحد بعد واحد أما لوسمعهم فى اٰن واحد من جهات فسيأتى،آه.(رد المحتار)

علامہ شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ درمختار کا مذکور قول اس صورت کا حکم ہے،جبکہ متعدد اذانیں ایک ہی مسجد میں ہوں اور اس حکم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حرمت وعظمت صرف اذان اول کے لئے ہے؛ کیونکہ بعد کی اذانیں مسنون نہیں ہیں۔ ==

ولو تكرر أجاب الأول. (الدر المختار)

(قوله أجاب الأول) سواء كان مؤذن مسجده أو غيره. (ردالمحتار: ٣٦٦/١)(١)

اوراس حکم میں سب اہلِ شہر یکساں ہیں، البتہ جن پر جمعہ واجب نہیں، وہ مستثنیٰ ہیں، ان کو بیع جائز ہے۔

وكره البيع عند الأذان الأول وقد خص منه من لا جمعة عليه۔ (الدر المختار باب الجمعة: ١٣٢/٢)

۱۳ / جمادی الاول ۱۳۰۳ھ (امداد صفحہ ۱۰۶۔ ج ا) (امداد الفتاویٰ جدید: ١٦٦/١۔١٦٨) ☆

== ويفيده ما في البحر أيضا عن التفاريق إذا كان في المسجد أكثر من مؤذن واحد، أذنوا واحدًا بعد واحد فالحرمة للأول، آه. (رد المحتار: ٣٦٩/١)

اور قسم دوم (یعنی جب متعدد مساجد کی اذانیں سنے) کے متعلق علامہ شامیؒ نے ترجیح اس کو دی ہے کہ زبان سے تمام اذانوں کا جواب دے۔

بخلاف ما إذا كان من محلات مختلفة تأمل. ويظهر لي إجابة الكل بالقول لتعدد السبب وهو السماع كما اعتمده بعض الشافعية آه (رد المحتار)

یعنی داعی الی اللہ کے ساتھ حسن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اجابت باللسان تمام مساجد کی اذانوں کی مستحب ہو۔

رہی اجابت بالقدم، تو درمختار میں ہے:

وفي التتارخانية: إنما يجيب أذان مسجده، وسئل ظهير الدين عمن سمعه في آن من جهات ماذا يجب عليه؟ قال: إجابة مسجده بالفعل، آه.

قال الشامي: (قوله إنما يجيب أذان مسجده) أي بالقدم، اه۔ (٣٧١/١)

یعنی اجابت بالقدم صرف مسجد محلّہ کی اذان کی واجب ہے۔

ادھر قول مختار کے مطابق جمعہ کی اذان اول کے وقت اجابت بالقدم واجب ہے۔

(وأن يجيب بقدمه اتفاقًا في الأذان الأول يوم الجمعة لوجوب السعي، آه. (الدر المختار)

کیونکہ آیت کریمہ: ''اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ الخ'' سے مستفاد یہی ہے کہ اذان جمعہ سنتے ہی تمام کاروبار اور مشاغل چھوڑ کر علی الفور اجابت بالقدم واجب ہے اور جب ایک بستی میں متعدد جگہ نماز جمعہ جائز ہے، تو اجابت بالقدم ہر مسجد کی طرف تو واجب ہو نہیں سکتی؛ کہ یہ محال ہے اور نہ اس مسجد کی طرف واجب ہے جہاں سب سے پہلے اذان ہوئی ہے، ورنہ تعدد جمعہ کا جواز ہی ختم ہو جائے گا؛ کیونکہ جب سب لوگوں کے لئے اسی مسجد کی طرف اجابت بالقدم واجب ہوئی، تو اب اور جگہ جمعہ جائز کہاں رہا؟ بلکہ اجابت بالقدم مسجد محلّہ (جہاں سامع جمعہ پڑھا کرتا ہے، یا اس دن کا جمعہ پڑھنے کی نیت کی ہے) کی طرف واجب ہے، لہٰذا کراہت بیع اور وجوب سعی کا حکم بھی اسی مسجد محلّہ کی اذان اول کے ساتھ متعلق ہوگا۔

والظاهر أن المأمورين بترك البيع هم المأمورون بالسعي إلى الصلوٰة، آه. (روح المعاني: ٩١/٢٨) والله سبحانه أعلم وعلمه أتم، سعيد)

(١) كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، انيس

☆ جمعہ کے روز خرید وفروخت چھوڑنے کا حکم:

سوال: بروز جمعہ ترک بیع وشراء کا حکم اذان اول سے ہے، یا اذان ثانی سے؟ بینوا توجروا۔ ==

چند اذانوں میں سے کس اذان کا جواب دینا چاہیے:

سوال: چند روز ہوئے ایک عریضہ خدمت شریف میں روانہ کیا تھا اور اس کا ایک سوال یہ بھی تھا جو حسب ذیل معہ جواب بعینہ اسی عبارت میں مذکور ہے۔

سوال: ایک وقت میں اذان کا جواب ایک ہی دفعہ دینا واجب ہے، یا جتنی دفعہ سنے اتنی ہی دفعہ واجب۔

جواب: خود واجب ہونے کی کیا دلیل؟

اب عرض یہ ہے کہ مجھ میں اتنی بصارت وطاقت نہیں جو حضور کے سامنے کوئی دلیل پیش کروں، لیکن بہشتی گوہر کی عبارت نقل کی جاتی ہے، بعد ملاحظہ، سوال کا جواب برائے کرم اس طرح عنایت فرمایئے جس سے تشفی کامل ہوجائے۔

عبارت بہشتی گوہر حسب ذیل ہے:

بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ اذان واقامت کی احکام صفحہ: ۲۴، میں مسئلہ: ''جو شخص اذان سُنے مرد ہو یا عورت، طاہر ہو یا جنب، اس پر اذان کا جواب دینا واجب ہے''۔

الجواب

اجابت واجبہ میں اختلاف ہے کہ بالقدم ہے، یا باللسان، بہشتی گوہر کا فتویٰ قول ثانی پر مبنی ہے اور دلیل سے راجح قول اول ہے۔ (شامی) اور اس صورت میں اجابت باللسان مستحب ہوگی۔ (۱) پھر اگر کئی اذانیں سنے، تو درمختار میں صرف اذان اول کی اجابت کو اختیار کیا ہے، (۲) خواہ واجب ہو یا مستحب ہو اور شامی کی رائے سب کی اجابت کی ہے۔ کما فصله تحت قول الدر المختار: ولو تكرر أجاب الأول. (۴۱۲/۱)

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ۔ (تتمہ خامسہ صفحہ: ۲۵۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۶۹-۱۷۰)

== الجواب حامداً و مصلیاً و مسلماً

بعد زوال اذان اول سے بیع وشراء حرام ہوجاتی ہے۔

فی التنویر: ووجب سعی إلیها وترک البیع بالأذان الأول (فی الأصح).

وفی الشامیة: (قوله: فی الأصح) قال فی شرح المنیة: ...والأصح أنه الأول باعتبار الوقت و هو الذی یکون علی المنارة بعد الزوال. (۵۵۲/۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی حکم المرقی بین یدی الخطیب. انیس) والله أعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ عفی عنہ ۲۸/۱۱/۱۴۱۴ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۱۵-۳۱۶)

(۱) اس لئے بہشتی گوہر کی عبارت اب اس طرح بدل دی گئی ہے: ''جو شخص اذان سنے مرد ہو یا عورت، طاہر ہو یا جنب، اس پر اذان کا جواب دینا مستحب ہے، اور بعض نے واجب بھی کہا ہے، مگر معتمد اور ظاہر مذہب استحباب ہی ہے''۔ ==

متعدد اذانوں میں سے کس کا جواب دے:

سوال: اگر کئی مسجد سے اذان سنائی دے، تو کس مسجد کی اذان کا جواب دے؟ صرف اپنے محلّہ کی مسجد کا جواب کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بہتر یہ ہے کہ سب اذانوں کا جواب دے۔ اگر اس میں تکلف ہو تو پہلی اذان کا زیادہ حق ہے اس کا جواب دے۔ خواہ محلّہ کی مسجد میں ہو یا دوسری جگہ۔

قال فی العلائیة: ولو تکرر أجاب الأول. (الدر المختار)

وفی الشامية: سواء کان مؤذن مسجده أو غیره (بحر عن الفتح بحثًا) (إلیٰ قوله) ویظهر لی إجابة الکل بالقول لتعدد السبب وهو السماع کما اعتمده بعض الشافعیة. (رد المحتار: ٣٦٩/١)(١) **فقط والله تعالیٰ أعلم**

١٢ ربیع الآخر ١٣٩٩ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢٩٢/٢)☆

اذان کے جواب میں درود شریف پڑھنا:

سوال: بعض لوگ اذان کے جواب میں درود شریف پڑھتے ہیں، کیا اس کا پڑھنا سنت ہے؟

== اختلف فی الإجابة فقیل واجبة وهو ظاهر ما فی الخانیة والخلاصة والتحفة وإلیه مال الکمال وقیل: مندوبة وبه قال مالک والشافعی وأحمد وجمهور الفقهاء واختاره العینی، آه. (الطحطاوی علی المراقی: ١٠٩. سعید)

(٢) اس میں تسامح ہوا ہے جس کی تفصیل اس سے قبل بحوالہ امداد الفتاویٰ والے جواب میں حاشیہ میں بیان ہو چکی ہے۔ سعید

حاشیه صفحه هذا:

(١) کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد، انیس

☆ **متعدد اذانوں میں سے کس کا جواب دے:**

سوال: ہماری بستی میں کم وبیش پانچ مسجدیں ہیں، کیا ان تمام مسجدوں کی اذان پر جواب دینا چاہئے؟ یا جو مسجد گھر سے قریب ہے، صرف اسی مسجد کی اذان کا جواب دینا چاہئے؟ (عظیم صدیقی، سبحان پورہ)

الجواب ــــــــــــــــ

اگر بیک وقت کئی مسجدوں میں اذان ہو رہی ہو تو قریبی مسجد کی نیت سے جواب دے اور اگر یکے بعد دیگرے اذان ہو تو پہلی اذان کا جواب دینا بہتر ہے، خواہ وہ قریب کی مسجد ہو یا نسبتاً دور کی۔ علامہ شامی ابن ہمام سے نقل کرتے ہیں:

”والذی ینبغی إجابة الأوّل سواء کان مؤذن مسجده أو غیره، فإن سمعهم معًا أجاب معتبرًا کون إجابته لمؤذن مسجده“. (رد المحتار، باب الأذان، قبیل باب شروط الصلاة: ٧٠/٢) (کتاب الفتاویٰ: ١٣٩/٢-١٤٠)

الجواب

درود شریف کا پڑھنا ایک امر مستحسن ہے، لیکن اذان کے جواب میں اس کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اذان کے جواب میں اجابت مسنون ہے، یعنی جو کلمہ مؤذن سے سنے وہ سامع کہے،(۱) البتہ چند کلموں میں اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے اذان کا جواب دیا جائے، البتہ اگر کسی نے درود شریف پڑھ لیا، تو کوئی حرج نہیں، تاہم اذان کے بعد دعا سے قبل درود شریف پڑھنا مسنون ہے۔

لما قال النبی (صلی اللّٰہ علیہ وسلم): "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا على فإنه من صلى صلاة صلى اللّٰه عليه وسلم بها عشرًا". (الحديث) (الصحيح لمسلم: ١٦٦/١) (٢)

وفي الهندية: يجب على السامعين عند الأذان الإجابة وهي أن يقول مثل ما قال المؤذن إلا في قوله حي على الصلاة، حي على الفلاح، فإنه يقول مكان حي على الصلاة "لاحول ولاقوة إلا باللّٰه العلي العظيم". إلٰى اٰخره. (الفتاویٰ الهندية: ٥٧/١، الفصل الثاني في كلمات الأذان) (٣) (فتاویٰ حقانیہ: ۴۸/۳)

مؤذن کے کلمات اذان کی تکمیل سے قبل جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان کے کلمات کا جواب کب دیا جائے؟ یعنی اگر کوئی شخص مؤذن کے کلمات اذان مکمل طور پر پڑھنے سے قبل جوابی کلمات پڑھے، تو کیا اس سے اذان کا جواب ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب

اذان کا جواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مؤذن کے کلمات اذان ختم کرنے کے بعد ان کا جواب دیا جائے اور اگر کوئی شخص مؤذن کے کلمات اذان مکمل پڑھنے سے قبل ان کا جواب دیدے، تو یہ فلسفۂ جواب اذان کے خلاف ہے۔

قال الشيخ الدكتور وهبة الزحيلي: أن يقول مثل مايقول مثنٰى مثنٰى عقب كل جملة إلا في الحيعلتين فيحوقل، الخ. (الفقه الإسلامي وأدلته، باب الأذان: ٥٥٣/١) (٤) (فتاویٰ حقانیہ: ۶۶/۳)

---

(۱) یعنی جس طرح مؤذن دوبار ہر کلمہ کو کہتا ہے، اسی طرح سامع بھی دوبارہ دہرائے۔ انیس

(٢) الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب الأذان، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، الخ (ح: ٣٨٤) انيس

(٣) (و) صفة الإجابة أن يقول كما قال أي مثل ألفاظ المؤذن (و) لكن (حوقل) أي قال " لاحول ولا قوة إلا باللّٰه" أي لا حول لنا عن معصية ولا قوة لنا علٰى طاعة إلابفضل اللّٰه (في) سماعه (الحيعلتين). (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي: ١١٠)

(۴) عبارت درج بالا مسئلہ میں الفتاویٰ الهندية، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني: ٥٧/١. کے حوالہ سے آچکی ہے۔

اذان کا جواب مؤذن کے ساتھ ساتھ دے یا بعد میں:

سوال: اذان کا جواب مؤذن کے ساتھ ساتھ دے یا اس کے بعد دے، مثلاً جب مؤذن " أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه" شروع کرے، تو جواب دینے والا بھی ساتھ ہی شروع کردے، یا یہ کہ مؤذن کے إلا اللّٰه پر پہنچنے کے بعد جواب دینا شروع کرے؟ (صوفی بشیر احمد رب بھروسے، عطر فروش میاں چنول)

الجواب

مؤذن کے ختم کرنے کے بعد مجیب شروع کرے، ہر جملہ میں ایسے ہی کرے۔

واستفيدمن هذا أن المجيب لايسبق المؤذن بل يعقب كل جملة منه بجملة منه،قال فى الفتح: وفى حديث عمربن أبى أمامة التنصيص علىٰ ذلك،آه،قلت:وظاهره أنه لاتكفى المقارنة لأن الجواب يعقب الكلام بخلاف متابعة المقتدى للإمام،آه. (ردالمحتار: ۱/۲۹۳)(۱)**فقط واللّٰه أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان۔ ۱۴/۷/۱۴۰۴ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۲۳)

اذان کے ساتھ جواب نہیں دیا تو بعد میں دے:

سوال: کسی نے غفلت سے اذان کے ساتھ جواب نہیں دیا اور اذان ختم ہوگئی تو کیا اب پوری اذان کا جواب دے سکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر اذان کے بعد زیادہ وقت نہیں گزرا تو جواب دینا مندوب ہے.

قال فى العلائية:ولولم يجبه حتىٰ فرغ لم أره وينبغى تداركه إن قصر الفصل. (الدرالمختار)

وفى الشامية:(قوله لم أره،الخ)البحث لصاحب البحروصرح به ابن حجرفى شرح المنهاج حيث قال:فلوسكت حتىٰ فرغ كل الأذان ثم أجاب قبل فاصل طويل كفى فى أصل سنة الإجابة كما هو ظاهر،آه. (رد المحتار،باب الأذان،مطلب فى كراهة تكرارالجماعة فى المسجد: ۱/۳۶۹)**فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

۱۳/ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۹۲)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد: ۱/۳۹۸.دارالفكر
عن عبد اللّٰه بن عمروبن العاص أنه سمع النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم يقول:"إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول ثم صلوا علىّ فإنه من صلى علىّ صلاة صلى اللّٰه عليه بها عشرًا ثم سلوا اللّٰه لى الوسيلة فإنها منزلة فى الجنة ولاتنبغى إلا لعبد من عباداللّٰه وأرجوا أن أكون أنا هو،فمن سأل لى الوسيلة حلت له الشفاعة".(سنن أبى داؤد، باب مايقول إذا سمع المؤذن (ح: ۵۲۳)/سنن الترمذى،باب فى فضل النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۳۶۱۴)/سنن النسائى،الصلاة على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح:۶۷۸)انيس)

کن الفاظ میں اذان کا جواب دیا جائے:

سوال (۱) اذان کے جواب میں وہی الفاظ کہیں یا دوسرے؟

(۲) مسجد میں ہو تو اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) اگر تعلیم وتقریر ہو رہی ہو تو اس کو بند کر کے جواب دینا افضل ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) مسجد میں یا باہر سب جگہ وہی الفاظ کہیں البتہ ''حی علی الصلاۃ'' و''حی علی الفلاح'' پر ''لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ'' کہیں۔(۱)

(۲) مسجد میں رہتے ہوئے جب اذان ہو، تب بھی جواب دینا چاہئے۔(۲)

(۳) تقریر وتعلیم بند کر کے جواب دینا افضل ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۱/۵-۴۲۲)

---

(۱) ویجب من سمع الأذان بأن یقول کمقالته، إلا فی الحیعلتین، فیحوقل'' (التنویر متن الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، مطلب فی کراھة تکرار الجماعة فی المسجد: ۳۹٦/۱-۳۹۷، سعید)

''یجب علی السامعین عند الأذان الإجابة: وھی أن یقول مثل ما قال المؤذن، إلا فی قوله: ''حی علی الصلاۃ'' حی علی الفلاح، فإنه یقول مکان ''حی علی الصلاۃ'' لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلی العظیم، ومکان قوله ''حی علی الفلاح'': ما شاء اللّٰہ کان وما لم یشأ لم یکن، کذا فی محیط السرخسی''. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی فی الأذان، ومما یتصل بذلک إجابة المؤذن: ۵۷/۱، رشیدیة)

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالٰی عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: ''إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما یقول المؤذن''. (الحدیث)

حدثنا إسحاق قال حدثنا وھب بن جریر قال حدثنا ھشام عن یحیٰی نحوہ، قال یحیٰی وحدثنی بعض إخواننا أنه قال: لما قال ''حی علی الصلاۃ''، قال: ''لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ''، وقال: ھکذا سمعنا نبیکم صلی اللہ علیه وسلم یقول''. (الصحیح للبخاری، کتاب الأذان، باب ما یقول إذا سمع المنادی: ۸٦/۱، قدیمی)

عن عبداللّٰہ بن علقمة بن وقاص قال: إنی لعندمعاویة إذ أذن مؤذنه فقال معاویة کما قال مؤذنه، حتی إذا قال حی علی الصلاۃ قال: لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ ولما قال: حی علی الفلاح، قال: لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ ثم قال بعد ذلک ماقال المؤذن ثم قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم. (مسند الشافعی، ت: السندی، الباب الثانی فی الأذان (ح: ۱۸۲)/ معرفة السنن والآثار، القول مثل مایقول المؤذن (ح: ۲۵٦۸)/ شرح السنة للبغوی، باب إجابة المؤذن (ح: ٤۲۲) انیس)

(۲-۳) ''(فیقطع قراء ۃ القرآن لو) کان یقرأ (بمنزله، ویجیب) لوأذان مسجدہ کما یأتی، ولو بمسجدٍ لا؛ لأنه أجاب بالحضور، وھذا متفرع علٰی قول الحلوانی، وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقاً، والظاھر وجوبھا باللسان لظاھر الأمر فی حدیث ''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول المؤذن ''. (الدر المختار)

(قوله: ولو بمسجدٍ، لا) أی لایجب قطعها بالمعنی الذی ذکرناہ آنفاً، فلا ینافی ما قدمه من أن إجابة اللسان مندوبة عند الحلوانی، فافھم''. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاۃ: ۳۹۸/۱-۳۹۹، سعید)

اذان کے جواب میں ”اللّٰہ أکبر“ کے بجائے ”جلّ جلا له“ کہنا:

سوال: اذان سننے کے وقت سامع کو ”اللّٰـه أکبر “ کے ساتھ جواب دینا افضل اور بہتر اور مرجح ہے، یا ”جل جلاله“ اور اگر ”جل جلاله “ کہنا جائز ہے، تو کوئی اس بارہ میں حدیث وارد ہوئی ہے یا نہیں؟

الجواب

قال فی الحصن:

وإذا سمع المؤذن فليقل كما يقول (ع ی) وبعد الحيعلتين لاحول ولا قوة إلاّ بالله. (ص: ۸۰)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اذان میں ” اللّٰہ أکبر“ کے جواب میں ” اللّٰہ أکبر “کہنا ہی افضل ہے۔

لورود الأمر فيه وأقله السنية أو الاستحباب، ہاں ”اللّٰہ أکبر “ کے بعد ”جل جلاله“ بڑھاوے تو اچھا ہے۔ لكونه زيادة فی الثناء باقی حدیث میں کہیں ہم کو ثابت نہیں ہوا، اور اگر ” اللّٰہ أکبر “ نہ کہے بلکہ صرف ”جل جلاله“ کہے تو جواز میں تو شک نہیں۔

لكون التكبير فی الأذان أقل تأكدًا منه فی افتتاح الصلاة فلما جاز فيه عند الحنفية أن يقول: اللّٰه أجل أو أعظم أو الرحمٰن أكبر أو مايؤدى معنى التعظيم ففی الأذان أولیٰ. (۲)

لیکن خلاف سنت ضرور ہے۔ (امدادالاحکام:۲/۳۰)

”أشهد أن لا إلٰهَ إلاَّ اللّٰهُ“ کے آخر میں ہا ہا کہنا:

سوال: ہمارے علاقے میں جب اذان دی جاتی ہے تو بعض لوگ ”أشهد أن لا إلـٰهَ إلاَّ اللّٰهُ“ کے آخر میں ہا، ہا کہتے ہیں، تو اس (طرح) پڑھنے کا حکم عندالشرع کیا ہے؟

(۱) الحديث الأول: أخرجه البخاری فی باب ما يقول إذا سمع المؤذن (ح: ٦١١)/ومسلم فی باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، الخ (ح: ۳۸۳)/وابن ماجة فی باب مايقال إذا أذن المؤذن (ح: ۷۱۹)/وأبوداؤد، فی باب مايقول إذا سمع المؤذن (ح: ۵۲۲)/والترمذی فی باب مايقول إذا أذن المؤذن (ح: ۲۰۸)/والنسائی فی باب القول مثل مايقول المؤذن (ح: ٦٧٣) انيس)

والحديث الثانی أخرجه مسلم فی باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح: ۳۸۵)/ وأبوداؤد، باب ما يقول إذا سمع المؤذن (ح: ۵۲۷)/والبزار عن حفص بن عاصم عن أبيه عن عمر بن الخطاب (ح: ۲۵۸) انيس)

(۲) (ويصح الافتتاح) أی افتتاح الصلاة (بالتكبير) وهو اللّٰه أكبر (والتهليل) وهو لاإله إلا اللّٰه (والتسمية) وهو بسم اللّٰه الرحمن الرحيم (وبكل اسم من أسماء اللّٰه تعالیٰ) نحو: اللّٰه أجل، أو اللّٰه أعظم، أو الرحمن أكبر، أو الرحيم أكبر، أو الحمد للّٰه، أو سبحان اللّٰه وهذا عند أبی حنيفة ومحمد، الخ. (منحة السلوك فی شرح تحفة الملوك، فصل فی شروط الصلاة، الشرط السادس: ۱/۱۲۳. انيس)

الجواب

اگر کسی لفظ کی زیادتی یا کمی سے معنی میں تغیر فاحش لازم آئے تو شرعا ایسا کرنا جائز نہیں۔ اگر تغیر معنی نہ آئے، تو یہ جائز ہے۔ مذکورہ غلطی سے فساد معنی اگر چہ نہیں آتا؛ لیکن بچنا لازمی ہے۔

قال الحصكفي: ومنها القراء ة بالألحان إن غير المعنى وإلا لا إلا في حرف مد ولين ... فلو في إعراب أو تخفيف مشدد وعكسه أو بزيادة حرف فأكثر. (الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار: ٦٣٠/١، باب مايفسد الصلوٰة، مطلب مسائل زلة القارى)(١) (فتاویٰ حقانیہ: ۴۸/۳-۴۹)

حیعلتین کا جواب:

سوال: بہشتی زیور جلد نمبر:۱۱، باب اجابت المؤذن کے ایک مسئلہ سے شبہ واقع ہوتا ہے مہربانی کر کے اس کا ازالہ فرمائیں حضرت مولانا یہ بیان فرماتے ہیں:

''جو لفظ مؤذن کی زبان سے سنے وہی کہے مگر ''حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ'' کے جواب میں ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ'' بھی کہے''۔(٢)

بظاہر اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ وحَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ'' کے جواب میں اس لفظ کو بھی دہرائے اور ساتھ ہی ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ'' بھی کہے۔ لیکن اس مسئلہ کے حوالہ میں جو عبارت مراقی الفلاح کی پیش کی گئی ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ'' بھی کہے؛ اس کے ساتھ حیعلتین بھی کہے۔ پوری عبارت مراقی الفلاح کی ملاحظہ فرمائیں:

''حيعلتين هما: ''حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ'' و''حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ'' كما ورد؛ لأنه لو قال مثلهما صار

(١) أما إن قرأ حرفا مكان حرف أوزاد حرفا أونقص أوقدم المؤخر أوأخر المقدم وأما إن كان كلمة أوزاد كلمة أو نقص أوقدم أوأخر وأما إن قرأ آية مكان آية أونقص أوزاد أوقدم المؤخر أوأخر المقدم أما إذا قرأ حرفاً مكان حرف و لم يغير المعنى بأن قرأ''إن المسلمين'' ''إن المسلمون'' لايفسد. (خلاصة الفتاوىٰ: ١٠٦/١، الفصل الثانى فى زلةالقارى)

وفي الحديث: رب قارىء للقرآن والقرآن يلعنه، وهو متناول لمن يخل بمبانيه أومعانيه أو بالعمل بما فيه وذلك موقوف على بيان اللحن وهو إلى جلى أو خفى فالجلى خطأ يعرض للفظ ويخل بالمعنى بأن بدل حرفاً مكان حرف بأن يقول مثلاً الطالحات بدل الصالحات، وبالإعراب كرفع المجرور ونصبه سواء تغير المعنى به أم لا إذا قرأ: اِنَّ اللّٰهَ بَرِیءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُولِهِ، بجر رسوله، والخفى خطأ يخل بالعرف والضابطة كترك الإخفاء والإدغام والإظهار والقلب وكترقيق المفخم وعكسه ومد المقصور وقصر الممدود وأمثال ذلك ولا شك أن هذا النوع مما ليس بفرض عين يترتب عليه العقاب الشديد وإنما فيه التهديد وخوف العقاب. (روح البيان، من تفسير سورة المزمل: ٢٠٦/١٠. انيس)

(٢) بہشتی زیور حصہ یازدہم، اذان واقامت کے احکام، ص: ۷۴۵، دارالاشاعت کراچی

کالمستهزی؛لأنه من حكى لفظ الآخر بشيء كان مستهزيا بخلاف باقی الكلمات؛لأنه ثناء، والدعاء مستجاب بعد إجابته بمثل ما قال". (باب الأذان: ١/ ٣٤)(١)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

مراقی الفلاح کی شرح طحطاوی،ص:١١٠، میں ہے:

"واختار المحقق في الفتح:الجمع بين الحيعلة والحوقلة عملاً بالأحاديث الواردة وجمعاً بينهما". (٢)**فقط واللّٰه سبحانه تعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،١٢/ ١٠/ ١٣٨٨ھ۔الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:٥/ ٤٢٨-٤٢٩)

حیعلتین وغیرہ کے جواب میں الفاظ کے فرق کی دلیل کیا ہے:

سوال: تمام کلمات اذان کا جواب بعینہٖ انہیں کلمات کے ساتھ دینے کا حکم ہے،سوائے "**حَيَّ عَلَى الصَّلاةِ**" اور "**حَيَّ عَلَى الْفَلاحِ**" کے اور "**اَلصَّلاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ**" کے، (کہ) ان کے جواب میں "**لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ**" اور "**صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ**" کہا جاتا ہے۔اس کی دلیل عقلی کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس کی دلیل نقلی ہی کافی ہے۔فقط (عقلی دلیل یہ ہے کہ انسان اعتراف کرتا ہے کہ عبادات اور دوسری نیکیوں کی بجا آوری رب العزت کی توفیق پر ہے، پھر بلانے والے کے جواب میں خود کو بلانا کوئی عقل سے لگتی بات نہیں۔ظفیر)(٣)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/ ١١١)☆

---

(١) مراقی الفلاح،کتاب الصلاة،باب الأذان: ١/ ٢٠٣-٢٠٤،قدیمی

(٢) حاشية الطحطاوی،کتاب الصلاة،باب الأذان،ص: ٢٠٣،قدیمی/وکذا فی الد المحتار مع رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الأذان: ١/ ٣٩٧،سعید)

یعنی دونوں ایک ساتھ پڑھ لیا جائے،لیکن اگر صرف "لا حول ولا قوة إلا بالله" پر ہی اکتفا کیا تو بھی کافی ہے۔انیس

(٣) "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ" کے جواب میں ان الفاظ کو بھی دہرانا چاہئے اور "لاحول" الخ بھی پڑھنا چاہئے؛ کیونکہ دونوں طرح کی روایت موجود ہے۔واختار في الفتح: الجمع بينهما عملاً بالأحاديث. (رد المحتار) اور "لاحول"، پڑھنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مؤذن جب نماز اور فلاح کی طرف بلاتا ہے،تو سننے والا جواب میں کہتا ہے یہ عظیم الشان ذمہ داری ہے اور اس کی بجا آوری ایک اہم کام ہے؛ کیونکہ یہ وہ امانت ہے جو زمین وآسمان پر پیش کی گئی،تو وہ بھی تھرّا اٹھے اور قبول سے گریز کیا۔"فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا (القرآن،آخر سورة الأحزاب) تو پھر ہم جیسے ضعیف وناتواں کا کیا پوچھنا،سوائے اس کے کہ خود رب العالمین کی توفیق رفیق راہ ہو اور دستگیری فرمائے۔اس لئے کہ "لاَحَوْلَ وَلاَقُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ" کا مفہوم یہ ہے کہ گناہ وناگواری سے خلاصی اور طاعت اللہ کی بجا آوری سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہوسکتی ہے۔واللہ اعلم ==

فجر کی اذان میں ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کا جواب:

سوال: صبح کی اذان میں ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کے جواب میں ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کہنا حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب

یہ کہنا چاہیے، ثابت ہے۔ (تالیفات رشیدیہ:۲۶۰)

اذان فجر میں ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کے جواب میں ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: اذان فجر میں ’’الصلاۃ خیر من النوم ‘‘ کے جواب میں ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کہنا کسی روایت میں وارد ہے یا نہیں؟ نیز کہنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

اذان فجر میں ’’ اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کے جواب میں ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کہنا کسی روایت میں وارد نہیں ہے اور بعض فقہانے جس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، محدثین کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ علامہ شرنبلالیؒ نے فرمایا ہے کہ بعض سلف سے منقول ہیں، لہذا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی کہنا مستحسن ہے۔ لیکن مالکیہ کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔

== اور ’’اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کے جواب میں ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کہہ کر مؤذن کی تصدیق وتائید کی جاتی ہے اور اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ موقع اسی کا ہے، ان الفاظ میں نہ خدا کی بڑائی ہے اور نہ شہادتین، اس لئے دہرانا مفید نہیں۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

☆ ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کا کیا جواب ہے:

سوال: جواب اذان میں ’’حَیَّ عَلَی الصَّلاۃِ‘‘، ’’حَیَّ عَلَی الْفَلاحِ‘‘ کے مقابلے میں تو ’’لاحَوْلَ وَلاقُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہ‘‘ پڑھا جائے گا لیکن فجر کی اذان میں ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کے جواب میں کیا پڑھا جائے گا؟

الجواب

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب مؤذن اذان فجر میں ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کہے تو جواب دینے والا جواباً ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کے الفاظ یا ’’مَاشَاءَ اللّٰہُ‘‘ کے الفاظ کہے۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللّٰہ: فی أذان الفجر قال المجیب: ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ بفتح الراء الأولٰی وکسرھا أویقول ’’مَاشَاءَ اللّٰہُ‘‘ عند قول المؤذن فی أذان الفجر: ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘. (مراقی الفلاح علٰی ھامش الطحطاوی: ۱۱۰، باب الأذان) (وفی الھندیۃ: کذا قول المؤذن ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ لایقول السامع مثلہ ولکن یقول ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کذا فی المحیط. (الفتاویٰ الھندیۃ: ۵۷/۱، الباب الثانی فی الأذان)

(فتاویٰ حقانیہ: ۶۴/۳-۶۵)

محدثین کے اقوال ملاحظہ ہوں:

قال ابن الملقن فی تخریج أحادیث الرافعی: لم أقف علیٰ أصله فی کتب الحدیث، وقال ابن حجر: لا أصل له. (الجد الحثیث فی بیان ما لیس بحدیث: ۱۲۳/۱)

وقال القاری: لا أصل له. (کذا فی کشف الخفاء ومزیل الإلباس عما اشتهر من الأحادیث علیٰ ألسنة الناس: ۲۱/۲)

قال الألبانی فی إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل: ۲۵۹/۱ : لا أصل لها.

فقہا کی عبارت ملاحظہ ہو:

درمختار مع شامی میں ہے:

وفی: "اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" فیقول: "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ"، لورود خبر فیه، ورد بأنه غیر معروف وأجیب بأن من حفظ حجة علیٰ من لم یحفظ. (ردالمحتار: ۳۹۷/۱، سعید)

وفی تقریرات الرافعی: قال الرحمتی: ویأتی فی هذا ماتقدم فی الحیعلتین بل أولیٰ؛ لأن حدیث "قولوا مثل ما یقول" یشمله ولم یرد حدیث آخر فی "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ" بل نقلوه عن بعض السلف، سندی. (تقریرات الرافعی: ۴۷/۱، سعید)

علامہ شرنبلالی امداد الفتاح میں فرماتے ہیں:

(وقال: "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ") مروی ذلک عن بعض السلف کذا فی التجنیس والمزید. (إمداد الفتاح: ۲۲۱، بیروت)

مذہب شافعیہ:

قال النووی فی شرح مسلم فی باب الأذان: إذا ثوب المؤذن فی صلاة الصبح فقال: "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" قال سامعه: "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ"، هذا تفصیل مذهبنا. (۲)

مذہب حنابلہ:　　کشاف القناع میں ہے:

"ویقول المجیب عند التثویب: أی قول المؤذن فی أذان الفجر: "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ". (کشاف القناع: ۱۷۹/۲، وکذا فی فقه العبادات الحنبلی: ۱۴۶/۱)

مذہب مالکیہ:

الشرح الکبیر میں ہے:

"ولایحکی "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" ولایبدلها بقوله: "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ". (الشرح الکبیر: ۱۹۷/۱، کذا فی حاشیة الدسوقی: ۲۲۶/۲. وحاشیة الصاوی: ۴۳۱/۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۲/۱۰۱-۱۰۲)

---

(۱)　ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد. انیس

(۲)　شرح النووی لمسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، الخ: ۸۸/۴. انیس

مسجد کے اندر رہتے ہوئے جواب دینا ضروری نہیں:

سوال: زید مغرب کی اذان سے پیشتر مسجد میں بیٹھا ہوا چند آدمیوں سے کوئی مسئلہ بیان کر رہا تھا کہ اذان مغرب شروع ہوگئی، مگر زید نے اپنی تقریر کو بند نہیں کیا، نہ اذان سنی اور نہ جواب دیا۔ وہ کہتا ہے کہ علم دین سکھانے والے پر جواب اذان واجب نہیں، اس بارہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

جو شخص مسجد میں بوقت اذان موجود ہو اس کو اجابت باللسان کرنا مستحب ہے۔ پس اگر کسی مسئلہ کے بیان کی وجہ سے وہ خاموش نہ ہوا اور اذان کا جواب نہ دیا تو گنہ گار نہیں ہوا۔ البتہ بہتر یہ تھا کہ خاموش ہو کر اذان کا جواب دیتا، لیکن ترک مستحب پر طعن نہیں ہوسکتا اور بعض فقہا اگر چہ وجوب اجابت باللسان کے بھی قائل ہیں؛ مگر صحیح وراجح عدم وجوب ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰۶/۲) ☆

اذان کا جواب حاضرین مسجد پر واجب نہیں، اس کی کیا وجہ:

سوال: اذان اور اقامت کا جواب دینا سامع پر واجب ہے، مگر جو شخص حاضر مسجد ہے، اس پر اذان کا جواب دینا واجب نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب

اذان واقامت کا جواب مستحب ہے، بعض علما جواب اذان کو واجب کہتے ہیں، مگر زیادہ معتمد یہی ہے کہ اجابت فعلی (اذان سن کر مسجد کی طرف جانا) واجب ہے اور اجابت قولی (اذان سن کر منہ سے اس کا جواب دینا) مستحب ہے، حاضرین مسجد کیلئے ایک ہی صورت ہے کہ منہ سے جواب دیں اور یہ مستحب ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۳۵/۱)

---

(۱) (ويجيب)وجوباً،وقال الحلواني ندباً،الخ(من سمع الأذان).(الدر المختار)

أى قال الحلواني:إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هى الإجابة بالقدم.(رد المحتار،باب الأذان،قبيل مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد: ۳٦٧/۱،ظفير)

☆ **جو شخص مسجد میں ہو اس کو جوابِ اذان دینا واجب ہے یا نہیں:**

سوال: مسجد کے اندر جوابِ اذان دینا واجب ہے یا نہیں، کیونکہ کتاب ''القول المتين'' میں لکھا ہے کہ جواب دینا ضروری نہیں ہے، اگر جواب دے تو صواب ہے؟ ==

اذان صحیح سمجھ نہ آرہی ہو، تو جواب دیں یا نہ دیں:

سوال: اگر اذان کی آواز ہوا کی وجہ سے صحیح نہ آرہی ہو، کوئی لفظ سنائی دیتا ہو اور کوئی نہیں، تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

الفاظ سمجھ میں آئیں، تو جواب دیں، ورنہ نہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۰۹/۳)

مسجد میں تلاوت کرنے والے کو جواب اذان افضل ہے یا تلاوت:

سوال: تالی القرآن فی المسجد کو خواہ عامی ہو یا عالم جواب الاذان افضل ہے یا مشغولی تلاوت؟

الجواب

جواب اذان افضل ہے۔

فی الدرالمختار: (ویجب) (۲) وجوبًا، وقال الحلوانی ندبًا والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لاحائضاً ونفساء وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع، ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه بخلاف قرآن.

وقال الشامی تحت قوله بخلاف قرآن: لأنه لايفوت (جوهرة) ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلا يفوت بالإجابة، بخلاف التعلّم، فعلى هذا لويقرأ تعليماً أوتعلماً لايقطع، سائحانی. (۴۱۱/۱)(۳)

==

الجواب

بیشک اس صورت میں جواب دینا ضروری نہیں، البتہ مستحب ہے، لہذا بلا وجہ ترک کرنا بہتر نہیں۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفاعنہ، الجواب صحیح ظفر احمد عفاعنہ ۱۰/ شعبان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۴۷/۲)

(۲) قال شمس الأئمة الحلوانی: تكلم الناس فی الإجابة قال بعضهم هی الإجابة بالقدم لا باللسان حتى لو أجاب باللسان ولم يمش إلى المسجد لايكون مجيباً ولو كان حاضرًا فی المسجد حين سمع الأذان فليس عليه الإجابة وقوله عليه السلام: "من قال مثل مايقول المؤذن، فله من الأجر كذا" فهو كذلک إن قاله نال الثواب الموعود، وإن لم يقل لم ينل الثواب الموعود، فأما أن يأثم أو يكره له ذلک، فلا، وإذا ردالجواب باللسان لنيل الثواب الموعود، فكل ماهو ثناء وشهادة يقول كمايقول المؤذن وعندقوله: "حی على الصلاة" يقول لاحول ولاقوة إلابالله "ماشاء الله كان". (المحيط البرهانی، الفصل السادس عشرفی التغنی والإلحان: ۳۵۰/۱-۳۵۱. انيس)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) (قوله من سمع الأذان) يفهم منه أنه لولم يسمع لصمم أولبعد أنّه لا يجيب... إلخ. (ردالمحتار: ۳۹۶/۱)

(۲) هكذا فی الأصل والصحيح يجيب. منه (دارالفکر بیروت کے نسخہ میں "ويجيب" ہے۔ انیس)

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد، انيس

وقال الشامی أیضاً: ٤١٤/١: (قولہ ولو بمسجد لا) أی لایجب قطعها بالمعنی الذی ذکرناه آنفاً فلاینافی ماقدمه من أن إجابة اللسان مندوبة عند الحلوانی.

وفی الصفحة المذکورة أیضًا بعد نقل حدیث (۱) عن الطحاوی: فهذه قرینة صارفة للأمر عن الوجوب وبه تأید ماصرح به جماعة من أصحابنا من عدم وجوب الإجابة باللسان وأنها مستحبة، وهذا ظاهر فی ترجیح قول الحلوانی، وعلیه مشی فی الخانیة والفیض، الخ. (٢)

۲۱/ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ۔ (امدادالاحکام:۳۵/۲)

وضو، تلاوت اور تعلیم کرتے وقت اذان کا جواب:

سوال: ایک آدمی مسجد میں وضو کر رہا ہے، یا قرآن پڑھ رہا ہے یا حدیث وفقہ پڑھ رہا ہے یا وعظ وتقریر کر رہا ہے اور ادھر مؤذن نے اذان شروع کردی تو کیا یہ اپنا عمل روک کر اذان کا جواب دے یا اپنا عمل جاری رکھے؟ مفصل تحریر فرمائیں کہ کن صورتوں میں کیا کیا احکام ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

وضو کرتا رہے، بقیہ امور میں افضل یہ ہے کہ ان کو بند کر کے اذان کا جواب دے، لیکن اگر ان کو جاری رکھا تب بھی گناہ نہیں ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۴/۵-۴۲۵)

---

(۱) ''عن عبداللہ قال: کنا مع النبی صلی اللہ علیه وسلم فی بعض أسفاره، فسمع منادیاً وهو یقول: اللہ أکبر، اللہ أکبر، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: علی الفطرة، فقال: أشهد أن لا إله إلا اللہ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: خرج من النار، قال: فابتدرناه فإذا هو صاحب ماشیة أدرکته الصلاة فنادیٰ بها''.

فهذا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قد سمع المنادی ینادی فقال غیر ماقال، فدل ذلک علی أن قوله ''إذا سمعتم المنادی فقولوا مثل الذی یقول، أن ذلک لیس علی الإیجاب وأنه علی الاستحباب والندبة إلی الخیر وإصابة الفضل کما علم الناس من الدعاء الذی أمرهم أن یقولوه فی دبر الصلاة وما أشبه ذلک. (شرح معانی الآثار، باب مایستحب للرجل أن یقوله إذا سمع الأذان: ١٤٦/١ (ح:٨٩٧) انیس)

(٢) رد المحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ٣٩٩/١، انیس

(٣) عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: ''إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما یقول المؤذن''. (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب ما یقول إذا سمع النداء: ٨٦/١، قدیمی)

''(ویجیب) وجوباً، وقال الحلوانی: ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) الخ (بأن یقول)... (کمقالته) الخ (إلا فی الحیعلتین)... (وفی ''الصلاة خیر من النوم'') الخ (فیقطع قراء ة القرآن لو) کان یقرأ (بمنزله، ویجیب) الخ (ولو بمسجد، لا)؛ لأنه أجاب بالحضور، وهذا متفرع علی قول الحلوانی، وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقاً، و الظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر فی حدیث: ''اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول'' الخ. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ٣٩٦/١-٣٩٩، سعید)

تلاوت اور وضو وغیرہ کے درمیان اذان کا جواب:

سوال: اذان کے وقت قضا نمازیں ،نوافل، یا تلاوتِ قرآن پاک جائز ہے یا نہیں؟ تلاوت جاری رکھے یا اذان کا جواب دے؟ اسی طرح وضو کرتے وقت اذان سنائی دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر نماز قضا یا نفل نماز پہلے شروع کردی ہے اور درمیان میں اذان ہوجائے تو بہتر یہ ہے کہ اول اذان کا جواب دے پھر دعاءوسیلہ پڑھے؛ پھر نماز شروع کردے۔(١)

اگر حالتِ تلاوت میں اذان ہوجائے ،تو یہ بہتر ہے کہ تلاوت روک کر اذان کا جواب دے، پھر دعا پڑھے، پھر ”أعوذ بکلمات،الخ“ پڑھ کر تلاوت شروع کردے۔(٢)

وضو کی حالت میں اذان کا جواب بھی دیتا رہے، وضو بھی کرتا رہے۔(شامی:١/٢٦٧)(٣)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:٥/٤٢٥-٤٢٦)

---

(١) **نوٹ:** اس جواب میں حضرتؒ سے سہو ہوا ہے،اصل مسئلہ یہ ہے کہ جب قضا یا نفل نماز شروع کردی گئی تو اذان کا جواب نہیں دیا جائے گا،اس لیے کہ دوران نماز کوئی بات کرنی یا کوئی دوسری دعا نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔

(ولا یجیب فی الصلاة) ولو أجاب فسدت (ولو جنازة و خطبة)أی خطبة کانت (وسماعها وتعلم العلم و تعلیمه والأکل وقضاء الحاجة).(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،باب الأذان:٢٠٣،دارالکتب العلمیة.انیس)

(٢) ”(ویجیب)...(من سمع الأذان)... لا حائضًا ونفساء [أی لا یجیب إذا کان السامع حائضاً وما بعده] وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع،ومستراح وأکل وتعلیم علم وتعلمه، بخلاف قرآن“.(الدرالمختار)

وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ:(قوله بخلاف قرآن)؛لأنه لا یفوت،جوهرة،ولعله؛لأن تکرار القراء ة إنما هو للأجر،فلا یفوت بالإجابة،بخلاف التعلم،فعلی هذا لو یقرأ تعلیمًا أو تعلمًا،لا یقطع.سائحانی.“.(رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد:١/٣٩٦،سعید)

(٣) ”(ویجیب)...(من سمع الأذان)...(بأن یقول)بلسانه(کمقالته)...(إلا فی الحیعلتین) فیحوقل (وفی”الصلاة خیر من النوم“)... ویدعوا عند فراغه بالوسیلة لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم..(فیقطع قراء ة القرآن لو) کان یقرأ(بمنزله،ویجیب)لو أذان مسجده کما یأتی(ولو بمسجد لا)؛لأنه أجاب بالحضور،وهذا متفرع علی قول الحلوانی،وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقاً،والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر فی حدیث:”إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول“.(الدر المختار علی صدر رد المحتار،کتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد:١/٣٩٦-٣٩٩، سعید)

”ولا یشتغل بقراء ة القرآن ولا بشیء من الأعمال سوی الإجابة،ولو کان فی القراء ة ینبغی أن یقطع ویشتغل بالاستماع والإجابة،کذا فی البدائع“.(الفتاویٰ الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الثانی فی الأذان،ومما یتصل بذلک إجابة المؤذن:١/٥٧،رشیدیة)

قرآن کا درس پڑھنے کے دوران اذان ہو جائے تو جواب کا حکم:

سوال: تلاوتِ قرآن پاک کرتے ہوئے اگر اذان شروع ہو جائے، تو جواب دینا ضروری ہے، یا تلاوت جاری رکھے۔ (سائل: مولوی عبیداللہ کبیر والا)

الجواب

اگر تعلیم وتعلم کے لئے پڑھ رہے ہوں، تو قراءت جاری رکھیں اور اگر صرف تلاوت کر رہے ہوں، تو تلاوت روک کر پہلے اذان کا جواب دیں۔ فارغ ہونے کے بعد پھر تلاوت شروع کر دیں۔

(ويجيب)وجوباً،وقال الحلوانی ندباً والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان)ولوجنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه، بخلاف قرآن،آه.(الدرالمختار)

(قوله بخلاف قرآن)لأنه لايفوت.جوهرة.ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلايفوت بالإجابة بخلاف التعلم فعلٰى هذا لويقرأ تعليماً أوتعلماً لايقطع،سائحانی،آه. (ردالمحتار،باب الأذان: ٢٩٢/١،مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد) فقط واللّٰه أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ٢٧/١١/١٤١٠ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ٢٣٠/٢-٢٣١)

قرآن پڑھتے ہوئے اذان سنے تو کیا کرے:

سوال: قرآن کے حفظ کرنے یا دیکھ کر پڑھنے میں اذان کا جواب جو کہ واجب ہے دینا چاہئے یا قرآن کی تلاوت جاری رکھنا جائز ہے؟

الجواب

اذان کا جواب دینا مستحب ہے اگر قرآن شریف کو بند کر کے جواب اذان کا دے تو اچھا ہے اور اگر قرآن شریف ہی پڑھتا رہے اور جواب نہ دے، تو کچھ گناہ نہیں ہے۔(١) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ٩٣/٢) ☆

(١) (ويجيب)وجوباً،وقال الحلوانی ندباً،والواجب الإجابة بالقدم(من سمع الأذان)ولوجنباً لاحائضاً ونفساء وسامع خطبة الخ،بخلاف قرآن(الدرالمختار)

لأنه لايفوت (جوهرة)ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلايفوت بالإجابة بخلاف التعلم فعلٰى هذا لويقرأ تعليماً أوتعلماً لايقطع.(ردالمحتار،باب الأذان،مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد: ٣٦٧/١-٣٦٨،ظفير)

☆ **قرآن ودرود شریف پڑھتے ہوئے اذان سنے تو......:**

سوال: کلام مجید یا درود شریف پڑھتا ہو اور اذان ہونے لگے تو اذان کا جواب دے یا نہ دے اور پڑھتا رہے؟ ==

بوقت اذان تلاوت کو جاری رکھے یا موقوف کردے:

سوال: جس وقت کوئی شخص اذان سنے اس وقت تلاوت موقف کردے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر مسجد میں تلاوت کررہا تھا، تب تو تلاوت کو جاری رکھے، اگر خارج مسجد یا اپنے مکان وغیرہ میں تھا، تو تلاوت کو موقوف کرکے اذان کا جوب دے۔ (تنویر الأبصار: ١/٤١٤)(١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٥/٤٢٧)

بوقت تلاوت اذان شروع ہوجائے، تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر تلاوت کرنے وقت اذان شروع ہوجائے، تو اذان کا جواب دے، یا تلاوت کرتا رہے؟ بندہ نے کسی بڑے عالم حضرت مولانا تھانویؒ یا حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے ملفوظات میں دیکھا ہے کہ اذان ہوتے وقت تلاوت نہ کرنا چاہیے۔

ایک عالم صاحب نے بتلایا کہ آدمی اگر مسجد میں تلاوت کررہا ہے، تو اذان کا جواب نہ دے، اور اگر باہر تلاوت کررہا ہے تو تلاوت بند کرکے اذان کا جواب دے، جواب تفصیل کے ساتھ مرحمت فرمائیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

درمختار اور شامی میں ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت موقوف کرکے جواب اذان کا دے۔ پس درود شریف کا بھی یہی حکم ہے۔(لو كان في المسجد حين سمعه ليس عليه الإجابة، ولو كان خارجه أجاب) الخ (فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ (بمنزله، ويجيب) لو أذان مسجده كما يأتي (ولو بمسجد، لا). (الدر المختار)

الظاهر أن المراد المسارعة للإجابة وعدم القعود لأجل القراءة لإخلال القعود بالسعي الواجب، وإلا فلا مانع من القراءة ماشياً، إلا أن يراد يقطعها ندباً للإجابة باللسان أيضاً، الخ. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ١/٣٧٠، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٢/٩٥)

(١) "(ويجيب)... (من سمع الأذان)... (بأن يقول) بلسانه (كمقالته)... (إلا في الحيعلتين) فيحوقل (وفي "الصلاة خير من النوم")... ويدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم... (فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ (بمنزله، ويجيب)... (ولو بمسجد، لا)؛ لأنه أجاب بالحضور، وهذا متفرع علىٰ قول الحلواني، وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول". (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٣٩٦ - ٣٩٩، سعيد)

"ولا يشتغل بقراءة القرآن ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع، ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، ومما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ١/٥٧، رشيدية)

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

صرح فی العنوان بأن الإمساک عن التلاوة والاستماع إنما هو أفضل. (الطحطاوی علی المراقی: ١٢٠)(باب الأذان: ١٣٥، مصری)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تلاوت منقطع کرکے کلمات اذان کا سننا اور جواب دینا افضل وبہتر ہے، خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، اور کتب فقہیہ میں جو یہ مذکور ہے کہ مسجد میں ہو تو جواب نہ دے، اس کا مطلب صاحب طحطاوی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ قدم سے جواب نہ دے، کیوں کہ وہ پہلے ہی سے حاصل ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تلاوت قطع کرکے زبان سے جواب دینا بھی افضل نہیں ہے، (١) اور درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں ہوتے ہوئے جواب نہ دینے والا قول مرجوح وغیر مفتی بہ ہے، (٢) بہر حال عالم صاحب کی بات خلاف تحقیق ہے، حق وہی ہے جو آپ نے حضرت اقدس تھانوی یا حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے ملفوظات میں دیکھا ہے۔

قوله: یمضی علٰی قرأته إن کان فی المسجد مبنی علٰی وجوب الإجابة بالقدم، ومن قال بها لاینفی ندب الإجابة باللسان. (الطحطاوی علی المراقی: ١٢٠)(باب الأذان: ١٣٥، مصری)

وفی أحسن الفتاویٰ: مستحب یہ ہے کہ تلاوت چھوڑ کر اذان کی طرف متوجہ ہو، اور اس کا جواب دے۔ (أحسن الفتاویٰ، کتاب الصلاة، باب الأذان والإقامة: ٢٨٨/٢، زکریا، دیوبند)

کتبہ: عبداللہ غفرلہ: ٢٧/٢/١٤٠٧ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ٢٨٧/٢-٢٨٩)

تلاوت کے درمیان اذان:

سوال: اگر کوئی مکان میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہو اور اس درمیان کسی مسجد سے اذان کی آواز آنے لگے تو کیا اس دوران تلاوت روک دی جائے؟ چونکہ یہاں کئی مساجد ہیں، اور وقفہ وقفہ سے اذان کی آواز آتی رہتی ہے، تو کیا ہر دفعہ تلاوت قرآن روک دی جائے؟ اور اگر قرآن کی تلاوت کرنے والا مسجد میں ہو تو کیا اس کے لئے بھی تلاوت روک دینے کا حکم ہے؟ بعض حضرات اذان کے دوران وضو کرنا بھی روک دیتے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

(محمد عبدالرشید، اعظم پورہ)

---

(١) فی المراقی: وإذا سمع المسنون منه أمسک حتی عن التلاوة لیجیب المؤذن ولو فی المسجد وهو الأفضل وفی الفوائد: یمضی علٰی قراءته إن کان فی المسجد.

وفی الطحطاوی: (قوله یمضی علٰی قراءته إن کان فی المسجد) مبنی علٰی وجوب الإجابة بالقدم ومن قال بها لاینفی ندب الإجابة باللسان. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، باب الأذان: ١٣٥، مصری)

(٢) فی الدرالمختار: (فیقطع قراءة القرآن لو) کان یقرأ (بمنزله، ویجیب)... (ولو بمسجد، لا)؛ لأنه أجاب بالحضور وهذا متفرع علٰی قول الحلوانی، وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقاً. (الدرالمختار علی صدرالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ٢٦٧/١، نعمانیة، دیوبند)

الجواب

جب آپ گھر میں قرآن کی تلاوت کررہے ہوں، اور اذان کی آواز آئے تو تلاوت روک کر اذان کا جواب دینا چاہئے، اگر کئی مسجدوں سے آواز آئے تو اپنے محلّہ کی مسجد کی اذان کا جواب دیں، اس کے بعد تلاوت جاری رکھیں۔

"...وعليه (فيقطع قراء ة القرآن لو) كان (يقرأ بمنزله،ويجيب)أذان مسجده كما يأتي". (۱)

اگر مسجد میں تلاوت کررہے ہوں تو کیا تلاوت روک کر جواب دیں؟ اس میں اختلاف ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ تلاوت روک کر جواب دینا چاہئے، کیونکہ تلاوت بعد میں بھی کی جاسکتی ہے، اذان کا جواب بعد میں نہیں دیا جاسکتا۔

وضو کرتے ہوئے بھی اذان کا جواب دینا بہتر ہے، کیونکہ جب اذان ہو تو جواب دینے کا عمومی حکم دیا گیا ہے اور وضو کرتے ہوئے جواب دینے میں بہ ظاہر کوئی قباحت سمجھ میں نہیں آتی۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/ ۱۳۶-۱۳۷)

اذان اور خطبہ کے وقت تلاوتِ قرآن مجید:

سوال: جمعہ کا احترام کرکے لوگ قبل از وقت مسجد میں آکر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، اذان کی آواز سن کر بھی تلاوت کرنے سے رکتے نہیں، حتیٰ کہ خطبۂ اولیٰ کے ختم تک تلاوت کرتے رہتے ہیں، کیا اس طرح اذان اور خطبۂ اولیٰ کے شروع ہونے پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا شرعاً درست ہے؟ (عبدالمنعم، نرمل)

الجواب

اگر تلاوتِ قرآن مجید کے درمیان اذان ہوجائے تو گو تلاوت جاری رکھنے کی اجازت ہے، لیکن بہتر ہے کہ تلاوت سے رک کر اذان کا جواب دے، گو مسجد پہنچ چکا ہو پھر بھی مستحب طریقہ یہی ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''مراقی الفلاح'' میں ہے:

(وإذا سمع المسنون منه) أي الأذان ... (أمسک)حتٰی عن التلاوة ليجيب المؤذن ولوفي المسجد وهو الأفضل. (۲)

البتہ خطیب کے ممبر پر آنے کے بعد تلاوتِ قرآن مکروہ ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے، (۳) کہ حدیث شریف میں خطبہ کے دوران کسی بھی ایسے عمل کی ممانعت آئی ہے، جس سے خطبہ سننے میں حرج ہو۔ (۴)

(کتاب الفتاویٰ:۲/ ۱۳۷-۱۳۸)

---

(۱) ردالمحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة : ۶۸/۲۔

(۲) مراقي الفلاح على صدر الطحطاوی، باب الأذان : ۸۰۔

(۳) مراقی الفلاح على صدر الطحطاوی، باب صلاة الجمعة : ۲۸۳۔

(۴) اس بارے میں حدیث میں اتنی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے خطبہ دیتے وقت دوسرے گفتگو میں مشغول شخص کو خاموش کرنے کو بھی ناپسند فرمایا ہے۔

==

اذان کے وقت تلاوت قرآن کا حکم:

سوال: اذان کے وقت قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر پہلے سے تلاوت کر رہے ہوں اور اذان ہونے لگے تو تلاوت بند کر دینی چاہئے یا جاری رکھنی چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اگر تلاوت کرنے والا مسجد میں ہو تو اس کے لئے تلاوت جائز ہے، اس پر اذان کا جواب ضروری نہیں ہے اور اگر تلاوت کرنے والا مسجد سے باہر ہے تو اس کو بند کر کے اذان کا جواب دینا چاہئے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۳/۱/۱۳۷۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۲۰) ☆

بوقت اذان تلاوت چھوڑ دینا مستحب ہے:

سوال: تلاوت کرتے ہوئے اذان شروع ہو جائے تو تلاوت میں مشغول رہے یا کہ تلاوت چھوڑ کر اذان سنے، اور اذان ختم ہونے کے بعد پھر تلاوت کرے؟ بینوا توجروا۔

== أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:"إذا قلت لصاحبک یوم الجمعة أنصت و الإمام یخطب فقد لغوت".(صحیح البخاری،رقم الحدیث:٩٣٤،باب الإنصات یوم الجمعة والإمام یخطب)

نیز دیکھئے:الصحیح لمسلم،رقم الحدیث:٨٥١،أبو داؤد،رقم الحدیث:١١١٢،محشی)

(۱) دونوں صورتوں میں افضل ومستحب یہی ہے کہ جب تک اذان ہو قرآن کریم کی تلاوت موقوف کر کے اذان کا جواب دیتا رہے،اس لئے کہ بالاتفاق زبان سے اذان کا جواب دینا مندوب ومستحب ہے خواہ اذان سننے والا مسجد میں ہو یا مسجد کے باہر۔[مجاهد]

"(وإذا سمع المسنون منه) أی الأذان وهو ما لا لحن فیه ولا تلحین (أمسک) حتی عن التلاوة لیجیب المؤذن ولوفی المسجد وهو الأفضل".(مراقی الفلاح علیٰ هامش الطحطاوی:١٠٩)

وصرح فی العیون بأن الإمساک عن التلاوة والاستماع إنما هو أفضل وصرح جماعة بنفی وجوبها باللسان و أنها مستحبة حتی قالوا إن فعل نال الثواب وإلا فلا إثم ولا کراهة.(حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح: ١٠٩)

☆ اذان کے وقت تعلیم قرآن کا حکم:

سوال: اذان کے وقت قرآن خود پڑھتا یا بچوں کو پڑھاتا ہے تو روک دے یا پڑھاتا رہے؟

حامداً ومصلیًا،الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اذان کے وقت تلاوت قرآن یا تعلیم موقوف کر دینا اور اذان کو سننا اور اس کا جواب دینا افضل ہے۔(کذا فی نفع المفتی،ص:٦٣)(... قاری سمع الأذان فالأفضل له أن یمسک ویستمع الأذان لورود الأثر.(نفع المفتی و السائل،ص:٤٥/ ذخیرة المسائل ترجمة نفع المفتی والسائل،ص:١٣٦)والله تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحکم(مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۲۴)

الجواب ـــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

مستحب یہ ہے کہ تلاوت چھوڑ کر اذان کی طرف متوجہ ہو، اوراس کا جواب دے۔

نقل العلاء رحمه اللّٰه تعالیٰ عن النهر معزيًا إلى المحيط وغيره: أنه لاير د السلام ولا يسلم و لايقرأ بل يقطعها ويجيب ولايشتغل بغير الإجابة. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالیٰ: وقال فى المعراج: وفى التحفة: وينبغى للسامع أن لايتكلم ولا يشتغل بشىء فى حالة الأذان والإقامة ولاير د السلام أيضاً؛ لأن الكل يخل بالنظم، آه.

أقول: يظهر من هذا أن قوله لاير د السلام ليس للوجوب، وأنه يتفرع على القولين وإلا لزم وجوب ذلک فی الإقامة مع أن أصل إجابة الإقامة مستحبة، الخ. (رد المحتار: ٣٧١/١)(١) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

٢٠/ شوال ١٣٩٢ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢٨٨/٢-٢٨٩)

اذان کے وقت ریڈیو سے تلاوت سننا:

سوال: ایک طرف مسجد سے تلاوت یا اذان ہورہی ہو اور دوسری طرف ریڈیو پر اذان یا تلاوت ہورہی ہو، تو ہمیں ریڈیو بند کرلینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــ

ریڈیو کی تلاوت عموماً جو ریڈیو پر نشر کرنے سے پہلے ٹیپ کرلی جاتی ہے، تلاوت کا حکم نہیں رکھتی۔ اس لیے اذان سن کر اسے فوراً بند کردینا چاہیے، (٢) یوں بھی اذان سن کر تلاوت بند کردینے کا حکم ہے۔ (٣) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ٣١٢/٣)

(١) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل باب شروط الصلاة: ٣٩٩/١.
(وكذلک لا يقرأ ولايسلم ولاير دالسلام) ولايشتغل بعمل غير الإجابة، قوله (ويقطع القراء ة لهما) أى للأذان والإقامة، فإن قلت: أليس هذا بتكرار لأنه قال أولاً (ولايقرأ)؟ قلت: لأن المراد بقوله: لايقرأ، هو أن لايشرع فى القراء ة عند الأذان والإقامة والمراد من قوله: ويقطع القراء ة، هو أن يكون قارئاً فابتدى الأذان والإقامة، فافهم. (منحة السلوک شرح تحفة الملوک، فصل فى شروط الصلاة، باب الأذان: ٩٨/١. انيس)

(٢) وأمّا أذان الصبى الذى لايعقل فلا يجزئ ويعاد لأن مايصدر لا عن عقل لايعتد به كصوت الطيور، الخ. (بدائع الصنائع: ١٥٠/١، كتاب الصلاة، فصل فى بيان سنن الأذان)

(٣) ولوكان السامع يقرأ يقطع القراء ة ويجيب... إلخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، إجابة المؤذن: ٢٧٣/١)
ولاينبغى أن يتكلم السامع فى حال الأذان والإقامة ولايشتغل بقراء ة القرآن ولابشىء من الأعمال سوى الإجابة ولوكان فى القراء ة ينبغى أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا فى الفتاوىٰ. (بدائع الصنائع، فصل وأما بيان ماتجب على السامعين عندالأذان: ١٥٥/١. انيس)

اذان کے وقت نفل نماز:

سوال: ایک شخص مغرب کی اذان کے وقت نفل پڑھتا ہے، آیا اذان کا جواب دینا بہتر ہے یا نفل پڑھنا اچھا ہے، پھر اوابین بھی نہیں پڑھتا، لیکن اذان کے وقت نفل ضرور پڑھتا ہے، ان حالات میں کیا زیادہ بہتر ہے؟

هــو الـمـصـو بـ

بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام مغرب کے وقت فوراً دو رکعت نفل پڑھ لیا کرتے تھے، اس لئے اگر کوئی ایسا کرتا ہے، تو جائز ہے۔ (١)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ١/٣٩٠)

اگر تقریر کے درمیان اذان ہو جائے:

سوال: ہمارے محلّہ کی جامع مسجد میں دینی اجتماع تھا، ایک مشہور عالم دین کی تقریر تھی، تقریر کے دوران اذان کا وقت ہو چکا تھا، مؤذن صاحب نے اذان شروع کی، لیکن ان صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھی، کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟　　(عبد الباسط، باکارم)

الجوابـ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مؤذن کہے وہی تم کہو۔ (٢) اسی لئے فقہا کی رائے ہے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔ (٣)

لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی شخص ذکر، یا تذکیر میں مشغول ہو تو اسے اذان کا جواب دینا چاہئے یا اپنے عمل کو جاری رکھنا اس کے حق میں بہتر ہے؟ اس سلسلہ میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ذکر، تلاوت اور تسبیح وغیرہ میں مشغول ہو، تو اس سے

---

(١) عن أنس بن مالک. رضی اللّٰہ عنہ. قال: کان المؤذن إذا أذن قام ناس من أصحاب النبی یبتدرون السواری حتی یخرج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وهم کذلک یصلون الرکعتین قبل المغرب. (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب کم بین الأذان والإقامة، رقم الحدیث: ٦٢٥/ الصحیح لمسلم، کتاب صلٰوة المسافرین، باب استحباب الرکعتین قبل صلٰوة المغرب، رقم الحدیث: ٨٣٧)

قوله "وحرر إباحة رکعتین خفیفتین قبل المغرب" فإنه ذکره أنه ذهبت طائفة إلٰی ندب فعلها وأنه أنکره کثیر من السلف وأصحابنا ومالک واستدل لذلک بما حقه أن یکتب بسواد الأحداق ثم قال: والثابت بعد هذا هو نفی المندوبية أما ثبوت الکراهة فلا، إلا أن یدل دلیل آخر. (رد المحتار: ٢/٣٥٣، البحر الرائق: ١/٤٣٩)

(٢) سنن أبي داؤد، رقم الحدیث: ٥٢٢، باب ما یقول إذا سمع المؤذن

(٣) الکبیری شرح منیة المصلی، ص: ٣٧٨، رد المحتار، باب الأذان: ٦٥/٢.

رک کر اذان کا جواب دینا چاہئے، یہ زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ ذکر کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اذان کا جواب دینے کے لئے یہی وقت مقرر ہے، ورنہ اس ثواب اور فضیلت سے محروم رہے گا؛ البتہ تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہو، تو سلسلہ منقطع کرنے کی ضرورت نہیں۔

''لا حائضا... و تعليم علم و تعلمه (الدر المختار) فعلى هذا لويقرأ تعليما أو تعلما لايقطع''. (١)

بیان بھی چوں کہ ایک حد تک تعلیم وتعلم کا درجہ رکھتا ہے، اس لیے مقرر صاحب کا تقریر جاری رکھنا درست تھا، ...
البتہ اگر اذان کا جواب کے لیے رکنے کے بعد بھی مقرر اپنا مضمون پورا کر سکتا ہو، تو بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اذان کا جواب دے کر پھر سلسلۂ کلام کو پورا کرے؛ کیوں کہ اس میں تذکیر ودعوت کے مقصد کی بھی تکمیل ہوتی ہے، اور ایک شعائر اسلامی کا پورا پورا احترام بھی برقرار رہتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ٢/١٣٨-١٣٩)

وعظ کے دوران اذان شروع ہوجائے:

سوال: ایک شخص چند آدمیوں کو لے کر مسجد میں یا بیرونِ مسجد درس کی صورت میں کوئی دینی کتاب پڑھ کر سنا رہا ہے، یا زبانی وعظ کر رہا ہے، اسی دوران کسی نماز کی اذان کا وقت ہو جاتا ہے اور اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، اب کتاب سنانے والے کو کتاب پڑھنا بند کر دینا چاہئے یا یہ کہ جاری رکھنا چاہئے؟ نیز اس صورت میں کتاب پڑھنے والے یا وعظ کہنے والے کو اور سننے والے اصحاب کو اذان کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب ______ حامداً ومصلیاً

اعلیٰ بات یہ ہے کہ جب اذان شروع ہو جائے تو کتاب، تلاوت، وعظ، تقریر بند کر کے اذان کا جواب دیا جائے پھر دعاء اذان پڑھ کر کتاب، تلاوت، وعظ، تقریر حسبِ موقع شروع کریں۔ ردالمحتار وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (٢)

---

(١) رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تكرار الجماعة: ٣٩٦/١۔

(٢) (''(ويجيب)... (من سمع الأذان)... (بأن يقول) بلسانه (كمقالته)... (إلا في الحيعلتين) فيحوقل (وفي ''الصلاة خير من النوم'')... ويدعوا عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم... (فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ (بمنزله، ويجيب) لو أذان مسجده كما يأتي (ولو بمسجد، لا)؛ لأنه أجاب بالحضور، وهذا متفرع على قول الحلواني، وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث: ''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول''. (الدر المختار متن رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة: ٣٩٨/١-٣٩٩، سعيد)

==

حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"قولوا مثل ما يقول المؤذن". (۱)

فتح القدیر میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۲۷-۴۲۸)

دوران وعظ اذان شروع ہو جائے، تو وعظ بند کر کے اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: ایک شخص دین کی باتیں کر رہا ہے، اذان شروع ہوگئی، تو کیا اس کو وہ دین کا وعظ اور تکرار بند کر کے اذان کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟

اور مسجد کے اندر یا باہر بھی کوئی فرق ہے کہ مسجد میں جواب واجب نہیں اور باہر واجب ہے؟

الجواب

اگر وعظ وتکرار کو بند کر کے جواب دے تو اچھا ہے، اور اگر وعظ وتکرار کو جاری رکھے اور جواب نہ دے، تو کچھ گناہ نہیں، اس لئے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

"(ويجيب وجوباً) وقال الحلواني ندباً والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة، الخ". (الدر المختار: ۱/۳٦۷)

اور ردالمحتار میں ہے:

(قوله بخلاف قرآن) لأنه لايفوت (جوهرة) ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلايفوت بالإجابة بخلاف التعلم، فعلى هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً لايقطع، سائحاني. (۱/۳٦۸)

== "ولا يشتغل بقراءة القرآن ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع، ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، ومما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ۱/۵۷، رشيدية)

(۱) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي: ۱/٨٦، قديمي

(۲) "لكن ظاهر الأمر في قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول" الوجوب؛ إذ لا تظهر قرينة تصرفه عنه بل ربما يظهر استنكار تركه أنه يشبه عدم الالتفات إليه والتشاغل عنه. وفي التحفة: ينبغي أن لايتكلم ولايشتغل بشيء حال الأذان أو الإقامة". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۴۸-۲۴۹، مصطفى ألباني الحلبي بمصر) (تحفة الفقهاء، والإقامة المعتبرة: ۱/۱۱۷. انيس)

(قوله وقال الحلواني ندباً):أى قال الحلواني:إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هي الإجابة بالقدم.(ردالمحتار: ۳٦٧/١.باب الأذان،مطلب في كراهة تكرار الجماعة)فقط والله أعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس، ملتان۔

مسجد وخارج کی تفریق حلوانی کے قول پر مبنی ہے۔

وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً.(الدر المختار،باب الأذان،قبل باب شروط الصلاة: ٣٧٠/١)

والجواب صحيح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان۔(خیر الفتاویٰ:۲/۲۱۲-۲۱۳)

اذان ہوتے وقت مؤذن اور سننے والوں کو سلام کرنا کیسا ہے:

سوال: حالت اذان میں مؤذن اور اذان سننے والوں کو سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب

حالت اذان میں مؤذن کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اس کے ذمہ جواب دینا لازم نہیں، لیکن اگر حالت اذان میں سوائے مؤذن کے اور کسی کو سلام کرے، تو مکروہ نہیں۔ كما في الشامي المجلد الأول، وحاصلها:أنه يأثم بالسلام على المشغولين بالخطبة ... أو الأذان أو الإقامة،الخ.(۱)فقط

دستخط۔ ۴/صفر۔(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۳۰)

کیا اذان کھڑے ہوکر سننا چاہئے:

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اذان کے کلمات جب کان میں پڑیں، تو سننے والوں کو کھڑا ہو جانا چاہئے اور کھڑے ہوکر اذان کو سننا چاہئے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامدًا و مصليًا

محض زبان سے جواب دینے کے لئے کھڑا ہونا نہ مستحب اور نہ مسنون ہے، نہ کھڑے ہوکر اذان سننا مسنون ہے، البتہ اذان سن کر نماز کی تیاری کے لئے کھڑا ہو جانا بہتر اور مستحب ہے۔

"ويندب القيام عند سماع الأذان"،بزازية.(الدر المختار)

قال ابن عابدين: قلتُ:ويحتمل أن يراد بالقيام الإجابة بالقدم،وقد أخرج السيوطي عن أبي نعيم في الحلية بسند فيه مقال"إذا سمعتم النداء فقوموا فإنها عزمة من اللّٰه".(۲)

قال شارحه المناوي:أى اسعوا إلى الصلاة.(رد المحتار: ٢٦٦/١)(۳)فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔(حبیب الفتاویٰ:۲/۶۷-۶۸)

---

(۱) رد المحتار،باب مايفسد الصلوٰة، مطلب المواضع التي لايجب فيها ردالسلام: ٥٧٧/١،ظفير) ==

چلتے ہوئے اذان سنائی دے، تو کیسے جواب دے:

سوال: بسا اوقات راستے میں چل رہے ہوتے ہیں کہ اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، ایسی صورت میں چلتے چلتے جواب دیتے رہیں، یا رک کر جواب دیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

بہتر یہ ہے کہ رک جائیں اور اذان کا جواب دیتے رہیں، فارغ ہونے پر چلنا شروع کردیں۔

سمع الأذان وهويمشى فالأولٰى أن يقف ساعةً ويجيب كذا فى القنية. (الفتاویٰ الهندية،الفصل الثانى فى كلمات الأذان والإقامة: ۲۹/۱) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان - ۲/۷/۱۴۱۰ھ - (خیر الفتاویٰ: ۲۲۶/۲)

افطار کی حالت میں اذان کے جواب کا حکم:

سوال: رمضان کے دنوں میں روزہ دار اذان کی آواز کے منتظر رہتے ہیں، اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی افطار کرنے لگ جاتے ہیں، اذان کا جواب نہیں دیتے تو سوال یہ ہے کہ جو لوگ جوابِ اذان ترک کر کے افطار میں لگ جاتے ہیں ان پر کسی قسم کا مؤاخذہ تو نہیں ہوگا؟ اذان کا جواب دینا شرعاً کیسا ہے اور کھانے پینے میں مشغول ہو جانا کیسا ہے؟

حامداً و مصليًا، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

اذان کا جواب دینا بعض فقہا کے نزدیک واجب ہے، لیکن معتمد اور ظاہر و مفتیٰ بہ مذہب کی رو سے مستحب ہے۔

اختلف فى الإجابة فقيل: واجبة وهو ظاهر ما فى الخانية والخلاصة والتحفة وإليه مال الكمال، وقيل مندوبة وبه قال مالك والشافعي وأحمد وجمهور الفقهاء واختاره العينى. (الطحطاوى: ۱۰۹)(۱)

افطار کی حالت میں اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔

"وكذا لا تجب عند الأكل". (البحر الرائق: ۲۶۰/۱. باب الأذان)

== (وهكذا فى الكبيرى للعلامة الحلبى، ص: ۳۶۳. قال: وفى التجنيس: لايكره الكلام عند الأذان بالإجماع، الخ. (جميل الرحمن)

(۲) حلية الأولياء لأبى نعيم، سعيد بن المسيب عن عثمان بن عفان عن النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ۱۹۸۲) انيس)

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد. انيس

حاشيه صفحه هذا:

(۱) حاشية الطحطاوى، باب الأذان: ص ۲۰۲ - مذکورہ عبارت میں درمیانی دو سطر ترک کی گئی ہے۔

اگر مسجد کی طرف جا رہا ہو؛ یا مسجد ہی میں ہو؛ تو بوجہ اجابت فعلی پائے جانے کے؛ زبان سے اذان کا جواب دینا ضروری نہیں۔

تکلم الناس فی الإجابة قال بعضهم هی الإجابة بالقدم لا باللسان حتی لو أجاب باللسان ولم یمش إلی المسجد لایکون مجیباًولو کان حاضرًا فی المسجد حین سمع الأذان فلیس علیه الإجابة.(۱)

اگر جواب دیا تو ثواب ملے گا، جواب نہیں دیا تو ثواب نہیں ملے گا، لیکن مکروہ وگناہ نہیں۔(فتاویٰ قاضیخان: ۷۵/۱ ـ ۷٦،برحاشیة الفتاویٰ الهندیة،مصر)(۲) **واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحکم**

(مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۲۵ـ۱۲٦)

اذان کے وقت پانی پینا:

سوال: ایک دن مغرب کی اذان کے وقت میں پانی پینے لگا، تو میرے ایک دوست نے کہا کہ اذان کے وقت پانی پینے سے سخت گناہ ہوتا ہے، میں وقتی طور پر اس کی بات مان گیا، لیکن دل میں یہ عہد کرلیا کہ اس مسئلے کو آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ امید ہے کہ آپ اسے بھی ضرور حل کرنے کی کوشش کریں گے؟

الجواب

مغرب کی اذان یا کسی بھی اذان کے وقت پانی پینا جائز ہے، آپ کے دوست کا خیال صحیح نہیں۔(۳)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۱۱)

سامعین اذان پر سلام کا جواب واجب نہیں:

سوال: سامعین اذان کو خواہ وہ جواب اذان دے رہے ہوں یا سکوت میں ہوں کسی آئندہ شخص کے سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں اور کسی شخص کو ایسے مواقع پر سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

---

(۱) المحیط البرهانی،الفصل السادس عشرفی التغنی والإلحان: ۳۵۰/۱ـ۳۵۱.انیس

(۲) ... : ۷۹/۱،وفیه:قوله علیه السلام:"من قال مثل ما یقول المؤذن فله من الأجر کذا" فهو کذلک إن قاله نال ثواب الموعودوإن لم یقل لم ینل ثواب الموعود فأما أن یأثم أویکره له ذلک فلا.(مسائل الأذان)

(۳) وینبغی لسامع الأذان أن لایتکلم فی حال الأذان والإقامة ولایشتغل بشیء سوی الإجابة.(الجوهرة النیرة،باب الأذان: ٤٤/۱)

فقہاء کرام کے مذکورہ جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان واقامت کے وقت بہتر ہے کہ خاموش رہ کر اذان کا جواب دیا جائے، دوسرے کسی عمل میں مشغول نہ ہوا جائے، لیکن اگر کوئی کسی عمل میں مشغول ہوگیا تو گناہ گار نہیں ہوگا۔انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ایسے وقت میں سلام نہ کرنا چاہئے اور اگر سلام کہا ہو، تو جو اذان کا جواب دے رہا ہے، اس پر تو اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور جو ساکت ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔

لأن سماع الذکر کالذکر، کما فی الدر المختار: وسلامک مکروہ علی ... مصل وتال ذاکر ومحدث خطیب ومن یصغی إلیهم ویسمع.(۱) فقط

(تتمہ اولیٰ، ص: ۳۷)(امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۷۱)

دورانِ اذان مسجد میں سلام کہنا:

سوال: جب مؤذن اذان کہہ رہا ہو، تو مسجد میں داخل ہوتے وقت **السلام علیکم** کہنا چاہیے، یا خاموشی سے بیٹھ جانا چاہیے، یا کہ اذان سننے کے لیے کھڑا رہنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس وقت سلام نہیں کہنا چاہیے، بلکہ خاموشی سے بیٹھ جانا چاہیے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۳۱۰)

باتیں کرتے ہوئے اذان کا جواب دینا:

سوال: ''بوقت اذان جو شخص باتیں کررہا ہے اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوگا'' یہ لکھا ہے بہار شریعت میں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اذان کا جواب دینا چاہئے، باتیں بند کردینا چاہئے، یہ طریقہ ناپسند ہے کہ باتیں ہوتی رہیں اور اذان کا جواب نہ دیا جائے۔(۳) مگر یہ غلط ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۹/۷/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۲۹)

---

(۱) الدر المختار، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، مطلب المواضع التی یکره فیها السلام: ۱/۶۱٦. انیس

(۲) ولایسلم ولا یرد السلام، إلخ. (البحر الرائق: ۱/۲۷۳، کتاب الصلاة، باب الأذان)

(۳) (ویجیب) وجوباً، وقال الحلوانی ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ... (بأن یقول) بلسانه (کمقالته) ... (إلا فی الحیعلتین) فیحوقل. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة: ۱/۳۹٦، سعید)

''فإذا کان یتکلم فی الفقه والأصول یجب علیه الإجابة''. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۰۲، قدیمی)

اذان کے وقت مسجد میں باتیں کرنا:

سوال: دو حدیثوں کا مفہوم ہے کہ ''اذان کے وقت بات کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے'' اور '' مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے ٤٠/ برس کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں''۔

اب سوال یہ ہے کہ اکثر بازاروں میں یا نماز کے لئے آتے وقت یا بوقتِ اذان لین دین کی باتیں کرتے ہیں، اگر کوئی شخص خاموش رہے، تو شدید تکلیف ہوگی، ایسے مواقع پر کیا کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کے وقت باتیں کرنے سے ایمان کے جاتے رہنے کا خوف کس حدیث میں ہے، مجھے وہ حدیث محفوظ نہیں، آپ لکھیں تو اس کو دیکھا جائے۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا منع ہے۔ اگر نماز کے لئے مسجد میں جائے اور وہاں کوئی اتفاقیہ تجارت وملازمت وغیرہ کی باتیں بھی کسی سے کرلے؛ تو یہ اس حکم میں نہیں ہے۔(١) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ١٨/١/١٣٨٩ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٤٣٠/٥)

---

(١) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تناشد الأشعار في المسجد وعن البيع و الاشتراء فيه، وأن يتحلق الناس يوم الجمعة قبل الصلاة في المسجد. (رواه أبوداؤد والترمذي)

(أخرجه أبوداؤد في باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة (ح: ١٠٧٩)/والترمذي في باب ماجاء في كراهية البيع والشراء (ح: ٣٢٢) انيس)

"وعن الحسن مرسلاً قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم، فلا تجالسوهم، فليس لله فيهم حاجة". رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ٧٠/١، قديمي)

(أخرجه البيهقي في السنن الكبرىٰ في باب فضل المشي إلى الصلاة (ح: ٢٧٠١)/وابن أبي شيبة في باب كلام الحسن البصري (ح: ٣٥٣١٠)/وابن حبان في باب ذكر الأخبار بأن من أمارة آخر الزمان (ح: ٦٧٦١) وكذا في موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، باب الجلوس في المسجد لغير الطاعة (ح: ٣١١) انيس)

"والكلام المباح، وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله". (الدر المختار)

(قوله بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذٍ لايباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. وفي صلاة الجلابي: الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولىٰ أن يشتغل بذكر الله تعالىٰ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ٦٦٢/١، سعيد)

بوقت اذان خاموش رہنا مستحب ہے:

سوال: اذان کے وقت دنیوی بات کرنا کیسا ہے؟ مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بوقت اذان خاموش رہنا مستحب ہے، لہذا بلاضرورت بات نہیں کرنا چاہئے.

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت (قوله لايرد السلام): وقال في المعراج: وفي التحفة: وينبغي للسامع أن لايتكلم ولايشتغل بشيء في حالة الأذان والإقامة ولايرد السلام أيضاً؛ لأن الكل يخل بالنظم، آه.

أقول: يظهر من هذا أن قوله لا يرد السلام ليس للوجوب وأنه يتفرع على القولين (وجوب إجابة الأذان وندبها) وإلا لزم وجوب ذلك في الإقامة مع أن أصل إجابة الإقامة مستحبة، الخ. (رد المحتار: ۳۷۱/۱، باب الأذان، قل باب شروط الصلاة) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

غرہ جمادی الأولیٰ ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۸۳/۲-۲۸۴)

اذان کا جواب دینے کے دوران وقت ہوتو اس میں کلام کرنے کا حکم:

سوال: اگر اتنی لمبی اذان دی جاتی ہو کہ جس میں جواب دینے کے بعد بہت وقت بچتا ہو؛ کیونکہ ایک کلمہ کے جواب میں تین سیکنڈ خرچ ہوتے ہیں اور مؤذن کی ادائیگی ۱۵/۲۰ سیکنڈ ہوتی ہے، تو درمیان میں کوئی کلام کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

اصل چیز اذان کا جواب دینا ہے، اسی وجہ سے فقہا نے اذان کے وقت سلام کرنے سے منع کیا ہے؛ کیونکہ اجابت میں خلل واقع ہوگا۔ لیکن اگر درمیان میں اتنا وقفہ ہے کہ جواب دینے کے بعد وقت بچ جاتا ہے، تو اس وقفہ میں ذکر یا کوئی اور کلام کیا جاسکتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مايقول المؤذن. (رواه البخاري: ۸٦/۱)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

دنیا کی بات اثنائے سکوت مؤذن بھی درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۲۹۰)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

کلمات کے درمیان وقفہ میں یہ امور؛ یعنی سلام وجواب سلام کرلینا جواب دینے کے منافی نہیں۔ (عمدۃ الفقہ: ۴۲/۲)

واللہ اعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۱۰۰/۲-۱۰۱)

اذان کے وقت باتیں کرنے اور وعظ کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) اذان سے پہلے مسجد میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگ باتوں میں مشغول تھے، کہ اذان شروع ہوگئی، اب باتیں بند کر کے اذان کے الفاظ کا جواب دینا ضروری ہے یا باتیں جاری رکھیں؟

(۲) اگر کسی مجمع میں وعظ ہو رہا ہو، اور اذان کی آواز آنے لگے تو اذان کی تکریم میں وعظ بھی بند کرنا چاہئے یا وعظ جاری رکھا جائے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد ایوب خان محلہ شیام گنج مردان......۱۰/صفر ۱۳۹۲ھ)

الجواب

(۱) باتیں جاری رکھنا خلاف سنت کام ہے۔(۱)لأن إجابة الأذان سنة. (۲)

(۲) اگر اس وعظ میں تعلیم دین ہو رہی ہو، تو وعظ کو جاری رکھنا مشروع ہے۔(رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان)(۳)وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۱۷۱/۱)

بیت الخلا میں اذان کا جواب اور درود:

سوال: اگر کوئی شخص بیت الخلا میں ہو اور اسی حالت میں اذان کی آواز آنے لگے، یا مسجد گھر کے قریب ہو اور خطبہ یا بیان کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آجائے تو کیا اس حالت میں اذان کا جواب دیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے گا؟　　(ایک بہن، جگتیال)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: وقال في المعراج: وفي التحفة: و ينبغي للسامع أن لايتكلم ولايشتغل بشيء في حالة الأذان والإقامة ولا يرد السلام أيضاً؛ لأن الكل يخل بالنظم. آه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل باب شروط الصلاة: ۲۹٤/۱)

(۲) قال العلامة ابن نجيم: ومن سمع الأذان فعليه أن يجيب وإن كان جنباً؛ لأن إجابة المؤذن ليست بأذان، وفي فتاویٰ قاضي خان: إجابة المؤذن فضيلة وإن تركها لايأثم وأما قوله عليه الصلاة والسلام: من لم يجب الأذان فلاصلاة له فمعناه الإجابة بالقدم لا باللسان فقط، وفي المحيط: يجب على السامع للأذان الإجابة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲۵۹/۱)

(۳) قال ابن عابدين: (قوله وتعليم علم) أي شرعي فيما يظهر، ولذا عبر في الجوهرة بقراءة الفقه (قوله بخلاف قرآن) لأنه لا يفوت (جوهرة) ولعله؛ لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلا يفوت بالإجابة بخلاف التعلم فعلىٰ هذا لويقرأ تعليماً أو تعلماً لايقطع، سائحاني. (رد المحتار هامش الدر المختار، باب الأذان، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۲۹۲/۱)

الجواب ــــــــــــــــــــ

قضاء حاجت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مکروہ ہے،(۱) اس لئے بیت الخلا میں زبان سے نہ اذان کا جواب دیا جاسکتا ہے اور نہ درود کے الفاظ پڑھے جاسکتے ہیں، دل ہی دل میں جواب دینے اور درود پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۳۴)

بوقت اذان قضاء حاجت کا حکم:

سوال: اذان ہوتے وقت بعض لوگ پیشاب و پائخانہ کی فراغت کے لئے منع کرتے ہیں اس کا کیا شرعی حکم ہے۔

خادم مشتاق احمد (محمد پور صدر اعظم گڑھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جب اذان شروع ہوجائے تو پیشاب پائخانہ میں مشغول ہونا منع ہے، بلکہ باہر ہی رک کر اذان کا جواب دینا چاہئے۔(۲)

اور اگر آدمی بیت الخلا میں ہے، تو وہ اذان کا جواب نہیں دے گا۔

وأجمعوا أن المتغوط لايلزمه الرد فی الحال ولا بعده.(۳) فقط واللہ أعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔۵/۳/۱۴۰۱ھ۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۲۱۷)

---

(۱) عن ابن عمر: أن رجلاًمر ورسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یبول فسلم فلم یردعلیه.(الصحیح لمسلم،باب التیمم (ح:۳۷۰)

قال النووی :فیه أن المسلم فی هذا الحال لایستحق جواباً،وهذا متفق علیه قال أصحابنا:ویکره أن یسلم علی المشتغل بقضاء حاجة البول والغائط فإن سلم علیه کره له ردالسلام،قالوا:ویکره للقاعد علیٰ قضاء الحاجة أن یذکر اللہ تعالیٰ بشیء من الأذکار،قالوا:فلایسبح ولایهلل ولایرد السلام ولایشمت العاطس ولایحمداللہ تعالیٰ إذا عطس ولایقول مثل مایقول المؤذن ،قالوا:وکذلک لایأتی بشیء من هذه الأذکارفی حال الجماع وإذا عطس فی هذه الأحوال یحمداللہ تعالیٰ فی نفسه ولایحرک به لسانه وهذا الذی ذکرناه من کراهیة الذکرفی حال البول والجماع هو کراهة تنزیه لاتحریم فلاإثم علی فاعله.وکذلک یکره الکلام علی قضاء الحاجة بأی نوع کان من أنواع الکلام ویشتثنیٰ من هذا کله موضع الضرورة.(شرح النووی لمسلم،باب التیمم:٦٥/٤.انیس)

(۲) بشرطیکہ پیشاب و پاخانہ کا شدید تقاضہ نہ ہو، ورنہ تقاضہ کی حالت میں اسے پورا کرنا چاہئے۔انیس

ولاینبغی أن یتکلم السامع فی خلال الأذان والإمامة ولایشتغل بقراءة القرآن ولا بشیء من الأعمال سوی الإجابة .(الفتاویٰ الهندیة:٥٧/١)

(۳) البحر الرائق،استقبال القبلة بالأذان والإقامة:٤٤٩/١ـ(کذا فی ردالمحتار،باب الأذان:٣٩٧/١.انیس)

اذان شروع ہونے کے بعد پاخانہ پیشاب کو جانا کیسا ہے:

سوال: اذان شروع ہونے کے بعد پائخانہ پیشاب کو جانا درست ہے، یا جب اذان ختم ہو جاوے اس وقت جاوے؟ اور اگر بہت زور سے آرہا ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اگر ضرورت زیادہ ہو فوراً پوری کرے، انتظار ختم اذان کا نہ کرے اور اگر سخت ضرورت نہیں تو بہتر ہے کہ بعد اذان پوری کرے۔(١) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٢/١٣٠)

اذان کے وقت وضو کرنا کیسا ہے:

سوال (١) اذان ہو رہی ہو، اس وقت وضو کرنا کیسا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ خاموش بیٹھ جاؤ، اذان ہو جائے، پھر وضو کرو، اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہو اور اذان کی آواز سنائی دے، تو کیا ایسی صورت میں تلاوت بند کر کے اذان سننا ضروری ہے، یا تلاوت جاری رکھی جائے؟

(٢) امام کے ساتھ نماز پڑھتے وقت مقتدی سے کوئی غلطی ہو جائے تو کیا امام کے سلام پھیرتے وقت مقتدی کے لئے سجدہ سہو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

(١) وقت میں گنجائش ہو تو اذان کا جواب دے پھر وضو کرنے میں مشغول ہو، اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو اذان کی حالت میں وضو کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، مکان میں تلاوت کرتا ہو تو مستحب یہ ہے کہ اذان سنتے ہی تلاوت موقوف کرے مسجد میں تلاوت کرنے والے کو اختیار ہے بند کرے یا پڑھتا رہے۔(٢)

(٢) اس صورت میں مقتدی سجدۂ سہو نہ کرے؛ ہاں! امام کے سلام کے بعد مسبوق مقتدی (باقی رہی ہوئی نماز کو پوری کرنے میں) کو ایسی غلطی کرے جو موجب سجدۂ سہو ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (٣) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ٣/٣٦-٣٧)

---

(١) ويندب القيام عند سماع الأذان،بزازية.(الدر المختار)

قال الشارح:لم أره فيها فلتراجع نسخة أخرىٰ، نعم رأيت فيها:سمع وهويمشي،فالأفضل أن يقف للإجابة ليكون في مكان واحد.(ردالمحتار،باب الأذان،مطلب في تكرار الجماعة في المسجد:١/ ٣٦٩،جميل الرحمن)

(٢) إجابة المؤذن فضيلة وإن تركها لايأثم .(البحر الرائق،باب إجابة المؤذن: ١/٢٧٣.انيس)

(٣) (السهو باعتبار الإمام والمأموم ويجب على المأموم بسهو الإمام فإن تركه الإمام وافقه المأموم وسهو المأموم لايوجب السجود)لأنه إن سجد هو خالف إمامه وإن سجد الإمام يؤدى إلى قلب الموضوع.(منحة السلوك شرح تحفة الملوك،فصل في السهو: ١/٢٠٠.انيس)

اذان کے بعد دعا-احکام ومسائل

اذان کے بعد دعا کا حکم:

سوال: اذان کے بعد مناجات کیسی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کے بعد دعائے وسیلہ مستحب ہے:

”ویندب القیام عند سماع الأذان ... ویدعو عند فراغه بالوسیلة لرسول صلی اللّٰه علیه وسلم“.(الدر المختار: ۱/۴۱۳)(۱) فقط و اللّٰه تعالیٰ أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور-۹/۱۰/۱۳۵۹ھ-

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/۱۰/۱۳۵۹ھ-صحیح: عبد اللطیف-۹/۱۰/۱۳۵۹ھ-(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۳۱)

اذان کے بعد کی دعا مانگنے کا فائدہ:

سوال: اذان کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے، اس میں ہے ”وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدتَّهٗ“ الخ، جب یہ بات یقینی ہے کہ مقام محمود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو ملنا ہے، تو پھر دعا کی کیا ضرورت ہے؟

(سائل: مولوی عبید اللہ شجاع آبادی، متعلم الافتاء خیر المدارس، ملتان)

---

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۱/۳۹۷-۳۹۸، سعید

”عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ”من قال حین یسمع النداء: ” اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ“، حلت له شفاعتی یوم القیامة “.(رواه البخاری)

”دلالة أحادیث الباب علی الباب ظاهرة، والأمر محمول علی الاستحباب“.(إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب الدعاء للنبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم بعد الأذان والصلاة علیه: ۲/۱۱۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراچی)

أخرجه البخاری فی باب الدعاء عند النداء (ح: ٦١٤)/وابن ماجة فی باب مایقال إذا أذن المؤذن (ح: ٧٢٢)/ وأبوداؤد، فی باب ماجاء فی الدعاء عند الأذان (ح: ٥٢٩)/والترمذی فی باب منه أیضًا (ح: ٢١١)/وابن أبی عاصم فی السنة فی باب أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال، الخ (ح: ٨٢٦)/والنسائی فی باب الدعاء عند الأذان (ح: ٦٨٠)انیس)

الجواب

ہمارے دعا مانگنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس دعا پر جس ثواب کا وعدہ ہے، وہ ہمیں حاصل ہو جائے گا۔

عن جابر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: "من قال حین یسمع النداء "اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلاَۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہُ"، حلت لہ شفاعتی یوم القیامۃ". (رواہ البخاری)(۱)(مراقی)

وفائدۃ ھذا الدعاء مع تحقق مدلولہ علیہ الصلاۃ والسلام الامتثال أو ترتب الثواب الموعود لقائلہ آہ. (حاشیۃ الطحطاوی، ص: ۱۱۱) فقط واللّٰہ أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ ۱۴۰۳/۹/۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۳۱)

اذان کے بعد دعا میں "والدرجۃ الرفیعۃ" اور "وارزقنا شفاعتہ" کا اضافہ:

سوال: اذان کی دعا میں بعد "والفضیلۃ" کے "والدرجۃ الرفیعۃ" اور بعد "وعدتہ" کے "وارزقنا شفاعتہ" اکثر لوگ پڑھتے ہیں، کیا ان کلمات کی کوئی اصل ہے؟

الجواب

اذان کے بعد دعائے مسنون یہ ہے۔

" اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلاَۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہُ ". (کذا فی البخاری، ص: ۸۶)(۲)

اور "وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ" اور "وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" کا ثبوت نہیں۔ ہاں آخر میں "اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ" بیہقی کی ایک روایت میں آیا ہے۔ (کذا فی الشامی: ۲/ ۶۸)(۳)

پس غیر ثابت الفاظ کو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں، پڑھ لے، تو مضائقہ بھی نہیں۔ فقط (کفایت المفتی: ۳/۶۰، ۶۱)

(۱-۲) أخرجہ البخاری فی باب الدعاء عند النداء (ح: ۶۱۴)، وأصحاب السنۃ کما تقدم. انیس

(۲) وروی البخاری وغیرہ: "من قال: حین یسمع النداء "اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ" الخ، قال ابن حجر فی شرح المنھاج: وزیادۃ "وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ" وختمہ بـ "یا أرحم الراحمین" لا أصل لھما ". (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراھۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد: ۱/۳۹۸، ط: سعید کمپنی)

وحذف من أصلہ وغیرہ (والدرجۃ الرفیعۃ) وختمہ بـ یا أرحم الراحمین؛ لأنہ لا أصل لھما. (تحفۃ المحتاج فی شرح المنھاج، فصل فی الأذان والإقامۃ: ۱/۴۸۲)

دعا بعد الاذان میں ’’وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ‘‘ کے الفاظ کا ثبوت:

سوال: اکثر مؤذنین سے سنا گیا ہے کہ وہ اذان کے بعد دعا میں، ’’وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ کے الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں، کیا یہ الفاظ احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں یا نہیں؟

الجواب

مستند اور معتبر کتب حدیث میں اذان کے بعد کی دعا ان الفاظ سے مروی ہے۔

’’اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّهُ‘‘، امام بیہقی نے ’’اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ‘‘ کی زیادتی نقل فرمائی ہے، اس کے علاوہ اس دعا میں دیگر الفاظ کی زیادتی بے اصل ہے، ان کو نہیں پڑھنا چاہئے۔

لما قال العلامة ابن عابدين: وروى البخارى وغيره: ’’من قال: حين يسمع النداء ’’اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّهُ‘‘ حلت له شفاعتى يوم القيامة وزاد البيهقى ’’اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ‘‘. وتمامه فى البحر والفتح وقال ابن حجرفى شرح المنهاج وزيادة ’’والدرجة الرفيعة‘‘ وختمه بـ ’’يأرحم الراحمين‘‘ لا أصل لهما. (رد المحتار: ۳۹۸/۱، باب الأذان) (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۶۱/۳)

دعا بعد الاذان میں ’’وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ‘‘ کے الفاظ احادیث میں منقول نہیں:

سوال: اذان کے بعد جو دعا معروف ہے، اس کے بارے میں تحقیق مطلوب ہے کہ اس کے صحیح الفاظ کیا ہیں؟ بالخصوص ’’وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ‘‘ کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ یہ الفاظ درست ہیں یا نہیں اور انہیں پڑھنے سے ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب

تمام معتبر ومستند کتب حدیث میں یہ دعا بایں الفاظ منقول ہے:

’’أَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَهُ‘‘، بیہقی نے اس کے آخر میں ’’اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ‘‘ کی زیادتی بھی کی ہے۔

(۱) قال الشيخ خليل أحمد السهارنفورى: وأما زيادة ’’والدرجة الرفيعة‘‘ المشتهرة على الألسنة، فقال السخاوى: لم أره فى شىء من الروايات وزاد البيهقى فى رواية ’’اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ‘‘ وأما زيادة ’’ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ‘‘ فلا وجود لها فى كتب الحديث. (بذل المجهود: ۳۰۲/۱، باب ما جاء فى الدعاء عند الأذان) ==

علامہ شامی نے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس دعا میں ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' کا لفظ اور ایسے ہی اس کے اختتام پر ''يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' کہنا بے اصل ہے۔ ولفظه:

وروى البخارى وغيره: من قال حين يسمع النداء: ''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِىْ وَعَدْتَّهُ''. حلت له شفاعتى يوم القيامة، وزاد البيهقى ''اِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' وتمامه فى الإمداد والفتح، وقال ابن حجر فى شرح المنهاج: وزيادة ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' وختمه بِ'' يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' لا أصل لهما، آه. (ردالمحتار: ۳۷۰/۱)(۱)

علامہ سخاویؒ سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔

وأما زيادة ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' المشتهرة على الألسنة، فقال السخاوى: لم أره فى شىء من الروايات وزاد البيهقى فى رواية ''اِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' وأما زيادة '' يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' فلا وجود لها فى كتب الحديث. (بذل المجهود فى حل أبى داؤد: ۳۰۲/۱)(۲)

مسنون الفاظ پر اضافہ کر کے پڑھنے سے دعاء مسنون کی برکت حاصل نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۸/۴/۱۴۰۶ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۱۷-۲۱۸)

اذان کی دعا میں زیادتی:

سوال: اذان کی دعا میں ''والفضيلة'' کے بعد ''الدرجة الرفيعة'' اور بعد ''وعدته'' کے ''وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ'' بڑھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

''الدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' اور ''وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' کا ثبوت نہیں ہے، پس غیر ثابت الفاظ کو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھے تو مضائقہ بھی نہیں۔ (کفایت المفتی: ۳/۲۱)

---

(۱) قال العلامة ابن حجر: وليس فى شىء من طرقه ذكر ''الدرجة الرفيعة'' وزاد الرافعى فى المحرر فى آخره ''يا أرحم الراحمين'' وليست أيضاً فى شىء من طرقه. (التلخيص الحبير، باب الأذان: ۵۱۸/۱-۵۱۹، دار الكتب العلمية. انيس)

(۱) قال السخاوى: حديث: الدرجة الرفيعة، المدرج فيما يقال بعد الأذان، لم أره فى شىء من الروايات. (المقاصد الحسنة، حرف الدال المهملة: ۳٤۳/۱)

والرواية أخرجه البيهقى فى السنن الصغير فى باب مايقال إذا سمع المؤذن يؤذن ويقيم (ح: ۲۹٦)/ وفى السنن الكبرىٰ فى باب مايقال إذا فرغ من ذلك. وقال: رواه البخارى فى الصحيح عن على بن عياش (ح: ۱۹۳۳) انيس)

یہ موقع انفرادی دعا کا ہے اور فرائض کے بعد کا موقعہ اجتماعی دعا کا موقعہ ہے اور عوام سے غیر ثابت کلمات کے بارے میں عدم اعتقاد کی توقع رکھنا مشکل ہے، بلکہ وہ تو اس کو مسنون ہی سمجھیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴۴/۵)

دعائے اذان میں بعض اضافی الفاظ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کی دعا میں ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ'' وغیرہ بعض الفاظ کی زیادت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: عبداللہ تورڈ حیر صوابی)

الجواب

چونکہ یہ زیادتی احادیث مرفوعہ میں نہیں پائی گئی ہے، البتہ فقہاء کرام نے اس کو ذکر کیا ہے، لہٰذا ماثور پر اکتفا کرنا اور زیادتی پر اعتراض نہ کرنا اعتدال ہے۔ (۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۰۳/۲)

اذان کے بعد دیگر کلمات کا ذکر واذکار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کے بعد دعائے مسنونہ کے علاوہ دیگر ذکر واذکار یا کلمہ طیبہ کا اگر کوئی شخص ورد کرے، تو کیا اس کو بدعت کہا جا سکتا ہے، اور کیا اس شخص کو اس سے منع کرنا جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ظہو احمد متعلم دار العلوم حقانیہ......۵/محرم/۱۴۰۳ھ)

---

(۱) وفی منهاج السنن: ثبت أذكار بعد التأذين، منها الصلاة على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كما فى حديث عبد الله بن عمرو عند مسلم. وقال ابن القيم: الأفضل صلاة التشهد، ومنها دعاء الوسيلة وهو ''أَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَهُ''. رواه البخارى.

قال الحافظ: وزيادة ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' ليس لها أصل.

وقال السخاوى: لا أصل لها.

وفى معارف السنن: وردت هذه الزيادة عند ابن السنى فى عمل اليوم والليلة، وذكرها الشاه ولى الله فى حجة الله البالغة وزيادة قوله ''اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' ثابتة فى السنن الكبرىٰ للبيهقى بسند قوى، وأما زيادة ''وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ'' فلا أصل لها أيضاً وكذا لم يثبت فى شىء من طرقه زيادة ''يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' كما فى التلخيص. (التلخيص الحبير، باب الأذان: ۱/۵۱۸-۵۱۹، دارالكتب العلمية)/ منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما يقول إذا أذن المؤذن: ۸٦/۲) (تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، فصل فى الأذان والإقامة: ٤٨٢/۱)/ المقاصد الحسنة، حرف الدال المهملة: ۳٤۳/۱)/ والرواية أخرجه البيهقى فى السنن الكبرىٰ فى باب مايقال إذا فرغ من ذلك. وقال: رواه البخارى فى الصحيح عن على بن عياش (ح: ۱۹۳۳) انيس)

الجواب

ذکر مندوبہ کے علاوہ دیگر ذکر نہ مندوب ہے اور نہ ممنوع ہے، ایسے مفتیوں پر تعجب ہے کہ حرمت کو خود بخود ثابت کرتے ہیں، حالانکہ "الأصل فی الأشیاء الإباحة".(١)وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:٢/١٨٤)

اذان کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے:

سوال: اذان سے متصل بعد جہر سے درود شریف پڑھنے کا ثبوت قرآن وسنت یا ائمہ اربعہ کے اقوال میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر ایسا نہیں، تو کیا اس بدعت کو بند کرنا علما پر فرض نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد جان شنکیاری مانسہرہ......٩/١٢/١٩٧٢ء)

الجواب

اذان کی اجابت کے بعد درود شریف پڑھنا مندوب اور مستحب ہے۔

لحدیث رواہ مسلم:"إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علی فإنه من صلی علی،الحدیث.(مشکوٰۃ المصابیح: ص:٦٨)(٢)

قلت: والإجابة مثل عین الأذان،فالظاھر أن حکمھما واحد فیستحب للمؤذن أن یصلی و یجیب لا علی الجھر ولو جھر فلا یستحق الملام إلا عند الالتزام.(٣) **فافھم وتدبر وھو الموفق**

(فتاویٰ فریدیہ:١/١٨٠)

---

(١) قال العلامة ابن عابدین رحمه الله:(قوله فالتعریف بناء علیه)أی علیٰ أن الأصل الإباحة.أقول:ھذا الجواب نافع فیما سکت عنه الشارع وبقی علی الإباحة الأصلیة،أما ما نص علیٰ إباحته أو فعله علیه الصلاة والسلام فلا ینفع،وقد نص فی التحریر علیٰ أن المباح یطلق علیٰ متعلق الإباحة الأصلیة کما یطلق علیٰ متعلق الإباحة الشرعیة.

فالأحسن فی الجواب أن یقال: المراد بقوله فی التعریف ما ثبت ثبوت طلبه لا ثبوته شرعیته والمباح غیر مطلوب الفعل وإنما ھو مخیر فیه.(ردالمحتار علی ھامش الدر المختار، کتاب الطھارة، مطلب المختار أن الأصل فی الأشیاء الإباحة:١/٧٨)

(٢) عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص أنه سمع النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یقول:"إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علیّ فإنه من صلی علیّ صلاة صلی اللّٰه علیه بھا عشرًا ثم سلوا اللّٰه لی الوسیلة فإنھا منزلة فی الجنة ولا تنبغی إلا لعبد من عباد اللّٰه وأرجوا أن أکون أنا ھو،فمن سأل لی الوسیلة حلت له الشفاعة".(مشکوٰۃ،باب فضل الأذان وإجابة المؤذن)(الصحیح لمسلم،کتاب الصلاة،باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح:٣٨٤)انیس)

(٣) قال العلامة الشامی:أن تخصیص الذکر بوقت لم یرد به الشرع غیر مشروع.(رد المحتار ھامش الدر المختار، باب العیدین:١/٦١٣)

اذان واقامت کے درمیان میں درود پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اقامت واذان میں مؤذن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود پڑھے یا بہتر کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

مؤذن کو درمیان اذان واقامت حکم درود شریف پڑھنے کا نہیں ہے اور ایسا ثابت نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۴-۹۵)

جمعہ کی اذانِ ثانی کے بعد دعا:

سوال: اجابتِ اذانِ ثانی جمعہ وبعد دعا ''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ'' الخ، خواندن جائز است یا نہ؟(۱)

الجواب ــــــــــــــــــــــ

صحیح این است کہ اجابتِ اذان ثانی جمعہ مکروہ است وہم چنیں دعائے ماثورہ ''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ'' الخ. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۹-۱۰۰)

خطبہ کی اذان کے بعد دعا:

سوال: خطبہ کی اذان کے بعد دعا مانگی جائے گی کہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

خطبہ کی اذان کا جواب زبان سے دینا یا اذان کے بعد دعا پڑھنا مناسب نہیں ہے، البتہ دل ہی دل میں پڑھ لے۔ **کذا فی الشامی**، (۳) اذان ثانی کے بعد دعا پڑھنا بھی اسی قبیل سے ہے، نیز حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر وغیرہ امام کے خطبہ کے لئے نکلنے کے بعد نماز پڑھنے اور کسی طرح کی گفتگو کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (۴)

(فتاویٰ قاضی مجاہد الاسلام: ۷۷-۷۸)

---

(۱) ترجمہ سوال: جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا اور اس کے بعد دعا ''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ'' الخ، پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
ترجمہ جواب: صحیح یہ ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب دینا اور دعائے ماثورہ ''اللّٰهم رب هذه الدعوة'' الخ، مکروہ ہے۔ انیس

(۲-۳) وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدى الخطيب. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب الأذان: ۱/۳۷۱، ظفير (قبل باب شروط الصلاة)

وإجابة الأذان حينئذٍ مكروهة. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱/۷٦۹، ظفير)

(۴) المصنف لأبى بكر بن أبى شيبة: ۱/۴۵۷-۴۵۸.

(عن ابن عباس وابن عمر: أنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام يوم الجمعة بعد خروج الإمام. (أيضاً (ح:۵۲۹۷)

عن ثعلبة بن مالك القرظى قال: أدركت عمر وعثمان فكان الإمام إذا خرج يوم الجمعة تركنا الصلاة فإذا تكلم تركنا الكلام. (مصنف ابن أبى شيبة، فى الكلام إذا صعد الإمام المنبر (ح:۵۲۹٦) انيس) ==

اذان خطبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

سوال: جمعہ کی اذان ثانی کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

خطبہ کی اذان کے بعد امام ابوحنفیہ دعا کرنے کو منع کرتے ہیں، اگرچہ صاحبین اجازت دیتے ہیں، اس لئے اگر دعا ہی کرنا ہو تو بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا کرنی چاہیئے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۶ رمحرم الحرام ۱۳۷۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۱۶/۲)

== عن عبداللّٰہ قال: كفى لغوًا إذا صعد الإمام المنبر، أن تقول لصاحبک: أنصت. (أيضا (ح:٥٢٩٢)

عن أبي هريرة قال: إذا قلت لصاحبک أنصت فقد لغوت. (أيضاً (ح:٥٢٩٥)

عن أبى الهيثم قال: سلمت على إبراهيم والإمام يخطب يوم الجمعة فلم يرد على، وقال حسين: صل إن الكلام يكره. (أيضاً، (ح:٥٢٦٨)

عن إبراهيم قال: قلت لعلقمة متى يكره الكلام يوم الجمعة؟ قال: إذا صعدالإمام المنبر وإذا خطب الإمام وإذا تكلم الإمام. (أيضاً (ح:٥٢٩٣) انیس)

(۱) امام کے منبر پر خطبہ کے لئے جانے کے بعد سے خطبہ ختم ہونے تک کوئی ایسا کام کرنا جس سے خطبہ سننے میں خلل ہو، ممنوع ہے، اس لئے کہ خطبہ کا سننا واجب ہے اور جو عمل اداء واجب میں مخل ہو، وہ ممنوع ہے۔ اسی لئے دوران خطبہ بات کرنا منع ہے، امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین اس پر متفق ہیں کہ کلام دنیاوی ممنوع ہے۔ صاحبین اور امام صاحب اپنے ایک قول کے مطابق کلام دینی مثلاً تسبیح، اذکار اور کلمات اذان جیسی چیزوں کو جو خطبہ سننے میں مخل نہیں ہوتے، حکم ممانعت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے جائز قرار دیتے ہیں۔ اذان کے بعد کی دعا کلام دنیاوی نہیں اور سماع خطبہ میں مخل بھی نہیں، اس لئے باتفاق یہ دعا پڑھی جاسکتی ہے، البتہ اس خاص موقع پر دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے دعا پڑھ لینی چاہیئے [مجاهد]

وفي النهاية: اختلف المشائخ علىٰ قول أبي حنيفة قال بعضهم: إنما يكره ما كان من كلام الناس أما التسبيح و نحوه فلا، وقال بعضهم: كل ذلک مكروه والأول أصح اهـ وكذا في العناية. (البحر الرائق، باب الجمعة: ١٦٨/٢)

ومن ثمة قال في البرهان: وخروجه قاطع للكلام أي كلام الناس عند الإمام، اهـ، فعلم بهذا أنه لا خلاف بينهم في جوازغيرالدنيوي على الأصح. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، باب الجمعة: ٢٨٢)

لأن الحرمة الكلام إنما باعتبار الإخلال بفرض الاستماع لكونه في نفسه مباحا ولا استماع فلا إخلال في هذين الوقتين بخلاف الصلاة فإنها قد تمتد فتفضي إلى الإخلال. (العناية شرح الهداية علىٰ شرح فتح القدير: ٦٧/٢)

ويحمل الكلام الوارد في الأثرعلى الدنيوي ويشهد له ما أخرجه البخاري أن معاوية أجاب المؤذن بين يديه فلما أن قضى الأذان قال: يأيها الناس إني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم علىٰ هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ما سمعتم من مقالتي. (حاشية الطحطاوي باب الجمعة، ص: ٢٨٢)

اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں:

سوال: بعد الاذان عند الدعاء رفع یدین ثابت ہے یا نہیں۔ اگر جواب عدم میں ہو تو بخاری شریف میں جو حدیث ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

"إذا دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه" الحديث. (۱)

(المستفتی نمبر: ۱۹۶۱، محمد انصار الدین صاحب ۲۵/ شعبان ۱۳۵۶ھ/ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے کا کوئی خاص ثبوت نہیں، پس عموم سے استدلال کر کے ہاتھ اٹھانا اور خصوصی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر نہ اٹھانا دونوں باتیں جائز ہیں۔ (۲) فقط (کفایت المفتی: ۳/ ۵۴)

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

سوال: اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا کیسا ہے اس کا کچھ ثبوت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اذان کے بعد جو الفاظ ادا کیے جاتے ہیں وہ دعا کے الفاظ ہیں اور رفع یدین آداب دعا میں سے ہے؛ اس لئے ہاتھ اٹھانے میں مضائقہ نہیں۔ (۳) (کفایت المفتی: ۳/ ۴۷)

(۱) الصحيح للبخاری، باب الدعاء عند الوضوء (ح: ٦٣٨٣) انیس

(۲-۳) الأفضل فی الدعاء أن يبسط كفيه ويكون بينهما فرجة وإن قلت، الخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، باب الرابع فی الصلوٰة والتسبيح والذكر والدعاء: ٣١٨/٥، مكتبة ماجدية، كوئٹہ)

عن أبی موسیٰ الأشعری قال: دعا النبی صلى الله عليه وسلم بماء فتوضأ به ثم رفع يديه فقال: اللّٰهم اغفر لعبيد بن أبی عامر، ورأيت بياض إبطيه، فقال: اللّٰهم اجعله يوم القيامة فوق كثير من خلقک من الناس. (الصحيح للبخاری، باب الدعاء عند الوضوء (ح: ٦٣٨٣) انیس)

قال ابن عمر: رفع النبی صلى الله عليه وسلم يديه وقال: اللّٰهم إنی أبرأ إليک مما صنع خالد. (الصحيح للبخاری، باب بعث النبی صلى الله عليه وسلم خالد بن الوليد (ح: ٤٣٣٩)

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة، قالوا: فماذا نقول يا رسول الله؟ قال: سلوا الله العافية فی الدنيا والآخرة. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی العفو والعافية (ح: ٣٥٩٤)

عن سلمان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن ربكم تبارک وتعالیٰ حیّ كريم يستحيی من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفرًا. (سنن أبی داؤد، باب الدعاء (ح: ١٤٨٨)/ سنن الترمذی، باب (ح: ٣٥٥٦)/ سنن ابن ماجة، باب رفع اليدين فی الدعاء (ح: ٣٨٦٥) انیس)

بعد اذان ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں:

سوال: بعد اذان رفعِ یدین کر کے مناجات کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب

خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر رفعِ یدین ثابت نہیں ہے، اگرچہ عموماً دعا میں رفعِ یدین کا مستحب ہونا اس کے استحباب کو بھی مقتضی ہے، (۱) مگر معمول نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۱۰) ☆

اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وفقہاء شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعا مانگنا ہاتھ اٹھا کر بعد اذان کے کیسا ہے؟

الجواب

بالتخصیص دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا تو نہیں دیکھا گیا، (۲) مگر مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانا احادیث قولیہ فعلیہ مرفوعہ وموقوفہ کثیرہ شہیرہ سے ثابت ہے۔ **من غیر تخصیص بدعاء دون دعاء.**

پس دعا اذان میں بھی ہاتھ اٹھانا سنت ہوگا۔ (۳)

---

(۱) عن أبی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رفع يديه بعدماسلم وهو مستقبل القبلة فقال: اللّٰهم خلص الوليد بن الوليدوعياش بن أبی ربيعة وسلمة بن هشام وضعفة المسلمين الذين لايستطيعون حيلة ولايهتدون سبيلاً من أيدی الكفار. (تفسير بن أبی حاتم، قوله تعالیٰ: من يهاجر فی سبيل الله (ح: ٥٨٧٢): ١٠٤٨/٣. انيس)

☆ **اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مسنون ہے یا نہیں:**

سوال: اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھے، مسنون کیا ہے؟

الجواب

ہر طرح درست ہے، عمل بلا رفع یدین ہے۔ (ويدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم (الدر المختار) أی بعد أن يصلی علی النبی صلى الله عليه وسلم لمارواه مسلم، الخ. (رد المحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ٣٧٠/١، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۵)

(۲) یعنی کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا۔ سعید پالنپوری

(۳) یہ مطلب نہیں کہ افضل ہوگا، بلکہ یہ مطلب ہے کہ سنت کے خلاف نہ ہوگا، باقی ظاہراً افضل عدم رفع معلوم ہوتا ہے، **لعدم النقل** - منہ شفیع (یہ بیان اس کے معارض ہے جو کہ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کے الامداد میں بسلسلہ ترجیح الراجح بجواب سوال متعلق بدعاء بعد صلوٰۃ العیدین لکھا گیا ہے، غور کر لیا جائے۔) (قوسین کی عبارت کا اضافہ تصحیح الاغلاط صفحہ: ۱۷ سے لیا گیا ہے۔ (نوٹ اس سلسلہ میں اگلے صفحہ پر (''اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا'' میں) بحث آرہی ہے۔ سعید پالنپوری

لإطلاق الدلائل: عن أنس. رضی اللّٰه عنه. قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یرفع یدیه فی الدعاء حتٰی یری بیاض إبطیه.

وعن السائب بن یزید عن أبیه. رضی اللّٰه عنهما.: "أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان إذا دعا فرفع یدیه فمسح وجهه بیدیه". (رواهما البیهقی)(۱)

وعن عکرمة عن ابن عباس - رضی اللّٰه عنهما - قال: المسئلة أن ترفع یدیک حذو منکبیک أونحوها" الحدیث، رواه أبوداؤد. (۲) کلها فی المشکوٰة، کتاب الدعوات وراء ها أحادیث متکاثرة متوافرة فی هٰذا الباب یفضی ذکرها إلی الإطناب.

۲۷/ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ (امداد، صفحہ: ۹۸، جلد: ۱) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۱۶۱-۱۶۲) ☆

---

(۱) الدعوات الکبیر للبیهقی، باب مایستحب للداعی من رفع الیدین فی الدعاء (ح: ۳۰۸)/وأبوداؤد الطیالسی، ثابت البنانی عن أنس بن مالک (ح: ۲۱۶۰)

عن السائب بن یزید عن أبیه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان إذا دعا فرفع یدیه، مسح وجهه بیدیه. (سنن أبی داؤد، باب الدعاء (ح: ۱۴۹۲)/الدعوات الکبیر للبیهقی، باب مایستحب للداعی من رفع الیدین فی الدعاء (ح: ۳۱۰) انیس)

(۲) سنن أبی داؤد، باب الدعاء (ح: ۱۴۸۹)/الدعوات الکبیر للبیهقی، باب مایستحب للداعی من رفع الیدین فی الدعاء (ح: ۳۱۳)/شرح السنة للبغوی، باب رفع الیدین فی الاستسقاء (ح: ۱۱۶۴) انیس)

☆ اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا:

سوال: حضور نے امدادالفتاویٰ جلد اول مطبوعہ صفحہ ۹۸ کے منہیہ میں لکھا ہے کہ اذان کے بعد دعا کے وقت عدم رفع ید افضل ہے، حالانکہ کسی حدیث سے عدم رفع ید بوقت دعائے اذان ثابت نہیں ہے، نہ قولاً نہ فعلاً اور اگر یہ کہا جائے کہ اذان کی دعا والی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اظہار دعائے مسنونہ وفضیلت دعا بتانا مقصود ہے، نہ کیفیت؛ جیسا کہ ترجمۃ الباب اور الفاظ حدیث سے ظاہر ہے اور کیفیت دعا میں مستقل حدیثیں موجود ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا بطریقہ شرع مستحب وافضل ہے۔

چنانچہ ابن ماجہ، صفحہ: ۸۴، باب من کان لایرفع یدیه فی القنوت میں ہے:

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: " إذا دعوت اللّٰه فادع بباطن کفیک ولا تدع بظهورهما فإذا فرغت فامسح بهما وجهک". (رقم الحدیث: ۱۱۸۱: ۱/۳۷۳، دارإحیاء الکتب العربیة. انیس)

پس جبکہ قولی مطلق سے مطلق رفع ید کی فضیلت ثابت ہے، تو اگر کسی حدیث فعلی سے عدم رفع ید عندالاذان کی فضیلت ٹھہرائی جائے، تو اصول فقہ کے دو قاعدوں سے خلاف لازم آئے گا۔ پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر حدیث قولی وفعلی مقابل ہوں تو حدیث قولی کو ترجیح دینا چاہئے۔

==

== دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فعل کی جہت معلوم ہو اس فعل میں اسی جہت کے ساتھ اقتدا کی جائے اور جس کی جہت نہ معلوم ہو اس کو اباحت پر محمول کریں گے اور یہ ظاہر ہے کہ عدم رفع ید کی جہت غیر معلوم ہے، لہٰذا حدیث فعلی سے عدم رفع ید کا مباح ہونا ثابت ہوا اور حدیث قولی سے رفع ید کا مستحب و افضل ہونا ثابت ہوا۔ پہلے قاعدہ کی عبارت نہیں نکل سکی، اس لئے اس کو نقل نہیں کرتے اور دوسرے قاعدہ کی یہ عبارت ہے۔

فی نور الأنوار: ٢١٣، مبحث أفعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

والمصنف ترک ھٰذا کلہ وبین ما ھو المختار عندہ فقال: والصحیح عندنا أن علمنا من أفعالہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واقعًا علیٰ جھۃ من الوجوب أو الندب أو الإباحۃ نقتدی بہ فی إیقاعہ علیٰ تلک الجھۃ حتی یقوم دلیل الخصوص فماکان واجبًا علیہ یکون واجبًا علینا وماکان مندوبًا علیہ یکون مندوبًا علینا و ماکان مباحًا علیہ یکون مباحًا لنا ومالم نعلم علیٰ أیۃ جھۃ فعلہ قلنا فعلہ علیٰ أدنیٰ منازل أفعالہ و ھو الإباحۃ.

اب اس صورت میں عدم رفع ید کو افضل سمجھا جائے یا رفع ید کو؟ امید ہے کہ جواب سے خاکسار کے شک کو رفع فرمائیں گے؟

الجواب

مجھ کو تتبع روایات کی فرصت نہیں، اس لئے درایت سے جو سمجھا ہوں، اس کو نقل کرتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ کسی محقق سے تنقید کرالی جاوے، اگر کسی دلیل سے اس کا خطا ہونا معلوم ہو، مجھ کو بھی اطلاع کردی جاوے۔ میں یہ سمجھا ہوں کہ دعائیں دو قسم کی ہیں، ایک وقتی حاجت مانگنا بدون توظیف الفاظ کے، احادیث رفع یدین اس کے متعلق ہیں، دوسری ادعیہ موظفہ خواہ جوامع ہوں، خواہ موقت ہوں، احادیث رفع اس کے متعلق نہیں، إلاما ورد فیہ بالخصوص، اول میں رفع ید افضل ہے اور عدم رفع مباح دوسری میں عدم رفع افضل ہے اور رفع مباح اور ہر دعا میں رفع کو افضل کہنا بہت مستبعد ہے، بعض میں تو نفی رفع کی قریب قریب مصرح ہے۔

مثلاً: منکوحہ کی اول خلوت میں یا اشتراء رقیق یا دابہ میں وارد ہے۔

فلیأخذ بناصیتھا ولیقل: اَللّٰھُمَّ إِنِّیٓ أَسْئَلُکَ، الخ.

(عبداللّٰہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا أفاد أحدکم امرأۃ أو خادماً أو دابۃ فلیأخذ بناصیتھا ولیقل: اللّٰھم إنی أسئلک من خیرھا وخیر ما جبلت علیہ وأعوذبک من شرھا وشر ماجبلت علیہ. (سنن ابن ماجۃ، باب مایقول الرجل إذا دخلت علیہ أھلہ (ح: ١٩١٨) انیس)

"**أخذ ناصیۃ**" ظاہر ہے کہ رفع کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا؟

یا مثلاً جماع کے وقت:

"**اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ**". **الخ.**

(عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لو أن أحدھم إذا أراد أن یأتی أھلہ قال: باسم اللّٰہ، اللّٰھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا فإنہ لایقدر بینھما ولد فی ذلک لم یضرہ شیطان أبداً. (الصحیح لمسلم، باب مایستحب أن یقولہ عندالجماع (ح: ١٤٣٤) انیس) ==

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

سوال: اذان کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مستحب یا سنت نہیں اور نفس اباحت میں کلام نہیں؛ جب کہ ضروری سمجھنے والوں سے خلط نہ ہو۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔۲/۸/۱۴۱۱ھ۔

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی / محمد ظفیر الدین مفتاحی / کفیل الرحمٰن۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۲۱۵-۲۱۶)

== اس وقت رفع ید کیسے ہوگا؟

یا مثلاً انزال کے وقت:

"اللّٰهُمَّ لاَ تَجْعَلْ لِلشَّيْطَانِ، الخ. علٰى هٰذا. والله أعلم

(امام العصر علامہ انورشاہ صاحب کی رائے بھی یہ ہے کہ اذان کی دعا میں عدم رفع مسنون ہے۔

المسنون فی هذا الدعاء أن لاترفع الأيدی؛ لأنه لم يثبت عن النبی صلی الله عليه وسلم رفعها، الخ. (فيض الباری:۲/ ١٦٧)

اور آپ نے بھی نیل الفرقدین، ص:۱۳۳، میں حضرت تھانوی کی تحقیق کے قریب قریب تحقیق بیان فرمائی ہے، جسے فیض الباری (۲/۱۶۷) میں نقل کیا گیا ہے:

ماملخصه: أكثر دعاء النبی صلی الله عليه وسلم كان علٰى شاكلة الذكر، لايزال لسانه رطباً به، ويبسطه علی الحالات المتواردة علی الإنسان ... ومثل هذا فی دوام الذكر علی الأطوار لاينبغی له أن يقصر أمره علی الرفع، الخ.

احقر عرض کرتا ہے کہ اذان کے بعد کا وقت احادیث میں "محل اجابت دعا" میں شمار کیا گیا ہے اور اپنی حاجات کے لئے دعا کرنے کا امر بھی وارد ہوا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو: قال رجل: يا رسول الله إن المؤذنين يفضلوننا فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم: قل كما يقولون، فإذا انتهيت فسل تعط". (رواه أبو داؤد، باب ما يقول إذا سمع المؤذن (ح: ٥٢٤)/ مسند الإمام أحمد، أول مسند عبدالله بن عمرو بن العاص (ح: ٦٦٠١)

لہٰذا اگر کوئی شخص اذان کے بعد صرف دعاء ماثورہ پڑھنا چاہتا ہو، تو عدم رفع افضل ہے جیسا کہ حضرت مجیب اور علاّمہ کشمیری کی رائے ہے، لیکن اگر کسی کو دعاء ماثورہ کے علاوہ اپنی حاجات کے لئے بھی دعا کرنا ہے، تو اس کے لئے رفع ید افضل ہے، اسی قاعدہ سے جو حضرت مجیب نے ذکر فرمایا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم (سعید احمد)

۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ (النور، ص: شعبان ۱۳۴۹ھ) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۶۲-۱۶۴)

(۱) المسنون فی هذا الدعاء أن لا ترفع الأيدی؛ لأنه لم يثبت عن النبی صلی الله عليه وسلم رفعها ==

ہاتھ اٹھا کر اذان کی دعا اور اس سے پہلے بسم اللہ:

سوال: اذان کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے، وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد ہاتھ اٹھا کر پڑھی جائے، یا بغیر ہاتھ اٹھائے پڑھ سکتے ہیں؟ (احمد سعید صابری، منچریال)

الجواب

میرے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں، جس میں اذان کے بعد کی دعا سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہو، دوسرے مواقع پر یہ بات تو ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرماتے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلقین بھی کی ہے، لیکن دعا سے پہلے خاص طور پر بسم اللہ پڑھنا غالباً منقول نہیں، اس لئے اس موقع سے صرف اذان کی دعا پڑھنے پر اکتفا کریں، جہاں تک اس دعا میں ہاتھ اٹھانے کی بات ہے تو جو دعائیں خاص مواقع (احوال متواردہ) سے متعلق ہیں، جیسے کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا، اسی طرح اذان کے بعد کی دعا، ان دعاؤں میں میرے حقیر علم کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اٹھانا منقول نہیں، اس لئے اذان کے بعد کی دعا صرف زبان سے پڑھنی چاہئے، کیونکہ اصل مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں ہی دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۴۵) ☆

== والتشبث فيه بالعمومات بعدماورد فيه خصوص فعله صلى الله عليه وسلم لغو فإنه لم يرد فيه خصوص عادته صلى الله عليه وسلم لنفعنا التمسك بها وأما إذا نقل إلينا خصوص الفعل فهو الأسوة الحسنة لمن كان يرجو الله والدار الآخرة وينبغي لمن أراد أن يستن بسنة النبي صلى الله عليه وسلم أن يكتفي بتلك الكلمات ولا يزيد عليها إلا ماثبت في نسخة الكشميهني من زيادة "إنك لاتخلف الميعاد". في آخره قاله ابن دقيق العيد وعندالبيهقي أيضاً. (فيض الباري على شرح البخاري، باب الدعاء عندالنداء: ۲/۲۱٤) انیس)

☆ اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا:

سوال: اذان کے بعد کی دعا دونوں ہاتھ اٹھا کر پڑھنی چاہئے، یا بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے؟

(سید صفی اللہ غوری، کلثوم پورہ)

الجواب

مخصوص مواقع پر جو دعائیں منقول ہیں، جیسے کھانے سے پہلے، کھانے کے بعد، استنجا جانے سے پہلے، فارغ ہونے کے بعد، سونے سے پہلے اور بیدار ہونے کے بعد، اسی طرح اذان کے بعد، ان مواقع پر دعا میں ہاتھ اٹھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اس لئے بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرنی چاہئے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۳۵)

دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا افضل ہے:

سوال: اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے یا خلاف سنت؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا منقول نہیں ہے، ویسے مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانا قولی اور فعلی احادیث سے ثابت ہے۔ لہذا دعائے اذان میں اٹھانے کو سنت کی خلاف ورزی نہیں کہا جائے گا، مگر چونکہ ثابت نہیں ہے، لہذا افضل کبھی نہیں کہا جائے گا، بلکہ افضل ہاتھ نہ اٹھانے کو کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ١٦/٣)

اذان کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا:

سوال: اذان کی جو دعا پڑھی جاتی ہے، اس کے لئے ہاتھ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

کتب حدیث وفقہ میں اس دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ کہیں نہیں دیکھا۔ (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٤٣١/٥-٤٣٢) ☆

---

(١) والمسنون في هذه الدعاء ألا ترفع الأيدي؛ لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رفعها، والتشبث فيه بالعمومات بعد ما ورد فيه خصوص فعله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لغو، فإنه لو لم يرد فيه خصوص عادته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لنفعنا التمسک بها ،وأما إذا نقل إلينا خصوص الفعل فهو الأسوة الحسنة لمن كان يرجو الله والدار الآخرة" (فيض الباري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء: ١٦٧/٢ ،خضر راه بكڈپو ديوبند، الهند)

☆ **اذان کے بعد کی دعا میں رفع یدین:**

سوال: بوقتِ دعائے اذان دست برداشتن چہ حکم دارد؟

(خلاصۂ سوال: اذان کے بعد دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا کیسا ہے؟ انیس)

الجواب حامداً و مصلیاً

دریں مقام خصوصاً رفعِ یدین وعدمِ رفع ہیچ در روایتے از نظر نگذشتہ، ولیکن چونکہ برائے دعا مطلقاً رفع یدین مستحب است، پس دریں موضع نیز اگر کسے بریں استحباب عمل نماید گنجائش دارد، واگر ترک رفع کند نیز لاباًس بہ است، وچوں خصوصاً دریں مقام رفع نیز ثابت نیست، چنانچہ عدم رفع ثابت نیست، پس فوت ثواب استحباب از ترکِ رفع نیز لازم نہ آید۔

(ترجمہ جواب: خاص طور پر اس مقام پر رفع یدین وعدم رفع کسی روایت میں نظر سے نہیں گذری، البتہ چونکہ مطلق دعا کے لیے رفع یدین مستحب ہے تو اس مقام پر بھی اگر کوئی شخص اسی استحباب پر عمل کرے تو گنجائش ہوگی اور اگر ہاتھ نہ اٹھائے تو بھی کوئی حرج نہیں ==

اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں:

سوال: اکابر علما کا معمول یہ نظر آتا ہے کہ اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے، حالانکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ رفع یدین آداب دعا میں سے ہے۔

عن الفضل بن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ’’الصلاۃ مثنیٰ مثنیٰ تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن ثم تقنع یدیک یقول ترفعھما إلیٰ ربک مستقبلاً ببطونھما وجھک وتقول یارب یا رب من لم یفعل ذلک فھی کذا وکذا‘‘.رواہ الترمذی والنسائی وابن خزیمۃ فی صحیحہ ورجالہ ثقات.(إعلاء السنن:۳/۲۰۸)(۱)

اور بھی کئی احادیث ہیں، حافظ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مستقل رسالہ ہے ’’**فض الوعاء فی أحادیث رفع الیدین فی الدعاء**‘‘۔

امید ہے کہ مفصل جواب مرحمت فرما کر تشفی فرمائیں گے۔(**جزاکم اللّٰہ تعالیٰ أحسن الجزاء**)

== اورجیسا کہ خصوصاً اس مقام پر بھی اٹھانا ثابت نہیں، اسی طرح نہ اٹھانا بھی ثابت نہیں ہے۔لہذا نہ اٹھانے سے استحباب کے ثواب کا فوت ہونا لازم نہیں آئے گا۔امداد الفتاویٰ، مجموعۃ الفتاویٰ وغیرہ میا سی طرح ہے اور بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم رفع بہتر ہے، واضح نقل نہ ہونے کی وجہ سے۔انیس)

ھکذا فی إمداد الفتاویٰ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، باب الأذان والإقامۃ، ’’حکم رفع ید در دعائے اذان‘‘:۱/۱۰۵، دارالعلوم) ومجموعۃ الفتاویٰ (مجموعۃ الفتاویٰ (اردو) کتاب الصلاۃ:۱/۳۰۰، وأیضًا فی کتاب الحظر والإباحۃ:۲/۲۲۷، سعید) وغیرھما۔

واز بعض عبارت معلوم میشود کہ عدم رفع افضل است، لعدم النقل الصریح.(والمسنون فی ھذا الدعاء ألا ترفع الأیدی؛لأنہ لم یثبت عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم رفعھا، والتشبث فیہ بالعمومات بعد ماورد فیہ خصوص فعلہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لغو،فإنہ لولم یرد فیہ خصوص عادتہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لنفعنا التمسک بھا، وأما إذا نقل إلینا خصوص الفعل فھو الأسوۃ الحسنۃ لمن کان یرجو اللّٰہ والدار الآخرۃ‘‘(فیض الباری، کتاب الأذان،باب الدعاء عند النداء: ۲/۱۶۷، خضر راہ بکڈپو دیوبند، الھند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۱۳/۴/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔ ۱۳/ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۳۲)

(۲) سنن الترمذی،باب ماجاء فی التخشع فی الصلاۃ (ح:۳۸۵)/مسند البزار،ربیعۃ بن الحارث عن الفضل (ح:۲۱۶۹)/السنن الکبریٰ للنسائی، کیف الرفع (ح: ۱۴۴۴)/المعجم الکبیر للطبرانی،ربیعۃ بن الحارث عن الفضل بن عباس (ح: ۷۵۷)/الزھد والرقاق لابن المبارک،باب فضل ذکر اللّٰہ تعالیٰ (ح:۱۱۵۲)/الصحیح لابن خزیمۃ،باب ذکر الأخبار المنصوصۃ (ح:۱۲۱۲)انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

دعا کی دوقسمیں ہیں۔ایک یہ کہ بدون توظیف الفاظ مخصوصہ مطلقاً کوئی حاجت طلب کرنا، دوسری یہ کہ الفاظ موظفہ کسی خاص وقت سے متعلق ہوں؛ یا مطلق ہوں۔احادیث میں مواقع دعا کے تتبع سے ثابت ہوتا ہے کہ رفع یدین کی احادیث قسم اول سے متعلق ہیں، قسم دوم سے متعلق نہیں۔إلا ما ورد فيه النص.

چنانچہ بعد وضو مسجد میں دخول وخروج، گھر میں دخول وخروج، بیت الخلا میں دخول وخروج، ابتداء سفر، انتہاء سفر، سوار ہوتے وقت، بازار میں دخول، کوئی چیز خریدتے وقت، کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر، عیادت مریض وغیرہ سے متعلق ادعیہ ماثورہ میں کوئی بھی رفع یدین کا قائل نہیں۔وقت جماع اور وقت انزال سے متعلق بھی دعائیں منقول ہیں، ان میں رفع یدین ویسے ہی مستبعد ہے۔بیوی سے پہلی خلوت میں اور غلام لونڈی یا حیوان کی خرید پر وارد ہے کہ اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھے۔

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مِنْ خَيْرِهَا وَخَيْرِمَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ“.(۱)

اس وقت رفع یدین کی بجائے پیشانی کے بال پکڑنے کا حکم ہے، بلکہ اس صورت میں رفع یدین ہو ہی نہیں سکتا۔

اسی طرح کسی فوری حاجت کے لئے مختصر دعا اور کسی کی درخواست پر اس کے لئے دعائیہ کلمات میں رفع یدین ثابت نہیں، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ بدون رفع یدین درخواست کنندہ کو سنانے کی غرض سے آواز بلند دعائیہ کلمات فرماتے تھے۔

روى البخاري رحمه الله تعالىٰ عن جرير رضى الله تعالىٰ عنه قال:”كنت لا أثبت على الخيل فضرب النبي صلى الله عليه وسلم في صدري حتى رأيت أثر أصابعه في صدري وقال:” اللّٰهم اجعله هادياً مهدياً“.(۲)

اس موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعا میں رفع یدین کی بجائے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر دعائیہ کلمات فرمائے۔

---

(۱)　سنن ابن ماجة،باب مايقول الرجل إذا دخلت عليه أهله (ح:١٩١٨)/السنة لابن أبي عاصم،باب (ح:١٩١)/مسند أبي يعلى الموصلي،شهربن حوشب عن أبي هريرة (ح:٦٦١٠)/الدعاء للطبراني،باب مايقول من اشترى دابةً أوعبدًا (ح:١٣٠٨)/الدعوات الكبير للبيهقي،باب مايقول إذا نكح امرأة ودخل بها (ح:٥٦١)انيس)

(۲)　الصحيح للبخاري،باب حرق الدور والنخيل (ح:٣٠٢٠)/الصحيح لمسلم،باب من فضائل جرير بن عبدالله (ح:٢٤٧٥)/شرح مشكل الآثار،باب بيان مشكل ماروى في اسلام جرير (ح:٢٤٩٧)انيس)

مثال کے طور پر یہ ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ ورنہ احادیث میں اس کی نظائر بہت کثرت سے موجود ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کی طرف سے دعا کی درخواست پر اس کو سنا کر مختصر دعائیہ کلمات فرمائے،(۱) ان مواقع میں عدم رفع یدین ظاہر ہے اور قصہ جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں عدم رفع یدین متیقن، **للمنافاة الظاهرة بين الرفع والضرب في الصدر.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳/ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/ ۲۹۷-۲۹۸)

☆☆☆

(۱) مثلاً: عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اللّٰهم ارحم المحلقين، قالوا: والمقصرين يارسول الله؟ قال: اللّٰهم ارحم المحلقين، قالوا: والمقصرين يارسول الله؟ قال: والمقصرين. (موطأ الإمام مالك، ت: الأعظمي، الحلاق (ح: ٤٠٤) انیس)

اقامت کے احکام ومسائل

اذان وجماعت میں کتنا وقفہ کیا جائے:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۵؍جون ۱۹۳۸ء)

سوال: اذان کے بعد کتنی دیر مقتدیوں کا انتظار کرنا چاہئے؟

الجواب

کم ازکم پندرہ منٹ کا وقفہ اذان واقامت کے درمیان ہونا چاہئے، مگر مغرب میں نہیں۔(۱) فقط

(کفایت المفتی: ۳؍۷۱)

مغرب کی اذان واقامت میں وقفہ ہے یانہیں:

سوال: مؤذن مغرب کی اذان چھت پر کہہ کرفورا اتر آتا ہےاور تکبیر شروع کرتا ہےاس میں کوئی حرج ہے؟ اذان واقامت میں وقفہ کرنے کاحکم ہے یانہیں؟

الجواب

مغرب کی اذان ختم کرکے چھوٹی تین آیتیں پڑھیں، اتنی دیر بیٹھے (جیسا کہ دوخطبوں کے بیچ میں بیٹھتے ہیں) یااس قدرکھڑارہ کراقامت کہے، چھت سے اترنے میں اتناوقت ہوجاتاہے، لہذا کوئی حرج نہیں، تاہم وقفہ کرکے اقامت کہےتو بہتر ہے۔

وفی المغرب بسکتة قدرقراء ة ثلاث آیات قصارأوثلاث خطوات. (نورالإیضاح: ٦٢)(۲)

یعنی! مغرب میں اذان اوراقامت میں اس قدر وقفہ کرے کہ چھوٹی تین آیتیں پڑھ سکے یا تین قدم چل سکے۔ واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۳؍۱۳)

(۱) قال فی التنویر و شرحه: ویجلس بینهما بقدرمایحضر الملازمون مراعیاً لوقت الندب (إلا فی المغرب) فیسکت قائمًا قدرثلاث آیات قصارویکره الوصل إجماعًا. (الدرالمختار، باب الأذان: ۳۸۹/۱، ط: سعید کمپنی)

(۲) (أو)قدر(ثلاث خطوات)هذه روایة عن الإمام وهذه الأحوال متقاربة وعندهما یفصل بینهما بجلسة خفیفة بقدرماتتمکن مقعدته ویستقر کل عضو فی مفصله کما فی الفصل بین الخطبتین والخلاف کما قال الحلوانی فی الأفضلیة لا فی الجواز. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نورالإیضاح، باب الأذان: ۱۹۸/۱. انیس)

کسی دینی کام کی وجہ سے مغرب کی نماز میں تاخیر:

سوال: کئی بار بیان کی وجہ سے یا تفسیر کی وجہ سے مغرب کی اذان کے بیس منٹ بعد نماز ہوتی ہے، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

ھــو الـمـصـوب

اس طرح تاخیر کر کے نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔(١)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:١/٣٥٥-٣٥٦)

اذان کے کتنی دیر بعد نماز جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کیا صبح کی اذان کے پندرہ منٹ بعد نمازِ فجر ہو سکتی ہے اور اگر ہو تو کیا سنت کے خلاف ہے؟

الجواب

نمازِ فجر میں عندالحنفیہ اسفار مستحب ہے، مستحب کہنے سے معلوم ہوا کہ غلس میں درست ہے، مگر بہتر اسفار ہے اور اسفار کے معنیٰ ظہور نور اور انکشاف ظلمت کے ہیں، یعنی جس وقت خوب روشنی ہو جاوے، اس کی مقدار درمختار میں لکھی ہے کہ آفتاب کے نکلنے سے اتنی دیر پہلے نماز شروع کریں کہ چالیس آیتیں ترتیل سے پڑھ سکیں اور پھر اعادہ کی ضرورت ہو، تو اعادہ کرلیں، غرض تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے آفتاب نکلنے سے جماعت کریں، اذان فجر کے پندرہ منٹ بعد نماز فجر جائز ہے، غلس میں پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے، اختلاف صرف افضلیت وعدم افضلیت میں ہے، جواز میں اختلاف نہیں۔

"والمستحب للرجل الابتداء فی الفجر بإسفار والختم به وهو المختار بحيث يرتل أربعين آية ثم يعيده بطهارة لو فسد. (الدرالمختار)

وفی الشامی: (قوله بإسفار) أی فی وقت ظهور النور وانكشاف الظلمة. (ردالمحتار: ١/٢٦٩)(٢)

وعن رافع بن خديج. رضی الله عنه. قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أسفروا

---

(١) "لاتزال أمتی بخير أو قال علی الفطرة مالم يؤخروا المغرب حتى تشتبك النجوم". (سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب وقت المغرب، رقم الحديث: ٤١٨) (كذا فی الكنىٰ والأسماء للدولابی، أبو أيوب الأنصاری خالد بن زيد رضی الله عنه (ح: ١٠٢)/ الصحيح لابن خزيمة، باب التغليظ فی تأخير صلاة المغرب (ح: ٣٤٠) انيس)

(٢) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٣٦٦، ايچ ايم سعيد كمپنی، كراچی

بالفجر فإنه أعظم للأجر". رواه الترمذی و أبو داؤد و الدارمی. (مشکوٰۃ، باب تعجیل الصلاۃ: ٦١)(١)

عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: "أن كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لیصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات بمروطهن ما یعرفن من الغلس". متفق علیه. (مشکوٰۃ، باب تعجیل الصلاۃ: ٦٠)(٢) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم (فتاویٰ مفتی محمود: ١/٨٦٦)

اقامت واذان صرف فرائض کے لئے ہے:

سوال: تکبیر فقط فرض سے پہلے کہی جاتی ہے، یا سنت سے پہلے بھی؟

الجواب

اذان اور تکبیر فرائض کے لئے ہے، سنتوں کے لئے نہیں۔ (هکذا فی الدر المختار)(١) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٢/١١١-١١٢)

---

(١) وکذا فی مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب تعجیل الصلاۃ: ٦١/١، طبع قدیمی کتب خانه کراچی)

(سنن الترمذی، باب ما جاء فی الإسفار بالفجر (ح: ١٥٤)/سنن أبی داؤد، باب وقت الصبح (ح: ٤٢٤)/سنن النسائی: ٢٧٢/١ (ح: ٥٤٨)/مسند أبی حنیفة روایة أبی نعیم: ٤١/١/ مسند الشافعی ترتیب سنجر، باب الإسفار بالصبح (ح: ١٣٢)/المصنف لابن أبی شیبة، ماروه رافع بن خدیج (ح: ٦٤-٣٢٤٢)/مسند الإمام أحمد، حدیث رافع بن خدیج (ح: ١٧٢٨٦-٢٣٦٣٥)/مسند البزار، ومماروی جابر عن أبی بکر عن بلال (ح: ١٣٥٧)/المسند للشاشی، ماروی بلال بن رباح مؤذن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم (ح: ٩٤٢)/الصحیح لابن حبان، ذکر لفظة تعلق بها من جهل صناعة الحدیث (ح: ١٤٩٠)/المعجم الأوسط للطبرانی، ذکر من اسمه: هاشم (ح: ٩٢٨٩)/وقال الترمذی حدیث حسن صحیح)

فی سنن الدارمی، باب الإسفار بالفجر (ح: ١٢٥٤): عن رافع بن خدیج قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: نوروا بصلاۃ الفجر فإنه أعظم للأجر. /وکذا فی شرح معانی الآثار، باب الوقت الذی یصلی فیه الفجر أی وقت هو؟ (ح: ١٠٦٨)، والمعجم الأوسط للطبرانی، من اسمه ثابت (ح: ٣٣١٩) انیس)

(٢) وکذا أیضاً، کتاب الصلاۃ، باب تعجیل الصلاۃ: ٦١/١، طبع قدیمی کتب خانه کراچی

(الصحیح للبخاری، باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس (ح: ٨٦٧)/الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالصبح فی أول وقتها، الخ (ح: ٦٤٥) انیس)

هکذا فی المبسوط للسرخسی: وحدیث الصدیق عن بلال رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما أن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال: "نوروا بالفجر أو قال أصبحوا بالصبح یبارک لکم ولأن فی الإسفار تکثیر الجماعة وفی التغلیس تقلیلها و ما یؤدی... الخ. (باب مواقیت الصلاۃ: ١٤٦/١، طبع إدارۃ القرآن، کراچی)

(١) (والإقامة کالأذان) فیمامر. (الدر المختار)　　(قوله فیمامر، الخ) وأراد بمامر أحکام الأذان العشرة المذکورة فی المتن، وهی أنه سنة للفرائض، وأنه یعاد إن قدم علی الوقت، وأنه یبدأ بأربع تکبیرات وعدم الترجیع وعدم اللحن والترسل والالتفات والاستدارة وزیادة الصلاۃ خیر من النوم، فی أذان الفجر وجعل أصبعیه فی أذنیه ثم استثنیٰ من العشرة ثلاثة أحکام لاتکون فی الإقامة فأبدل الترسل بالحدر والصلاۃ خیر من النوم بقد قامت الصلاۃ وذکر أنه لایضع أصبعیه فی أذنیه، فبقیت الأحکام السبعة مشترکة ویرد علیه الاستدارة فی المنارة فإنها لاتکون فی المنارة فکان علیه أن یتعرض لذلک. آه. (ردالمحتار، باب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنابر للأذان: ٣٦٠/١، ظفیر)

اقامت کے بغیر نماز:

سوال: نماز جمعہ یا کسی اور نماز میں مؤذن نے تکبیر نہیں کہی اور امام نے نماز پڑھا دی کیا نماز ہوگئی؟

هــو المـصـو بـــــــــــــــــــــــــــ

نماز درست ہو جائے گی، لیکن ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ طریقہ سنت کے خلاف ہوگا۔(١) نماز بلا اقامت پڑھی ہوئی سمجھی جائیگی۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:١/٣٩٢)

عورت بلا اقامت نماز پڑھے:

سوال: عورت اکیلی نماز پڑھے یا عورتوں کی جماعت ہو تو اس میں اقامت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجوابـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

عورت نماز بدون اقامت پڑھے۔عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔مع ہذا اگر جماعت کریں گی، تو اس میں اقامت نہیں۔

قال فی العلائية: (ولا یسن) ذلک (فیماتصلیه النساء أداءً وقضاءً) ولو جماعةً كجماعة صبيان و عبيد. (الدرالمختار) **وقال ابن عابد ین رحمه اللّٰه تعالیٰ: (قوله ولو جماعةً) وكان الأولیٰ للشارح أن يقول ولو منفردةً لأن جماعتهن الاٰن غير مشروعة فتفطن.** (رد المحتار: ٣٦٣/١)(٢) **فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم**

١١/رجب ١٣٨٩ھ۔(احسن الفتاویٰ:٢/٢٨٣)

عورت پر اقامت نہ ہونے کی وجہ:

سوال: عورت پر تکبیر اقامت نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟　　(فتح محمد کشمیری (بمقام شاہ پورہ ضلع بارہ مولہ کشمیر)

الجوابـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اس لئے کہ عورت کے ذمہ نماز باجماعت نہیں بلکہ تنہائی میں نمازیں پڑھنا بہتر ہوتا ہے اور اقامت جماعت کے لئے ہوتی ہے۔(٢) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔١٠/٥/١٤٠١ھ۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:١/٢١٦-٢١٧)

---

(١) وعامة المشائخ قالوا: إنهما سنتان مؤكدتان لما روى أبويوسف عن أبی حنيفة أنه قال فی قوم صلوا الظهر والعصر فی المصر بجماعة بغير أذان وإقامة فقد أخطأوا وخالفوا وأثموا. (بدائع الصنائع: ٣٦٤/١)

(٢) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی أذان الجوق. انيس

(٢) (و) يكره تحريمًا (جماعة النساء) ولو فی التراويح. (الدرالمختار علی صدر رد المحتار: ٣٠٥/٢، باب الإمامة، مطلب إذا صلى الشافعی قبل الحنفی، الخ.)

==

نماز کے باطل ہونے کی صورت میں اعادۂ نماز کے وقت تکبیر کہی جاوے یا نہیں:

سوال: امام نے بجائے چار رکعت عصر کے سہواً پانچ رکعت ادا کی، کسی نے متنبہ نہیں کیا، اب امام اور مقتدی درود ووظائف سے فارغ ہوکر دعا مانگنے کو تیار تھے کہ تعدادِ رکعت کی بحث شروع ہوئی نماز کا اعادہ کیا گیا اور دوبارہ تکبیر کہی گئی، یہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر دوبارہ کہہ دی جاوے اس وجہ سے کہ فصل طویل ہوگیا ہے، تو کچھ حرج نہیں ہے۔ کتبِ فقہ میں تو یہ لکھا ہے:

"صلى السنة بعد الإقامة أو حضر الإمام بعدها لايعيدها، بزازية. وينبغي إن طال الفصل أو وجد مايعدّ قاطعاً كأكل أن تعاد، الخ. (الدر المختار)(١) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۱۰)

== قال: (جماعة النساء) أي كره جماعة النساء وحدهن لقوله عليه الصلاة والسلام: ("صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها" ولأنه يلزمهن أحد المحظورين إماقيام الإمام وسط الصف وهو مكروه أو تقدم الإمام وهو أيضاً مكروه في حقهن فصرن كالعراة لم يشرع في حقهن الجماعة أصلاً. ولهذا لم يشرع لهن الأذان وهو دعاء إلى الجماعة ولولا كراهية جماعتهن لشرع. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، الأحق بالإمامة: ١/١٣٥) (والحديث أخرجه أبوداؤد، باب التشديد في ذلك (ح: ٥٧٠) انيس)

عن أم سلمة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: خير مساجد النساء قعر بيوتهن. (مسند الإمام أحمد، حديث أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم (ح: ٢٦٥٤٢) / الصحيح لابن خزيمة، باب اختيار صلاة المرأة في بيتها (ح: ١٦٨٣) / المستدرك للحاكم، ومن كتاب الإمامة وصلاة الجماعة (ح: ٧٥٦) / مسند الشهاب القضاعي. خير مساجد النساء قعر بيوتهن (ح: ١٢٥٢)

عن عبدالله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان وأقرب ماتكون من وجه ربّها وهي في قعر بيتها. (مسند البزار، مورق عن أبي الأحوص عن عبدالله (ح: ٢٠٦١) / الصحيح لابن خزيمة، باب اختيار صلاة المرأة في بيتها (ح: ١٦٨٥) الصحيح لابن حبان، ذكر الأمر بلزوم قعر بيتها (ح: ٥٥٩٩) انيس)

(١) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الأذان، تحت الفروع، قبيل باب شروط الصلاة: ١/٣٧١، ظفير (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الأذان: ٤/٣٥. انيس)

☆ کیا بوقت اعادۂ صلاۃ مع الجماعت اقامت کا بھی اعادہ ہوگا:

سوال: اگر کسی وجہ سے نماز باجماعت فاسد ہوجائے تو کیا بصورت اعادۂ نماز اقامت کا بھی اعادہ ہوگا؟ بینوا وتوجروا۔ ==

ترک واجب کی وجہ سے اعادہ کی جانے والی نماز کے لئے تکبیر کی حاجت نہیں:

سوال(۱) اگرامام کسی واجب کے ترک سے سجدۂ سہو بھول جائے اور سلام پھیردے، تو جب اس نماز کا اعادہ کیا جائے، تو کیا اس نماز کے لئے تکبیر کہنی پڑے گی یا نہیں؟ اگر کہنی پڑتی ہواور نہ کہی گئی ہو تو کیا دوسری نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو تیسری دفعہ نماز مع تکبیر ادا کی جائے؟

(۲) اگر کوئی سجدۂ سہو بھول گیا، تو سلام کے بعد کتنی دیر تک سجدۂ سہو کر سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ترک واجب کی وجہ سے اگر نماز دوبارہ پڑھی جائے، تو اعادۂ تکبیر کی حاجت نہیں، وہیں کھڑے ہو کر بدونِ اعادۂ تکبیر نماز لوٹالی جائے، اعادہ وقت کے اندر طویل فصل کے بغیر ہو، تو اقامت نہ کہی جائے، وگرنہ؛ کہی جائے۔

"قوم ذكروا فساد صلاة صلوها فى المسجد فى الوقت قضوها بجماعة فيه ولايعيدون الأذان والإقامة". (ردالمحتار، باب الأذان، مطلب فى أذان الجوق: ۳۶۳/۱)

۲۔ جب تک دنیوی بات نہیں کی، سینہ قبلہ سے منحرف نہیں ہوا، وضو نہیں ٹوٹا، تو سلام پھیر لینے کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے سجدۂ سہو کر سکتا ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ۔ الجواب صحیح: خیر محمد عفااللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۱۳/۲-۲۱۴)

تکرار جماعت کے وقت تکبیر کہی جاوے یا نہیں:

سوال: جو مسجد لب سڑک ہو اس میں پہلی جماعت ہو چکی ہو، اگر دوسری جماعت کرائی جاوے تو کیا اس دوسری جماعت کے لئے بھی تکبیر ثانی کہنی چاہئے یا نہیں؟

==

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر وقت کے اندر ہی کچھ دیر کے بعد کی جائے تو اقامت بھی پھر سے کہی جائے اور اگر دیر نہ ہو، تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (فى المجتبىٰ: قوم ذكروا فساد صلاة صلوها فى المسجد فى الوقت قضوها بجماعة فيه ولايعيدون الأذان والإقامة، وإن قضوها بعد الوقت، قضوها فى غير ذلك المسجد بأذان وإقامة، لكن سيأتى أن الإقامة تعاد لوطال الفصل. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فى أذان الجوق: ۲۵۸/۱، نعمانيه، ديوبند) وكذا فى البناية شرح الهداية ماينبغى للمؤذن والمقيم: ۱۰۹/۲، والبحر الرائق، جلوس المؤذن بين الأذان والإقامة: ۲۷۶/۱. انيس) والله اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ عفی عنہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ ۱۴۱۴/۷/۲۱ھ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۱۶/۲)

(۱) (يجب بعد سلام واحد عن يمينه فقط)... (سجدتان)... (تشهد و سلام)... [إذا كان الوقت صالحاً] فلو طلعت الشمس فى الفجر أو احمرت فى القضاء أو وجد مايقطع البناء بعد السلام سقط عنه، فتح. (الدر المختار)

قال الشامي: (قوله مايقطع البناء) كحدث عمد وعمل مناف، إمداد. (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۷۷/۲-۷۹، انيس)

الجواب ـــ

اگرامام ومؤذن اس مسجد کا مقرر نہ ہو؛ تو جماعت ثانیہ اس مسجد میں درست ہے اور اقامت یعنی تکبیر ثانی کہی جاوے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۱۸)☆

جماعتِ ثانیہ کے لئے اقامت:

سوال: اگر جماعت ثانیہ مسجد سے باہر ہو تو تکبیر کہی جائے گی کہ نہیں؟

الجواب ـــ حامداً و مصلیاً

حصہ مسجد سے خارج وضوخانہ وغیرہ میں جب جماعت کی جائے تب بھی تکبیر کہی جائے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۵/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۶/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۶۱-۴۶۲)

(۱) بل يكره فعلهما وتكرار الجماعة إلا في مسجد علىٰ طريق فلا بأس بذلك، جوهرة. (الدر المختار)
(قوله إلا في مسجد علىٰ طريق) هو ماليس له إمام ومؤذن راتب فلايكره التكرار فيه بأذان وإقامة بل هو الأفضل، خانية. (ردالمحتار، باب الأذان، قبيل مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۳٦۷، ظفير)

☆ **دوبارہ جماعت میں اقامت:**

سوال: مسجد میں جماعت ہو چکی ہو اور دوبارہ جماعت کی جائے تو اقامت کہنی چاہئے یا نہیں؟
(صبغت اللہ، بخارہ ہلز)

الجواب ـــ

اگر ایسی مسجد ہو کہ وہاں امام ومؤذن مقرر نہ ہو، مسجد شاہراہ، بازار، یا اسٹیشن وغیرہ پر واقع ہو، گزرنے والے نماز پڑھ لیا کرتے ہوں، تو ایسی صورت میں ہر گروہ کو اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرنا بہتر ہے:

كمافي مسجد ليس له إمام ولامؤذن ويصلى الناس فيه فوجًا فوجًا فإن الأفضل أن يصلى كل فريق بأذان وإقامة علىٰ حدة، كما في أمالي قاضي خان. (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۳، دارالفكر)

لیکن محلّہ کی مسجد میں جہاں باضابطہ نماز ہوا کرتی ہو، اگر دوسری جماعت کرنی پڑے تو دوسری جماعت میں نہ اذان دینی چاہئے اور نہ اقامت کہنی چاہئے:

"ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۵۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۲-۱۵۳)

(۴) مسجد ليس له مؤذن و إمام معلوم، يصلى فيه الناس فوجًا فوجًا بجماعة، فالأفضل أن يصلى ==

ٹرین میں نماز پڑھیں، تو کیا اقامت ہر جماعت کے لئے علیحدہ کہنی چاہیے:

سوال: سفر میں جاتے ہوئے ٹرین میں نماز کے وقت اذان دیتے ہیں اور پندرہ بیس ساتھی ہوتے ہیں، تین یا چار ساتھی مل کر جماعت کرتے ہیں، اس طرح ایک دوسرے کے بعد کئی جماعتیں ہوتی ہیں، کیا ہر ایک دفعہ اقامت کہنا ضروری ہے؟

الجواب

ہر ایک جماعت کے لیے اقامت سنت ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۳۱۵)

تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے اقامت:

سوال: کیا گھر میں یا کسی اور جگہ تنہا فرض نماز پڑھنے والے کو اقامت کہنا ضروری ہے؟

(ڈاکٹر سراج الدین، کریم نگر)

الجواب

اقامت کہنا سنتِ مؤکدہ ہے؛ بشرطیکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے، اگر تنہا نماز ادا کی جائے؛ تب بھی اقامت کہہ دینا بہتر ہے۔ البتہ تنہا پڑھنے والے کے لئے سنتِ مؤکدہ نہیں۔

طحطاوی میں ہے:

"إتيان المنفرد به على سبيل الأفضلية فلايسن في حقه مؤكدًا والمكروه له ترك الأذان والإقامة معاً حتى لوترك الأذان وأتى بالإقامة لايكره". (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۴۷) ☆

== كل فريق بأذان وإقامة علىٰ حدة، كذا فى فتاوىٰ قاضى خان". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، باب الأذان، الفصل الأول فى صفة الأذان وأحوال المؤذن: ۱/۵۵، رشيدية) / وكذا رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۳، دارالفكر)

"وإن كان المسجد على الطريق فلا بأس أن يؤذنوا فيه ويقيموا آه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۶۲، رشيدية)

(۱) والإقامة مثله أى مثل الأذان فى كونه سنّة للفرائض فقط. (البحر الرائق: ۱/۳۷۰)

(۲) حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب الأذان: ۱۰۵۔

☆ تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے اقامت ہے یا نہیں، اور کتنی آواز سے کہنی چاہیے:

سوال: ایک آدمی گھر میں یا مسجد میں جماعت ہوجانے کے بعد کسی وقت کی نماز پڑھے، تو تکبیر اقامت اس کو کہنا چاہیے کہ نہیں؟ اگر کہنا چاہیے، تو کیا زور سے قراءت کرنے والی اور آہستہ قراءت کرنے والی دونوں کی فرض نماز میں زور سے کہنا چاہیے؟ ==

منفرد کے لئے اقامت کہنا اور اگر جماعت کے ساتھ ہو تو اقامت کا جواب دینا کیسا ہے:

سوال (۱) اگر اکیلے نماز ادا کروں تو اقامت کہوں گا یا نہیں؟

(۲) جماعت کی نماز میں مؤذن کے ساتھ مقتدیوں کو بھی اقامت کے الفاظ کو دہرانے ہوں گے یا صرف نیت ہی کافی ہے؟

(۳) سنت اور نفل میں اقامت ہے یا نہیں؟

(۴) اقامت کے الفاظ کو دہرانا فرض ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

فرض نماز اگر اکیلے پڑھیں تو اقامت کہہ لیا کریں۔(۱) فرض نماز جب جماعت سے پڑھیں تو اقامت کے الفاظ کو دہرا سکتے ہیں، اس میں ثواب ہے، جب مؤذن "قد قامت الصلاة" کہے تو آپ کہئے "أقامها الله و أدامها"،(۲) پھر نیت کر کے جماعت میں شریک ہوجائیں، سنت ونفل میں اقامت نہیں ہے۔(۳) اقامت کے الفاظ کا دہرانا فرض ولازم نہیں ہے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالصمد رحمانی۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۸۹)

== الجواب ــــــــــــــــ

اقامت تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے بھی مسنون ہے، اتنی آواز سے کہے کہ سنائی دے۔(وندبا لهما أى الأذان و الإقامة للمسافر والمصلّى فى بيته فى المصر.(البحر الرائق،باب شروط الصلاة: ۱/ ۲۸۰)

(وندباً) أى الأذان والإقامة (لهما) أى للمسافر والمصلى فى بيته فى المصر ليكون الأداء على هيئة الجماعة (لا للنساء) لكراهة جماعتهن.(النهر الفائق،باب الأذان: ۱/ ۱۸۰. انيس)(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۱۵)

(۱) "ولايكره تركهما لمن يصلى فى المصر إذا وجد فى المحلة ولا فرق بين الواحد والجماعة،هكذا فى التبيين. والأفضل أن يصلى بالأذان والإقامة".(الفتاوىٰ الهندية،الفصل الأول فى صفة الأذان وأحوال المؤذن: ۱/ ۵۴)

(۲) (ويجيب الإقامة) ندبًا إجماعًا (كالأذان) ويقول عند "قد قامت الصلاة": "أقامها الله وأدامها".(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب الأذان،قبيل باب شروط الصلاة: ۲/ ۷۱)

عن أبى أمامة أو عن بعض أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم أن بلالاً أخذ فى الإقامة فلما أن قال: قد قامت الصلاة، قال النبى صلى الله عليه وسلم: أقامها الله وأدامها،الخ.(سنن أبى داؤد،باب مايقول إذا سمع الإقامة (ح: ۵۲۸) انيس)

(۳) وليس لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراويح والعيدين أذان ولا إقامة، كذا فى المحيط.(الفتاوىٰ الهندية،الفصل الأول فى صفة الأذان وأحوال المؤذن: ۱/ ۵۳)

(۴) (قوله إجماعاً) ... أى إن القائلين بإجابتها أجمعوا على الندب ولم يقل أحد منهم بالوجوب كما قيل فى الأذان.(رد المحتار،باب الأذان ، قبيل باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۰۰. انيس)

قضا نماز میں اقامت:

سوال: فرض نماز قضا پڑھنے کی حالت میں اقامت کہہ کر نماز پڑھے یا بغیر اقامت بھی نماز ہوسکتی ہے، اگر بلا اقامت نماز پڑھی ہوں، تو ان کا اعادہ کرے یا کہ درست ہوگئی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

بلا اقامت بھی درست ہے، لہٰذا جو پڑھی گئی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔(۱) اگر جماعت کے ساتھ قضا کی جائے تو اقامت مسنون ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۲۶/۱۲/ ۱۳٦۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۳٦۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴٦۹/۵)

متنفل کی اقامت مکروہ ہے:

سوال: جو آدمی فرض پڑھ چکا ہے، پھر جماعت کے ساتھ شریک ہوا وہ اقامت کہہ سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ متنفل کی اقامت مکروہ ہے۔

قال فی العلائية: يكره له أن يؤذن فی مسجدين. (الدر المختار)

وفی الشامية: (قوله فی مسجدين) أنه إذا صلى فی المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان فی المسجد الثانی و التنفل بالأذان غيرمشروع ولأن الأذان للمكتوبة وهو فی المسجد الثانی يصلی النافلة فلا ينبغی أن يدعو الناس إلى المكتوبة وهو لايساعدهم فيها، آه، بدائع. (رد المحتار: ٣٧٢/١) فقط و الله تعالىٰ أعلم

۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۹۲/۲-۲۹۳)

---

(۱) (... وهو سنة)... (مؤكدة) هی كالواجب فی لحوق الإثم... والإقامة كالأذان. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٣٨٤/١-٣٨٨، سعيد)

"ترك السنة لا يوجب فسادًا ولا سهوًا، بل إساءة لو عامدًا".. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب سنن الصلاة: ٤٧٣/١-٤٧٤، سعيد)

(۲) (و) يسن أن (يؤذن ويقيم لفائتة) رافعاً صوته لو بجماعة أو صحراء لا بيته منفردًا. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی أذان الجوق: ٣٩٠/١، سعيد)

"ويؤذن للفائتة ويقيم؛ لأن الأذان سنة للصلوات لا للوقت، فإذا فاتته صلاة تُقضى بأذان وإقامة لحديث أبی داؤد وغيره، أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بلالاً بالأذان والإقامة حين ناموا عن الصبح وصلوها ==

بیوی کی اقامت:

سوال: میاں بیوی دونوں باجماعت نماز پڑھنا چاہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ عورت تکبیر کہہ سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے کہنے میں کوئی قباحت تو نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

عورت کا اذان دینا بھی مکروہ ہے اور تکبیر کہنا بھی مکروہ ہے۔ (کذا فی نور الإیضاح)(۱) لیکن فقہا نے دو علتیں کراہت کی لکھی ہیں: ایک یہ کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے، مگر اس کی تضعیف کی گئی ہے، دوسری علت خوف فتنہ ہے، وہ اس صورت میں مفقود ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۶۳/۵)

== بعد ارتفاع الشمس ، وهو الصحيح في مذهب الشافعي، كما ذكره النووي في شرح المهذب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۵۵/۱، رشيدية) (المجموع شرح المهذب، باب مواقيت الصلاة: ۶۹/۳، انيس)

عن إبراهيم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عرس هو وأصحابه فلم يوقظهم إلا حر الشمس فقاموا فأمر بلالاً فأذن ثم أوتر النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه ثم تأخروا عن معرسهم حين استيقظوا فصلوا ركعتين ثم أمر بلالاً فأقام الصلاة فصلى بالناس رسول الله صلى الله عليه وسلم. (الآثار لأبي يوسف، باب افتتاح الصلاة (ح: ۱۱۹) انيس)

(۱) "ويكره التلحين وإقامة المحدث وأذانه وأذان الجنب وصبي لا يعقل ومجنون وسكران وامرأة". (نور الإيضاح متن مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۹، قديمي)

"منها: أن يكون رجلاً، فيكره أذان المرأة باتفاق الروايات؛ لأنها إن رفعت صوتها، فقد ارتكبت معصية، وإن خفضت فقد تركت سنة الجهر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في مايرجع إلى صفات المؤذن: ۶۴۵/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وأذان امرأة؛ لأنها إن ... خفضت صوتها أخلت بالإعلام، وإن رفعته ارتكبت معصية؛ لأنه عورة". (مراقي الفلاح)

(قوله لأنه عورة) ضعيف والمعتمد أنه فتنة فلا تفسد برفع صوتها صلاتها". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۹، قديمي)

"قال: كأذان المرأة علله قاضي خان وصاحب المحيط بأن صوتها عورة، لكن الأرجح هو أنها ليست بعورة، كما صرح به في شرح المنية. فالأولى أن يعلل كراهة أذانها بأن فيه احتمال وقوع الفتنة برفع الصوت كما علله به في البحر، ولهذا منعن من التسبيح وتعلم القرآن من الأعمى وغير ذلك". (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۳/۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

"وأما أذان المرأة، فلأنها منهية عن رفع صوتها؛ لأنه يؤدي إلى الفتنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۵۸/۱، رشيدية)

مخنث کا اقامت کہنا:

سوال: مخنث اور وہ شخص جس نے اپنے آلۂ تناسل کو کٹوا دیا ہو وہ تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

تکبیر اگر یہ کہے تب بھی کافی ہو جائے گی، مگر تکبیر کہنا معزز اور ثقہ آدمی کا حق ہے۔ اس لئے مخنث وغیرہ کو اس سے روک دیا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۶۴)

لاؤڈ اسپیکر سے اقامت کہنا:

سوال: ہماری مسجد ابو حنیفہ کے حلقہ میں مزدور، ناخواندہ اور دینی اعتبار سے بے شعور لوگ رہائش پذیر ہیں اور الگ الگ طریقہ پر گھروندوں میں رہتے ہیں، اس لیے ہم اپنی مسجد میں اذان کے علاوہ اقامت بھی لاؤڈ اسپیکر پر کہتے ہیں، ایک مقامی عالم اس طرح اقامت کہنے کو روح اسلام کے خلاف کہتے ہیں اور فی سبیل اللہ فساد کہتے ہیں؟

هــو المصــوب ــــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں اذان غائبین کے لیے ہے اور اقامت حاضرین کے لیے ہے اور اذان میں بھی لاؤڈ اسپیکر کی اجازت ضرورت کی بنیادی پر دی گئی ہے، لیکن اگر مسجد کافی بڑی ہے اور وہاں بھی اقامت کے لیے لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت پڑ رہی ہے تو استعمال کر سکتے ہیں، جو لوگ مسجد کے باہر ہیں؛ ان کو متنبہ کرنے کے لیے اقامت لاؤڈ اسپیکر سے کہنا بلا ضرورت صحیح نہیں ہے۔

نوٹ: اگر نمازی مسجد میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے باہر پائے جا رہے ہیں تو لاؤڈ اسپیکر سے اقامت کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۹۳)

(۱) ”وفی الحاوی القدسی: من سنن المؤذن کونه رجلاً عاقلاً صالحاً عالماً بالسنة والأوقات مواظباً علیه محتسباً ثقةً متطهرًا مستقبلاً“. (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الأذان، ذکر أحوال المؤذن: ۳۸/۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

”وفی الکافی: والأولیٰ أن یتولیٰ العلماء أمر الأذان“. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، فی أذان المحدث و الجنب وبیان من یکره ومن لا یکره: ۵۱۹/۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة)

عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: اجعلوا أئمتکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین اللّٰه عزوجل. (سنن الدارقطنی، باب تخفیف القراء ة لحاجة (ح: ۱۸۸۱)/ ==

کیا اقامت وہی کہے جس نے اذان دی ہے:

سوال: کیا مؤذن ہی کو تکبیر پڑھنا چاہئے، دوسرے کیلئے ممنوع ہے۔ اگر مؤذن ملازم مسجد ہو اور اگر کوئی ملازم نہ ہو کبھی کوئی اذان کہتا ہو کبھی کوئی؟

الجواب

خواہ مؤذن تنخواہ دار اور معین ہو اور دائمی اذان کہتا ہو یا ایسا نہ ہو؛ گاہ گاہ اذان کہتا ہو۔ بہرحال علاوہ مؤذن کے دوسرے شخص کو تکبیر کہنا درست ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ! جس نے اذان کہی؛ وہی تکبیر کہے، یا دوسرے کو اجازت دے دے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۹۷) ☆

== السنن الکبریٰ للبیهقی،باب اجعلوا أئمتکم خیارکم (ح: ۵۱۳۳)وقال:إسناده ضعیف،لکن روی الحاکم عن مرثد بن أبی مرثدالغنوی وکان بدریاًقال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:إن سرکم أن تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم عزوجل.(المستدرک،ذکرمناقب مرثدبن أبی مرثدالغنوی (ح: ۴۹۸۱) وروی ابن عساکر فی المعجم عن أبی أمامة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (ح:۱۲۲۴)وقال:هذا حدیث غریب.انیس)

(۱) (أقام غیرمن أذن بغیبته)أی المؤذن (لایکره مطلقاً) وإن بحضوره کره إن لحقه وحشة ، کماکره مشیه فی إقامته. (الدرالمختار)

(قوله کره إن لحقه وحشة) أی بأن لم یرض به وهذا اختیارخواهرزاده،الخ. وقال فی البحر:ویدل علیه إطلاق قول المجمع: ولانکرهها من غیره،الخ،فلابأس بأن یأتی بکل واحد رجل آخرولکن الأفضل أن یکون المؤذن هوالمقیم، آه،أی لحدیث من أذن فهویقیم.(ردالمحتار،باب الأذان،قبیل مطلب فی کراهة تکرارالجماعة فی المسجد:۲۶۷/۱،ظفیر)

☆ کیامؤذن ہی اقامت کہے:

سوال: جس شخص نے اذان دی، کیا ضروری ہے کہ وہی شخص اقامت کہے؟ یا مجبوری کی حالت میں دوسرا شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے؟

(جہانگیرالدین طالب، باغ امجدالدولہ)

الجواب

اصل میں اقامت کہنا مؤذن کا حق ہے، اس لئے اگر مؤذن اقامت کہنا چاہے تو اس کو اقامت کہنے کا موقع دینا چاہئے، چنانچہ ایک بار حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ نے اذان دی، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہنا چاہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمادیا اور کہا کہ زیاد ہی اقامت بھی کہیں گے۔(الجامع للترمذی،رقم الحدیث: ۱۹۹،باب ماجاء أن من أذن فهویقیم/سنن أبي داؤد،رقم الحدیث:۵۱۴،باب في الرجل یؤذن ویقیم آخر.محشی)

(بلفظ:عن زیادبن الحارث الصدائی قال:أمرنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن أؤذن فی صلاة الفجر فأذنت فأراد بلال أن یقیم،فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:إن أخا صداء قدأذن،ومن أذن فهویقیم.انیس)==

اذان دینے والے ہی کو اقامت کا حق ہے:

سوال: مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

کسی مسجد کا مؤذن زید متعین ہے، زید نے بکر کو کسی وقت اذان پڑھنے کی اجازت دیدی ہے، یا ایسا کہ وقت ہوجانے پر بکر نے اذان پڑھ دی، تو اس صورت میں اقامت پڑھنے کا حق کس کو ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــ وباللہ التوفیق

افضل یہی ہے کہ جو اذان کہے، وہی اقامت کہے، اقامت کا حق مؤذن کو ہے، اگر کسی نے اذان دی اور دوسرے نے اقامت کہی، اگر مؤذن حاضر نہ ہو، تو بلا کراہت جائز ہے، اگر حاضر ہو اور دوسرے کی اقامت سے نہ راضی ہوتا ہے، تو مکروہ ہے، اگر راضی ہے، تو مکروہ نہیں ہے۔

== ہاں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے دوسرا شخص اقامت کہے، مثلاً: مؤذن اذان کہہ کر کہیں چلا جائے، تو ایسی صورت میں دوسرے شخص کا اقامت کہنا درست ہے، اسی طرح اگر مؤذن موجود ہو اور وہ خود دوسرے سے اقامت کہنے کی خواہش کرے، یا کوئی دوسرا شخص اس کی رضامندی سے کہے، تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

”وإن أذن رجل،وأقام رجل آخر،إن غاب الأول جازمن غير كراهة،وإن كان حاضرًا وتلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره،وإن رضى به لا يكره عندنا“. (الفتاویٰ التاتارخانية،كتاب الصلاة،الأذان،نوع آخر فى أذان المحدث والجنب وبيان من يكره أذانه ومن لايكره: ۱/ ۵۲۰، نیز دیکھئے! الفتاویٰ الهندية،الفصل الأول فى صفة الأذان وأحوال المؤذن: ۱/ ۵٤) (وكذا فى المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى،الفصل السادس عشر فى التغنى والإلحان: ۱/ ۳٤٦/البحر الرائق،كتاب الصلاة: ۱/ ۲۷۰،انیس)

حدیث سے بھی اس کا جائز اور درست ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جب اذان کا سلسلہ شروع ہوا، تو پہلی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان دلوائی اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے اقامت کہلائی۔ (سنن أبي داؤد : ۱/ ۷٦،رقم الحديث: ۵۱۲،باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر)

عن عبدالله بن زيد قال:أرادالنبى صلى الله عليه وسلم فى الأذان أشياء لم يصنع منها شيئاً قال:فأرى عبدالله بن زيد الأذان فى المنام ، فأتى النبى صلى الله عليه وسلم فأخبره، فقال:ألقه على بلال،فألقاه عليه،فقال عبدالله: أنا رأيته ، وأنا كنت أريده ، قال:فأقم أنت.(سنن أبى داؤد ،باب الرجل يؤذن ويقيم آخر (ح: ۵۱۲)/مسند أبى داؤدالطيالسى،عبدالله بن زيدبن عاصم الأنصارى (ح: ۱۱۹۹)/مسند الإمام أحمد،حديث عبدالله بن زيدبن عبدربه (ح: ۱٦٤۷٦)/المسند للشاشى،ماروى عبدالله بن زيد بن الحارث بن الخزرج بن جشم بن الحارث بن الخزرج عن النبى صلى الله عليه وسلم .انیس))(کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۱۴۹-۱۵۰)

وأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم، كذا فى الكافى. وإن أذن رجل وأقام آخر إن غاب الأول جاز من غير كراهة وإن كان حاضرًا ويلحقه الوحشة بإقامة غيره مكروه وإن رضى به لايكره عند نا، كذا فى المحيط.(١)

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیو بند۔ ۲۸/۲/۱۳۱۰ھ۔

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیر آبادی، مفتی دار العلوم دیو بند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۸۷-۸۸)

غیر مؤذن کا تکبیر کہنا:

سوال: حقِ تکبیر مؤذن کو ہے یا عام ہے؟ اگر حقِ تکبیر مؤذن ہی کے لیے ہے تو اس کی اجازت سے ہر شخص کا تکبیر پڑھنا جائز ہے یا نا جائز ہے، اگر اجازت نہ ہو تو بلا اجازت پڑھنا غصب حقِ تکبیر ہے یا نہیں؟ اور غاصب کا کیا حکم ہے، تکبیر امام کے مصلی پر آنے کے بعد پڑھنی چاہئے یا بعد میں؟ (محمد یعقوب)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر جماعت کا وقت آ گیا اور مؤذن موجود نہیں تو جس کا دل چاہے تکبیر کہہ لے، اگر مؤذن موجود ہے، تو بغیر اس کی رضا یا اجازت کے دوسرا شخص تکبیر نہ کہے، کیونکہ تکبیر مؤذن کا ہی حق ہے۔

لحديث: "من أذن فهو يقيم، الخ". (مشكوٰة المصابيح: ٦٤/١، كتاب الصلاة، باب الأذان، الفصل الثانى)(٢)

اگر بغیر اس کی رضا یا اجازت کے دوسرا شخص تکبیر کہے تو یہ مکروہ ہے۔

"أقام غير من أذن بغيبته أى المؤذن لا يكره مطلقاً، وإن بحضور كره إن لحقه وحشة". (الدر)

قال الشامى: "أى بأن لم يرض به". (ردالمحتار: ٣٦٧/١)(٣)

---

(١) الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول فى صفة الأذان وأحوال المؤذن: ٥٧/١. (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، الفصل السادس عشر فى التغنى والإلحان: ٣٤٦/١. انيس)

(٢) "قال: ولا بأس بأن يؤذن واحد ويقيم آخر؛ لما روى أن عبد الله بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه سأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يكون له فى الأذان نصيب، فأمر أن يؤذن بلال ويقيم هو"، ولأن كل واحد منهما ذكر مقصود فلا بأس بأن يأتى بكل واحد منهما رجل آخر. والذى روى أن الحارث الصدائى أذن فى بعض الأسفار وبلال كان غائبًا، فلما رجع بلال وأراد أن يقيم، قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أخا صداء أذن، ومن أذن فهو يقيم". إنما قاله علىٰ وجه تعليم حسن العشرة لا أن خلاف ذلك لا يجزىء". (المبسوط، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٢٧٤/١، المكتبة الغفارية، كوئٹة)

(والحديث أخرجه الترمذى، رقم الحديث: ١٩٩، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم/ و أبوداؤد، رقم الحديث: ٥١٤، باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر. انيس)

(٣) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد: ٣٩٥/١، سعيد

امام کے مصلی پر آنے سے پہلے تکبیر جائز ہے بشرطیکہ مصلی کے قریب ہو؛ کہ فصل مزید لازم نہ آئے، مگر بہتر یہ ہے کہ آنے کے بعد ہو۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۷؍۸؍۱۳۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف۔ ۸؍شعبان ۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵؍۴۶۰-۴۶۱)

مؤذن کا اذان کہنے کے بعد خود جماعت میں شریک نہ ہونا:

سوال (۱) مؤذن اذان کے بعد وضو یا سنتوں یا اور کسی کام میں مشغول ہوجاتے ہیں حتی کہ نماز کھڑی ہوجاتی ہے اور جب امام تکبیر تحریمہ باندھ چکا ہوتا ہے، یا ایک رکعت ہوجاتی ہے، تو اب یہ مؤذن اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے، بلکہ دوسری مسجد میں جاکر تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، ان کا یہ روزانہ کا معمول ہے، کبھی ظہر کی نماز میں دو منٹ باقی ہوتے ہیں، جبکہ ان کو ٹائم کا بھی علم ہوتا ہے، اس کے باوجود سنتوں کی نیت باندھ لیتے ہیں، جب تک وہ سنتوں سے فارغ ہوتے ہیں اتنے میں نماز کی دو تین رکعتیں نکل جاتی ہیں، اب اس صورت میں بھی یہ نماز چھوڑ کر دوسری مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، نیز ظہر کی اور فجر کی سنتوں کو نماز سے پہلے پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہوں گی ہی نہیں، لہٰذا ان کا یہ عمل کہاں تک درست ہے اور ان کے لئے کون سی صورت بہتر ہے بیان فرمائیں؟

اقامت کون کہے:

(۲) مؤذن صاحب مغرب کی اذان دے کر لوٹتے ہیں تو تکبیر کوئی دوسرا مقتدی پڑھ دیتا ہے، یہ روزانہ کا معمول ہے۔ موذن صاحب بعد میں خفا ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تکبیر مؤذن کا حق ہے، آپ حضرات ایک دو منٹ انتظار کرلیا کریں، لہٰذا شریعت کی روشنی میں بیان فرمائیں کہ کیا واقعی یہ مؤذن کا حق ہے اور اس کے لئے انتظار کی گنجائش بھی ہے یا نہیں؟

---

(۱) ”عن عبد اللّٰہ بن أبی قتادة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن أبیه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: ”إذا أقیمت الصلاة فلا تقوموا حتیٰ ترونی“.)

قال ابن حجر العسقلانی رحمه اللّٰہ تعالیٰ: ”وفیه جواز الإقامة والإمام فی منزله إذا کان یسمعها، وتقدم إذنه فی ذلک“. (فتح الباری، کتاب الأذان، باب متیٰ یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۲/۱۵۲-۱۵۳، قدیمی)

”والقیام لإمام ومؤتم حین قیل: ”حی علی الفلاح“، إن کان الإمام بقرب المحراب، وإلا فیقوم کل صف ینتهی إلیه الإمام علی الأظهر“ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۹، سعید)

الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(١)　صورت مسئولہ کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر جماعت کا وقت مقرر ہے اور جماعت اسی وقت مقررہ پر ہوتی ہے تو مؤذن صاحب کا سنتوں میں مشغول رہ کر جماعت چھوڑ دینا جائز نہیں، بلکہ مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر ظہر کی سنت ہے تو اگر دوسری رکعت پوری ہونے کے قریب ہے تو دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو جائے، اور اگر تین رکعت پڑھ چکا ہے، تو چاروں رکعت بعجلت پوری کر کے جماعت میں شریک ہو جائے، ورنہ سنتوں کی نیت توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے اور جماعت نہ چھوڑے، ورنہ گنہگار ہوگا۔

”(قوله خلافا لما رجحه الكمال): حيث قال: وقيل يقطع علىٰ رأس الركعتين وهو الراجح ... ثم اعلم أن هذا كله حيث لم يقم إلى الثالثة أما إن قام إليها وقيدها بسجدة ففي رواية النوادر يضيف إليها رابعة ويسلم وإن لم يقيدها بسجدة قال في الخانية: لم يذكر في النوادر، واختلف المشائخ فيه قيل يتمها أربعًا ويخفف القراءة“. (رد المحتار: ١/٧٤٩)(١)

اسی طرح اگر فجر کی سنتوں میں غالب گمان ہو کہ سنت پڑھ کر جماعت مل جائے گی جب تو سنت کہیں کنارے پر پڑھ کر فرض میں شریک ہو جائے، ورنہ سنت چھوڑ دے اور فرض میں شریک ہو جائے۔ پھر سنتِ ظہر فرض کے بعد اور سنتِ فجر آفتاب طلوع ہونے کے بعد راجح قول میں پڑھے تو ترک کا گناہ نہ ہوگا۔

”وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل وإلا بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب وقيل التشهد ... ولا يتركها بل يصليها عند باب المسجد“. (الدر المختار: ١/٤٨٨، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش)

”وقال محمد: أحب إلى أن يقضيها إلى الزوال كما في الدرر، قيل هذا قريب من الاتفاق ... وقال: لا يقضى وإن قضى فلا بأس به“. (رد المحتار: ١/٤٨٢، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش)

پس مؤذن کا سنت میں مشغول رہ کر جماعت چھوڑ دینا اور دوسری مسجد میں چلا جانا مکروہ تحریمی ہے اور سخت گناہ ہے، اور جس مسجد میں اذان دے اس کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھنا فقہا نے مکروہ تحریمی لکھا ہے اور اس پر سخت نکیر وارد ہوئی ہے، اور نکیر کی صورت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ایسی قبیح حرکت ہے کہ جیسے کوئی لوگوں کو کھانے کی دعوت دیکر بلائے اور جب لوگ کھانا کھانے کے لئے آویں، تو یہ دعوت دینے والا غائب ہو جائے یہ عند اللہ سخت مبغوض اور ممنوع ہے، پس اگر یہ صورت اذان دیر میں دینے سے پیش آ گئی ہے تو اس پر لازم ہے کہ مقررہ وقت سے اتنا قبل دے کہ مستقل نمازی آ کر طہارت و وضو، سننِ رواتب پڑھ کر اطمینان سے تکبیر اولیٰ پالیں، جب دوسرے نمازی اتنا وقت پا جائیں گے، تو مؤذن کیوں نہ پائے گا، پس اگر اتفاقیہ تاخیر اذان میں ہو گئی ہے جب تو قابلِ رعایت ہوگا۔ ورنہ اس

(١)　ردالمحتار، باب إدراك الفريضة، قبيل مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد. انيس

تاخیر کی عادت کرے گا تو واجب العزل ہوگا اور اس کو ہٹا کر دوسرا مستعد مؤذن مقرر کر لینا چاہئے، کیونکہ اذان کی گڑبڑی اور عدم پابندی وقت سے جماعت کا نظم بھی گڑبڑ ہوسکتا ہے، اسی طرح اگر جماعت کا وقت مقرر نہ ہو، یا اس کا انتظام نہ ہوتو جماعت منظّم نہ ہوگی اور سارے ہی اہل محلّہ عند اللہ ماخوذ ومجرم ہوں گے اور جماعت کا نظم برقرار وقائم رکھنا ضروری ہوگا، ورنہ سارے اہل محلّہ گنہگار رہوں گے۔

اور اگر جماعت کا وقت مقرر ہے، مگر امام سے وقت کی صحیح پابندی نہ ہوتی ہو اور اسی عدم پابندی سے مذکورہ بالا خرابیاں آسکتی ہیں تو امام سے بھی کہہ دیا جائے کہ پابندی اوقات کریں وہ بھی اگر نہ مانیں تو ان کو بھی بدلا جاسکتا ہے۔

(٢) مغرب کی نماز میں مؤذن کے اذان خانہ سے جماعت گاہ تک آنے میں اتنی دیر نہیں ہوتی کہ وقت مکروہ آجائے یا اس سے نماز میں کراہت آجائے اس لئے مؤذن کے پہنچنے اور تکبیر شروع کرنے کا انتظار کرنا چاہئے اور جب مؤذن کو کسی دوسرے کی تکبیر پڑھنے سے رنج ہوتا ہے تو پھر کسی کو موذن پر سبقت کرنا درست نہ ہوگا۔ ’’من أذن فهو يقيم‘‘ کے قاعدے سے تکبیر میں سبقت نہ کرنا چاہئے۔ مؤذن کو ناگواری نہ ہوتو مضائقہ نہیں۔

’’أقام غير من أذن بغيبته أى المؤذن لايكره مطلقًا وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة‘‘. (الدر المختار)

’’(قوله كره إن لحقه وحشة) أى بأن لم يرض به ... الأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم، آه، أى لحديث ’’من أذن فهو يقم‘‘. (رد المحتار: ١/٢٦٥، باب الأذان) فقط واللّٰه أعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ١/٢١٧-٢٢٠)

جمعہ میں تکبیر کون کہے جب پہلی اذان کوئی اور پکارے اور دوسری کوئی اور:

سوال: جمعہ کے روز اذان اول ایک شخص نے کہی اور اذان جمعہ منبر کے سامنے کی دوسرے نے، تو تکبیر کہنا کس کا حق ہے؟

الجواب

دونوں میں سے جو چاہے تکبیر کہہ دے، تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ (١) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ٢/١٢٠)

(١) وفى الفتاوىٰ الظهيرية: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز. (البحر الرائق، باب الأذان: ١/٢٧٠-٢٧١)

معلوم ہوا کہ مؤذن کا تکبیر کہنا افضل ہے اور جمعہ میں دوسری اذان ہی اصل ہے جو منبر کے سامنے ہوتی ہے۔

’’واختلف فى المراد بالأذان الأول فقيل الأذان الأول باعتبار المشروعية وهو الذى بين يدى المنبر لأنه الذى كان أولاً فى زمنه عليه السلام وزمن أبى بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثانى على الزوراء حين كثر الناس و الأصح أنه الأول باعتبار الوقت. (غنية المستملى، فصل فى الجمعة، ٥١٩)

لہذا قاعدہ میں منبر والی اذان جو کہے، وہ مقدم ہوگا۔ واللہ اعلم، ظفیر

امام صاحب اذان دیتے ہوں، تو اقامت کون کہے، کوئی دوسرا شخص اقامت کہے تو ان کی اجازت ضروری ہے یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں! ہمارے محلّہ کی ایک مسجد میں مؤذن متعین نہیں ہے؛ اس وجہ سے اکثر امام صاحب ہی اذان دیتے ہیں، تکبیر کہنے کیلئے امام صاحب جس کو اجازت دے دیں وہی تکبیر کہے یا ان کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص تکبیر کہہ سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

افضل یہی ہے کہ جو اذان کہے وہی اقامت (تکبیر) کہے، اقامت کا حق مؤذن کو ہے، البتہ مؤذن کی غیر حاضری میں یا اس کی اجازت سے کوئی دوسرا اقامت کہے تو بلا کراہت جائز ہے۔

والأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم (كذا في الكافي) وإن أذن رجل وأقام آخر إن غاب الأول جاز من غير كراهة وإن كان حاضرًا ويلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره وإن رضي به لا يكره. (الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۳۳)

آپ کے یہاں مؤذن متعین نہیں ہے، امام صاحب ہی اذان بھی دیتے ہیں، تو وہ جماعت کے وقت تکبیر کہہ کر مصلی پر پہنچ جائیں۔

"والأحسن أن يكون المؤذن إماماً في الصلوٰة" كذا في المعراج الدراية. (الهندية: ۱/ ۳۳)

یا ان کی اجازت سے کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے، ان کی اجازت کے بغیر اگر دوسرا شخص اقامت کہے اور وہ اس کی اقامت سے ناراض ہوتے ہوں، تو مکروہ ہے۔ (الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۳۳) (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو! فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۲۰۱۔ ۲۰۲، اردو ایڈیشن) فقط واللہ اعلم بالصواب

۱۵/ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/ ۲۹۷۔ ۲۹۸) ☆

☆ **بلا اذن مؤذن اقامت:**

سوال: بدون اذن مؤذن کوئی شخص اقامت کہہ سکتا ہے؟

الجواب

مؤذن صاحب بروقت موجود نہ ہوں اور ان کے انتظار میں مصلیوں کا حرج ہو، تو ان کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اقامت کہہ سکتا ہے۔

أقام غير من أذن بغيبته أي المؤذن لايكره مطلقًا. (ردالمحتار: ۱/ ۲٦۵، باب الأذان، قبيل مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد) فقط (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/ ۱۲۸۔ ۱۲۹)

==

بدون رضائے مؤذن اقامت کہنا:

سوال: مؤذن کی بغیر اجازت کسی نے تکبیر کہی، تو ثواب تکبیر کہنے کا مؤذن کو ملے گا یا مکبر کو؟ اور مکبر کو بغیر اجازت تکبیر کہنے سے گناہ صغیرہ ہوگا یا کبیرہ، جبکہ مؤذن ناراض ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اقامت کا ثواب اقامت کہنے والے کو ملے گا، مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کہنا جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے۔

قال فی شرح التنویر: (أقام غیر من أذن بغیبته أی المؤذن لایکره مطلقاً) وإن بحضور کره إن لحقه وحشة. (الدر المختار)

ونقل ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ عن الخلاصة والإمام الطحاوی معزیاً إلیٰ أئمتنا الثلاثة و عن البحر والکافی أنه لابأس به مطلقاً ولکن الأفضل أن یکون المؤذن هو المقیم. (رد المحتار: ۱/۳٦۷) **فقط والله تعالیٰ أعلم**

۲۴/ ذی قعدہ ۱۳۸٦ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۷۵) ☆

== مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت:

سوال: جس شخص نے اذان کہی؛ بغیر اس شخص کی اجازت کے؛ جب کہ وہ صف میں موجود ہے؛ کوئی دوسرا اقامت کہے، درست ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا ومصليًا

اقامت درست تو ہوجائے گی مگر ایسا کرنا مناسب نہیں۔

("أقام غیر من أذن بغیبته أی المؤذن لا یکره مطلقاً، إن بحضور کره إن لحقه وحشة، کما کره مشیه فی إقامته". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان، قبیل مطلب فی کراهة تکرار الجماعة: ۱/۳۹۵-۳۹٦، سعید)

"وفی الفتاویٰ الظهیریة: والأفضل أن یکون المقیم هو المؤذن ولو أقام غیره جاز". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/٤٤٧، رشیدیة)

"قال: ولا بأس بأن یؤذن واحد ویقیم آخر؛ لما روی أن عبد الله بن زید رضی الله تعالیٰ عنه سأل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن یکون له فی الأذان نصیب، فأمر بأن یؤذن بلال ویقیم هو"، ولأن کل واحد منهما ذکر مقصود فلا بأس بأن یأتی بکل واحد منهما رجل آخر. والذی روی أن الحارث الصدائی أذن فی بعض الأسفار وبلال کان غائباً، فلما رجع بلال و أراد أن یقیم، قال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن أخا صداء أذن، ومن أذن فهو یقیم". انما قاله علی وجه تعلیم حسن العشرة لا أن خلاف ذلک لا یجزئ". (المبسوط، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۷٤، المکتبة الغفاریة، کوئٹة) فقط والله سبحانه تعالیٰ أعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۵۹)

☆ غیر مؤذن کا اقامت کہنا:

سوال: مؤذن اذان دیتا ہے، تو تکبیر دوسرا بول سکتا ہے یا نہیں؟ مؤذن سے اجازت لے کر تکبیر بولنے کا ہے کہ موذن ہی تکبیر بول سکتا ہے؟ ==

امام کے سوا کوئی اقامت کہنے والا نہیں ہو:

سوال: بسا اوقات مساجد میں ایسا ہوتا ہے کہ امام کے علاوہ کسی کو اقامت کہنا نہیں آ تا، تو اس وقت امام صاحب کو کیا کرنا چاہئے؟ (محمد سیف اللہ، بابانگر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اگر کسی مسجد میں یہ صورت حال ہو، تو امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں کی دینی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دے، اوران کو اس لائق بنائے کہ وہ صحیح طور پر اذان واقامت کہہ سکیں، خود اپنی نماز پڑھ سکیں، اور بوقتِ ضرورت نماز پڑھا بھی سکیں، تاہم اگر کہیں امام صاحب کے سوا کوئی اور اقامت کہنے کے لائق نہ ہو، تو یہ درست ہے کہ خود امام ہی اقامت بھی کہہ دے، علامہ حصکفی نے نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اذان بھی کہی ہے، اقامت بھی، اور نماز ظہر بھی پڑھائی ہے۔(۱)

’’وفي الضياء: أنه عليه السلام أذن في سفره بنفسه وأقام وصلى الظهر‘‘. (۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۱)

اقامت سے متعلق چند سوالات:

سوال: امام راتب نے اذان دی اور انہوں نے کسی کو تکبیر کے لئے مقرر نہ کیا تو اگر مقتدیوں میں سے کسی نے تکبیر کہہ دی تو ایسی صورت میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

(۲) کیا تکبیر کہنے والا شخص بالکل امام کے پیچھے کھڑا ہوگا، یا دائیں وبائیں جانب یا کہیں سے بھی تکبیر کہہ سکتا ہے اور نہیں تو کیا قباحت ہے؟

== الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

بول سکتا ہے۔

وفي الفتاویٰ الظهيرية: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز. (البحر الرائق: ۱/ ۲۷۰، ردالمحتار، باب الأذان: ۲/ ٦٤، زكريا) فقط والله تعالىٰ أعلم (محمود الفتاویٰ:۴/۲۲۹)

(۱) سفر یا حضر میں کسی جگہ بھی صحیح اور صریح روایت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان دینا ثابت نہیں ہے، البتہ ترمذی کی ایک روایت سے ایک سفر میں اذان دینے کا کچھ ثبوت بھی ملتا ہے، تو اولاً اس روایت پر کلام ہے، ثانیاً اس میں اختصار ہے۔ دوسرے طرق سے اس کا مفہوم بھی یہی متعین ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اذان واقامت کہی اور یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص حضرت بلالؓ سفر وحضر ہر جگہ ساتھ رہا کرتے تھے اور وہی اذان واقامت کہتے تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے! فتاویٰ علماء ہند، اذان کے مسائل: ۴/ ۲۸۷-۲۸۸، انیس)

(۲) الدر المختار متن رد المحتار، آخر باب الأذان: ۲/ ۷۱۔

(۳) امام راتب کی اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص کو نماز پڑھانے کا حق حاصل ہے جو علم وقراءت کے اعتبار سے امام سے بہتر ہو؟

(۴) اگر مؤذن کی اجازت کے بغیر کسی نے تکبیر کہہ دی تو کیسا ہے؟

(۵) ایسا مقتدی جو امام کی عدم موجودگی میں امام کی غیبت کرے تو اس شخص کی نماز اس امام کی اقتدا میں درست ہے یا کوئی حرج ہے؟

هــو المصــوب

(۱) دریافت کردہ مسئلہ میں کوئی قباحت نہیں ہے۔(۱)

(۲) اولیٰ یہ ہے کہ اقامت کہنے والا شخص امام کے پیچھے کھڑا ہو، بہرصورت کسی بھی جگہ سے اقامت کہہ دینے سے اقامت درست ہوجاتی ہے۔

(۳) امام راتب کی اجازت کے بغیر دوسرے کو نماز پڑھانے کا حق نہیں ہے۔(۲)

(۴) اگر مؤذن کو ناگوار ہو تو مکروہ ہے۔(۳)

(۵) نماز درست ہوجائے گی لیکن اس عمل سے باز آنا چاہئے، کیوں کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔(۴)

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۹۹-۴۰۰)

اقامت کہنے میں مؤذن وغیرہ امام کے تابع ہیں:

سوال: ابھی امام فجر کی سنت پڑھ رہے تھے کہ مؤذن نے اقامت شروع کردی تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مؤذن اقامت کہنے کے لئے امام کے حکم یا اشارہ کا تابع ہے، لہذا امام حاضر ہو تو جب تک وہ خود آگے نہ بڑھے یا اقامت کہنے کا حکم یا اشارہ یا مستعدی نہ بتلائے اقامت کہنے میں جلدی نہ کرنی چاہئے۔

(۱) وفی الفتاویٰ الظهيرية: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز.(البحر الرائق: ۱/٤٤٧)

(۲) واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولٰى بالإمامة من غيره مطلقاً.(الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۲۹۷،باب الإمامة،قبل مطلب البدعة خمسة أقسام)

(۳) (أقام غير من أذن بغيبته)أى المؤذن(لا يكره مطلقاً)وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة.(الدر المختار متن ردالمحتار: ۲/٦٤،باب الأذان،قبيل مطلب فى كراهة تكرار الجماعة)

(۴) ﴿أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾.(سورة الحجرات: ۱۲)

مقتدیوں کا بھی امام کے آگے بڑھنے سے پہلے کھڑا ہوجانا مکروہ ہے۔

وإن لم يكن حاضرًا يقوم كل صف ينتهي إليه الإمام في الأظهر. (مراقی الفلاح)

وإذا أخذ المؤذن في الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه يقعد ولاينتظر قائمًا فإنه مكروه. (الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ١٦١)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ مؤذن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھتا تو اس وقت اقامت شروع کرتا۔ (مستدرک حاکم: ۱/۲۱۳) (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/۳۳۸)

اہل حدیث کا اقامت کہنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسلک اہل حدیث کا ایک آدمی حنفی مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے، اور احناف کی طرح کلمات اقامت کہتا ہے، باقی افعال صلاۃ بمطابق مسلک اہل حدیث ادا کرتا ہے، کیا یہ شخص اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں، اگر اقامت کہہ دے، تو اس کی اقامت سے فریضۂ اقامت ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اور نماز ہوجائے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حنفیوں کی نماز میں اس سے کچھ فرق نہیں آتا اور اقامت کا اعادہ کرنا درست نہیں، (۲) بہتر یہ ہے کہ جس شخص نے اذان کہی، وہی تکبیر کہے، (۳) یا دوسرے کو اجازت دے دے۔ (۴) (کذا فی فتاویٰ دار العلوم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸۲۱)

---

(۱) عن جابر بن سمرة قال: كان مؤذن النبي صلى الله عليه وسلم يؤذن ثم يمهل فإذا رأى النبي صلى الله عليه وسلم قد أقبل أخذ في الإقامة. (المستدرك للحاكم، ومن كتاب الإمامة وصلاة الجماعة (ح: ٧٧٣) وقال: هذا حديث صحيح على شرط مسلم/ وكذا في مسند البزار، مسند جابر بن سمرة رضي الله عنه (ح: ٤٢٧١)/ الصحيح لابن خزيمة، باب انتظار المؤذن الإمام بالإقامة (ح: ١٥٢٥) انيس)

(۲) كذا في الهندية: ويكره أذان الفاسق ولايعاد هكذا في الذخيرة. (الباب الثاني في الأذان وفيه فصلان، الفصل الأول في صفته و أحوال المؤذن: ٥٤/١، طبع رشيدية، كوئٹة)

(۳) مشكوة المصابيح عن زياد بن الحارث ... ومن أذن فهو يقيم. (رواه الترمذي، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٦٤/١، طبع قديمي كتب خانة، كراچي)

وهكذا في الدر المختار: (أقام غير من أذن بغيبته) أي المؤذن (لايكره) مطلقاً. (باب الأذان: ٣٩٥/١، ط: سعيد)

(۴) هكذا في البحر الرائق: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز. (باب الأذان: ٤٤٧/١)

وهكذا في المبسوط قال: لا بأس بأن يؤذن واحد ويقيم آخر؛ لماروى أن عبد الله بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه سأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يكون له في الأذان نصيب فأمر بأن يؤذن بلال و يقيم هو، الخ. (باب الأذان: ٢٧٤/١، طبع، غفارية، كوئٹة)

کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرنا:

سوال: مصلی حضرات مسجد میں آکر بیٹھ نہیں جاتے کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرتے ہیں اور باتوں میں لگ جاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد دربار الٰہی ہے دنیوی بادشاہوں کے دربار دربار الٰہی کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے، خدا کے مقرب بندے مسجد میں قدم رکھنے سے گھبراتے اور کانپتے تھے، لیکن اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ مسجد کو بازار کی طرح سمجھتے ہیں، کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرتے ہیں باتوں میں مشغول رہتے ہیں، ثواب اور ملائکہ کی دعاؤں کے بجائے گناہ اور بددعا لے کر جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ فرشتے لوگوں کو مسجد میں باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر کہتے ہیں:

"أُسْکُتْ یَا وَلِیَّ اللّٰہِ". (اے خدا کے ولی! خاموش رہ)

اگر سلسلۂ کلام جاری رہتا ہے۔۔۔تو کہتے ہیں: "أُسْکُتْ یَا بَغِیْضَ اللّٰہِ". (اے خدا کے دشمن! خاموش ہوجا)

اس کے بعد بھی سلسلۂ کلام بند نہ ہو؛ تو کہتے ہیں:

"أُسْکُتْ عَلَیْکَ لَعْنَۃُ اللّٰہِ". (تجھ پر خدا کی لعنت، خاموش ہوجا) (کتاب المدخل: ۵۵/۲)(۱)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "إذا دخل الرجل عند الإقامة يكره له الانتظار قائمًا ولكن يقعد ثم يقوم إذا بلغ المؤذن قوله: "حي على الفلاح". (۲)

یعنی اقامت کے وقت کوئی شخص مسجد میں آئے تو کھڑے کھڑے اقامت یا امام کا انتظار کرنا مکروہ ہے، اگر امام محراب کے پاس ہو تو "حي على الفلاح" کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اور اگر امام محراب سے دور ہو اور صفوں کے پیچھے سے مصلی پر جاتا ہو؛ تو جس صف کے قریب امام پہونچے وہ صف کھڑی ہوجائے، اگر امام آگے کی جانب سے داخل ہو تو اسے دیکھ کر کھڑے ہوجائیں۔ (شامی: ۴۴۷/۱)(۳)

خلاصہ یہ کہ جب مسجد میں آوے تو اگر مکروہ وقت نہ ہو تو تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو، پڑھے سنتوں کا وقت ہو تو سنتیں پڑھ کر جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے اور ذکر اللہ میں مشغول رہے، جس سے نماز میں خشوع وخضوع بھی نصیب ہوگا، ورنہ دنیوی خیالات میں بھٹکتا رہے گا۔ جیسے ایک شاعر نے کہا ہے:

ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف پر سب اپنے اپنے خیال میں ہیں
امامِ مسجد سے کوئی پوچھے نماز کس کو پڑھا رہا ہے

فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۸۷/۴-۲۸۸)

(۱) المدخل لابن الحاج، فصل رفع الصوت في المسجد: ۲۲۷/۲، انیس ==

بوقت اقامت ہاتھ باندھنا خلاف سنت ہے:

سوال: جب مؤذن اقامت کہتا ہے،اس وقت عام طور پر مقتدی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں،مگراس کو سنت نہیں سمجھتے ، پھر تکبیر تحریمہ کے بعد سنت کے مطابق ہاتھ باندھتے ہیں،معلوم ہوا کہ آپ اس سے منع فرماتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

تکبیر تحریمہ سے قبل ہاتھ باندھنا کہیں ثابت نہیں، (۱)اس کو سنت نہ بھی سمجھا جائے ،تو بھی چونکہ یہ حدود شریعت پر زیادتی ہے،اس لئے مکروہ ہے۔علاوہ ازیں لٹکے ہوئے ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک لے جانے میں جس قدر احکم الحاکمین کی عظمت شان کا اظہار ہے، بندھے ہوئے ہاتھوں کو اٹھانے میں اتنا نہیں۔لہذا اس رسم کا ترک اور دوسروں کو اس سے احتراز کی تبلیغ لازم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵/ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۹۷)

==(۲) الفتاویٰ الهندية،الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۵۷/۱.انيس

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،قبيل الفصل.انيس

حاشيه صفحه هذا:

(۱) عن وائل بن حجر قال،قلت: لأنظرن إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف يصلي؟قال: فنظرت إليه،قام فكبر، ورفع يديه حتى حاذتاأذنيه ثم وضع يده اليمنىٰ على ظهر كفه اليسرىٰ والرسغ والساعد،ثم قال: لماأراد أن يركع،رفع يديه مثلها ووضع يديه على ركبتيه،ثم رفع رأسه،فرفع يديه مثلهاثم سجد،فجعل كفيه حذاء أذنيه،ثم قعدفا فترش رجله اليسرىٰ ووضع كفه اليسرىٰ على فخذه وركبته اليسرىٰ وجعل حد مرفقه الأيمن على فخذه اليمنىٰ ثم قبض بين أصابعه فحلق حلقة ثم رفع إصبعه فرأيته يحركها يدعو بها،ثم جئت بعد ذلك في زمان فيه بردفرأيت الناس عليهم الثياب تحرك وأيديهم من تحت الثياب من البرد.(مسندالإمام أحمد،حديث وائل بن حجر (ح: ۱۸۸۷۰)/سنن الدارمي،باب صفة صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ۱۳۹۷)/الصحيح لابن خزيمة،باب وضع بطن كف اليمنىٰ على كف اليسرىٰ (ح: ۴۸۰)/الصحيح لابن حبان،ذكرمايستحب للمصلى رفع اليدين عند إرادته (ح: ۱۸۶۰)/المعجم الكبير للطبراني،عن وائل بن حجر (ح: ۸۲)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ اٹھایا جائے گا۔انیس

☆ اقامت کے وقت ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ثابت نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب مؤذن تکبیر کہتا ہے تو بعض نمازی ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور اسی حالت میں تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ باندھتے ہیں،تو اس طرح جماعت کی صف میں کھڑا رہنا سنت ہے یا مستحب،اگر یہ سنت یا مستحب نہ ہو،تو اس پر عمل نہ کرنے والے کو بے وقوف ، جاہل وغیرہ کہنا کیسا ہے؟ ==

اقامت کے وقت مقتدی کھڑے رہیں یا بیٹھے:

سوال: تکبیر مقتدی کھڑے ہو کر سنیں یا بیٹھ کر؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے، جیسا کہ عالمگیری (۱/۵۷) اور بدائع الصنائع (۱/۲۰۰) پر مذکور ہے کہ!

امام اگر جانب غرب سے مسجد میں داخل ہو؛ مثلاً جدار قبلہ میں یا اس کے آس پاس حجرہ ہو یا دروازہ ہو تو جوں ہی امام نظر پڑے، سب کھڑے ہو جائیں اور اگر امام مقتدی کی پشت کی طرف سے آئے، مثلاً حوض یا وضو خانہ سے تو امام جس صف پر پہنچتا جائے؛ صف کھڑی ہوتی جائے۔ یہاں تک کہ جب امام مصلے پر پہنچے تو سارے مقتدی کھڑے ہو چکے ہوں، ان دونوں صورتوں میں تکبیر کھڑے ہو کر سنے، تیسری صورت یہ ہے کہ امام محراب کے قریب ہو، مثلاً: عصر کی نماز پڑھا کر کتاب سنانا شروع کر دے یا وعظ شروع کر دے اور سارے مقتدی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں، حتی کہ مغرب کا وقت آجائے، اذان ہو، اس کے بعد تکبیر ہو تو جب مکبر "حی علی الصلاۃ" یا "حی علی الفلاح" پر پہنچے؛ تب سارے لوگ کھڑے ہوں، صرف اس صورت میں تکبیر کا کچھ حصہ بیٹھ کر اور کچھ کھڑے ہو کر سننا ہے۔

نیز کتب فقہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ "حی علی الصلاۃ" پر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد تک نہ بیٹھا رہے، لہٰذا اگر شروع اقامت ہی سے کوئی کھڑا ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ سب مسائل درمختار اور اس کی شرح طحطاوی میں (ج:۱/ص:۲۱۵، پر) مذکور ہیں۔

نیز امام محمد نے کتاب الصلاۃ میں اس کی تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شروع اقامت سے کھڑا ہو جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: "لا حرج"، کوئی حرج نہیں۔(۱)

== اور مستحب و مستحسن طریقہ کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز شروع ہونے سے قبل قیام کی حالت میں جب صف لگائی جا رہی ہو؛ اور قدم درست اور برابر کئے جا رہے ہوں اس وقت ہاتھ باندھنا نہ مسنون ہے نہ مستحب۔ لہٰذا اس وقت ہاتھ باندھنے کو مسنون سمجھنا اور نہ باندھنے والے کو بے وقوف جاہل کہنا غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴/۳)

(۱) قلت: متى يجب على القوم أن يقوموا في الصف؟ قال: إذا كان الإمام معهم في المسجد فإني أحب لهم أن يقوموا في الصف إذا قال المؤذن: "حي على الصلاة"، وإذا قال: "قدقامت الصلاة" كبر الإمام وكبر القوم معه وأما إذا لم يكن الإمام معهم فإنني أكره، لهم أن يقوموا في الصف والإمام غائب عنه وهذا قول أبي حنيفة ومحمد وأما في قول أبي يوسف فإنه لايكبر حتى يفرغ المؤذن من الإقامة، قلت: أرأيت إن أخر الإمام ذلك حتى يفرغ المؤذن من الإقامة ثم كبر ودخل في الصلاة؟ قال: لابأس بذلك. (الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني، باب افتتاح الصلاة ومايصنع الإمام: ۱/۱۸-۱۹. انيس)

نیز حضرات فقہا نے اس کو نہ واجبات میں شمار کیا ہے، نہ سنن مؤکدہ میں بلکہ ہلکا سا مستحب ہے۔

حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور مبارک میں صحابہ کرام پہلے سے صف بستہ کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ میں تشریف فرما ہوتے اس پر آپ نے فرمایا کہ جب تک میں حجرہ سے باہر نہ آجاؤں تم لوگ کھڑے نہ ہوا کرو پھر یہ معمول ہو گیا تھا کہ صحابہ کرام صف بنا کر بیٹھ جاتے اور مؤذن کی نگاہ حجرۂ شریفہ پر رہتی جونہی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف آوری کے لئے پردہ ہٹاتے مؤذن کھڑا ہو کر تکبیر شروع کر دیتا اور تمام صحابہ کھڑے ہو جاتے جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصلی پر پہونچتے تو سارے صحابہ کو صف بستہ کھڑا ہوا پاتے، (١) یہ صورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مصلی پر تشریف فرما ہوں اور سارے صحابہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں اور مکبر تنہا کھڑا ہو کر تکبیر کہے اور جب وہ ''حی علی الصلاۃ'' پر پہنچے تب سارے صحابہ کھڑے ہوتے ہوں۔ (بذل المجهود: ٣٠٧/١) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:٢/٦٥-٦٦) ☆

---

(١) عن أبی قتادة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "إذا أقیمت الصلاة فلاتقوموا حتی ترونی وعلیکم السکینة". (الصحیح للبخاری، لایسعٰی إلی الصلاة مستعجلاً(ح: ٦٣٨)/الصحیح لمسلم، باب متی یقوم الناس للصلاة (ح: ٦٠٤) انیس)

☆ بیٹھ کر اقامت سننا:

سوال: اقامت بیٹھ کر سننا جائز ہے یا ناجائز؟

هو المصوب

اقامت بیٹھ کر سننا جائز ہے، (قوله قعد) ویکره له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم إذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح، انتهٰی، هندیة عن المضمرات. (رد المحتار، آخر باب الأذان، قبیل باب شروط الصلاة: ٧١/٢)

إذا دخل الرجل عند الإقامة یکره له الانتظار قائماً ولکن یقعد ثم یقوم إذا بلغ المؤذن قوله: حی علی الفلاح، کذا فی المضمرات. (الفتاویٰ الهندیة، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة: ٥٧/١. انیس)

البتہ بہتر و افضل یہ ہے کہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہو جائیں؛ تاکہ صفوں کی درستگی میں خلل اور تاخیر واقع نہ ہو، کیوں کہ اقامت صف کی بہت تاکید آئی ہے۔ حدیث میں ہے:

لتسون صفوفکم أو لیخالفن اللّٰہ بین وجوهکم. (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف، رقم الحدیث: ٤٣٦-عن النعمان بن بشیر/الصحیح للبخاری، باب تسویة الصفوف عند الإقامة وبعدها ح: ٧١٧)/سنن أبی داؤد، باب تسویة الصفوف (ح: ٦٦٣)/سنن الترمذی، باب ماجاء فی إقامة الصفوف (ح: ٢٢٧)/وفی المعجم الکبیر للطبرانی، سالم بن أبی الجعد عن النعمان (ح: ١١١) بلفظ: لتسون صفوفکم فی صلاتکم أو لیخالفن بین قلوبکم. انیس)

تحریر: مسعود حسن حسنی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ٤١١/١)

ضعف کی وجہ سے اقامت کے وقت بیٹھنا:

سوال: کیا ابن ماجہ شریف میں یہ حدیث ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسبب ضعف وکمزوری اقامت کے وقت بیٹھتے تھے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مجھے یہ محفوظ نہیں کہ ضعف کی وجہ سے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کے وقت بیٹھتے تھے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۱/۷/ ۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۶۸/۵)

عندالاقامت امام کو آگاہ کرنے کیلئے مؤذن کھنکھارے تو کیسا ہے:

سوال: امام صاحب صف اول میں بیٹھے ہیں، جماعت کھڑی ہونے کے وقت مؤذن صاحب کھنکھارتے ہیں، اس وقت امام صاحب مصلی پر جاتے ہیں، اس کے بعد مؤذن اقامت کہتے ہیں، تو یہ طریقہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ

جب امام صاحب صف اول میں بیٹھے ہوں، تو کھنکھارنا فضول اور لغو ہے، ہاں حجرہ میں ہوں؛ تو جماعت کا وقت ہونے کی اطلاع دہی کے لئے کھنکھارے تو کوئی حرج نہیں۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۹۲/۴)

---

(۱) ابن ماجہ میں یہ روایت نہیں ملی۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں اقامت کے وقت بیٹھے ہوئے تھے اورنماز بھی بیٹھ کر پڑھائی تھی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجبوری کے وقت بیٹھ کر اقامت سننا جائز ہے۔ بخاری میں ہے:

عن أنس بن مالک أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ركب فرساً فصرع عنه فجحش شقه الأيمن،فصلى صلاة من الصلوات وهو قاعد فصلينا وراء ه قعوداً،فلما انصرف قال:إنماجعل الإمام ليؤتم به فإذا صلى قائماً فصلوا قياماً،فإذا ركع فاركعوا وإذا رفع فارفعوا وإذا قال سمع اللّٰه لمن حمده ، فقولوا:ربنالک الحمد،وإذا صلى قائماً فصلوا قياماً وإذا صلى جالساً فصلوا جلوساً أجمعين.

قال أبوعبداللّٰه : قال الحميدى:قوله"إذا صلى جالساً فصلوا جلوساً"بهو فى مرضه القديم،ثم صلى بعدذلک النبى صلى اللّٰه عليه وسلم جالساً، والناس خلفه قياماً لم يأمرهم بالقعود وإنما يؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبى صلى الله عليه وسلم.(الصحيح للبخارى،باب إنماجعل الإمام ليؤتم به (ح:٦٨٩)

وقال أبوحنيفة والشافعى وجمهورالسلف رحمهم اللّٰه تعالىٰ:لايجوزللقادرعلى القيام أن يصلى خلف القاعدإلا قائماًواحتجوا بأن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى مرض وفاته بعدهذا قاعداًوأبوبكروالناس خلفه قياماً.(شرح النووى لمسلم، كتاب الصلاة،باب ائتمام المأموم بالإمام:١٣٣/٤.انيس)

(۲) ثم التثويب فى كل بلدة على مايتعارفونه إما بالتنحنح أو بقوله:"الصلاة الصلاة" أو" قامت قامت"،أو "نماز بايک نمازبايک"، كما يفعل أهل بخارىٰ،لأنه الإعلام والإعلام إنمايحصل بما يتعارفونه.(بدائع الصنائع،فصل فى بيان سنن الأذان:١٤٩/١.انيس)

غیر مقلد کی تکبیر سے نماز میں نقص نہیں ہوتا:

سوال: ایک غیر مقلد نے بلا اجازت مؤذن کے تکبیر جمعہ اس طرح کہی کہ بجائے دو کلموں کے ایک کلمہ اور بجائے چار کے دو کلمے کہے پھر مؤذن نے دوبارہ تکبیر صحیح طور پر پڑھی، اس پر غیر مقلد نے تیسری بار پھر تکبیر پڑھی، اس سے حنفیوں کی نماز میں تو کچھ نقصان نہیں ہوا؟

الجواب

حنفیوں کی نماز میں اس سے کچھ فرق نہیں آیا؛ باقی غیر مقلد نے جو ضدًا تیسری بار تکبیر کہی؛ یہ برا کیا، اس میں وہ گنہ گار ہوا کہ دین کے کاموں میں ضد اور نفسانیت سے کام لیتا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۲۱-۱۲۲)

اگر امام بغیر تکبیر، بوجہ ضعف سماع، جماعت شروع کردے تو کیا حکم ہے:

سوال: امام مسجد نے مصلی پر کھڑے ہوکر مقتدیوں کو تکبیر کے لئے اذن دیا تکبیر میں کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی امام نے بقدر تکبیر تاخیر کر کے بوجہ اپنے ضعف سماع کے نہ سنا اور نیت باندھ لی تو نماز یا ثواب جماعت میں کچھ حرج واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز ہوگئی اور ثواب جماعت بھی مل گیا اور اقامت جو کہ سنت ہے متروک ہوگئی۔(۲) لیکن چونکہ بوجہ عدم سماع امام کے ایسا ہوا اس لئے کچھ گناہ نہیں ہوا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۹۲)

اقامت کتنی بلند آواز سے ہونی چاہیے:

سوال: کسی شخص کا امام کے پیچھے کھڑے ہوکر اس قدر دھیمی آواز سے اقامت کی تکبیر کہنا کہ خود اس کے ساتھ فقط امام اور دائیں بائیں کے دو ہی آدمیوں کو سنائی دے، دوسروں تک آواز نہ پہنچے، کیسا ہے؟ اقامت کی تکبیر کا مقصد کیا سب مقتدیوں اور مسجد میں موجود دوسرے لوگوں تک آواز پہنچانا نہیں؟

---

(۱) (ولا یترک رفع الیدین) عند التکبیر لأنه سنة مؤکدة (ولو اعتاد) ترکه (یأثم) لا لنفس الترک بل لأنه استخفاف وعدم مبالاة بسنة واظب علیها النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم مدة عمره أما لو ترکه بعض الأحیان من غیر اعتیاد فلا یأثم وهذا مطرد فی جمیع السنن المؤکدة. (الکبیری شرح منیة المصلی، فصل فی صفة الصلاة: ۳۰۰. انیس)

(۲) ویکره أداء المکتوبة بالجماعة فی المسجد بغیر أذان وإقامة، کذا فی فتاویٰ قاضی خان. (الفتاویٰ الهندیة، ط: مصر، الباب الثانی فی الأذان: ۱/۵۰) (فتاویٰ قاضی خان، مسائل الأذان: ۱/۹۷، ط: اشپاٹک لیتھو گرافس کلکته. انیس) ==

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

اقامت اتنی بلند آواز سے ہونی چاہیے کہ نمازیوں کو سنائی دے، اگر برابر والا ایک ایک آدمی سنے، تو یہ اقامت صحیح نہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۳۱۳)

اقامت میں عجلت:

سوال: اقامت جلدی جلدی کہنا چاہئے یا ٹھہر ٹھہر کر، یا ان دونوں کے درمیان؟

الجواب ـــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

"ویترسل فیه، ویحدر فیها". (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اذان سے اقامت جلدی جلدی کہی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۶۲)

اقامت (تکبیر) شروع کرنے کیلئے امام کا مصلیٰ پر ہونا ضروری نہیں:

سوال: جب جماعت کا وقت ہو جاوے، تو تکبیر کب شروع ہونی چاہیے، یعنی امام صاحب کے مصلیٰ پر آنے سے قبل شروع کرنا یا امام صاحب کا مصلیٰ پر ہونا ضروری ہے یا سب کو "قد قامت الصلوٰة" پر کھڑا ہونا چاہیے؟

== "(والإقامة كالأذان) فيما مر. (الدر المختار)... وأراد بما مر أحكام الأذان العشرة المذكورة في المتن وهي أنه سنة للفرائض إلخ. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنائر للأذان: ۱/۳۶۰، ظفير)

(۱) ومن السنّة أن يأتي بالأذان والإقامة جهرًا رافعاً بهما صوته إلّا أن الإقامة أخفض منه. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۵۵)

(۲) عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال لبلال رضی الله تعالیٰ عنه: "يا بلال! إذا أذنت فترسل في أذانك، وإذا أقمت فاحدر، واجعل بين أذانك وإقامتك قدرما يفرغ الآكل من أكله، والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته، ولا تقوموا حتیٰ تروني". (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الترسل في الأذان: ۱/۴۸، سعيد)

"ومنها: أن يترسل في الأذان، ويحدر في الإقامة؛ لقول النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم لبلال رضی الله تعالیٰ عنه: "إذا أذنت فترسل، وإذا أقمت فاحدر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/۴۴۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

"(قوله: ويترسل فيه ويحدر فيها): أي يتمهل في الأذان، ويسرع في الإقامة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۴۷، رشيدية)

"ويحدر بضم الدال: أي يسرع فيها، فلو ترسل لم يعدها في الأصح". (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے بھی تکبیر پڑھ دیا کرتے تھے،(١) اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جب نماز کی تکبیر کہی جاوے، تو اس وقت کھڑے نہ ہو، جب تک مجھے نہ دیکھ لو۔(٢) تیسری حدیث میں (ہے کہ) ایک مرتبہ نماز کی تکبیر کہی گئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرش مسجد کے ایک طرف ایک شخص سے باتیں کررہے تھے، آپ نماز کو نہ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ لوگ سو گئے۔(٣) یہ تینوں حدیث کونسی کتاب سے منسوخ ہیں۔ حوالہ دیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

جب جماعت کا وقت ہو جاوے اور امام موجود ہو، خواہ مصلیٰ پر ہو یا مصلیٰ سے الگ کسی اور جگہ پر ہو، حتی کہ مسجد سے متصل اپنی کوٹھری میں اور نماز کے لیے تیار ہو، تو تکبیر شروع کر دینا جائز ہے۔ تکبیر شروع کرنے کے لیے امام کا مصلیٰ پر ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ اسی طرح مقتدیوں کو ”**قد قامت الصلاۃ**“ ہی پر کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے کہ اس کے پہلے کھڑا ہونا جائز ہی نہ ہو، یہ بھی صحیح نہیں ہے اور ایسا سمجھنا ناجائز اور بدعت ہے۔(٤)

حاصل یہ ہے کہ امام جب موجود ہو اور مکبر تکبیر شروع کر دے، تو لوگ صفیں درست کرنا شروع کر دیں، یہاں تک کہ ”**قد قامت الصلاۃ**“ تک سب کھڑے ہی ہو چکے ہوں اور صفیں سیدھی کرنے میں سہولت ہو۔(٥)

---

(١) عن أبی هريرة أن الصلاة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبی صلى الله عليه وسلم مقامه. (الصحيح لمسلم، باب متى يقوم الناس للصلاة (ح: ٦٠٥)/مستخرج أبی عوانة، بيان النهی عن القيام إذا أقيمت الصلاة (ح: ١٣٤٥) انيس)

(٢) عن أبی قتادة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أقيمت الصلاة فلاتقوموا حتى ترونی وعليكم السكينة. (الصحيح للبخاری، باب لايسعى إلى الصلاة مستعجلاً (ح: ٦٣٨) انيس)

(٣) عن أنس رضی الله عنه قال: أقيمت الصلاة ورجل يناجی رسول الله صلى الله عليه وسلم فمازال يناجيه حتى نام أصحابه ثم قام فصلى. (الصحيح للبخاری، باب طول النجوىٰ (ح: ٦٢٩٢)/الصحيح لمسلم، باب الدليل على أن نوم الجالس لاينقض (ح: ٣٧٦) انيس)

(٤) والجملة فيه أن المؤذن إذا قال: حی على الفلاح، فإن كان الإمام معهم فی المسجد يستحب للقوم أن يقوموا فی الصف وعندزفر والحسن بن زياديقومون عندقوله: قدقامت الصلاة. (بدائع الصنائع، فصل فی سنن حكم التكبير أيام التشريق: ٢٠٠/١)

من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف بمن أصر على بدعة أو منكر. (شرح المشكوٰة للطيبی الكاشف عن حقائق السنن، باب الدعاء فی التشهد: ١٠٥١/٣. انيس)

(٥) قوله (والقيام حين قيل حی على الفلاح) لأنه أمر به فيستحب المسارعة إليه، أطلقه فشمل الإمام والمأموم إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا فيقوم كل صف ينتهی إليه الإمام وهو الأظهر، ==

اس تقریر پر ان مذکورہ روایات پر کوئی تعارض نہیں رہتا ہے اور نہ کسی کو ناسخ اور کسی کو منسوخ ماننے کی ضرورت ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیو بند۔ ۲۶/۱/۱۳۸۶ھ۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید۔ الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۰۶-۱۰۷)

کیا مؤذّن اپنے لیے جگہ مخصوص کر سکتا ہے:

سوال: امام صاحب کے لیے تو جانماز مسجد کے محراب میں بچھانا ضروری ہے، آیا اقامت پڑھنے والے کے لیے جانماز بچھانا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ یا تبع تابعینؒ سے ثابت ہے؟

الجواب

جانماز بچھانا ضروری نہیں، بلکہ مسئلے کی رو سے اقامت پڑھنے والے کی جانماز پر کوئی بیٹھ جائے، تو اس کو اٹھانے اور وہاں سے ہٹانے کا کوئی حق نہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۱۲۳-۳۱۳)

☆☆☆

== وإن دخل من قدام وقفوا حين يقع بصرهم عليه، وهذا كله إذا كان المؤذن غير الإمام فإن كان واحدًا أو أقام في المسجد فالقوم لايقومون حتى يفرغ من إقامته، كذا في الظهيرية. (البحر الرائق، سنن الصلاة: ۱/۳۲۱. انيس)

(۱) يكره للإنسان أن يخص لنفسه مكاناً في المسجد يصلى فيه. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۱۰۸، كتاب الصلاة)

اقامت کس وقت شروع کی جائے!

تکبیر کب شروع کی جائے:

سوال: بروقت جماعت قبل کھڑے ہونے امام کے مصلے پر تکبیر شروع کی جاوے یا بوقت عدم موجودگی پر؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں سے تکبیر سن کر تشریف لاتے تھے اور یہی معمول تھا یا کبھی کبھی ایسا ہوا ہے؟

الجواب

یہ ضروری نہیں ہے کہ جب امام مصلے پر کھڑا ہو تب تکبیر شروع کی جائے بلکہ امام جبکہ مسجد میں موجود ہے تکبیر کہنا درست ہے امام تکبیر سن کر خود مصلے پر آجائے گا، جیسا کہ درمختار کی اس عبارت سے ظاہر ہے:

"(والقیام) لإمام ومؤتم (حین قیل "حی علی الفلاح")... إن کا ن الإمام بقرب المحراب وإلا فیقوم کل صف ینتهی إلیه الإمام علی الأظهر. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۱۲) ☆

(۱)　الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ۱/۴۴۷، ظفیر

(والقیام) أی قیام المصلی لو أماماً (حین قیل: حی علی الفلاح) مسارعة لامتثال الأمر هذا إذا کان بقرب المحراب فإن لم یکن وقف کل صف انتهیٰ إلیه الإمام علی الأصح کذا فی الخلاصة. وفی الشرح هو الأظهر ولو دخل إمامهم قاموا حین یقع بصرهم علیه، هذا إذا کان الإمام غیر المؤذن فإن اتحد وأقام فی المسجد أجمعوا علی أن القوم لا یقومون مالم یفرغ من الإقامة وإن خارجه قام کل صف ینتهی إلیه. (النهر الفائق. باب صفة الصلاة: ۱/۲۰۳. انیس)

☆　اقامت کب کہنا چاہئے:

سوال: امام کے مصلّی پر پہنچنے کے بعد اقامت کہنا چاہئے یا امامت کیلئے چلنے پر ہی اقامت کہنا کیسا ہے؟

هو المصوب

دونوں صورتیں جائز ہیں، یعنی امام جب مصلّی پر آجائے، اس وقت بھی اقامت کہنا درست ہے اور امام جب مصلّی کی طرف آرہا ہو اس وقت بھی اقامت کہنا درست ہے۔ (کان مؤذن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یمهل فلا یقیم حتی إذا رأی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قد خرج أقام الصلاة حین رآه. (سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب أن الإمام أحق بالإقامة، رقم الحدیث: ۲۰۲))

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۹۷)

مقتدی وامام کب کھڑے ہوں:

سوال: تکبیر کے وقت مقتدیوں کو اور امام کو کس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔ ایک مولوی صاحب نے ''حی علی الفلاح'' کے وقت مقتدیوں کے کھڑے ہونے کو مستحب فرمایا ہے۔

الجواب

نماز کے آداب میں سے فقہا نے یہ لکھا ہے کہ ''حی علی الفلاح'' کے وقت سب کھڑے ہوجاویں؛ لیکن ظاہر ہے کہ اگر پہلے سے مقتدی کھڑے ہوجاویں تو کچھ محل اعتراض نہیں ہے؛ کیونکہ ترک استحباب اور ترک ادب پر کچھ طعن نہیں ہوسکتا، البتہ بہتر یہی ہے جیسا کہ فقہا نے لکھا ہے اور درمختار میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر امام آگے کی طرف سے یعنی سامنے سے آوے تو جس وقت امام پر نظر پڑے مقتدی کھڑے ہوجاویں۔ بہرحال اس میں ہر طرح وسعت ہے، مگر اتباع تصریحات فقہا کا اولیٰ وافضل ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۱۲-۱۱۳)

امام ومقتدی نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں:

سوال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''جب اقامت شروع ہوتی تھی تو ہم لوگ کھڑے ہوجاتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجرے سے نکلنے سے پہلے صفوں کی درستگی کرلیتے تھے''۔ یہ حدیث مسلم شریف میں ص:۲۲۰، پر ہے۔(۲)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ''حی علی الفلاح'' کے وقت کھڑے ہونے پر صفوں کی درستگی نہیں ہوسکے گی جس کی احادیث میں تاکید آئی ہے، مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر ابتدائے اقامت ہی پر کھڑا ہوجانا ثابت نہیں ہے، اسی طرح صف بندی کی خاطر خلافِ سنت فعل مکروہ نہ کرنا چاہئے۔

---

(۱) (والقيام)لإمام ومؤتم(حين قيل ''حيّ على الفلاح'')خلافاً لزفر،فعنده عند''حيّ على الصلاة''.ابن كمال.(إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر) وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه إلا إذا أقام الإمام بنفسه في مسجد فلايقفوا حتى يتم إقامته(ظهيرية) وإن خارجه قام كل صف ينتهى إليه.بحر.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،آخرباب صفة الصلاة،آداب الصلاة:۱/۴۴۷،ظفير)

(۲) عن ابن شهاب أخبرنى أبوسلمة بن عبد الرحمٰن بن عوف رضى الله تعالىٰ عنه سمع أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه يقول:''أقيمت الصلاة،فقمنا،فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،فأتىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتىٰ إذا قام فى مصلاه قبل أن يكبرذكر فانصرف،وقال لنا: مكانكم''الخ.(الصحيح لمسلم،كتاب المساجد،باب متىٰ يقوم الناس للصلاة:۱/۲۰۰،قديمى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور اسی طرح بعض اور روایتیں ایسی ہیں جن میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ:

ہم ''سرکار کے مسجد میں تشریف لانے سے پہلے ہی کھڑے ہوجاتے اور صفوں میں اپنی جگہ لے لیتے، نیز صفوں کی درستگی کر لیتے''۔(۱)

لیکن اس سے ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے کا استدلال کس طرح کیا جاسکتا ہے جب کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسی طرز عمل پر نکیر فرمائی:

''إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتٰى تروني قد خرجتُ''.(بخاری ومسلم وترمذی ومشکوٰۃ)(۲)

یعنی ''اے صحابہ! جب اقامت کہی جائے نماز کے لئے تو تم لوگ اس وقت تک نہ کھڑے ہوا کرو جب تک مجھے نہ دیکھ لو (حجرہ اقدس سے) نکل گیا ہوں'' لہٰذ صحابہ کے اس عمل کے لئے:''لا تقوموا حتٰى تروني'' والی حدیث ناسخ ہوگی اور صحابہ کا عمل ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا اس حدیث سے منسوخ ہوگا۔

دینی مدارس کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ عمل حدیثِ ناسخ پر ہوتا ہے منسوخ پر نہیں۔ فتح الباری شرح البخاری، جلد دوم، ص:۱۰۰، پر ہے:

''حديث أبي هريرة رضي الله تعالٰى عنه كان بسبب النهي عن ذلك في حديث أبي قتادة''.(۳)

علامہ نووی شرح مسلم میں ص:۲۲۱، میں فرماتے ہیں:

''ولعل قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم:''فلا تقوموا حتٰى تروني'' كان بعد ذلك.(۴)

یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ ''تم لوگ کھڑے نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو''،

---

(۱) ''عن ابن جريج عن ابن شهاب:''أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن:''ألله أكبر''يقومون للصلاة،فلا يأتي النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم مقامه حتٰى تعتدل الصفوف''.)

''وفي الصحيح لمسلم وسنن أبي داؤد ومستخرج أبي عوانة:''أنهم كانوا يعدلون الصفوف قبل خروجه صلى الله تعالٰى عليه وسلم''.(نيل الأوطار،أبواب الأذان،المحافظة على الأذان عند دخول وقت الظهر: ۳۱/۲، دار الباز، عباس الباز،مكة المكرمة)

(۲) الصحيح لمسلم،كتاب المساجد،باب متٰى يقوم الناس للصلاة: ۲۲۰/۱،قديمي/صحيح البخاري،كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۸۸/۱،قديمي/سنن الترمذي،أبواب الصلاة،باب ماجاء أن الإمام أحق بالإقامة: ۵۰/۱،سعيد/مشكوٰة المصابيح،كتاب الصلاة،باب فيه فصلان: ۶۷/۱،قديمي)

(۳) فتح الباري،كتاب الأذان،باب متٰى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۱۵۳/۲،قديمي

(۴) النووي على الصحيح لمسلم،كتاب المساجد،باب متٰى يقوم الناس للصلاة: ۲۲۱/۱،قديمي

صحابہ کے اس عمل کے بعد ہے، چنانچہ یہی علامہ نوویؒ صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل شرح مسلم: ۱/۲۲۱، میں نقل فرماتے ہیں:

"وكان أنس رضى الله تعالىٰ عنه يقوم إذا قال المؤذن: "قد قامت الصلاة". (۱)

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ جب مکبر "قد قامت الصلاة" کہتا، اس وقت قیام فرماتے۔

پھر یہی علامہ نووی شارح مسلم اقامت کے متعلق روایاتِ مختلفہ کی توضیح وتشریح کے بعد ائمہ کرام کے اقوال نقل کرتے ہوئے امام المشارق والمغارب امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک بیان فرماتے ہیں:

"قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ والكوفيون: يقومون فى الصف إذا قال: "حى على الصلاة". (شرح مسلم: ۱/۲۲۱) (۲)

نیز فتح البارى شرح البخارى: ۲/۱۰۰، میں ہے:

"وعن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ: "يقومون إذا قال: "حى على الفلاح". (۳)

یعنی امام اعظم ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ لوگ "حى على الفلاح" پر کھڑے ہوں۔

شلبی حاشیہ زیلعی کے ص: ۱۰۸، میں ہے:

"قال فى الوجيز: والسنة أن يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن: "حى على الفلاح". (۴)

یعنی وجیز میں فرمایا کہ جب مکبر "حى على الفلاح" کہے اس وقت امام ومقتدی کا کھڑا ہونا سنت ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب شرح وقایہ: ۱/۱۵۵، پر ہے (یہ کتاب ہر مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے یعنی بریلوی مسلک کے مدرسہ میں بھی اور دیوبندی مسلک کے مدرسہ میں بھی):

"ويقوم الإمام والقوم عند "حى على الصلاة". (۵)

كذا فى نور الإيضاح، ص: ۲۴. (٦)

(۱-۲) النووى على الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب متىٰ يقوم الناس للصلاة: ۱/۲۲۱، قديمى

(۳) فتح البارى، كتاب الأذان، باب متىٰ يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۲/۱۵۳، قديمى

(۴) حاشية الشلبى علىٰ تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۳، دار الكتب العلمية، بيروت

(۵) شرح الوقاية، كتاب الصلاة، بيان حكم ترك الأذان و الإقامة: ۱/۱۳٦، سعيد

(٦) "والقيام حين قيل: "حى على الفلاح". (نور الإيضاح متن مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل من آدابها، ص: ۲۷۷، قديمى)

درمختار، ص: ۲۹۳، پر ہے:

''والمؤذن يقيم قعد''. (۱)

ردالمحتار کے اسی صفحہ پر ہے:

''(قوله: قعد) ويكره له الانتظار قائماً ولكن يقعد، ثم يقوم إذا بلغ المؤذن ''حی علی الفلاح''، انتهىٰ، هندية. (۲)

فتاویٰ عالمگیری: ۲۹/۱ پر ہے:

''إذا دخل الرجل عند الإقامة، يكره له الانتظار قائمًا، ولكن يقعد، ثم يقوم إذا بلغ المؤذن قوله: ''حی علی الفلاح''. (۳)

درمختار، ص: ۳۵۲، ۳۵۳ پر ہے:

''(والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل ''حی علی الفلاح''). (۴)

طحطاوی مطبوعہ قسطنطنیہ، ص: ۱۵۱، پر ہے:

''وإذا أخذ المؤذن فی الإقامة، ودخل رجل فی المسجد، فإنه يقعد ولا ينتظر قائمًا، فإنه مكروه، كذا فی المضمرات، قهستانی، ويفهم منه كراهة القيام ابتداءً والناس عنه غافلون''. (۵)

یعنی جب مکبر تکبیر کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے، تو اس کو چاہئے کہ وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے؛ اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑا ہونا مکروہ ہے ایسا ہی مضمرات میں ہے (قہستانی) اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

''قال أبو حنيفة ومحمد: يقومون فی الصف إذا قال ''حی علی الصلاة''. (٦)

(۱-۲) والعبارة بتمامها: ''دخل المسجد والمؤذن يقيم، قعد إلىٰ قيام الإمام فی مصلاه''. (الدر المختار علی صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، آخر باب الأذان: ۴۰۰/۱، سعيد)

(۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی فی بيان كلمات الأذان و الإقامة: ۵۷/۱، رشيدية.

(۴) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة: ۴۷۹/۱، سعيد

(۵) حاشية الطحطاوی علىٰ مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل من آدابها: ۲۷۸، قديمی

(٦) عمدة القاری شرح صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب متىٰ يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۱۵۴/۵، إدارة الطباعة المنيرية، الناشر محمد أمين دمشق، بيروت

یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ صف میں لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر ''حی علی الصلاۃ'' کہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ امام اعظمؒ کا فرمان واجب الاذعان مدلل بحدیث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، تو یہ حکم امام اعظم و دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سنت ٹھہرا، لہٰذا اس کے خلاف عمل کرنا یعنی ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا خلاف سنت اور مکروہ ہے، جو لوگ صفوں کی درستگی کا بہانہ بنا کر شروعِ اقامت سے کھڑے ہونے کو کہتے ہیں وہ اپنی کم علمی اور مسائلِ شرعیہ سے عدمِ واقفیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ کیا علماء متقدمین ومتأخرین یہاں تک کہ ائمہ ثلاثہ (حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور محرر مذہب حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جو امام ومقتدی کو ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہونے کا حکم دیتے ہیں ان لوگوں کے سامنے صفوں کی درستگی کا مسئلہ نہیں تھا اور یقیناً تھا، جتنا ان لوگوں نے احادیثِ کریمہ کے مفہوم کو سمجھا ہے مخالفین سمجھنے سے قاصر ہیں، خود امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ!''إذا صح الحديث فهو مذهبي''.(۱)

حدیث شریف سے بعد اقامت بھی صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت ہے، حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے، آپ نے ایک شخص کو دیکھا؛ جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بندو! اپنی صفوں کو برابر کرو''۔ حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں:

''خرج يومًا فقام حتٰى كاد أن يكبر، فرأى رجلاً بادياً صدره من الصف فقال: عباد الله! أقيموا اصفوفكم''.(۲)

یقیناً صفوں کی درستگی کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے، لیکن تاکید کے معنی ہرگز نہیں کہ صفوں کی درستگی اس کے مقررہ وقت سے پہلے کی جائے، کیا نمازوں کی تاکید قرآن وحدیث میں نہیں آئی ہے؟ اور یقیناً آئی ہے، تو کیا اس کو وقت سے پہلے ادا کریں گے، بلکہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کریں گے۔

نماز باجماعت کے لئے کھڑے ہونے کا وقت قولِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عملِ صحابہ اور مذہب حنفیہ سے

(۱) شرح عقود رسم المفتى، ٦٧، مير محمد كتب خانه، كراچى

(۲) عن سماك بن حرب قال: سمعتُ النعمان بن بشير رضى الله تعالٰى عنه يقول: كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يسوى صفوفنا حتى كأنما يسوى بها القداح حتٰى رأى أنا قد عقلنا عنه، ثم خرج يوماً، فقام حتٰى كاد يكبر فرأى رجلاً بادياً صدره من الصف فقال: عباد الله! لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم''. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها: ١٨٢/١، قديمى)

ثابت ہے، اسی وقت پر کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کریں، جیسا کہ محررِ مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنی کتاب موطأ امام محمد میں فرماتے ہیں:

”ینبغی للقوم إذا قال المؤذن: ”حی علی الفلاح“ أن یقیموا إلی الصلاۃ، فیصفوا ویسووا الصفوف“. (۱)

یعنی مقتدیوں کو چاہئے کہ جب موذن ”حی علی الفلاح“ کہے تب نماز کے لئے کھڑے ہوں، پھر صف بندی کریں اور صفوں کو سیدھی کریں۔ خود مخالفین کے علمانے بھی یہی فتوی دیا ہے کہ جب مکبر ”حی علی الفلاح“ کہے تب امام و مقتدی کو کھڑا ہونا چاہئے۔

چنانچہ نواب قطب الدین خان مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ ”مظاہر حق“ جدید مطبوعہ ادارہ اسلامیات دیوبند قسط ہشتم، ص: ۳۴، پر لکھتے ہیں:

”فقہانے لکھا ہے کہ تکبیر کہنے والا جب ”حی علی الصلاۃ“ کہے، تو مقتدیوں کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے“۔ (۲)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مالا بدمنہ، ص: ۲۴، میں فرماتے ہیں:

”نزد ”حی علی الصلاۃ“ امام برخیزد“۔ (۳)

یعنی ”حی علی الصلاۃ“ کے وقت امام اٹھے۔

اس عبارت کی شرح میں مفتی سعد اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”امام برخیزد ومقتدیان نیز، زیرا کہ ”حی علی الصلاۃ“ امر است بجا آوردہ شود“۔

امام اٹھے اور مقتدی بھی، اس لئے کہ ”حی علی الصلاۃ“ میں حکم ہے جس کی بجا آوری کی جائے۔

”صراط مستقیم“ مصدقہ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند و مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی مطبوعہ مینار بکڈپو، چارکمان حیدرآباد، ص: ۱۸۲ میں ہے:

”ائمہ احناف نے کہا ہے کہ امام و مقتدی سب ”حی علی الصلاۃ“ کے وقت کھڑے ہوجائیں“۔

فتاویٰ عالمگیری اردو جدید جز: ۲ میں ہے (جس کے مترجم ومحشی مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاط عثمانی فاضل دیوبند ہیں):

”نمازی امام سمیت مسجد میں ہے اس صورت میں جب موذن اقامت کہتے ہوئے ”حي علی الفلاح“ پر پہونچے تو ہمارے تینوں ائمہ کرام: امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک امام اور نمازیوں کو کھڑا ہونا چاہئے درست یہی ہے“۔ (فتاویٰ عالمگیری اردو جدید، ص: ۲۴، جز و نمبر: ۲، ناشر: وسیم بکڈپو، دیوبند، ضلع سہارنپور)

(۱) الموطأ للإمام محمد، باب تسویۃ الصفوف: ۸۶-۸۷، میر محمد کتب خانہ، کراچی

(۲) مظاہر حق، کتاب نماز کی، باب بعض احکام اذان: ۱/۲۴۴، ادارہ اسلامیات، لاہور

(۳) مالا بدمنہ، فصل طریقِ خواندن نمازیں بروجہ سنت، ص: ۳۴، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان

مذکورہ بالا حدیث اور فقہ حنفی کی کتابوں سے اچھی طرح یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ امام اور مقتدی کا ''**حی علی الفلاح**'' پر کھڑا ہونا سنت ہے، جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں یا دوسروں کو کرنے کے لئے کہتے ہیں وہ اس سنت کو مٹانا چاہتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سنت پر عمل کرتے ہوئے ''**حی علی الفلاح**'' پر کھڑے ہوں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''**من تمسک بسنتی عند فساد أمتی فله أجر مائة شهيد**''.(۱)

''جس شخص نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما''، یعنی اس پر عمل کیا، تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

هذا هو الحق والحق بالاتباع أحق.

حدیث نعمان بن بشیر اور امام محمد کے بیان سے واضح ہوگیا کہ صفوں کی درستگی ''**حی علی الفلاح**'' پر کھڑے ہونے کے بعد کرنا چاہئے، صف بندی کا بہانہ کر کے شروعِ اقامت پر کھڑا ہونا خلاف سنت اور مکروہ و جہالت ہے۔

سید مظہر غفرلہ مہتمم اعلیٰ دار العلوم ربانیہ باندہ۔ سید غازی ربانی غفرلہ ناظم اعلیٰ دار العلوم ربانیہ باندہ۔

میں اس فتویٰ کی تصدیق کرتا ہوں۔ سید محمد احسن ربانی غفرلہ امیر شعبۂ تبلیغ

فقیر بھی اس فتویٰ کی تصدیق کرتا ہے۔ سعید محمود القادری غفرلہ (نائب صدر دار العلوم ربانیہ)

هذا هو الحق والصواب مولانا قاری سرتاج مسعودی غفرلہ (فاضل دار العلوم ربانیہ)

إذ قول رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم وعمل الصحابة ومذهب علماء الحنفية شاهد على ما قاله المرتب فهو الصواب ومن يوفق عليه فهو يصاب.

حدیث پاک: ''**أحب الأعمال أدومها**'' (۲) کے تحت مسلسل ''**حی علی الفلاح**'' پر نماز باجماعت کے لئے سنت اور مستحب جانتے ہوئے کھڑا ہونا عند اللہ محبوب ہے۔ اس کو مکروہ تحریمی یعنی حرام کے قریب کہتے ہیں شریعت پر افتراء کر رہے ہیں۔

محمد حبیب الدین قادری قادری غفرلہ دار العلوم ربانیہ (مفتی دار الافتاء شیخ الحدیث دار العلوم)

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۱/ ۳۰، قدیمی

(۲) عن عائشة رضی اللّٰه عنها أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یحجر حصیرًا باللیل فیصلی علیه، ویبسطه بالنهار فیجلس علیه فجعل الناس یثوبون إلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فیصلون بصلاته حتی کثروا فأقبل فقال: خذوا من الأعمال ماتطیقون فإن اللّٰه لا یمل حتی تملوا وإن أحب الأعمال إلی اللّٰه مادام وإن قل. (الصحیح للبخاری، باب الجلوس علی الحصیر ونحوه (ح: ۵۸۶۱)/ الصحیح لمسلم، باب فضیلة العمل الدائم من قیام اللیل، قبل کتاب فضائل القرآن (ح: ۷۸۲)/ مسند البزار، مسند عائشة أم المؤمنین (ح: ۲۹۶) انیس)

قول المرتب صحیح: مولانا قاری سید منظر ربانی مدرس دار العلوم ربانیہ (مفتی دار الافتا و شیخ الحدیث دار العلوم)
هذا القول صحیح: مولانا قاری سید خوشتر ربانی مدرس دار العلوم ربانیہ۔
شائع کردہ: ناظم نشر و اشاعت دار العلوم ربانیہ علی گنج، باندہ، یوپی۔

نوٹ از ناقل:

ایک اشتہار ہے، جسے کسی نے استفتا کے طور پر بھیجا ہے، وہ مطبوعہ اشتہار رجسٹر نقول ''فتاویٰ دار العلوم ربانیہ باندہ'' میں لگا ہوا ہے، اس سے بعینہ یہ نقل ہے، بغیر کسی ایک لفظ کے ترک کے، الا یہ کہ سہواً ترک ہو گیا ہو، یہ تو کسی کو بھی دعویٰ کا حق نہیں کہ سہواً بھی کچھ نہیں ہوا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ مسئلہ نہ فرائض میں سے ہے، نہ واجبات میں سے، نہ سنن مؤکدہ میں سے، بلکہ مستحبات میں سے ہے۔(۱) اور کسی مستحب چیز پر ایسا اصرار کرنا جیسا کہ واجب پر کیا جاتا ہے درست نہیں، بلکہ اس سے اس کا استحباب ختم ہو کر اس میں کراہیت آجاتی ہے:

''**الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة**''. (سباحة الفکر)(۲)

اور مسئلہ میں بھی تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر امام پہلے ہی سے مصلی کے قریب موجود ہو، مثلاً عصر کی نماز پڑھی اور وہیں مصلی پر بیٹھے ہوئے وعظ کہنا یا کتاب سنانا شروع کیا، یہاں تک کہ مغرب کا وقت آ گیا، اذان ہوئی اور اقامت ہوئی ایسی حالت میں کہ جب امام اور مقتدی اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں، تو جس وقت اقامت کہنے والا ''**حي علی الصلاة**'' یا ''**حي علی الفلاح**'' پر پہونچے تو امام اور مقتدی سب کے سب کھڑے ہو جائیں تا کہ ''**حي علی الصلاة**' کے خطاب پر عمل ہو جائے۔ اگر امام سامنے سے آئے مثلاً جدارِ قبلہ میں اس کا کمرہ ہے یا آنے کا دروازہ ہے

---

(۱) قال العلامة العینی فی العمدة: وقد اختلف السلف متی یقوم الناس إلی الصلاة، فذهب مالک وجمهور العلماء إلی أنه لیس لقیامهم حدٌ، ولکن استحب عامتهم القیام إذا أخذ المؤذن فی الإقامة''. (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب وقت قیام الإمام والمأمومین للصلاة: ۳۲۷/٤، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) سباحۃ الفکر میں نہیں ملا، البتہ انہی الفاظ کے ساتھ سعایہ میں ہے، دیکھئے! (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلاة، قبیل فصل فی القراءة: ۲٦٥/۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم، والتخصیص من غیر مخصص مکروهاً''. (سباحة الفکر فی الجهر بالذکر: ۳٤، مجموعة رسائل اللکنوی: ٤۹۰/۳؛ إدارة القرآن، کراچی)

من أصر علی أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال فکیف بمن أصر علی بدعة أو منکر. (شرح المشکوٰة للطیبی الکاشف عن حقائق السنن، باب الدعاء فی التشهد: ۱۰٥۱/۳. انیس)

تو جیسے ہی اس پر نظر پڑے، سب کے سب کھڑے ہو جائیں اور اگر امام مصلیوں کی پشت کی جانب سے مثلاً حوض یا وضوخانہ سے آئے تو جس جس صف پر پہنچتا رہے وہ صف کھڑی ہوتی جائے یہاں تک کہ امام جب مصلیٰ پر پہنچے تو سب کھڑے ہو چکے ہوں:

’’(ولها آداب) تركه لايوجب إساءةً ولا عتاباً كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل (إلٰى أن قال)... :(والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل حي على الفلاح) خلافاً لزفر، فعنده عند ’’حي على الصلاة‘‘. ابن كمال. (إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صفٍ ينتهي إليه الإمام على الأظهر) وإن دخل من قُدام قاموا حين يقع بصرهم عليه آه‘‘. (الدر المختار)

(قوله: وإلا، الخ): أي وإن لم يكن الإمام بقرب المحراب بأن كان في موضع آخر من المسجد أي خارجه ودخل من خلفٍ، آه‘‘. (ردالمحتار: ۳۲۲/۱)(۱)

نیز طحطاوی علی الدر المختار میں ہے کہ ’’حی علی الصلاۃ‘‘ یا ’’حی علی الفلاح‘‘ کے وقت کھڑے ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد تک نہ بیٹھا رہے، پس اگر کوئی شخص شروعِ اقامت کے وقت کھڑا ہو جائے، تو بھی کوئی جرم نہیں۔ (۲) مثلاً! ایک شخص وظیفہ پڑھ رہا ہے اور اقامت شروع ہوگئی اور وہ چاہتا ہے کہ اپنا وظیفہ پورا کرے، تو اس کو گنجائش ہے کہ ’’حی علی الصلاۃ‘‘ سے پہلے پہلے جلدی جلدی جس قدر پڑھ سکے پڑھ لے، اس کے بعد نہ بیٹھا رہے، بلکہ کھڑا ہو جائے۔

امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور اقامت شروع ہوگئی اور وہ ’’حی علی الصلاۃ‘‘ پر کھڑا ہو گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب دیا کہ ’’لا حرج‘‘ پھر پوچھا کہ ایک شخص شروع اقامت کے وقت کھڑا ہو جائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو جواب دیا کہ ’’لا حرج‘‘۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ اتنا اہم نہیں جتنا اہم بنا لیا ہے اور اس کو ایک شعار قرار دے لیا گیا۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح کی عبارت سے ایک فریق نے استدلال کیا ہے کہ ’’حی علی الصلاۃ‘‘ سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ (۳)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة: ۴۷۷/۱-۴۷۹، سعيد

(۲) ’’والظاهر أنه احترازعن التأخير لا التقديم حتى لوقام أول الإقامة، لا بأس‘‘، آه. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۱۵/۱، دار المعرفة، بيروت)

(۳) دخل المسجد فإنه يقعد، ولاينتظر قائمًا، فإنه مكروه كما في المضمرات قهستاني، ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل من آدابها: ۲۷۸، قديمى)

ایسے ہی قریب قریب عالمگیری کی عبارت ہے۔(۱)

اوراس پر اتنا زور باندھا کہ مستقل نزاعات شروع ہوگئے، حالاں کہ مسئلہ میں بڑی وسعت ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں اول اول یہ طریقہ تھا کہ حجرۂ مبارکہ میں ہی تشریف فرما ہوتے تھے،اس پر ارشاد فرمایا کہ: ''تم لوگ کھڑے مت ہوا کرو، یہاں تک کہ مجھے دیکھ لوکہ میں حجرہ سے باہر آ گیا'' اور پھر یہ معمول ہوگیا کہ صف بنا کر صحابہ کرام بیٹھے رہتے اور مؤذن کی نظر حجرہ مبارکہ کی طرف ہوتی، جیسے ہی حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر مؤذن کی نظر جاتی کہ آپ تشریف لا رہے ہیں، تو فوراً کھڑے ہوکرا قامت شروع کر دیتے اور سب نمازی کھڑے ہو جاتے، یہاں تک کہ جب مصلی مبارک پر پہنچتے تو سب کھڑے ہوئے ملتے اورنماز شروع فرما دیتے۔

یہ تفصیل **بذل المجهود شرح أبی داؤد**: ۳۰۷/۱، میں ہے۔(۲)اوراس میں زہری، مالک،سعید بن مسیّب،عمر بن عبدالعزیز وغیرہ رحمہم اللہ اکابر کے اقوال بھی موجود ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ میں بڑی وسعت ہے۔(۳) لہٰذا ایک جہت پر اصرار کرنا اوراس کے خلاف کو معصیت سمجھنا درست نہیں۔ترکِ افضل بہر حال ترکِ افضل ہی ہے،معصیت نہیں ہے، دونوں جانب کو ملحوظ رکھنا چاہئے، نہ بیٹھنے والوں پر ایسی نکیر کی جائے جیسے گناہ کرنے والوں پر ہوتی ہے، نہ کھڑے ہونے والوں پر ایسی نکیر کی جائے اوراس مسئلہ کو لے کر نزاع پیدا کرنا اور مسجد کو اکھاڑا بنانا ہرگز ہرگز جائز نہیں، قرآن پاک میں صریح حکم ہے:﴿وَلَا تَنَازَعُوْا﴾(الأنفال: ٤٦) فقط واللہ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۲۹/۱۱/۱۴۰۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ ۴۸۵/۵-۴۹۵)

---

(۱) ''إذا دخل الرجل عند الإقامة يكره له الانتظار قائماً، ولكن يقعد، ثم يقوم إذا بلغ المؤذن قوله: حی علی الفلاح، كذا فی المضمرات''. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی فی بيان كلمات الأذان والإقامة: ۵۷/۱، رشيدية)

(۲) عن عبد اللّٰه بن أبی قتادة عن أبيه أبی قتادة رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم قال: ''إذا أقيمت الصلاة'' أی نودی بألفاظ الإقامة للصلاة ''فلا تقوموا منتظرين للصلاة حتیٰ ترونی''. أی تبصرونی ''خرجتُ''. قال الحافظ فی الفتح: قال القرطبی: ظاهر الحديث أن الصلاة تُقام قبل أن يخرج النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم من بيته ... بأن بلالاً كان يراقب خروج النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم فأول ما يراه يشرع فی الإقامة قبل أن يراه غائب الناس، ثم إذا رأوه قاموا، فلا يقوم فی مكانه حتیٰ تعتدل صفوفهم ''(بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب فی الصلاة تُقام ولم يأت الإمام ينتظرونه قعودًا: ۳۰۷/۱، مكتبة امدادية، ملتان)

(۳) فذهب مالک وجمهور العلماء إلیٰ أنه ليس لقيامهم حد، ولكن استحب عامتهم القيام ==

نماز کے لیے امام وقوم کے اٹھنے کے وقت کی تحقیق:

سوال: زید وبکر دو عالم سنی المذہب آپس میں مختلف ہوگئے ہیں، دونوں کے دلائل لکھے جاتے ہیں، جو حق و انصاف ہو، اس کو تحریر فرمائیں۔ **واحکم بینهما بالحق.**

زید کا قول ہے کہ تکبیر ہوتے وقت امام ومقتدی کو بیٹھے رہنا اور ''**حی علی الفلاح**'' سنکر کھڑے ہونا مستحب ہے، اور شروع تکبیر سے کھڑے رہنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری وغیرہ کتب فقہیہ)

بکر کا قول ہے کہ یہ مسئلہ عام نہیں بلکہ خاص اس صورت میں ہے جب کہ امام ومقتدی محراب کے قریب ہوں، اور اگر محراب سے دور ہوں تو جب امام محراب کی طرف چلے اور جس صف کے پاس پہنچے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں، اور اگر آگے سے آیا تو امام پر نظر پڑتے ہی سب کھڑے ہوجائیں۔ جیسا کہ البحر الرائق، درمختار، مجمع الانہر، مراقی الفلاح، عالمگیری وغیرہ وغیرہ میں کمال تشریح سے مذکورہ ہے۔ عبارت البحر الرائق ودرمختار یہ ہے:

(إن كان الإمام بقرب المحراب وإلَّا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر) وإن دخل من قد ام قاموا حين يقع بصرهم عليه، الخ. (۱)

اور بکر یہ بھی کہتا ہے کہ شروع تکبیر سے کھڑے رہنا مکروہ بھی نہیں۔ علامہ طحطاوی حنفی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

الظاهر أنه احترازعن التاخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لابأس. (۲)

اور شروع سے کھڑے رہنا کیونکر مکروہ کہا جاسکتا ہے جب کہ عموماً صحابۂ کرام شروع سے کھڑے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری ومسلم کی متعدد حدیثوں میں سے، ایک حدیث بخاری یہ ہے:

أقيمت الصلاة فسوى الناس صفوفهم فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فتقدم. (۳)

فتح الباری میں بروایت ابن شہاب ہے:

إن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن الله أكبريقومون إلى الصلاة فلايأتي النبي صلى الله عليه وسلم مقامه حتى تعتدل الصفوف. (۴)

== إذا أخذ المؤذن في الإقامة. وكان أنس رضي الله تعالىٰ عنه يقوم إذا قال المؤذن: ''قد قامت الصلاة'' وكبر الإمام. وعن سعيد بن المسيب وعمربن عبد العزيز إذا قال المؤذن: الله أكبر، وجب القيام، وإذا قال: ''حي على الصلاة'' اعتدلت الصفوف، وإذا قال: لا إله إلا الله، كبر الإمام، آه''. (بذل المجهود، شرح أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في الصلاة تُقام ولم يأت الإمام ينتظرونه قعودًا: ۳۰۷/۱؛ مكتبة امدادية، ملتان)

(۱) الدرالمختارمتن ردالمحتار، كتاب الصلاة، آداب الصلاة، آخرباب صفة الصلاة: ۴۷۹/۱، انيس

(۲) حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة. انيس

(۳) الصحيح للبخاري، باب إذا قال الإمام: مكانكم حتى رجع (ح: ٦٤٠) انيس

(۴) فتح الباري شرح صحيح البخاري، باب لايقوم إلى الصلاة مستعجلاً: ۱۲۰/۲. انيس

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام **اللّٰہ أکبر** ... سننے کے ساتھ کھڑے ہوجاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے کے ساتھ ہی مصلے پر کھڑے ہوجاتے۔ چنانچہ لفظ بخاری ''**فخرج**'' اور ''**فتقدم**'' سے ظاہر ہے اور فقہائے کرام نے جو **حی علی الفلاح** پر کھڑے ہونے کو لکھا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شروع سے نہ کھڑا ہوا ہو تو اب اس لفظ پر کھڑے ہوجانا اسے مستحب ہے، جیسا کہ علامہ طحطاوی حنفی نے تصریح کردی۔ **الظاهر أنه احترازعن التأخير لا التقديم.**

غرض **حی علی الفلاح** تک بیٹھنا شرعاً مطلوب ومندوب نہیں ہے، اسی وجہ سے محققین فقہائے نے **قیام عند حی علی الفلاح** کو مندوب لکھا ہے؛ کسی نے **قعود إلٰی حی علی الفلاح** کو مندوب نہیں لکھا اور حدیث وفقہ میں اسی صورت سے مطابقت ہوسکتی ہے۔

بکر کہتا ہے کہ اگر لاکھوں صحابۂ کرام سے کسی صحابہ نے کبھی **حی علی الفلاح** تک قعود کیا ہو، تو بے شک قعود کرنا بہتر ہوگا، ورنہ صرف جائز یا مباح کہا جائے گا، اور شروع سے کھڑے رہنے کو ہرگز مکروہ نہ کہا جائے گا، اگر چہ عالمگیری میں مکروہ لکھا ہے، مگر بے دلیل ہے، لہٰذا قابلِ تسلیم نہیں، دیکھو اسی عالمگیری میں صیام ستہ شوال کو بروایت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مکروہ لکھا ہے، حالانکہ بے دلیل ہے، دوسرے فقہائے نے اس مسئلہ عالمگیری کو تسلیم نہ فرمایا اور عام طور پر صیام ستہ کو مستحب ومندوب لکھا ہے، اور فقہ میں بہت ایسے مسائل ہیں کہ کسی نے مکروہ لکھ دیا، مگر محققین فقہا کے نزدیک اس کی کوئی دلیل نہ ملی، لہٰذا اس کی کراہت تسلیم نہ فرمائی، شامی وبحر وغیرہ میں کثرت سے اس قسم کی عبارت ملتی ہے: **لایلزم منه الکراهة إذ لابد لها من دلیل**، اگر تھوڑی دیر ظاہر عبارات حضرات فقہاء کرام سے حی علی الفلاح تک بیٹھنے کو مستحب سمجھ لیا جائے جب بھی شروع سے کھڑے رہنا فقہا کے قول پر مکروہ نہ ہوگا، کیونکہ ترک مستحب سے کراہت نہیں لازم آتی ہے۔ البحر الرائق جلد: ۱، میں لکھا ہے:

ولایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراهة إذ لابد لها من دلیل خاص. (۱)

غرض اصول وضوابط فقہیہ حنفیہ سے شروع سے کھڑے ہونے کی کراہت نہیں ثابت ہوسکتی۔

بکر نے اس کے متعلق ایک رسالہ مدلل ومفصل لکھا ہے، جس کا نام ''**الکلام المحکم فی قیام الإمام و المؤتم**'' ہے، لہٰذا آپ دونوں میں غور فرما کر جو حق ہو اس کو تحریر فرمائیں، خلاصہ قول بکر یہ کہ شروع سے نہ قیام مکروہ نہ قعود مستحب بلکہ اگر بیٹھا رہا تو **حی علی الفلاح** سن کر کھڑے ہونا مستحب ہے۔

دوسرا مسئلہ: بکر کا معمول ہے کہ وضو اور سنتوں سے فارغ ہوکر مسجد میں ایسے وقت آتا ہے کہ لوگ وضو اور سنتوں

---

(۱)　البحر الرائق، الجهر بالتکبیر فی العید: ۱۷۶/۲. انیس

سے فارغ رہتے ہیں یا قریب فارغ ہونے کے رہتے ہیں، تو آنے کے ساتھ ہی مصلے پر کھڑا ہو جاتا ہے، اور اس کو سنت کریمہ جانتا ہے جیسا کہ بخاری میں ہے: **فخرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فتقدم** اور مسلم میں **فأتی فقام مقامہ**(١) سے ثابت ہے اور اس کے بعد تکبیر شروع ہوتی ہے تو بکر اپنے مقتدیوں سے کہتا ہے کہ اس صورت میں سب مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے، جیسا کہ عبارات فقہیہ مذکورہ سے ثابت ہے:

وإلاّ فیقوم کلّ صف ینتھی إلیہ الإمام.(٢)

ونیز حدیث صحیح: " **لا تقوموا حتی ترونی**" سے بھی مقتدیوں کا قیام کرنا سنت ہے، زید کہتا ہے کہ اس امام کو بھی آکر مصلّے پر بیٹھ جانا چاہئے اور **حیّ علی الفلاح** پر کھڑے ہونا چاہئے، بکر کہتا ہے کہ اس وقت بیٹھنے کے لئے کسی فقیہ نے تصریح نہ کی، لہٰذا قابل تسلیم نہیں، بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۵۰۸ میں ایسے امام کے لئے فرمایا" اسے بیٹھنے کی بھی حاجت نہیں، مصلے پر جائے اور " **حی علی الفلاح**" یا ختم تکبیر پر تکبیر تحریمہ کہے" اور صفحہ ۴۲۷ میں فرماتے ہیں" پھر جب امام آئے اور تکبیر شروع ہو، اس وقت دو صورتیں ہیں، اگر امام صفوں کی طرف سے داخل مسجد ہو تو جس صف سے گذرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے، اور اگر سامنے سے آئے تو اسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں"

لہٰذا بکر کا یہ معمول فقہ حنفی اور فتاویٰ رضویہ کی تصریح کے موافق کیسا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بکر جب مسجد میں آتا ہے اور دیکھتا ہے کہ مصلی کم ہیں یا زیادہ تر لوگ وضو اور سنتوں میں مصروف ہیں تو قرب محراب میں بیٹھ جاتا ہے اور لوگوں کے فارغ ہونے کا انتظار کرتا ہے اور اس انتظار کو بھی سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) جانتا ہے، جب فارغ ہو جاتے ہیں تو تکبیر شروع کرا دیتا ہے اور ظاہر الفاظ فقہیہ کے خیال اور مقامی علما کے موافقت کے لحاظ سے تکبیر ہوتے وقت بیٹھا رہتا ہے اور" **حی علی الفلاح**" سن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس بیٹھے رہنے کو دلائل مذکورہ کی رو سے صرف جائز ومباح جانتا ہے، پس بکر کا یہ عمل اور خیال کیسا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ! زید بعد خطبہ جمعہ بھی جلوس کرتا ہے اور **حی علی الفلاح** پر کھڑا ہوتا ہے، بکر کہتا ہے کہ اس وقت کے لئے کسی فقیہ نے جلوس کی تصریح نہ فرمائی، لہٰذا خطبہ کے بعد بیٹھنا نہ چاہئے، بلکہ خطبہ سے فارغ ہو کر مصلی پر کھڑا ہو جائے۔

---

(١) الصحیح للبخاری، باب إذا قال الإمام: مکانکم حتی رجع (ح: ٦٤٠)/الصحیح لمسلم، باب متی یقوم الإمام للصلاۃ (ح: ٦٠٥) انیس

(٢) الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار، باب صفۃ الصلاۃ، آداب الصلاۃ: ٤٧٩/١، بیروت. انیس

چنانچہ حضرت فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ، ج:۲،ص:۵۰۸ میں ہے:

''بعد خطبہ اسے اختیار ہے کہیں منقول نہیں کہ خطبہ فرما کر تکبیر ہونے تک جلوس فرماتے ہیں، یہ حکم قوم کے لئے ہے''۔

چوتھا مسئلہ: زید باوجود مستحب جاننے کے اس مسئلہ میں تشدد کرتا ہے، اور شروع سے کھڑے رہنے والے کو بار بار تاکید کرکے بٹھاتا ہے، بکر کہتا ہے کہ امر مستحب کے لئے یہ تشدد زیبا نہیں اور نہ مستحب کی یہ شان ہے۔

پانچواں مسئلہ: یہ ہے جس میں زید و بکر دونوں حیران ہیں کہ فقہ میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہوجائیں وہاں امام ومقتدی دونوں کے واسطے لکھا ہے، مگر حضرت فاضل بریلوی فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ:۵۰۹ میں لکھتے ہیں:

''یہ حکم قوم کے لئے ہے''۔

پھر صفحہ:۵۱۱، میں ہے:

''امام کے لئے اس میں خاص کوئی حکم نہیں مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں'' الخ۔

پھر صفحہ:۵۱۳، میں ہے:

''مقتدیوں کو حکم یہ ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں''

پس حضرت فاضل بریلوی کی یہ تخصیص قوم کی بظاہر عموماً کتب فقہیہ و نیز بہار شریعت کے تصریحات کے خلاف ہے اور اس سے زیادہ حیرت یہ ہے کہ بہار شریعت کے آخر میں حضرت فاضل بریلوی ممدوح کی تصدیق موجود ہے، پس حضرات علماء کرام اس کی تحقیق فرمائیں کہ کون صحیح ہے؟ بلا دلیل وحوالہ کتاب کوئی جواب نہ ہو۔

قال البكر: ما كنت قاطعاً أمرًا حتى أفتوني في أمري.

تفصیل الجواب ـــــــــــــــــ وتحقيق الصواب

أقول وبالله التوفيق وهو الهادي وهو خير رفيق!

قال العلامة البدر العيني في شرح البخاري تحت حديث ''لا تقوموا حتى تروني'' مانصه:

قد اختلف السلف متى يقوم الناس إلى الصلاة؟ فذهب مالك والجمهور إلىٰ أنه ليس لقيامهم حد، ولكن استحب عامتهم القيام إذا أخذ المؤذن في الإقامة.

وكان أنس رضي الله عنه يقوم إذا قال المؤذن ''قدقامت الصلوٰة'' وكبر الإمام. (رواه ابن المنذر وغيره كذا رواه سعيد بن منصور من طريق أبي إسحاق عن أصحاب عبد الله. قاله الحافظ في الفتح (: ٢/ ١٠٠) فهو حسن أو صحيح علىٰ قاعدته.)

وحكاه ابن أبى شيبة عن سويد بن غفلة وقيس بن أبى حازم وحماد وعن سعيد بن المسيب وعمربن عبدالعزيز: إذا قال المؤذن"الله أكبر" (أى ثبت وحان وقته) وجب القيام وإذا قال"حى على الصلوٰة" اعتدلت الصفوف وإذا قال"لا إلٰه إلا الله" كبر الإمام. (ذكره الحافظ فى الفتح أيضًا فهوحسن أوصحيح علىٰ قاعدته) وذهبت عامة العلماء إلىٰ أنه لايكبرحتىٰ يفرغ المؤذن من الإقامة. وفى المصنف كره هشام يعنى ابن عروة أن يقوم حتىٰ يقول المؤذن:"قد قامت الصلاة"وعن يحيى بن وثاب: إذا فرغ المؤذن كبر، وكان إبراهيم يقول إذا قامت الصلاة كبر ومذهب الشافعى وطائفة: أنه يستحب أن لايقوم حتى يفرغ المؤذن من الإقامة وهوقول أبى يوسف، وعن مالك رحمه الله: السنة فى الشروع فى الصلاة بعد الإقامة وبداية استواء الصف، وقال أحمد: إذا قال المؤذن"قد قامت الصلاة" يقوم، وقال زفر: إذا قال المؤذن"قد قامت الصلاة" مرة قاموا و إذا قال ثانيًا افتتحوا. و قال أبوحنيفة ومحمد: يقومون فى الصف إذا قال" حى على الصلاة" فإذا قال"قد قامت الصلاة"كبرالإمام لأنه أمين الشرع وقد أخبربقيامها فيجب تصديقه وإذا لم يكن الإمام فى المسجد فذهب الجمهورإلىٰ أنهم لايقومون حتى يروه،آه. (باب متى يقوم الناس إذا رؤا الإمام: ٦٧٦/٢)

قلت: وفى قوله وإذا لم يكن الإمام فى المسجد،الخ: إشارة إلىٰ أن الاختلا ف المذكورسابقاً فى وقت القيام إنما هوفيما إذاكان الإمام فى المسجد، وقال الحافظ فى الفتح: أما حديث أبى هريرة ا لآتى (الذى أخرجه البخارى) بلفظ: "أقيمت الصلاة فسوى الناس صفوفهم فخرج النبى صلى اللّٰه عليه وسلم" ولفظه فى مستخرج أبى نعيم "فصف الناس صفوفهم ثم خرج علينا" ولفظه عند مسلم "أقيمت الصلاة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا النبى صلى الله عليه وسلم" فيجمع بينه وبين حديث أبى قتادة(لا تقوموا حتى ترونى) بأن ذلك ربما وقع لبيان الجوازوبأن صنيعهم فى حديث أبى هريرة كان سبب النهى عن ذلك فى حديث أبى قتادة وأنهم كانوا يقومون ساعة تقام الصلاة ولولم يخرج النبى صلى الله عليه وسلم فنهاهم عن ذلك لاحتمال أن يقع له شغل يبطىء فيه عن الخروج فيشق عليهم انتظاره،آه. (باب لايقوم إلى الصلاة مستعجلاً: ١٠٠/٢)

قلت: وقد روى مسلم عن جابربن سمرة:" أن بلا لا كان لايقيم حتى يخرج النبى صلى الله عليه وسلم فإذا خرج أقام الصلاة حين يراه"،آه. (باب متى يقوم الناس للصلاة: ٢٢١/١ (ح: ٦٠٦)

ولعل فيه حكاية عن فعل بلال بعد النهى المذكورفى حديث أبى قتادة،وروى البزارعن عبد الله ابن أبى أوفٰى مرفوعًا قال: كان بلا ل إذا قال"قد قامت الصلاة"نهض رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير.وفيه الحجاج بن فروخ ضعفه الهيثمى فى مجمع الزوائد (١٨٢/١)(١) وذكره ابن حبان فى الثقات كما فى اللسان (ج:٢/ص:١٧٩)فهوحسن الحديث.

وقد تقدم عن أنس أنه كان يقوم إذا قال المؤذن"قد قامت الصلاة". رواه ابن المنذروغيره وسكت عنه الحافظ فى الفتح فهوحسن أوصحيح وهومحمول علٰى ما إذاكان الإمام فى المسجد بقرب المحراب والمراد بالقيام القيام بحقيقة الصلاة وهوبالتكبيرللإحرام كما يشعر به لفظ البزار"نهض بالتكبير". وأما القيام من الجلوس فلابد أن يتقدمه بشىء فثبت أنه صلى الله عليه وسلم كان يقوم فى مصلاه عند قول المؤذن"قد قامت الصلاة" قبله بشىء وكذا فعله أنس فما رواه عبد الرزاق من ابن جريج عن ابن شهاب"إن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن" الله أكبر"يقومون إلى الصلاة فلا يأتى النبى صلى الله عليه وسلم مقامه حتى تعتدل الصفوف كما فى فتح البارى (١٠٠/٦)(٢) يحمل القيام فيه على القيام من مكان الجلوس لا القيام فى الصف فكانوا يقومون فى الصف عند قول المؤذن"قد قامت الصلاة"قبله بشىء كيلا تتضاد الآثاروإن كا ن الظاهرمنه القيام فى الصف كما لايخفٰى.

وبالجملة فحاصل الأحاديث: أن الإمام إذاكان فى المسجد بقرب المحراب فلا ينبغى للناس والإمام أن يقوموا قبل الشروع فى الإقامة بل بعده إما ساعة يقول المؤذن"الله أكبر" أو عند قوله" قد قامت الصلاة" قبله بشىء وإن كان خارجًا منه فلا يقوموا حتى يروه فإذا رأوه مقبلاً إلى المحراب قاموا.ومقتضاه أن الإمام إذا دخل المسجد وقد شرع المؤذن فى الإقامة لايجلس فيه منتظرًا قول المؤذن"حى على الصلاة"أو"قد قامت الصلاة" بل يستمرذاهبًا إلى المصلى لأنه يبعد أن يؤمرالناس بالقيام لرؤية الإمام ويؤمرهوبالجلوس كلا،وأما ماقاله الفقهاء من كراهة السمود فمعناه انتظارالناس الإمام قياما قبل رؤيتهم إياه مقبلا إلى المحراب وهو معنى قول على:"مالى أريٰكم سامدين" يؤيده مارواه أبوداؤد عن كهمس بإسناد رجاله موثقون:

أنه قال:قمنا إلى الصلاة بمنىً والإمام لم يخرج فقعد بعضنا فقال لى شيخ من أهل الكوفة: ما يقعدك؟ قلتُ: ابن بريدة،قال هذا سمود،آه.(٢١٣/١)(٣)

(١) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،باب التكبير:١٠٣/٢ (ح:٢٥٩٧)انيس

(٢) فتح البارى لابن حجر،باب لايقوم إلى الصلاة مستعجلاً:١٢٠/٢.انيس

(٣) سنن أبى داؤد،باب فى الصلاة تقام ولم يأت الإمام (ح:٥٤٣)انيس

فالسمود أن ينتظروا الإمام قيامًا قبل خروجه وقبل رؤيتهم إياه مقبلا عليهم.

وقال الحافظ الحجة ابن قدامة الحنبلی فی المغنی: ويستحب أن يقوم إلى الصلاة عند قول المؤذن "قد قامت الصلاة" وبهذا قال مالک، قال ابن المنذر علٰی هذا أهل الحرمين وقال الشافعی: يقوم إذا فرغ المؤذن من الإقامة وكان عمر بن عبدالعزيز ومحمد بن كعب و سالم وأبوقلابة والزهری وعطاء يقومون فی أول بدوة من الإقامة (قلت: وعليه العمل اليوم فی الديار و الأمصار بلا إنكار) وقال أبوحنيفة: يقوم إذا قال "حی على الصلاة" فإذا قال "قد قامت الصلاة" كبر و كان أصحاب عبد اللّٰه يكبرون إذا قال المؤذن "قد قامت الصلاة" وبه قال سويد بن غفلة و النخعی: ولا يستحب عندنا أن يكبر إلا بعد فراغه من الإقامة وهو قول الحسن ويحيی بن وثاب و إسحاق وأبی يوسف والشافعی وعليه جل الأئمة فی الأمصار ... وإذا ثبت هذا فإنما يقوم المأمومون إذا كان الإمام فی المسجد أو قريباً منه وإن لم يكن فی مقامه فإن أقيمت والإمام فی غير المسجد ولم يعلموا قربه لم يقوموا لماروی أبوقتادة، قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: "إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتٰی ترونی". متفق عليه وللبخاری "قد خرجت" (قلت: ليس لفظ قد خرجت عند البخاری بل هو عند مسلم وغيره فلعله من زلة القلم. منه) وخرج علی رضی اللّٰه عنه والناس ينظرونه قياماً للصلاة فقال مالی أريكم سامدين، آه ملخصاً. (۱/ ۵۰۷-۵۰۸)(۱)

وقال فی الدر فی آداب الصلاة: (والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل "حی على الفلاح) خلافا لزفر، فعنده عند "حی على الصلاة". ابن كمال. (وفی بعض الروايات عكس هذا فعند الثلاثة عند "حی على الصلاة" وعند زفر عند "حیّ على الفلاح" والصحيح عن زفر أن يقوم عند "قد قامت الصلاة". منه) (۲) (إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا) أی وإن لم يكن بقرب المحراب، بأن كان فی موضع آخر من المسجد أو خارجه ودخل من خلف. (ردالمحتار) (فيقوم كل صف ينتهی إليه الإمام على الأظهر) وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه، آه. (۱/ ۴۹۹)(۳)

---

(۱) المغنی لابن قدامة، فصل يستحب أن يقوم إلى الصلاة عند قول المؤذن، الخ: ۱/ ۳۳۱. انيس

(۲) (وإذا قال) المؤذن ("حی على الصلاة" قام الإمام والجماعة) عند علمائنا الثلاثة للإجابة وقال الحسن وزفر: إذا قال: "قد قامت الصلاة" قاموا إلى الصف وإذا قال مرة ثانية كبروا والصحيح قول علمائنا الثلاثة وفی الوقاية ويقوم الإمام والقوم عند حی على الصلاة أی قبيله. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، صفة الأذان: ۱/ ۷۸. انيس)

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلٰوة، آداب الصلاة: ۱/ ۴۴۷. انيس

وقال محمد فی الأثار: أخبرنا أبو حنيفة عن طلحة بن مصرف عن إبراهيم أنه قال: إذا قال المؤذن "حی علی الفلاح" فإنه ينبغی للقوم أن يقوموا فيصفوا، فإذا قال "قد قامت الصلاة" كبر الإمام، قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبی حنيفة رحمه اللّٰه. وإن كف الإمام حتى يفرغ المؤذن من إقامته ثم كبر فلابأس أيضًا كل ذلک حسن، آه. (۱)

قلت: وقول إبراهيم حجة عندنا لكونه لسان ابن مسعود وأصحابه وقد تقدم فی قول الحافظ ابن قدامة أن أصحاب عبد اللّٰه كانويكبرون عند قول المؤذن "قد قامت الصلاة" والظاهر أنهم أخذوا ذلک عن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه وقد ظهر من قول محمد أنّ الشروع عند قوله "قد قامت الصلوٰة" ليس من الواجبات بل من الآداب فقط فلو شرع بعد الإقامة كان حسنًا أيضًا. قلت: وكذلک القيام عند قوله "حیّ علی الصلاة" من الآداب أيضًا كما يشعر به صنيع الفقهاء، فإنهم لم يذكروه فی السنن ولا فی الواجبات بل ذكروه فی الآداب فقط فلو قاموا عند بدو الإقامة فلا بأس به وكان ذلک حسنا، ولذا قال الطحطاوی فی حاشية الدرتحت (قوله والقيام لإمام ومؤتم حين قيل حیّ علی الفلاح) الخ مانصه: الظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لابأس وحرر، آه. (ج: ۱/ص: ۳۳۱) (۲)

ولكنه قال فی حاشيته علیٰ مراقی الفلاح تحت قول الماتن ومن الآدب القيام (أی قيام القوم والإمام إن كان حاضرًا بقرب المحراب حين قيل أی وقت قول المقيم حی علی الفلاح لأنه أمر به فيجاب وإن لم يكن (الإمام) حاضرًا يقوم كل صف ينتهی إليه الإمام فی الأظهر آه مانصه. وإذا أخذ المؤذن فی الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه يقعد ولا ينتظر قائمًا فإنه مكروه كما فی المضمرات، قهستانی. ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون، آه. (ص: ۱٦۱) (۳)

ويمكن التطبيق بين قوليه أن قوله فی حاشية الدر محمول علیٰ ما إذا كان الإمام حاضرًا فی بدو الإقامة فلابأس بالقيام من ابتداء الإقامة وقوله فی حاشية المراقی محمول علیٰ ما إذا لم يكن الإمام حاضرًا وقت الإقامة فلا ينبغی القيام إلا أن يأتی الإمام ويشعر به لفظ المضمرات ولا ينتظر قائما ومعناه فاللّٰه أعلم أن لا ينتظر الإمام قائمًا فافهم. وأمّا حكم الإقامة لصلاة الجمعة

---

(۱) موطأ الإمام محمد، باب الأذان (ضمن رقم الحديث: ٦۳) انیس

(۲) حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، كتاب الصلاة. انیس

(۳) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل من آدابها: ۱/۲۷۷. انیس

فللمأمومين أن يقوموا عند قوله حيّ على الفلاح أوحيّ على الصلاة ولوقاموا عند بدو الإقامة فلا بأس به وذلک حسن أيضًا كمامر وللإمام ماذكره في الدر: ويؤذن ثانيا بين يديه أي الخطيب... إذا جلس على المنبر فإذا أتم أقيمت،آه.(١)

قال الشامي: (قوله أقيمت) بحيث يتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وتنتهي الإقامة بقيام الخطيب في مقام الصلاة،آه.(ج:١/ص:٨٦٠)(٢)

ومفاده أن الخطيب يستمر قائما عند الإقامة ولايجلس منتظرًا قول المؤذن "حي على الصلاة" وهذا ظاهر وعليه العمل في ديار الإسلام. والله أعلم

خلاصہ ان تمام روایات کا یہ ہے کہ اگر امام وقت اقامت کے مسجد میں قریب محراب کے بیٹھا ہوا ہو، تو فقہاء حنفیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ شروع تکبیر پر قیام نہ کریں، نہ امام نہ قوم بلکہ "حی علی الصلاۃ" یا "حی علی الفلاح" یا "قد قامت الصلاۃ" پر کھڑے ہوں (علی اختلاف الأقوال بين الأئمة وزفر كمامر) اور اگر شروع اقامت ہی پر کھڑے ہو جائیں، تو یہ بھی بہتر ہے اور مباح ہے، اور بہت سے تابعین کا اس پر عمل تھا، پس اس کو مکروہ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ کراہت پر کوئی دلیل نہیں اور بعض عبارات فقہیہ میں جو اس کو مکروہ لکھا ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ اگر شروع اقامت میں امام حاضر نہ ہو تو اس کے انتظار میں قیام مکروہ ہے، اور اگر امام موجود ہو اور وہ شروع اقامت ہی پر کھڑا ہو گیا ہو تو مقتدیوں کو بھی کھڑا ہو جانا چاہئے، اور یہ مکروہ نہیں، نہ امام کے لئے نہ مقتدیوں کے لئے، گو اولیٰ یہ تھا کے سب کے سب "حیّ علی الصلاۃ" پر کھڑے ہوتے۔

اور اگر امام وقت اقامت کے مسجد میں اور قرب محراب میں موجود نہ ہو، تو جب تک امام کو آتا ہوا نہ دیکھیں سب لوگ بیٹھیں رہیں، خواہ اقامت پوری ہی ہو جائے، غرض اس وقت امام کو بدون دیکھے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

وهو داخل في السمود وهو الذي نهى عنه النبي صلى الله عليه وسلم في حديث أبي قتادة إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتّٰى تروني.

اور اگر امام اقامت سے پہلے مصلّے پر پہنچ جائے تو اس صورت میں مقتدیوں کو اقامت شروع ہونے کے بعد "حی علی الصلاۃ" یا "قد قامت الصلاۃ" پر کھڑا ہونا چاہئے، اور شروع اقامت پر کھڑے ہو جائیں، تو یہ بھی اچھا ہے، لیکن اقامت سے پہلے کھڑے نہ ہوں۔

اور بکر کا یہ فعل کہ وہ اقامت سے پہلے مصلّے پر پہنچ جاتا ہے پھر تکبیر شروع ہوتی ہے سنت کے موافق نہیں، حضور صلی

(١-٢)　الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقى بين يدي الخطيب: ١٦١/٢. انیس

اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب آپ حجرہ سے نکلتے بلال اسی وقت تکبیر شروع کر دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ختمِ اقامت یا وسطِ اقامت میں مصلّے پر پہنچتے تھے، غرض اقامت شروع ہونے سے پہلے امام اور قوم دونوں کو مصلّے پر کھڑا نہ ہونا چاہئے کہ اس کا ثبوت فعل سلف اور آثار مرفوعہ وغیرہ سے نہیں ملتا۔

اور جمعہ کی نماز میں مقتدیوں کو تو "حیّ علی الصلاۃ" یا شروع اقامت پر کھڑا ہونا چاہئے، اور امام مؤذن کو یہ تعلیم کرے کہ وہ اقامت خطبہ ختم ہونے کے قریب اس طرح شروع کر دیا کرے کہ امام خطبہ ختم کر کے جب مصلّے پر پہنچے تو اقامت ختم ہو جائے، یہ مستحب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام کو خطبہ ختم کر کے بیٹھنا مستحب نہیں، اور اگر مؤذن ختمِ خطبہ سے پہلے اقامت شروع نہ کرے جب بھی اس وقت امام کے لئے جلوس ثابت نہیں بلکہ وہ کھڑا ہی رہے، خواہ منبر پر، اور ختم اقامت کے قریب مصلّے پر پہنچے، یا خطبہ ختم کر کے مصلّی پر ہی کھڑا ہو جائے، یہاں تک سائل کے سوال اول و دوم وسوم کا جواب ہو گیا، چوتھے مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ زید کا یہ فعل کہ وہ مقتدیوں کو شروع تکبیر پر کھڑے ہونے سے منع کرتا اور بٹھلاتا ہے تشدّد غیر مرضی اور غلو فی الدین ہے، کیونکہ "حیّ علی الفلاح" پر کھڑا ہونا محض ادب ہے، اور شروع اقامت پر کھڑا ہونا بھی سلف سے ثابت ہے، اس سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

پانچویں مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ میں قیام علی "حیّ علی الصلاۃ" کو امام کے ساتھ خاص کرنا نصوصِ فقہیہ کے خلاف ہے، بلکہ یہ حکم سب کے لئے ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ حکم سنت ہے یا محض ادب، سو عبارات فقہا میں اس کی تصریح ہے کہ محض ادب ہے، اور شروع اقامت سے ہی سب کھڑے ہو جائیں تو جائز ہے اور یہ بھی حسن ہے، مگر خواہ شروع اقامت پر کھڑے ہونے کا حکم ہو یا "حیّ علی الصلاۃ" پر، دونوں حکم امام اور مقتدی سب کے لئے ہیں، پس فتاویٰ رضویہ کی یہ تقیید و تخصیص صحیح نہیں اور اس کا قول بلا دلیل قابلِ تسلیم نہیں۔ واللہ اعلم

۲۳ رمحرم ۱۳۴۶ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۳۵-۴۵) ☆

☆ اقامت کے وقت امام اور مقتدیوں کو کب کھڑا ہونا چاہئے:

سوال: امام اور مقتدیوں کو اقامت شروع ہوتے ہی کھڑا ہونا چاہئے یا درمیان میں صورت ثانی میں درمیان میں کس لفظ پر کھڑا ہونا چاہئے، اسی طرح امام کو تکبیر تحریمہ درمیان اقامت میں کہنی چاہئے، یا اقامت ختم ہونے کے بعد، بینوا توجروا؟

الجواب

اگر امام شروع اقامت کے وقت محراب کے قریب یا مسجد میں موجود ہو تو امام اور مقتدی دونوں کو "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا مستحب ہے اور بعض کے نزدیک "حی علی الصلاۃ" پر کھڑا ہونا مستحب ہے، ابتداء اقامت ہی سے کھڑا ہو جانا جیسا کہ آجکل رائج ہے، مکروہ ہے، لیکن اگر امام اقامت سے پہلے محراب پر پہنچ جائے، تو مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا چاہئے، گو اس صورت میں امام نے خلاف اولیٰ کا ارتکاب کیا، مگر امام کے کھڑے ہو جانے کے بعد مقتدیوں کو نہ بیٹھنا چاہئے، ==

== پس ابتداء اقامت سے مقتدیوں کا کھڑا ہونا اس وقت مکروہ ہے جب کہ امام بوقت اقامت موجود نہ ہو، اور تکبیر تحریمہ شروع کرنا "قد قامت الصلاۃ" پر مستحب ہے، اقامت کہنے والا اقامت پوری کردے اور امام درمیان میں "قد قامت الصلاۃ" پر تحریمہ باندھ لے، اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ امام ختم اقامت ہونے کے بعد تحریمہ شروع کرے اور بعض فقہانے اسی قول کو اعدل المذاہب اور اصح قرار دیا ہے، مگر حدیث سے امام صاحب کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

قال فی نور الإیضاح: ومن الأدب القیام أی قیام القوم والإمام إن کان حاضرًا بقرب المحراب حین قیل أی وقت قول المقیم "حی علی الفلاح".

(وقال الحسن وزفر عند "حی علی الصلاۃ" کما فی سکب الأنهر عن ابن الکمال، آہ. لأنه أمر به فیجاب وإن لم یکن ظاهرًا یقوم کل صف حین ینتهی إلیه الإمام فی الأظهر (فکلما جاوز صفًا قام ذلک الصف، آہ، وإن دخل من قدامهم قاموا حین رأوہ، آہ . (الطحطاوی)

ومن الأدب شروع الإمام أی إحرامه مذ قیل أی عند قول المقیم "قد قامت الصلاۃ" عندهما وقال أبو یوسف: یشرع إذا فرغ من الإقامة (أی بدون فصل وبه قالت الأئمة الثلاثة وهو أعدل المذاهب شرح المجمع وهو الأصح، قهستانی عن الخلاصة وهو الحق، نهر، آہ. (الطحطاوی)

قلت: وفی مجمع الزوائد (١٨٢/١) عن عبد الله بن أبی أوفٰی قال: کان بلال إذا قال "قد قامت الصلٰوۃ" نهض رسول الله صلی الله علیه وسلم بالتکبیر، رواہ البزار. وفیه الحجاج بن فروخ وهو ضعیف، آہ. قلت: ذکرہ ابن حبان فی الثقات کذا فی اللسان. (١٧٩/١) وقوله نهض بالتکبیر معناہ قام متلبسا به.

وقال الطحطاوی: وإذا أخذ المؤذن فی الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه یقعد ولا ینتظر قائمًا فإنه مکروہ (قهستانی) ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون، آہ. قلت: وهو محمول علٰی ما إذا لم یقم الإمام عند ابتداء الإقامة وإلا فیقوم القوم عند قیام الإمام لقوله صلی الله علیه وسلم: لا تقوموا حتی ترونی آہ، علق قیامهم علٰی رؤیة الإمام فعلٰی قیامه بالأولٰی. والله أعلم

٧/ جمادی الثانیہ ١٣٤٠ھ۔ (امداد الاحکام: ٢/ ٨٣۔٨٤)

اقامت کے وقت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں:

سوال: ان امصار وبلاد میں یہ قاعدہ ہے کہ جب نماز کے واسطے اقامت شروع ہوتی ہے امام اپنے مصلی پر اور تمام مقتدی صف میں اپنی جگہ پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس جگہ جامع مسجد سکندرآباد میں بھی ہمیشہ سے اسی طرح سے کھڑے ہوتے ہیں، حالانکہ شرح وقایہ جلد اول مطبع مجتبائی صفحہ: ١٠٥ پر ہے:

ویقوم الإمام والقوم عند "حی علی الصلاۃ"

اور اس کے حاشیہ پر ہے:

وفیه إشارة إلٰی أنه رجل إذا دخل المسجد یکرہ له انتظار الصلاۃ قائما بل یجلس بموضع ثم یقوم عند "حی علی الفلاح" وبه صرح فی جامع المضمرات. جامع المضمرات کے حوالے سے شروع میں کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے۔ ==

== فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۴۴ جلد اول مطبع نولکشور میں ہے:

إن كان المؤذن غير الإمام وكان القوم مع الإمام فإنه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن "حى على الفلاح" عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح. (عالمگیری میں بالاتفاق اسی کو صحیح لکھا ہے)

غایۃ الاوطار جلد اول مطبع نولکشور ص ۲۲۱ میں ہے:

(والقيام) للإمام والمؤتم (حين قيل "حى على الفلاح") خلافاً لزفر، فعنده حين "حيّ على الصلاة"، ابن كمال.

شامی کا بھی حوالہ دیا ہے کہ اس میں بھی یہی طریقہ صحیح لکھا ہے، ان کتابوں میں یہ مسئلہ دیکھا کہ شروع میں کھڑا ہونے کو مکروہ لکھا ہے، اور عند "حى على الفلاح" یا "حى على الصلاة" کو مستحب و احسن لکھا ہے، طریقۂ قدیم کو چھوڑ دیا اور مقتدیوں کو بتلا دیا کہ اس طریقہ کو مستحب لکھا ہے واجب فرض نہیں، پنجوقتہ نماز میں قریب بیس پچیس آدمی سب اس کے عادی ہوگئے کہ پہلے سے ایک صف میں برابر اٹھ جاتے ہیں اور وقت "حى على الصلاة" کے کھڑے ہوجاتے ہیں، صف بھی سیدھی ہوتی ہے، جمعہ کے روز زیادہ آدمی ہوتے ہیں، بیٹھنے میں ٹھیک انتظام نہیں ہوتا، اگر جمعہ کے روز اس مستحب طریقہ پر عمل کیا جاوے تو جماعت سیدھی نہ ہوگی، اور جماعت کے سیدھی کرنے کا زیادہ اہتمام ہے، اور یہ فعل مستحب ہے، اس روز شروع سے کھڑے ہوکر جماعت سیدھی کرلیتے ہیں، عرصہ چار یا پانچ ماہ سے یہ عمل جاری ہے، اب کوئی باہر کے عالم آتے ہیں تو اس طریقہ کو بدعت و مکروہ بتلاتے ہیں، اب عرض یہ ہے کہ اگر یہ فعل متصل "حى على الصلاة" یا "حى على الفلاح" پر کھڑا ہونا بدعت یا مکروہ ہو تو اس کو چھوڑ کر اسی طریقہ پر عمل کریں یعنی شروع سے کھڑے ہوجایا کریں، مگر برائے مہربانی بحوالۂ کتب حنفی ارشاد ہو کہ شروع سے کھڑا ہونا مستحب ہے، حوالہ کتب ضرور ہو جو آجکل رسم ورواج ہے کہ شروع سے کھڑے ہوجاتے ہیں اس کو دخل نہ ہو، بلکہ بحوالۂ کتب ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فى الحديث عن النبى صلى الله عليه وسلم: "لاتقوموا حتى ترونى".

اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام کو مسجد میں آتا ہوا دیکھنے سے پہلے مقتدیوں کا کھڑا ہونا ممنوع ہے اور یہی سمود ہے جس کو فقہا نے انتظار قائمًا سے بیان فرمایا ہے اور امام جب مسجد میں آجائے اور مصلی پر پہنچ جائے تو اس وقت مقتدیوں کو کھڑا ہوجانا جائز ہے، خواہ مکبر نے تکبیر نہ کہی ہو، یا حى على الفلاح پر نہ پہنچا ہو حى على الفلاح پر کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جبکہ امام بھی حى على الفلاح ہی پر کھڑا ہو، اور اگر وہ شروع تکبیر پر کھڑا ہوجائے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ جس صف کے سامنے سے امام گذرے وہ کھڑے ہوجائیں، اور جب مصلے پر پہنچ جائے تو سب کھڑے ہوجائیں۔

قال فى الدر المختار: فى آداب الصلاة: (والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل "حى على الفلاح") خلافاً لزفر، فعنده عند "حى على الصلاة" ابن كمال. إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا (أى وإن لم يكن بقرب المحراب بأن كان فى موضع آخر من المسجد أو خارجه ودخل من خلف، ح. (ردالمحتار) فيقوم كل صف ينتهى إليه الإمام على الأظهر وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه، آه. (٤٩٩/١) (آخر باب صفة الصلاة)

اس سے معلوم ہوا کہ "حى على الفلاح" پر کھڑا ہونے کا استحباب ہر صورت میں نہیں بلکہ اس وقت ہے، ==

== جب کہ امام مصلے پر کھڑا نہ ہو، بلکہ محراب کے قریب بیٹھا ہو، اور اگر وہ محراب کے قریب بیٹھا نہ ہو بلکہ مسجد کے کسی اور حصہ میں ہو یا مسجد سے باہر ہو تو جس وقت وہ کھڑا ہو کر صفوف کے سامنے گذرے یہ صفوف والے اس کو دیکھ کر کھڑے ہو جائیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ومقتدی کا "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا آداب میں سے ہے واجبات وسنن میں سے نہیں، پس "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا بدعت نہیں ، اور اس سے پہلے بھی کھڑا ہونا بدعت نہیں ، اگر امام کو مصلی کی طرف آتا ہوا دیکھ لیا جائے ، البتہ اگر امام مصلی کی طرف نہ آتا ہو بلکہ بیٹھا ہوا ہو یا مسجد سے باہر کسی کام میں ہو، تو اس صورت میں مقتدیوں کو "حی علی الفلاح" سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ **لکونه داخلاً في السمود وهو الانتظار قائمًا . والله أعلم**

۱۳ / رجب ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲ / ۸۵-۸۷)

اقامت کے وقت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں:

سوال: زید مدعی ہے کہ مصلین کو "**حی علی الصلاۃ**" پر اور امام کو "**قد قامت الصلاۃ**" پر...... قیام کرنے کی کوئی دلیل نہیں، عاجز نے مظاہر حق دکھائی تو کہا اس کے علاوہ اور دلیل لاؤ، تو تسلیم کروں گا، دلیل مظاہر بلا حوالہ کتب ہے، حدیث وفقہ کے دلائل بیان فرمائیے؟

الجواب

عن عبد الله بن أبي أوفى قال: كان بلال إذا قال" قد قامت الصلاة" نهض رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير. رواه البزار ضعفه الهيثمي وذكره ابن حبان في الثقات. (مجمع الزوائد، ج: ۱ / ص: ۱۸۲) ولسان: ۲ / ۱۷۹)

اس مرفوع حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "**قد قامت الصلاۃ**" پر تکبیر شروع فرما دیا کرتے تھے ، اور مقتدیوں کو امام کی تکبیر سے پہلے صف درست کرنے کے لئے اٹھنا چاہئے ، تو حنفیہ کا قول ثابت ہو گیا۔

۱۲ / رمضان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۲ / ۸۷)

امام ومقتدی کب کھڑے ہوں:

سوال: امام ومقتدی نماز سے پہلے اپنی جگہ پر صف میں بیٹھے رہیں اور مکبر اقامت میں **حی علی الصلوٰۃ** کہے تب امام ومقتدی کھڑے ہو جائیں اور نماز کی نیت کر لیں ، یہ مسئلہ مفتاح الجنۃ اردو مصنفہ جناب مولوی کرامت علی صاحب جونپوری مطبوعہ مطبع احمدی واقع شاہ باغ صفحہ ۳۸ و ۴۹ میں تحریر ہے، حالانکہ اس وقت تک محققین علماء کرام کا جو احناف میں سے ہیں اس پر عمل ہے، کہ شروع اقامت کے وقت امام ومقتدی کھڑے ہو کر صفوف کو ترتیب دیتے ہیں، اور کلمۂ **قد قامت الصلاۃ** پر امام ومقتدی نماز کی نیت کرتے ہیں، ایک امام مسجد جو علم عربی سے بالکل ناواقف ہیں، اس مسئلہ کو کتاب مذکور میں دیکھ کر خود بھی اقامت شروع ہونے سے پیشتر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور مقتدیوں کو بھی اپنی جگہ پر بیٹھنے کو مجبور کرتے ہیں، اس سے فتنہ وفساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، کیا کتب حنفیہ اور احادیث صحیحہ سے امام اور مقتدیوں کا اقامت کے وقت بیٹھا رہنا ثابت ہے؟ اور اگر کتب حنفیہ اور احادیثِ صحیحہ سے اس کا ثبوت ہے تو علماءِ احناف کا عمل اس کے خلاف کیوں ہے؟ اور ہمیں کس مسئلہ پر عمل کرنا چاہئے؟ جواب بدلائل مرحمت فرمایا جاوے؟

الجواب

شروع اقامت سے کھڑے ہو جانے کا جو معمول ہے وہی بہتر ہے اس کو بدلنے کی ضرورت نہیں، ==

== اور یہ مسئلہ جو مفتاح الجنۃ میں ہے کتب فقہ میں بھی اس کی اصل مذکور ہے، لیکن اول تو اس میں فقہا نے تفصیل لکھی ہے، نا معلوم مفتاح الجنۃ میں وہ تفصیل بھی لی ہے یا نہیں، تفصیل یہ ہے کہ اگر امام وقت جماعت جماعت سے پیشتر ہی مصلی کے قریب بیٹھا ہوا ہے، تب توحی علی الفلاح (بعض ''حی علی الصلاۃ'' لکھتے ہیں، واللہ اعلم۔منہ) کہتے ہی سب کھڑے ہو جاویں، اور اگر امام جماعت کے وقت پر خارج مسجد سے آیا ہے تو جس صف سے امام گذرتا جاوے وہ صف کھڑی ہوتی جاوے، اور اگر امام صفوف کے سامنے (مثلاً حجرہ میں دریچہ ہو امام اس دریچہ سے آوے۔منہ) سے داخل ہوا ہو تو سب صفوف امام کو دیکھتے ہی کھڑی ہو جاویں، یہ تین صورتیں تو درمختار عالمگیری وغیرہ میں مصرح ہیں، اور ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ امام مسجد میں تو پہلے سے موجود ہے، لیکن محراب سے فاصلہ پر ہے، سو اس صورت کا حکم بھی تفصیل بالا سے معلوم ہو گیا، کہ جن صفوں سے امام آگے ہے وہ صفیں امام کے اٹھتے ہی سب کھڑی ہو جاویں اور جو صفوف امام سے آگے بیٹھی ہیں ان میں جس صف سے امام بڑھتا جاوے وہ کھڑی ہوتی جاوے، اس چوتھی صورت کو علامہ شامی نے درمختار ہی کی عبارت سے مستنبط فرمایا ہے۔درمختار کی عبارت یہ ہے:

(والقيام)لإمام ومؤتم(حين قيل حي على الفلاح)...(إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر)وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه.

اور شامی نے وإلا فیقوم کے تحت لکھا ہے:

أي وإن لم يكن الإمام بقرب المحراب بأن كان في موضع آخر من المسجد أو خارجه ودخل من خلف، ح.(۱/ ۵۰۰)(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، آداب الصلاة، قبیل الفصل: ۱/ ٤٧٩، انیس)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم ہر حال میں نہیں ہے، بلکہ چار صورتوں میں سے صرف ایک صورت میں ہے، و نیز یہ کسی نے نہیں کہا کہ امام صاحب ضرور خواہ مخواہ جا کر بیٹھا کریں، بلکہ اس مسئلہ کا منشا صرف یہ ہے کہ اگر اتفاقاً پیشتر سے امام محراب کے قریب بیٹھا ہو تو یہ حکم ہے، پس ان امام صاحب نے اس کا اہتمام جو شروع کیا ہے یہ ان کی زیادتی ہے، ایسا اہتمام ہرگز نہ چاہئے، دوسرے یہ کہ یہ سب آداب میں سے ہیں، اور ادب وہ ہے جو اکمال سنت کے واسطے مشروع ہوا ہو اور اس کے ترک پر ملامت و عتاب نہیں ہو سکتا، اگر کوئی کرے، تو بہتر ہے ورنہ کچھ حرج نہیں ہے۔ کما صرح به في الدر المختار وغیره من کتب الفقه. پس مقتدیوں کو مجبور کرنا بالکل بے جا ہے۔

تیسرے یہ بات غور طلب ہے کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے کا جو آداب میں شمار کیا ہے، تو اس کا مقابل کیا ہے؟ عام طور پر لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونا (مؤلف مفتاح الجنۃ نے یہی سمجھ کر اپنی طرف سے بڑھا دیا کہ امام و مقتدی سب اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں، ورنہ کتب فقہ میں اس جملہ کا کہیں پتہ نہیں۔منہ) خلاف اولیٰ ہے، حالانکہ یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد بیٹھا رہنا خلاف اَولیٰ ہے، کیونکہ اقامت کے بعد فوراً نماز شروع کر دینا مستحب ہے، اس واسطے اس کے ختم ہونے سے پیشتر کھڑا ہونا آداب میں رکھا گیا تاکہ اس سنت مستحبہ کی تکمیل ہو جاوے، پس اس بنا پر اگر اقامت کے شروع ہی سے کھڑے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا، اور یہ جو احقر نے کہا ہے کہ قیام عند الحیعلہ کو اولیٰ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے پیشتر قیام خلاف اولیٰ ہو بلکہ حیعلہ کے بعد جلوس کو خلاف اولیٰ کہنا چاہئے، اس کی طرف مراقی الفلاح کے قول میں اشارہ ہے، کیونکہ اس میں یہ دلیل لکھی ہے، لأنه أمر به فیجاب، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود امر کی طرف مبادرت ہے، کما صرح به الطحطاوي بقوله فیبادر إلیها بالقیام. ==

امام اور مقتدیوں کا شروع اقامت میں کھڑا ہونا:

سوال: مقتدی اور امام کے لئے ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہوجانا اور ”قد قامت الصلاۃ“ پر تحریمہ باندھ لینا ہر وقت مستحب اور ضروری ہے، یا کسی تعذر مثلاً صف بندی کی درستگی کی بنا پر ضروری اور مستحب نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۵۱، محمد حبیب حسین (بہار) ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ، م ۲۹ جون ۱۹۳۷ء

الجواب

مقتدی اور امام ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہوجائیں، یعنی اس کے بعد بیٹھے نہ رہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں، اگر صف بندی کرنی ہو تو پہلے سے (یعنی شروع اقامت سے) کھڑا ہوجانا بہتر ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۵۳/۳)

== اور ظاہر ہے کہ مبادرت کا مقابل دیر لگانا ہے، بعد امر کے نہ کہ امر سے قبل مستعد ہونا، پس واضح ہوگیا کہ ہمارا معمول ہرگز خلاف اولیٰ نہیں ہے، بلکہ ہم بدرجہ اولیٰ اس حکم مبادرت الی القیام پر عامل ہیں، ونیز جتنا جلدی کھڑے ہوں گے، اسی قدر اہتمام ہوگا تسویہ صفوف کا، پس اس کی کوئی وجہ نہیں کہ قیام قبل الحیعلہ کو خلاف اولیٰ کہا جاوے، اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ شرح مراقی الفلاح میں تصریح ہے:

وإذا أخذ المؤذن فی الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه یقعد ولاینتظر قائما فإنه مکروه کما فی المضمرات (القهستانی) ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون، آه.

سو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ جزئیہ اگر تسلیم کیا جاوے تو مخصوص ہوگا اس صورت کے ساتھ جب کہ امام اور قوم بیٹھی ہو کہ اس وقت آنے والے کو سب کی موافقت کرنی چاہئے خلاف کرنا کراہت سے خالی نہیں، پس یفهم منه سے جو تفریع کی گئی ہے وہ مخدوش ہے۔ (هذا ما عندی و الله أعلم وعلمه أتم وأحکم)

اور دوسرا جز جو سوال میں ضمناً مذکور ہے کہ کلمہ ”قد قامت الصلاة“ پر امام و مقتدی نماز کی نیت کرتے ہیں، ہمارے اکابر کا اس پر بھی عمل نہیں ہے، بلکہ اقامت پوری ہونے کے بعد نماز شروع کرتے ہیں اور اسی کو بہتر سمجھتے ہیں، کیونکہ اس طرح مؤذن تکبیر تحریمہ میں شامل ہوجاتا ہے اور اقامت کا جواب دینا جو مستحب ہے، اس کا بھی موقع امام اور مقتدی سب کو ملتا ہے، اور طحطاوی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

لأنه قال تحت قول الشرنبلالیة: (و) من الأدب (شروع الإمام) إلی إحرامه (مذ قیل) أی عند قول المقیم (قد قامت الصلاة) عندهما وقال أبویوسف: یشرع إذا فرغ من الإقامة الخ أی بدون فصل وبه قالت الأئمة الثلاثة وهوأعدل المذاهب (شرح المجمع) وهو الأصح (القهستانی عن الخلاصة) وهوالحق (نهر) (ص: ۱۶۲) فقط والله أعلم بالصواب

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۸۷/۲-۹۰)

(۱) فذهب مالک وجمهور العلماء إلی أنه لیس لقیامهم حد ولکن استحب عامتهم القیام إذا أخذ المؤذن فی الإقامة. (عمدة القاری، باب متی یقوم الناس: ۱۵۳/۵، ط: بیروت)

وقال الطحطاوی تحت قوله: والقیام لإمام ومؤتم: ”والظاهر أنه احترازعن التأخیر لا التقدیم، حتی لوقام أول الإقامة لابأس به“. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، باب صفة الصلاة: ۲۱۵/۱، ط: دارالمعرفة، بیروت، لبنان)

نماز پڑھانے کے لیے امام کو آتا ہوا دیکھ کر، فوراً کھڑے ہو جانے کا فائدہ:

سوال: شرح وقایہ میں ہے کہ "**حی علی الفلاح**" پر نماز کے لیے کھڑا ہونا، یہ ٹھیک ہے، یا پہلے ہی کھڑا ہونا ٹھیک ہے، کیسے ہم عمل کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

درمختار اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ جب امام نماز پڑھانے کے لیے آتا ہوا نظر آجائے، تو فوراً سب لوگ کھڑے ہو جائیں، اس سے فائدہ بھی ہوتا ہے کہ صفیں سیدھی ہو کر امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ بھی فوت نہیں ہوتی اور یہی طریقہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی تھا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۴۰۹/۱۰/۲۷ھ۔

الجواب صحیح حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزءاول:۱۱۰)

امام ومؤذن کب کھڑے ہوں:

سوال: قصبہ سکندر پور کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے وقت نورالہدی صاحب ڈل پاس نے بیان کیا کہ جب خطیب خطبہ پڑھ چکے تو امام اور مقتدی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں، تنہا مکبر کھڑا ہو کر تکبیر کہے اور جب پہلی **حی علی الصلاۃ** پکارے تو امام مصلّی پر اور مقتدی صف بندی کر کے کھڑے ہو جائیں، جب **قد قامت الصلاۃ** کہے امام نیت باندھے یہ طریقہ مسنون ہے، سنا گیا ہے کہ اس طریقہ کو امام مدنی جامع مسجد کلکتہ نے تھوڑے دنوں سے رائج فرمایا ہے چونکہ یہ طریقہ بالکل نیا ہے، اس لئے مسلمانان سکندر پور آنحضرت سے استفسار کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں فتویٰ صادر فرماویں کہ یہ قابل عمل ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

طریقہ مسنون یہی ہے کہ مؤذن جب **حی علی الصلاۃ** کہے تب امام ومقتدی صف بصف کھڑے ہوں اور **قد قامت الصلاۃ** کے وقت نماز شروع کردے۔ شرح وقایہ میں ہے:

"**ویقوم الإمام والقوم عند حی علی الصلاۃ ویشرع عند قد قامت الصلاۃ**". (باب الأذان: ۱۵۵/۱)

مگر واضح رہے کہ جماعت بڑی ہو اور صف بندی **حی علی الصلوٰۃ** پر کھڑے ہوتے ہی نہ ہوسکتی ہو تب ضروری ہے کہ سب لوگ کھڑے ہو کر پہلے صف درست کرلیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستی صفوف کی بے حد تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "**سووا صفوفکم**".

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے! رد المحتار، کتاب الصلاۃ، آداب الصلاۃ، آخر باب صفة الصلاۃ، قبیل الفصل: ۴۷۹/۱/ حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب صفة الصلاۃ: ۲۱۵/۱، ط: دار المعرفة، بیروت، لبنان. انیس

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل برابر اسی طرح رہا ہے کہ پہلے چند شخص کو صف درست کرنے پر مقرر فرماتے جب ساری صفیں درست ہوجاتی تھیں، تب نماز شروع ہوتی۔

إن عمر بن الخطاب كان يأمر رجالاً بتسوية الصفوف فإذا جاء وه فأخبروه أن قد استويت كبر. (۱)

"أن عثمان بن عفان كان يقول في خطبته: إذا قامت الصلاة فاعدلوا الصفوف، وحاذوا بالمناكب، فإن اعتدال الصفوف من تمام الصلاة ثم لايكبر حتى يأتيه رجال قد وكلهم بتسوية الصفوف فيخبرونه أن قد استوت فيكبر. (۲)

پس ظاہر ہے کہ "**حي على الصلاة**" پر کھڑے ہونا اور "**قد قامت الصلاة**" پر شروع کرنا فعل مسنون ہے اور اگر صف کی درستی اتنی جلدی نہ ہوسکے تب بلاصف درست کئے نماز شروع کرنا خلاف سنت ہے کیوں کہ صحابہ چند شخصوں کو مقرر کرتے تھے کہ صفوں کو سیدھا اور درست کریں اور مونڈھے سے مونڈھا ملائیں جب وہ اشخاص خبر دیتے کہ صف درست ہوگئی، تب نماز شروع کرتے اس سے معلوم ہوا کہ درستی صف صحابہ کے نزدیک "**حي على الصلاة**" کے وقت کھڑے ہونے سے زیادہ اہم تھی۔ **فافهم ولاتكن من الغافلين فإن هذا من أهم المسائل، فقط واللہ تعالیٰ أعلم**

حررہ محمد حفیظ الحسن۔ ۲۷؍صفر ۱۳۴۴ھ؍الجواب صواب: محمد عثمان غنی۔ (فتاویٰ امارت شریعہ: ۲؍۳۴۱۔۳۴۲)

"لاتقوموا حتٰى تروني" کا مطلب:

سوال: تکبیر بیٹھ کر سننا چاہیے یعنی "**حي على الصلاة**" پر کھڑا ہونا چاہیے یا کہ پہلے ہی سے کھڑا رہا جائے؟ "**لاتقوموا حتٰى تروني**" کا کیا مطلب ہے؟

(۱) موطأ الإمام مالك، ت: الأعظمي، ماجاء في تسوية الصفوف (ح: ۵۴۲) انیس

(۲) موطأ الإمام مالك، ت: الأعظمي، ماجاء في الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب (ح: ۳۴۵) انیس

على الإمام أن يأمر بتسوية الصفوف، ويشرف بنفسه، أو بأحد أعوانه علىٰ تسويتها، ولايبدأ بالصلاة حتى تسوى، أما أمره بتسوية الصفوف فقد قال علقمة: كنا نصلي مع عمر فقول: سووا صفوفكم لتلتقي مناكبكم لايتخللكم الشيطان كأنها بنات حذف، (عبدالرزاق، باب الصفوف (ح: ۲۴۳۳) ۴۶/۲، آثار أبي يوسف. ۱۵۹)

أما مباشرته تسوية الصفوف بنفسه فعن أبي عثمان النهدي قال: مارأيت أحدًا كان أشد تعاهدًا للصف من عمر، إن كان يستقبل القبلة حتى قلنا قد كبر، التفت فنظر إلى المناكب والأقدام، وإنه كان يبعث رجالا يطردون الناس حتى يلحقوهم بالصفوف. (مصنف ابن أبي شيبة، ماقالوا في إقامة الصف (ح: ۳۵۳۷) ۴۱/۱ ۵، سنن البيهقي: ۱۳/۳ ۱)

وقال: كان عمر يأمر بتسوية الصفوف ويقول: تقدم يافلان... تقدم يافلان. (كنزل العمال: ۲۲۹۹۳)

أمااستعانته ببعض أعوانه لإقامة الصفوف، فعن نافع مولى ابن عمر قال: كان عمر يبعث رجلا يقوم الصف ثم لايكبر حتى يأتيه فيخبره أن الصفوف قد اعتدلت. (مصنف عبدالرزاق، باب الصفوف (ح: ۲۴۳۷) ۴۷/۲، موطأ الإمام مالك، ت: الأعظمي، باب ماجاء في الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب (ح: ۸): ۱۵۸/۱، عن عثمان بن عفان/ المحلى: ۵۸/۴۔۱۱۵) (موسوعة فقه عمر بن الخطاب عصره وحياته، ص: ۵۷۳) (موطأ الإمام محمد، باب تسوية الصفوف، ص: ۸۸)

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جولوگ جماعت سے قبل آ کر انتظار میں بیٹھے ہوئے ہوں، اور تکبیر شروع ہوجائے تو "حی علی الفلاح" سے بھی تاخیر، کھڑے ہونے میں نہ کرنی چاہیے، اگر پہلے کھڑے نہ ہوئے ہوں، تو "حی علی الفلاح" تک کھڑے ہوجاویں۔ اور بہتر یہ ہے کہ جب امام مصلیٰ پر چلے اور لوگ دیکھیں، تو کھڑے ہوجاویں اور صفیں سیدھی کر لیں۔ "لا تقوموا حتیٰ ترونی" کا بھی یہی مطلب ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔۱۲/۱۲/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۱۱۲)

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں:

سوال(۱) مؤذن یا مکبر جب نماز کے لئے اقامت کہے تو امام اور مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا چاہئے ایا ابتداء اقامت یعنی "اللّٰہ أکبر" کے وقت ہی یا "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" یا "حی علی الفلاح" کہنے کے وقت، اولیٰ افضل اور مسنون طریقہ کیا ہے؟ احادیث شریفہ اور مستند فقہی حوالہ جات کے ساتھ جواب مرحمت فرمایا جائے؟

(۲) جن حضرات کا کہنا ہے کہ ابتداء اقامت کے بجائے "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" یا "حی علی الفلاح" کے وقت کھڑا ہونا ہی مسنون اور افضل ہے، اس کے خلاف ناجائز، مکروہ اور غلط ہے، تو ان کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟ نیز ان کا یہ عمل کہ قبل سے مستقل بیٹھے رہیں اور خاص کر "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" کے وقت کھڑے ہوجائیں، درست ہے یا نادرست؟

(۳) اس بارے میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، جمہور صحابۂ کرام، تابعین عظام، چاروں ائمہ اور بزرگان دین کا معمول کیا رہا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ابتداء اقامت سے کھڑا ہونا بھی جائز و درست ہے، اس کو ناجائز، مکروہ اور بے بنیاد کہنا کتاب وسنت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ احادیث اور آثار صحابہ سے ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

---

(۱) قال عياض: يجمع بين مختلف هذه الأحاديث بأن بلالاً رضى الله عنه كان يراقب خروج النبى صلى الله عليه وسلم من حيث لايراه غيره إلا القليل فعند أول خروجه يقيم ولايقيم الناس حتى يروه ثم لايقوم مقامه حتى يعدلوا الصفوف وقوله فى رواية أبى هريرة فيأخذ الناس مصافهم قبل خروجه لعله كان مرة أو مرتين ونحوهما لبيان الجواز أو لعذر ولعل قوله فلاتقوموا حتى ترونى كان بعد ذلك، قال العلماء: والنهى عن القيام قبل أن يروه لئلا يطول عليهم القيام ولأنه قد يعرض عارض فيتأخر بسببه. (بذل المجهود فى حل أبى داؤد، باب فى الصلاة تقام ولم يأت الإمام: ١٧٢/٢. انيس)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابن جريج قال: أخبرني ابن شهاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، يقوم الناس إلى الصلاة فلا يأتي النبي صلى الله عليه وسلم مقامه حتى يعدل الصفوف". (مصنف عبد الرزاق،باب قيام الناس عندالإقامة (ح:١٩٤٢): ١/٥٠٧)

(ابن شہاب سے مروی ہے کہ جس وقت مؤذن "الله أكبر، الله أكبر" کہتا تو لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک صفیں درست ہوجاتی تھیں)۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے:

عن أبي هريرة يقول: أقيمت الصلاة فقمنا فعدّلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينارسول الله صلى الله عليه وسلم. (الصحيح لمسلم: ١/٢٢٠)

(حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نماز کھڑی ہوتی تو ہم کھڑے ہوجاتے اور حضور اکرم صلی علیہ وسلم کے ہماری طرف نکلنے سے پہلے ہی ہم صفیں درست کرلیتے)۔

جہاں تک اقوال فقہا کا تعلق ہے تو امام نووی نے مسلم شریف کی شرح میں مذاہب کی تفصیل بیان کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

امام شافعی اور ایک جماعت کے نزدیک اقامت ختم ہونے کے بعد کھڑا ہونا مستحب ہے، امام مالک کے نزدیک قاضی عیاض کی روایت کے مطابق شروع اقامت سے کھڑا ہونا مستحب ہے، البتہ مؤطا کی تشریح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص حد میں قیام واجب نہیں ہے، بلکہ لوگوں کی سہولت پر چھوڑ دیا جائے، بھاری بدن والا اور کمزور آدمی دیر میں اٹھتا ہے اور ہلکا آدمی جلدی اٹھ جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک "قد قامت الصلاة" پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ (دیکھئے: نووی: ۱/۲۲۱)(۱)

مذہب حنفی کی پوری تفصیل عالمگیری اور بدائع الصنائع میں ہے:

"اگر مقتدی امام کے ساتھ مسجد میں ہوں، تو دونوں "حيّ على الفلاح" کہنے کے وقت کھڑے ہوں اور اگر امام مسجد سے باہر ہو، تو یہ تفصیل ہے کہ اگر امام صفوں کی طرف سے داخل ہو تو جس صف سے امام گذرے اس صف کے

---

(۱) مذهب الشافعي رحمه الله تعالىٰ وطائفة: أنه يستحب أن لا يقوم أحد حتى يفرغ المؤذن من الإقامة،ونقل القاضي عياض عن مالك رحمه الله تعالىٰ وعامة العلماء:أنه يستحب أن يقوموا إذا أخذ المؤذن في الإقامة،وكان أنس رضي الله تعالىٰ عنه يقوم إذا قال المؤذن:قد قامت الصلاة،وبه قال أحمد رحمه الله تعالىٰ،وقال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ والكوفيون:يقومون في الصف إذا قال:حي على الصلاة.(النووي شرح مسلم:١/٢٢١)انيس)

لوگ کھڑے ہوتے جائیں اور اگر امام مقتدی کے سامنے سے داخل ہو، تو اس کو دیکھتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں اور جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو، مقتدی کھڑے نہ ہوں‘‘۔ (الفتاویٰ الہندیہ:۱/۵۷)

کتب فقہ حنفی میں اس مسئلہ کے سلسلہ میں جو تفصیل مذکور ہے، اس میں صرف ایک صورت میں جب کہ امام ومقتدی پہلے سے مسجد میں ہوں اور امام محراب سے قریب ہو، تو ’’حی علی الفلاح‘‘ یا ’’حی علی الصلاۃ‘‘ کے وقت کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور یہ حکم بھی کوئی فرض، واجب یا سنت نہیں ہے، بلکہ فقہا نے اس کو ’’آداب صلوۃ‘‘ کے تحت ذکر کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس پر عمل کریں گے تو ثواب ملے گا اور عمل نہیں کریں گے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا اور نہ ایسے شخص کی کوئی ملامت کی جائے گی۔

علامہ ابن نجیم نے ’’البحر الرائق‘‘ اور علامہ طحطاوی نے ’’طحطاوی علی الدر المختار‘‘ میں اس مسئلہ پر جو گفتگو کی ہے، اس سے تو مسئلہ بالکل بے غبار اور واضح ہو جاتا ہے اور اس ایک صورت میں بھی کوئی اشکال باقی نہیں رہتا ہے۔ علامہ ابن نجیم نے ’’حی علی الفلاح‘‘ پر کھڑے ہونے کی یہ علت بیان کی ہے:

’’القیام حین حیّ علی الفلاح لأنه أمر یستحب المسارعة إلیه‘‘. (البحر الرائق: ۱/۲۳۱)

یعنی ’’حی علی الفلاح‘‘ پر کھڑا ہونا اس لئے افضل ہے کہ چونکہ اس میں کھڑے ہونے کا حکم ہے، اس لئے جلدی سے کھڑا ہو جانا مستحب اور بہتر ہے، تاکہ حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ’’حی علی الفلاح‘‘ تک کھڑا ہو جانا چاہئے، اس کے بعد بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں ہے، اگر کوئی شخص شروع سے کھڑا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں مسارعت زیادہ پائی جا رہی ہے۔

چنانچہ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

’’والقیام لإمام ومؤتمّ حین قیل حیّ علی الفلاح مسارعة لامتثال أمر والظاهر أنه احتراز عن التأخیر لا التقدیم حتی لو قام أول الإقامة لا بأس به‘‘. (الطحطاوی علی الدر المختار، آداب الصلاۃ: ۱/۳۳)

بہر کیف! صرف ایک صورت میں ’’حی علی الفلاح‘‘ پر کھڑے ہونے کی بات ہے اور وہ بھی نماز کے آداب میں سے ہے، اور البحر الرائق اور طحطاوی علی الدر المختار کی مذکورہ تصریح کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ’’حی علی الفلاح‘‘ کے بعد بیٹھے رہنا خلاف ادب ہے، بعض جگہوں میں جو یہ طریقہ رائج ہے کہ امام صاحب اقامت کے وقت آکر مصلّٰی پر بیٹھ جاتے ہیں اور تمام لوگوں کو بیٹھا دیتے ہیں اور جو لوگ نہیں بیٹھتے ہیں ان کو ترچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور حسب موقع طعن وتشنیع بھی کی جاتی ہے اور بعض دفعہ لڑائی کی نوبت آجاتی ہے اور جب مکبر ’’حی علی الفلاح‘‘ کہتا ہے تو اس وقت امام ومقتدی سب کے سب کھڑے ہوتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے اور نہ ہی امت میں کسی فقیہ کا مذہب ہے۔

دوسری طرف اقامت صفوف اور تسویت صفوف کی احادیث میں بہت زیادہ تاکید آئی ہے، اور صفیں سیدھی نہ ہونے پر بہت سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ صفیں سیدھی رکھا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے بگاڑ دیں گے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ صفوں میں سیدھے کھڑے رہا کرو، آگے پیچھے نہ رہا کرو، ورنہ تمہارے دل بدل جائیں گے۔ آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور نا اتفاقی پھیل جائے گی۔ (مشکوۃ المصابیح: ۱/۹۸)

ترمذی شریف میں خلفاء راشدین حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا معمول درستگی صف کا نقل کیا گیا ہے کہ ان حضرات نے باقاعدہ آدمی مقرر کیا تھا؛ صفوں کی درستگی کے لئے، پیچھے سے جب آواز آتی کہ صفیں درست ہوگئی ہیں؛ تو نماز شروع کی جاتی۔ اسی بنیاد پر صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمۂ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اس بات پر متفق ہیں کہ صفوں کی درستگی ضروری ہے، جو نماز شروع ہونے سے قبل مکمل ہوجانی چاہئے۔ بہرحال! صفوں کی درستگی ایک عظیم اور اہم کام ہے، جو نماز شروع ہونے سے قبل مکمل ہوجانی چاہئے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ابتداء اقامت سے کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلی جائیں، چونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے اندر سستی اور غفلت عام ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ابتداء اقامت سے کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلی جائیں۔ "**حی علی الفلاح**" پر کھڑے ہونے کی صورت میں نماز شروع ہونے سے قبل صفیں سیدھی نہیں ہوسکتی ہیں۔ اس صورت میں دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں یا تو نماز شروع ہوجانے کے بعد مقتدی صفیں درست کرنے میں مشغول ہوں گے، جس سے انتشار بھی ہوگا، یا صفوں کو بغیر درست کئے ہوئے امام کے ساتھ نماز شروع کردیں گے۔ پہلی صورت میں تکبیر اولی فوت ہوگی اور دوسری صورت میں ایک فعل منکر کا ارتکاب لازم آئے گا، جو بہرحال غلط ہے۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ پہلے صفیں درست کرالی جائیں اور لوگوں کو بٹھا دیا جائے، پھر سبھی لوگ "**حی علی الفلاح**" کے وقت کھڑے ہوں۔

خلاصۂ جواب:

(الف)　صحابۂ کرام کا عام معمول ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے کا تھا، لہٰذا یہ عمل مکروہ اور غلط نہیں ہوسکتا ہے، اس کو غلط اور مکروہ کہنے والے احادیث و روایات سے ناواقف ہیں۔

(ب)　حنفیہ کے نزدیک صرف ایک صورت میں (جبکہ امام و مقتدی اقامت سے قبل مسجد میں ہوں اور امام محراب سے قریب ہو) "**حی علی الفلاح**" پر کھڑا ہونا آداب صلوٰۃ میں سے ہے، نہ فرض ہے اور نہ ہی واجب، اور اس ایک صورت میں بھی ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ "**حی علی الفلاح**" تک کھڑے ہوجانا چاہئے، اس کے بعد بیٹھے رہنا خلاف ادب ہے، **کما فی البحر الرائق والطحطاوی علی الدر المختار.**

نیز ائمۂ اربعہ میں سے کوئی امام بھی ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے کو مکروہ قرار نہیں دیتا ہے۔

(ج)　فقہاء امت میں سے کسی کا یہ مذہب نہیں ہے کہ امام اقامت کے وقت باہر سے آکر مصلّی پر بیٹھ جائے اور بیٹھنے کو ضروری سمجھے اور کھڑے ہونے والے مقتدیوں کو کھڑے ہونے سے روکے اور جو لوگ کھڑے ہوں ان پر طعن و تشنیع کی جائے اور لڑائی تک کی نوبت آجائے۔

(د)　باجماع صحابہ و تابعین اور باتفاق ائمۂ اربعہ صفوں کی درستگی ایک عظیم اور اہم کام ہے، جو نماز شروع ہوجانے سے قبل مکمل ہوجانی چاہئے "**حی علی الفلاح**" پر کھڑے ہونے کی صورت میں یا تو کچھ لوگوں کی تکبیر اولیٰ فوت ہوگی یا صفوں کی درستگی نہیں ہوسکے گی۔

(ر)　لہٰذا مذکورہ بالا بحث کے پیش نظر اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ ابتداء اقامت سے کھڑے ہوکر نماز شروع کرنے سے قبل صفیں سیدھی کرلی جائیں۔

واضح رہے کہ اس طرح کے فروعی مسائل کو باہمی اختلاف وانتشار کا ذریعہ نہ بنایا جائے، جہاں جس طرح پہلے سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے، اسی پر عمل ہونے دیا جائے۔ اس وقت ملک و بیرون ملک کے جو حالات ہیں اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے جارہے ہیں، ان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان باہمی اختلاف کو ختم کرکے اور مسلکی تعصب سے بالاتر ہوکر محض کلمہ کی بنیاد پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور باہم متحد و منظم ہوکر باطل طاقتوں کا منہ توڑ جواب دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۷۹/۲-۳۸۴)

امام مصلیٰ پر کب کھڑا ہو:

سوال:　جب مؤذن نماز جماعت کے وقت تکبیر پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے، امام کو تکبیر اولیٰ میں مصلے کے اوپر کھڑا ہونا چاہئے یا بعد کو "**اللہ أکبر**" جس وقت مؤذن کہتا ہے اس وقت کھڑا ہو یا "**حی علی الفلاح**" کے بعد کھڑا ہو۔ امام اگر "**محمد رسول اللہ**" کے بعد مصلے پر کھڑا ہوجائے، تو مقتدی گنہگار ہوتے ہیں۔

(المستفتی نمبر: ۱۴۹۶، قاضی کمال الدین صاحب (ضلع کاٹھیاواڑ)

الجواب

مؤذن جس وقت اقامت شروع کرے اسی وقت امام مصلے پر کھڑا ہوسکتا ہے اور اگر اس وقت وقت کھڑا نہ ہو بلکہ "**حی علی الصلاۃ**" کہنے کے وقت کھڑا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ اس کے بعد بیٹھنا نہیں چاہئے بلکہ "**حی علی الصلاۃ**" پر ضرور کھڑا ہونا چاہئے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۵۲/۳-۵۳)

(۱)　فذهب مالک وجمهور العلماء إلی أنه لیس لقیامهم حد ولکن استحب عامتهم القیام إذا أخذ ==

بوقت اقامت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلۂ ذیل کے بارے میں!

فرض نماز کے لئے مکبر جب تکبیر کہنا شروع کرے، اس وقت صفیں درست کرنے کے لئے مقتدی حضرات کو کب کھڑے ہونا چاہئے؟

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مکبر جب تکبیر کہنا شروع کرے، اسی وقت صفیں درست کرنے کے لئے کھڑے ہونا چاہئے، جب کہ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ "**حیّ علی الصلاۃ**" یا "**حیّ علی الفلاح**" کہا جاوے، اس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں شرعی حکم مع حوالہ تحریر فرماویں؟

الجواب

حدیث وفقہ حنفی میں نماز کے لئے صفوف کی درستگی کی بے حد تاکید واہمیت وارد ہوئی ہے، اس پر نماز کا کمال موقوف ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ امام کو صف کے بیچ میں رکھو۔

عن أبی هريرة. رضی الله عنه. قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "توسطوا الإمام"، الحديث، رواه أبو داؤد. (مشکوۃ: ٩٩)(١)

دونوں طرف دائیں بائیں صف کا برابر ہونا ضروری ہے، ایک طرف کم دوسری طرف زیادہ ہونا مکروہ ہے، مصلی حضرات مل مل کر مونڈھا، مونڈھے کے محاذ میں رکھ کر اور ایک کا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنہ کے مقابل کر کے کھڑے ہوں، اس طور پر کہ درمیان صف خلا نہ رہے؛ کیونکہ شیطان خالی جگہ دیکھ کر بکری کے بچہ کے مانند درمیان میں گھس کر مصلیوں کے دلوں میں وساوس ڈالتا ہے۔(٢)

"صفیں سیدھی نہ کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں مسخ کردے گا اور دلوں میں فساد واختلاف پیدا ہوجائے گا"، صفیں برابر نہ کرنے پر اس جیسی بہت سی خرابیاں کتب حدیث وفقہ میں مذکور ہیں۔

== المؤذن فی الإقامة. (عمدة القاری، باب متی يقوم الناس: ١٥٣/٥، ط بيروت)

وقال الطحطاوی تحت قوله: والقيام لإمام ومؤتم: "والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم، حتی لو قام أول الإقامة لابأس به". (حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، باب صفة الصلاة: ٢١٥/١، ط دار المعرفة، بيروت، لبنان)

(١) أخرجه بهذا اللفظ البيهقی فی السنن الكبریٰ، باب مقام الإمام من الصف (ح: ٥٢٠٣)/وأخرجه أبو داؤد، باب مقام الإمام من الصف (ح: ٦٨١) بلفظ: "وسطوا الإمام" /وكذا الطبرانی فی المعجم الأوسط، من اسمه عبدالله (ح: ٤٤٥٧) انيس

(٢) عن أنس بن مالک عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: رصوا صفوفكم وقاربوا بينهما وحاذوا بالأعناق فو الذی نفسی بيده إنی لأری الشيطان يدخل من خلل الصف كأنها الحذف. (سنن أبی داؤد، باب تسوية الصفوف (ح: ٦٦٧)/صحيح ابن خزيمة، باب الأمر بالمحاذاة بين المناكب والأعناق (ح: ١٥٤٥) ==

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول صفوں کی درستگی کے بعد ہی نماز شروع فرمانے کا تھا۔

” عن النعمان بن بشير قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يسوى صفوفنا إذا قمنا إلى الصلاة فإذا استوينا كبر. رواه أبو داؤد. (مشكوة:٩٨)(١)

ایک مرتبہ ایک آدمی کا سینہ صف سے کچھ نکلا ہوا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھ لیا، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی رکھو (یعنی آگے پیچھے نہ رہو)؛ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا“۔

”وفي حديث عن النعمان بن بشير: خرج يومًا فقام حتىٰ كاد يكبر فرأى رجلاً باديًا صدره من الصف فقال: ”عباد الله لتسوّن صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم“. (مسلم: ١٨٢/١)(٢)

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

”تم لوگ اس طرح صف کیوں نہیں باندھتے، جس طرح فرشتے خدا کے حضور میں صف باندھتے ہیں“، حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فرشتے اپنے پروردگار کے حضور میں کس طرح صف باندھتے ہیں؟ فرمایا: ”اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں مل کر (سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح) کھڑے ہوتے ہیں“۔

”قال ألا تصفون كما تصف الملائكة عند ربها“، فقلنا يا رسول الله! وكيف تصف الملائكة عند ربها؟ قال يتمّون الصفوف الأوّل ويتراصون في الصف“. (مسلم: ١٨١/١)(٣)

نیز فرمایا: صف میں سیدھے کھڑے رہو، آگے پیچھے نہ رہو، ورنہ اس کی زد تمہارے دلوں پر پڑے گی۔

”استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم“. (أيضًا)(٤)

== عن علقمة قال: كنا نصلى مع عمر فيقول: سُدُّوا صفوفكم لتلتقى مناكبكم لا يتخللكم الشيطان كأنها بنات حذف. (مصنف عبدالرزاق الصنعانى، باب الصفوف (ح:٢٤٣٣) انيس)

(١) سنن أبى داؤد، باب تسوية الصفوف (ح:٦٦٥)/مستخرج أبى عوانة، بيان إيجاب قيامة الصفوف (ح:١٣٨٠) انيس)

(٢) الصحيح لمسلم، باب تسوية الصوف وإقامتها (ح:٤٣٦)/المعجم الكبير للطبرانى، سماك بن حرب عن النعمان (ح:١١٧)/السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب لايكبر الإمام حتى يأر بتسوية الصفوف (ح:٢٢٩٠) انيس)

(٣) الصحيح لمسلم، باب الأمر بالسكون فى الصلاة (ح:٤٣٠)/سنن ابن ماجة، باب إقامة الصفوف (ح:٩٩٢)/سنن النسائى، حث الإمام على رص الصفوف والمقاربة بينها (ح:٨١٦) انيس)

(٤) الصحيح لمسلم، باب تسوية الصفوف وإقامتها (ح:٤٣٢) انيس)

اورآپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ صفوں کو برابر رکھا کرو؛ کیونکہ صفوں کو برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے۔

''عن أنس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: ''سووا صفوفکم فإن تسویة الصفوف من تمام الصلاة''. (مسلم: ١٨٢/١)(١)

نیز فرمایا ہے: ''اپنی صفیں خوب ملی ہوئی رکھو، (یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے ہو) اور مونڈھوں کو محاذاۃ میں رکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں شیطان کو تمہاری صفوں کی کشادگی میں چھوٹی بھیڑوں کی طرح گھستے دیکھتا ہوں۔

عن أنس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: ''رصوا صفوفکم وقاربوا بینها وحاذوا بالأعناق فوالذی نفسی بیده إنی لأریٰ الشیطان یدخل من خلل الصف کأنها الحذف''. (مشکوٰة: ٩٨/أبو داؤد: ٩٧/١)(٢)

صفیں درست کرنے پر جو فضائل اور اس میں کوتاہی کرنے پر جیسی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، ایسی بوقت ''**حيّ علی الفلاح**'' کھڑے ہونے نہ ہونے پر وارد نہیں ہوئی ہیں، پھر درستگئ صفوف کی اہمیت نظر انداز کرکے ''**حيّ علی الفلاح**'' کے وقت ہی کھڑا ہونے پر اصرار کیوں کیا جارہا ہے؟ نیز امام اس کا پابند نہیں کہ اقامت سے قبل مصلیٰ پر آکر بیٹھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ، خلفاءِ راشدین اور ائمہ کرامؒ کے مبارک دور میں امام کا مصلیٰ پر آکر اقامت سے پہلے بیٹھنے کا اہتمام والتزام نہیں تھا، ملاحظہ ہو!

(١)　حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے:

''کان بلال یؤذن إذا دحضت الشمس فلا یقیم حتیٰ یخرج النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فإذا خرج أقام الصلاة حین یراه''. (مسلم: ٢٢١/١)(٣)

یعنی حضرت بلالؓ ظہر کی اذان زوال کے بعد دیتے، پھر اقامت اس وقت تک نہیں کہتے جب تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرہ سے باہر نہ نکلتے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لاتے، تب اقامت کہتے تھے۔

(٢)　حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ!

---

(١)　الصحیح لمسلم، باب تسویة الصفوف وإقامتها (ح: ٤٣٣) انیس)

(٢)　سنن أبی داؤد، باب تسویة الصفوف (ح: ٦٦٧)/صحیح ابن خزیمة، باب الأمر بالمحاذاة بین المناکب والأعناق (ح: ١٥٤٥) انیس)

(٣)　الصحیح لمسلم، باب متی یقوم الناس الصلاة (ح: ٦٠٦)/مسند السراج، باب فی تخفیف الصلاة (ح: ١٧٢)/السنن الکبریٰ للبیهقی، باب لایقیم المؤذن حتی یخرج الإمام (ح: ٢٢٧٨) انیس)

”إن الصلاۃ کانت تقام لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فیأخذ الناس مصافھم قبل أن یقوم النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مقامہ“. (مشکوۃ: ٢٢٠/١)(١)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز کی اقامت کہی جاتی تھی اور لوگ (یعنی حضراتِ صحابہؓ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مصلیٰ پر ہو، اس سے پہلے ہی صف میں اپنی اپنی جگہ لے لیتے۔

(٣) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور روایت منقول ہے کہ:

”أقیمت الصلاۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن یخرج إلینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم“. (مسلم: ٢٢٠/١)(٢)

یعنی ایک مرتبہ نماز قائم کی گئی، ہم (صحابہؓ) کھڑے ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہماری طرف نکلنے سے پہلے ہم نے صفیں درست کرلیں۔

(٤) حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ!

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ”إذا أقیمت الصلاۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی“. (البخاری: ٨٨/١، مشکوۃ: ٦٧)(٣)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ! ”جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے، تو تم کھڑے نہ ہو، جب تک کہ مجھے اپنی طرف آتے دیکھ نہ لو“۔

(٥) حضرت ابن شہاب زہریؒ سے مروی ہے کہ!

”إن الناس کانوا ساعۃ یقول المؤذن اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، یقیم الصلاۃ یقوم الناس إلی الصلاۃ فلا یأتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مقامہ حتیٰ یعدل الصفوف. (مصنف عبد الرزاق: ٥٠٧/١)(٤)

یعنی جب مکبر ”اللّٰہ أکبر“ کہتا، اس وقت لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک صفیں درست ہوجاتی تھیں۔

---

(١) الصحیح لمسلم، باب متی یقوم الناس للصلاۃ (ح: ٦٠٥)/ سنن أبی داؤد، باب فی الصلاۃ تقام ولم یأت الإمام (ح: ٥٤١)/ مستخرج أبی عوانۃ، بیان النھی عن القیام إذا أقیمت الصلاۃ، الخ (ح: ١٣٤٥) انیس

(٢) الصحیح لمسلم، باب متی یقوم الناس للصلاۃ (ح: ٦٠٥)/ المعجم الأوسط، من اسمہ مفضل (ح: ٩١٩٢) انیس

(٣) الصحیح للبخاری، باب متی یقوم الناس إذا رؤا الإمام، الخ (ح: ٦٣٧)/ الصحیح لمسلم، باب متی یقوم الناس للصلاۃ (ح: ٦٠٤)/ السنن المأثورۃ للشافعی، باب من سمع النداء (ح: ١٥٨) انیس

(٤) مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب قیام الناس عندالإقامۃ (ح: ١٩٤٢) المراسیل لأبی داؤد السجستانی، جامع الصلاۃ (ح: ٩٠) انیس

(٦) حضرت عبداللہ ابن اوفی فرماتے ہیں کہ!

"كـان رسـول الله صلى الله عليه وسلم إذا قال بلال" قد قامت الصلاة" نهض فكبر". (مجمع الزوائد: ۵/۲)(۱)

یعنی جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ "قـد قـامت الصلاة" کہتے، اس وقت آپ علیہ الصلاۃ والسلام کھڑے ہوتے تھے۔

ذکرکردہ احادیث (ازاول تا پنجم) سے ثابت ہوتا ہے کہ تعاملِ صحابہ ابتداءِ اقامت میں کھڑے ہوکر صفیں درست کرنے کا تھا، اسی لئے حضراتِ فقہائے کرام ومحدثین عظام نے اس طریقہ کو مسنون کہا اورتوارث بھی یہی ہے۔

غالبًا حدیث نمبر:٦ کے پیش نظر فقہا نے تحریر فرمایا ہے کہ!

"حيّ على الصلاة" یا"حيّ على الفلاح" یا"قـد قـامت الصلاة" کے وقت کھڑا ہونا نماز کے آداب میں سے ہے۔

"ولها آداب"، یعنی نماز کے چند آداب ہیں، معاًان آداب کا حکم شرعی بھی تحریر کردیا ہے۔

"تركه لا يوجب إساءةً ولا عتابًا. (ردالمحتار: ۱/۴۴٦)/مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ۱۵۱)

یعنی اس کے ترک کرنے سے نہ تو مکروہ تنزیہی کا ارتکاب ہوتا ہے، نہ عتاب کا باعث ہے، محض ایک مستحب چیز ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب امام موجود ہو، اس وقت ابتدائے اقامت میں کھڑے ہوکر صفیں درست کرنا مکروہ نہیں، البتہ جب امام موجود نہ ہو، تو کھڑے کھڑے امام کا انتظار مکروہ ہے۔

"والـظـاهر أنه احترازعن التأخير لا التقديم حتٰى لوقام أول الاقامة لا بأس به. (الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۳۱)

وأمـا إذا لـم يـكـن الإمـام فـی المسجد فذهب الجمهورإلٰى أنهم لايقومون حتٰى يروه. (فتح الباری: ۲/۱۰۰)(۲)

نماز کے آداب ومستحبات کے بارے میں فقہی اصول:

(۱) فقہا نے تصریح کی ہے کہ!

"تارك المستحب لايلام". (۳)(مستحب شئ کا ترک کرنے والا قابل ملامت نہیں۔)

(۱) السنن الكبرىٰ للبيهقی، باب من زعم أنی يكبر قبل فراغ المؤذن، الخ (ح: ۲۲۹۷)/معرفة السنن والآثار، متی يكبر الإمام (ح: ۲۹۴۱)انيس)

(۲) فتح الباری لابن حجر، باب لايقوم إلى الصلاة مستعجلاً: ۲/۱۲۰۔انيس

(۳) البناية شرح الهداية، النية فی الوضوء: ۱/۲۳۵۔انيس

(٢) إن المندوب ربما ينقلب مكروهًا إذا خيف أن ير فع عن رتبته. (مجمع البحار : ٢٤٤/٢، وفتح الباری شرح البخاری : ٢٨١/٢)(١)

(بیشک) مستحب شئ جب اپنی حد سے بڑھادی جائے، یعنی اسے سنت اور لازم سمجھ لیا جائے، تو وہ مکروہ بن جاتی ہے۔)

(٣) لأن ترک المکروه أهم من فعل المسنون. (کبیری:٣٦٥)

(مکروہ کا ترک کرنا مسنون پر عمل کرنے کی بہ نسبت اہم ہے۔)

(۴) ترک المکروه أولٰی من إدراک الفضيلة. (٢)

(حصول فضلیت کے لئے کسی مکروہ شئ کا ارتکاب لازم آتا ہو تو اس کا ترک اولیٰ ہے۔)

فقہ کی کتب معتبرہ درمختار، شامی وغیرہ میں ہے:

''سجدة الشكر مستحبة به يفتٰی لكنها تكره بعد الصلاة لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدی إليه فمكروه. (ردالمحتار: ٧٣١/١)(٣)

سجدۂ شکر مستحب ہے، لیکن نماز کے بعد لوگوں کی موجودگی میں سجدۂ شکر مکروہ ہے؛ کیونکہ ناواقف لوگ اسے مسنون یا واجب اعتقاد کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس مباح یا مستحب شئ کو اپنے حدود سے بڑھا دیا جائے (یعنی مستحب کو مسنون اور واجب سمجھ لیا جائے تو) وہ مکروہ بن جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مستحب کو مسنون سمجھنا اور اس کے تارک کو قابل ملامت سمجھنا اور برا بھلا کہنا جائز نہیں؛ بلکہ خود وہ کام قابل ترک ہے۔

مغرب کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے دو رکعت پڑھنا مستحب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا: ''لمن شاء''. (یعنی جس کا جی چاہے پڑھے۔)

اس کی وجہ خود راوی بیان فرماتے ہیں:

''كراهية أن يتخذها الناس سنة''. (مشكوة : ١٠٤)(۴)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا کہ لوگ ان دو رکعتوں کو سنت سمجھ لیں۔

---

(١) ... واستنبط ابن المنير منه: أن المندوب ربما انقلب مكروهًا إذا خيف على الناس أن ير فعوه عن رتبته،الخ. (إرشادالساری لشرح صحيح البخاری،باب ماجاء فی الثوم النیء والبصل:١٤٥/٢. انيس)

(٢) الحلبی الكبير شرح منية المصلی،فصل فی مسائل شتیٰ آخر كتاب الصلاة: ٦١٩،مطبوعه سنده/وكذا نقله العلامة ابن عابدين فی كتابه ردالمحتار،باب الإمامة: ٥٧٠/١،دارالفكر. انيس

(٣) الدرالمختار على صدرردالمحتار،باب صلاة المسافر: ١٢٠/٢،دارالفكر. انيس

(۴) مسند الإمام أحمد،حديث عبدالله بن مغفل المزنی (ح:٢٠٥٥٢)/الصحيح للبخاری،باب الصلاة ==

بعض علما نے اپنے دور میں ایام بیض (ہر ماہ کی تیرہویں، چودہویں، پندرہویں تاریخ) کے روزے کے متعلق مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے، کیونکہ ان کے زمانہ میں ایام بیض کے روزے رکھنے کا اس کثرت سے رواج ہو چکا تھا کہ اس بات کا خوف لاحق ہوگیا کہ لوگ واجب اور لازم سمجھنے لگیں گے، حالانکہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں، ان کی فضیلت بہت سی احادیث میں وارد ہے۔(١)

مجالس الابرار میں ہے:

وکل مباح أدی إلٰی هذا فهو مکروه. (مجلس:٥٠،ص:٢٩٠)(٢)

(ہر وہ مباح جسے سنت کا مرتبہ دیا جائے، وہ مکروہ ہے۔)

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے:

قال الطیبی: إن من أصر علٰی أمر مندوب وجعله عزمًا ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال فکیف من أصر علٰی بدعة أو منکر. (٣٥٣/١)(غایة الأوطار: ٢٢٠/١-٢٢١)

جوکوئی امر مندوب ومستحب پر مصر رہا، اسے لابدی اعتقاد کرلیا اور رخصت پر عمل نہ کیا گویا اسے شیطان نے راہ ضلالت پر ڈال دیا، تو اگر کوئی آدمی بدعت یا ناجائز پر مصر رہے، اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

== 　قبل المغرب (ح:١١٨٣)/مسندالسراج، باب فی الرکعتین قبل المغرب (ح:٦١١)انیس

(١) 　وأما حکم المسألة فقد حکی النووی فی شرح مسلم الإتفاق علی استحباب صیام الأیام البیض وهی: الثالث عشر، والرابع عشر والخامس عشر، قال: قیل: هی الثانی عشر والثالث عشر والرابع عشر، وقال شیخنا: وفیما حکاه من الإتفاق نظر، فقد روی ابن القاسم عن مالک فی المجموعة أنه سئل عن صیام أیام الغر ثلاث عشرة وأربع عشرة وخمس عشرة؟ فقال: ماهذا ببلدنا، وکره تعمد صومها، وقال: الأیام کلها لله تعالیٰ. وقال ابن وهب: وإنی لعظیم أن یجعل علی نفسه شیئا کالفرض، ولکن یصوم إذا شاء، قال: استحب ابن حبیب صومها، وقال: أراها صیام الدهر، وقال ابن حبیب: کان أبوالدرداء یصوم من کل شهر ثلاثة أیام، أول الیوم ویوم العاشر ویوم العشرین، ویقول: هو صیام الدهر کل حسنة بعشر أمثالها. (عمدة القاری، باب صیام البیض ثلاث عشرة وأربع عشرة: ٩٧/١١. انیس)

المسألة التاسعة صیام الأیام الغر، فکره مالک أن یتعمد صیام الأیام الغر وهی: ثلاثة عشر وأربعة عشر وخمسة عشرة علی ماروی فیها مخافة أن تجعل العامة صیامها واجباً. (المسالک فی شرح موطأ مالک، باب صیام یوم الفطر والأضحی: ٢١١/٤)/کذا فی النوادر والزیادات علی مافی المدونة من غیرها من الأمهات، فی صیام أیام منی، ویوم عرفة وعاشوراء: ٧٥/٢)/وکذا فی البیان والتحصیل، مسألة صیام الأیام الغر: ٣٢٢/٢. انیس)

(٢) 　فکذلک بعض المباحات بالمداومة تصیر صغیرة وهو کالمواظبة علی متابعة الزنوج والحبشة والنظر إلی لعبهم علی الدوام فإنه ممنوع وإن لم یکن أصله ممنوعاً إذ فعله رسول الله صلی الله علیه وسلم. الخ. (إحیاء علوم الدین، کتاب آداب السماع والوجد: ٢٨٣/٢. انیس)

امام کے چار حالات اور ہر ایک کا حکم:

(١)　امام صاحب عین اقامت کے وقت حجرے سے نکلیں تو مقتدیوں کو چاہئے کہ کھڑے ہوجاویں۔

(٢)　امام صاحب پشت کی جانب سے آویں تو جس جس صف کے پاس سے امام کا گذر ہو وہ کھڑے ہوتے جاویں۔

’’وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام‘‘. (الدر المختار، آخر باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ٤٤٧/١)

(٣)　امام کو آگے سے مسجد میں داخل ہوتا دیکھیں تو ان پر نظر پڑتے ہی سب کھڑے ہوجاویں۔

’’وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه. (أيضًا)

(٤)　اگر اتفاق سے امام محراب کے قریب ہو تو ’’حی علی الفلاح ‘‘ کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے لازم نہیں اور ’’قد قامت الصلاۃ‘‘ کے وقت امام کا نماز شروع کرنا مستحب ہے اور اقامت پوری ہونے کے بعد نماز شروع کی جائے، تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اجماعا اولیٰ ہے۔

(وشروع الإمام) في الصلاة مذ قيل قد قامت الصلاة ولو أخر حتى أتمها لابأس به إجماعًا.
(قوله لا بأس به إجماعا) أي لأن الخلاف في الأفضلية فنفي البأس أي الشدة ثابت في كلا القولين وإن كان الفعل أولٰى في أحد هما. (ردالمحتار: ٤٤٧/١)(١)(الطحطاوي على الدرالمختار: ٢٨٩/١)

حاصل یہ کہ تنویر الابصار اور درمختار میں جہاں آداب کے ذیل میں ’’والقيام لإمام ومؤتم حين قيل حي على الفلاح‘‘ تحریر کیا ہے، وہیں اس کا استحباب بھی تحریر کیا ہے کہ!

نظره إلٰى موضع سجوده حال قيامه، وإلٰى ظهر قدميه حال ركوعه، وإلٰى أرنبة أنفه حال سجوده وإلٰى حجره حال قعوده وإلٰى منكبه الأيمن والأيسر عند التسليمة الأولٰى والثانية. (الدر المختار متن ردالمحتار، آداب الصلاة: ٤٤٦/١)(٢)

مستحب یہ ہے کہ!

(١) مصلی قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے، (٢) رکوع میں ظاہر قدم پر، (٣) سجدے میں ناک کے سرے پر، (٤) قعدہ میں اپنی گود میں، (٥) دائیں طرف سلام کے وقت داہنے کندھے پر اور بائیں طرف سلام کے وقت بائیں کندھے پر نظر رکھے، یہ آداب از راہ تواضع وانکساری ہیں، جب یہ تمام آداب زیر بحث مسئلہ قیام عند ’’حی علی الفلاح‘‘ کے مانند آداب ومستحبات میں سے ہیں، جن سے خشوع وانکساری حاصل ہوتی ہے، پھر اس پر عمل کے لئے کیوں زور نہیں دیا جاتا۔

(١-٢)　الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة، قبيل الفصل. انيس

امام طحطاوی اور کرخی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما حضرات نے تصریح کی ہے:

''الظاهر أنه عند وجود مشغل فی هذه المحلات لاینظر إلیها لأنه یضیع الخشوع الذی هو أعلی من المستحب. (الطحطاوی علی الدر المختار: ۳۳۱/۱)

یعنی مذکورہ بالا (یعنی نماز میں جہاں نظر رکھنا مستحب ہے، ان) جگہوں میں سے کسی جگہ میں کوئی ایسا نقش ونگار ہو جسے دیکھ کر نماز میں توجہ تام نہ رہے اور خشوع وخضوع میں خلل واقع ہو تو پھر اس کا استحباب ختم ہو جاتا ہے؛ کیونکہ خشوع وخضوع کی اہمیت بہ نسبت مستحب کے بہت زیادہ ہے۔

اور منجملہ آداب صلوۃ کے یہ بھی ہے کہ جب ''قد قامت الصلاۃ'' کہا جاوے، اس وقت امام نماز شروع کر دے اور اقامت کے اختتام پر نماز شروع کرے، تب بھی مضائقہ نہیں بلکہ تاخیر ہی زیادہ صحیح ہے، اس لحاظ سے کہ مکبر بھی تکبیر اولیٰ میں امام کے ساتھ شرکت کر سکے گا۔

(قوله أنه الأصح) لأن فیه محافظة علیٰ فضیلة متابعة المؤذن وإعانة له علی الشروع مع الإمام. (ردالمحتار: ۴۴۷/۱) (غایة الأوطار: ۲۲۰/۱-۲۲۱) (۱)

اس سے اندازہ لگائیے کہ محض مکبر کی رعایت میں ''قد قامت الصلاۃ'' پر نماز شروع نہ کرنے کا حکم ہے اور ایک مستحب کے ترک کو صحیح کہا جانے لگا، تو پوری جماعت (جس میں بے شمار افراد ہو سکتے ہیں) کی صفوں کی درستگی (جس کی حدیث وفقہ میں بہت تاکید آئی ہے) کے خاطر امام کی موجودگی میں ابتدائے اقامت سے کھڑے ہو جاویں، تو کس بنیاد پر اسے مکروہ کہا جا سکتا ہے؟ بلکہ از روئے حدیث وفقہ یہ عمل بہت ہی افضل واعلیٰ ہے اور تعامل صحابہ اس کا مؤید ہے۔

فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ''فقد ثبت عن الصحابة أنهم کانوا یقومون إذا شرع المؤذن فی الإقامة. (۹۹/۲) (مصنف عبد الرزاق: ۵۰۷/۱) (۲)

یعنی صحابہ کرامؓ اس وقت کھڑے ہو جاتے تھے جبکہ مؤذن (مکبر) اقامت کہنا شروع کر دیتا۔

ایسے ہی بعض جاہل ائمہ نے یہ عادت بنالی ہے کہ بعد خطبۂ جمعہ کے مصلی پر بیٹھ جاتے ہیں اس کے بعد اقامت کہی جاتی ہے، اور ''حی علی الفلاح'' کے وقت امام اور مقتدی سب کھڑے ہوتے ہیں اس فعل کا حدیث اور فقہ حنفی کی کسی بھی کتاب میں ثبوت نہیں یہ طریقہ بھی خلاف سنت اور واجب الترک ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ بعد الخطبہ فوراً اقامت کہی جاوے اور امام کے مصلی پر پہنچنے تک اقامت پوری ہو جاوے۔ شامی میں ہے:

(قوله أقیمت) بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وتنتهی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلوٰة. (۷۷۰/۱) (۳)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة، قبیل الفصل. انیس

(۲) مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب قیام الناس عندالإقامة (ح: ۱۹۴۰) انیس

(۳) ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب فی حکم المرقی بین یدی الخطیب. انیس

یعنی خطیب کا خطبہ پورا ہوتے ہی متصلاً اقامت کہی جاوے، بایں طور کہ خطیب (امام) کے مصلیٰ پر پہنچنے تک اقامت پوری ہو۔

مجالس الابرار میں ہے:

”وإذا فرغ من الخطبة وشرع المؤذن فی الإقامة ینزل من المنبر ویصلی بالناس رکعتین“. (مجلس: ٤٩، ص: ٣١٥)

اور جب خطیب خطبہ سے فارغ ہو جائے اور مؤذن اقامت شروع کرے تو امام کو چاہئے کہ منبر سے اتر کر لوگوں کو (صلوۃ جمعہ کی) دو رکعت پڑھاوے۔

صغیری (شرح منیۃ المصلی) میں ہے:

وإذا فرغ من الخطبة أقام الصلاة وصلی بهم الرکعتین علٰی ما هو المعروف. (ص: ٢٨١)

جب خطیب خطبہ سے فارغ ہو تو اقامت کہی جائے اور امام لوگوں کو دو رکعت پڑھاوے، یہی طریقہ معروف ہے۔

اور کبیری (شرح منیۃ المصلی) میں بھی ہے:

وإذا فرغ من الخطبة أقام الصلاة وصلی بالناس رکعتین علٰی ما هو المتوارث المعروف. (ص: ٥٢٠)

(یعنی) اور جب خطیب خطبہ سے فارغ ہو تو نماز کے لئے اقامت کہی جائے اور (امام) لوگوں کو دو رکعت پڑھاوے، یہی متوارث و معروف ہے۔

(١) ”قد قامت الصلاة“ کے وقت نماز شروع کرنا مستحب ہے، لیکن مکبر کی رعایت کرتے ہوئے اس کو ترک کیا جاتا ہے۔

(٢) وضو غسل میں غرغرہ سنت ہے، مگر پانی حلق میں اتر جانے کے خوف سے روزہ دار کے لئے غرغرہ ممنوع ہے۔

ومن فروع ذلک: المبالغة فی المضمضة والاستنشاق مسنونة وتکره للصائم. (الأشباه و النظائر: ١١٥)

(٣) اسی طرح ڈاڑھی کے بالوں کا خلال سنت ہے مگر حالت احرام میں بال ٹوٹ جانے کے خوف سے خلال مکروہ ہے۔

وتخلیل الشعر سنة فی الطهارة ویکره للمحرم. (أیضًا)

ملاحظہ ہو مذکورہ تمام جگہوں میں کسی عارض کی وجہ سے مستحب کو چھوڑ دیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح ”حی علی الفلاح“ کے وقت کھڑے ہونے کے ادب کو صفوں کی درستی کا لحاظ کرتے ہوئے ترک کرنا اولیٰ کہا جائے گا، جیسا کہ خطبہ کے وقت خطیب کی طرف منہ کر کے بیٹھنا مستحب ہے، لیکن صفوں کی درستی کا خیال کرتے ہوئے قبلہ رو بیٹھنے کو اختیار کیا گیا ہے۔

مجالس الابرار میں ہے:

ویستحب للقوم أن یستقبلوا الإمام عند الخطبة لکن الرسم الآن أنهم یستقبلون القبلة للحرج فی تسویة الصفوف لکثرة الزحام. (مجلس: ٤٩، ص: ٣١٥)

یعنی قوم (حاضرین) کیلئے مستحب ہے کہ خطبہ کے وقت خطیب کے طرف منہ کر کے بیٹھیں لیکن اس وقت طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رو بیٹھتے ہیں کہ مجمع بڑا ہونے کی وجہ سے صفوں کی درستگی میں حرج ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صفوں کی درستگی کے تاکیدی حکم کا لحاظ کرتے ہوئے امام اور مقتدیوں کا اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جانا مکروہ نہیں البتہ امام جس وقت سامنے موجود نہ ہو اس وقت مقتدیوں کیلئے حکم ہے کہ کھڑے نہ ہوں بلکہ بیٹھے رہیں، نیز ایسے وقت کھڑے ہونا مکروہ ہے۔ (شامی وغیرہ)

علاوہ ازیں مستحب شئ کو حدود سے بڑھا دینا اور اسے ضروری سمجھنا، اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے والے کو ملامت کرنا، اس کو بدعقیدہ گردا ننا، بیٹھنے پر جبر کرنا، مسجد سے باہر نکال دینا یہ سب کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ **فإلى الله المشتكى**۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۰۲/۸۔۲۱۲) ☆

☆ **فتاویٰ رحیمیہ میں منقول ایک عبارت کی تحقیق:**

سوال: مخدومنا المکرّم حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

حضرت والا کتاب ''فتاویٰ رحیمیہ'' سے خوب خوب فائدہ اٹھاتا ہوں، تفصیلی جواب لکھنے میں حضرت کی کتاب سے کافی مدد ملتی ہے، میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کو تادیر قائم فرمائے پوری امت مسلمہ کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔ (آمین)

ایک اہم بات عرض ہے کہ فتاویٰ رحیمیہ: ۳۲۰/۴ نیز: ۲۱۰/۸ پر فتح الباری: ۹۹/۲ کے حوالہ سے ایک عبارت لکھی ہے:

''**فقد ثبت عن الصحابة أنهم کانوا یقومون إذا شرع المؤذن فی الإقامة**''.

یہ عبارت فتح الباری میں کافی تلاش کی گئی، لیکن نہیں مل رہی ہے، آپ سے عرض ہے کہ آپ رہنمائی فرماویں اور باب وصفحہ کے حوالہ کے ساتھ یہ عبارت تحریر فرماویں؟ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ فقط والسلام

الجواب

حامدًا ومصلیًا ومسلماً:

محترم ومکرم مولانا مفتی صاحب دام مجدہ السامی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

عرض اینکہ آپ کا خط موصول ہوا، فتاویٰ رحیمیہ میں فتح الباری کے حوالے سے جو عبارت لکھی گئی ہے، ==

== 　سوءِ اتفاق سے تلاش کے باوجود فتح الباری میں وہ عبارت نہیں ملی، جس کا بے حد قلق ہے، مگر اس عبارت کا مفہوم بالکل صحیح ہے اور جو بات لکھی گئی ہے، وہ غلط نہیں ہے۔ جواب مرتب کرنے کے وقت مختلف کتابیں سامنے ہوتی ہیں، حوالہ نقل کرنے میں ممکن ہے ناقل سے خلط ملط اور تسامح ہو گیا ہوگا۔

عبارت کا مفہوم الحمد للہ بالکل صحیح ہے اور یہ مفہوم مصنف عبد الرزاق کی روایت سے صراحۃ ثابت ہوتا ہے، مصنف عبد الرزاق کی روایت خود صاحب فتح الباری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی نقل فرمائی ہے، مصنف عبد الرزاق کے اس صفحہ کی زیروکس کاپی ارسال خدمت ہے، روایت ملاحظہ ہو! (یہ روایت فتاویٰ رحیمیہ: ۳۲۰/۴، میں بھی ہے۔)

١٩٤٢ ـــــ عبدالرزاق عن ابن جريج قال: أخبرني ابن شهاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: ''الله أكبر، الله أكبر، يقيم الصلوٰة يقوم الناس إلى الصلوٰة، فلا يأتي النبي صلى الله عليه وسلم مقامه حتى يعدل الصفوف. (مصنف عبد الرزاق: ٥٠٧/١، فتح الباري: ١٠٠/٢)

ترجمہ: 　ابن شہاب سے مروی ہے کہ جس وقت مؤذن اللہ اکبر کہتا تھا، لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین) نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک صفیں درست ہو جاتی تھیں۔

اس روایت میں غور کیجئے: فتاویٰ رحیمیہ میں پیش کردہ عبارت کا مفہوم اس روایت سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عبارت کا مفہوم بالکل صحیح ہے ہاں حوالہ نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے۔

اور یہ بات دیگر علمائے کرام نے بھی تحریر فرمائی ہے۔

١۔ 　حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے ''اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں'' یہ رسالہ جواہر الفقہ، مطبوعہ عارف کمپنی دیوبند میں، ص: ۳۰۹ تا ۳۲۴، جلد اول میں چھپا ہوا ہے، پورا رسالہ قابل مطالعہ ہے، اس میں ایک جگہ حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

''ان سب روایات حدیث کے مجموعہ سے ایک بات قدر مشترک کے طور پر یہ ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے مسجد میں تشریف فرما نہ ہوتے، بلکہ گھر ہی سے تشریف لاتے تھے، تو آپ کو دیکھتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت شروع کرتے اور سب صحابہ کرام شروع اقامت سے کھڑے ہو کر تعدیل صفوف کرتے تھے، آپ نے اس کو کبھی منع نہیں فرمایا'' الخ۔ (جواہر الفقہ: ۳۱۵/۱)

٢۔ 　عمدۃ الفقہ میں ہے ''اسی طرح صفیں سیدھی کرنے کیلئے پہلے سے کھڑا ہو جانا زیادہ مناسب ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی اسی طرح منقول ہے''۔ (عمدۃ الفقہ: ۱۰۲/۲، از مولانا سید زوار حسین صاحبؒ مطبوعہ کراچی)

٣۔ 　احسن الفتاویٰ میں ہے:

''جملہ احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ قیام امام سے قبل قیام ناس مکروہ تنزیہی ہے، بہتر یہ ہے کہ قیام امام کے بعد قیام کیا جائے اور قیام امام کا اعلام ابتدائے اقامت (لفظ اللہ اکبر) سے ہوتا ہے اس لئے مقتدی اللہ اکبر کا لفظ سنتے ہی قیام کریں، اسی پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعامل تھا، الخ۔ (احسن الفتاویٰ ص: ۲۵۰، باب الاذان والاقامہ، کامل مبوب مع حوادث الفتاویٰ، ناشر قرآن محل، کراچی، بہت تفصیلی جواب ہے، پورا جواب قابل مطالعہ ہے۔) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۹۰/۹-۹۲)

اقامت کے وقت ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے کا حکم:

سوال: کانپور کی بعض مساجد میں کچھ عرصہ سے تکبیر کے وقت مؤذن کے علاوہ سب آدمی بیٹھ جاتے ہیں اور جس وقت مؤذن ”حی علی الصلاۃ“ کہتا ہے، اس وقت سب لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور شرح وقایہ کی اس عبارت کا حوالہ دیتے ہیں: (ویقوم الإمام والقوم عند حی علی الصلاۃ ویشرع عند قد قامت الصلاۃ) (ص: ۱۵۵، سطر: ۱۲) اور جو شخص پہلے سے ہی کھڑا ہو جاوے، اس کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس مسئلہ میں جناب کی کیا رائے ہے، اور اس مسئلہ پر عمل کرنے والے کو بدعتی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں۔ فقط(۱)

الجواب

شرح وقایہ کی عبارت مبہم ہے؛ کیونکہ اس میں اس عمل کا درجہ بیان نہیں کیا گیا اور دوسری بعض کتابوں میں مفسر ہے، اس لئے مبہم کو مفسر کی طرف راجع کریں گے۔

چنانچہ درمختار میں قبیل فصل صفة الصلاۃ یہ عبارت ہے:

(ولها آداب) ترکه لا یوجب إساءةً ولا عتابا کترک سنة الزوائد لکن فعله أفضل (إلیٰ قوله) (والقیام) لإمام ومؤتم (حین قیل حی علی الفلاح) الخ، ثم قال: (وشروع الإمام) فی الصلاۃ (مذ قیل قد قامت الصلاۃ) ولو أخر حتیٰ أتمها لا بأس به إجماعًا، وهو قول الثاني والثلاثة، وهو (أی

(۱) مندرجہ ذیل تینوں سوالوں کے جوابات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

فقہانے یہ جو لکھا ہے کہ ”امام اور مقتدی ”حی علی الصلوٰۃ“ پر کھڑے ہوں“ تو یہ منجملہ آداب ہے، واجب یا سنت نہیں ہے، جس طرح فقہانے لکھا ہے کہ امام ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر نماز شروع کرے“، لیکن فقہانے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اصح، اعدل اور افضل تو یہ ہے کہ تکبیر پوری ہونے پر امام کو نماز شروع کرنا چاہئے تا کہ تکبیر کہنے والا امام کے ساتھ نماز شروع کر سکے، تو جس طرح تکبیر کہنے والے کی رعایت کرتے ہوئے فقہانے ایک ادب (قد قامت پر نماز شروع کرنے) کو ترک کر دیا ہے، اسی طرح تسویۂ صفوف کی اہمیت کے پیش نظر دوسرے ادب (حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے) کے خلاف، جیعلتین پر قیام کی تقدیم کو راجح کہا جائے گا، کیونکہ تسویۂ صفوف کی رعایت تکبیر کہنے والے کی رعایت سے زیادہ اہم ہے۔

علاوہ بریں فقہا کی ان عبارتوں کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت تکبیر کہنے والا ”حی علی الصلوٰۃ“ پر پہنچے، اس وقت مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا چاہئے، تاخیر نہ کرنا چاہئے، جیسا کہ علامہ احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں تصریح فرمائی ہے، جن کی عبارت تیسرے سوال کے جواب کے اخیر میں آرہی ہے۔ لہٰذا اگر اس سے پہلے تکبیر کے شروع ہی سے کھڑے ہو جائیں، تو یہ بھی جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے اور فقہا کی عبارتوں کی خلاف ورزی نہیں ہے؛ بلکہ آج کل تسویۂ صفوف کے ساتھ لوگوں کی بے اعتنائی کی وجہ سے پہلے کھڑا ہونا ہی افضل ہے۔ سعید احمد

التأخير)أعدل المذاهب كما فى شرح المجمع لمصنفه،وفى القهستانى معزيا للخلاصة أنه الأصح،اھ.فى رد المحتار:(قوله أنه الأصح)لأن فيه محافظة علىٰ فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الإمام.(۱)

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے!

(۱) یہ عمل آداب میں سے ہے جس کا ترک موجب اساءت یا عتاب نہیں، تو اس کے تارک پر نکیر کرنا تجاوز عن الحدود ہے جو کہ بدعت کی فرد ہے، پس اس کا عامل اگر تارک پر نکیر نہ کرے عامل بالادب ہے اور اگر نکیر کرے مبتدع ہے۔

(۲) منجملہ آداب کے ''**قد قامت الصلاة**'' کے کہنے کے وقت امام کا نماز شروع کردینا ہے، مگر باوجود اس کے ایک عارض سے تاخیر کو اعدل واصح کہا ہے جو مستلزم ہے افضل ہونے کو اور وہ عارض شروع مع الامام پر مؤذن کی اعانت ہے ایسے ہی اس میں بھی ایک عارض سے کہ وہ عامۂ ناس کے اعتبار کی وجہ سے مثل لازم کے ہوگیا ہے گنجائش ہے کہ قبل اقامت کے قیام کو افضل کہا جاوے اور وہ عارض تسویہ ہے صفوف کا جو نہایت مؤکد ہے اس لئے کہ عامۂ ناس کے عدم اہتمام اور قلتِ مبالات کی وجہ سے مشاہد ہے کہ ''**حى على الصلاة**'' پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفوف کا تسویہ نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہوجانے پر بھی اگر تسویہ صفوف کا انتظار کیا جاوے، تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۰ رصفر ۱۳۵۰ھ۔(النور، صفحہ:۵، رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ)

سوال: إذا دخل الرجل عند الإقامة يكره الانتظار قائمًا ولكن يقعد ثم يقوم إذابلغ المؤذن حى على الفلاح، يفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون. (الطحاوى علىٰ مراقى الفلاح)(۲)

طحاوی کے علاوہ عالمگیری، شامی، البحر الرائق، شرح وقایہ، ملتقی الابحر، مجمع الانہر، مظاہر حق وغیرہ کتب میں تصریح

---

(۱) الدرالمنتقى فى شرح الملتقى، كتاب الصلاة: ۱۸۸/۱،دار الكتب العلمية،بيروت.انيس
جامع الرموز،
الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة،آخرباب صفة الصلاة: ۴۷۷/۱-۴۷۹،دار الفكر،انيس

(۲) سائل نے طحاوی کی عبارت بلفظہ نقل نہیں کی ہے۔سعید
اصل عبارت یہ ہے: (ومن الأدب القيام أى قيام القوم والإمام إن كان حاضراًبقرب المحراب حين قيل أى وقت قول المقيم حى على الفلاح لأنه أمر به فيجاب)وقال الحسن وزفر:عند حى على الصلاة كما فى سكب الأنهرعن ابن كمال معزياًإلى الذخيرة.(حاشية الطحطاوى،فصل فى آداب الصلاة: ۲۷۷/۱.انيس)

ہے کہ ہمارے ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک ''حی علی الصلاۃ '' یا''حی علی الفلاح''(علیٰ اختلاف الأقوال)پر کھڑا ہونا چاہئے اور''قد قامت الصلاۃ'' پرنماز شروع کردینی چاہئے۔لیکن مراقی الفلاح میں تصریح ہے کہ اگر اقامت ختم ہوجانے کے بعدنماز شروع کی لابأس به في قولهم جميعًا. لیکن اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کی کہیں گنجائش نہیں ملی، بلکہ کراہت ثابت ہوتی ہے، اکابر کا تعامل دیکھ کرشبہ پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے کوئی امر مانع تعامل ہوجس پراحقر کی نظرنہیں پہنچی،اس لئے مؤدبانہ عرض ہے کہ ان سوالات کا جواب عنایت فرمایا جائے۔

(۱)　ابتداءِ اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یا نہیں؟

(۲)　اگرمکروہ نہیں ہے،تو افضل ابتداءِ اقامت میں کھڑا ہونا ہے یا''حی علی الصلاۃ''پر؟

(۳)　اگر''حی علی الصلاۃ'' پرکھڑا ہونا افضل ہے،تو جمعہ کے روز خطبہ سے فارغ ہوکرامام ممبر پر بیٹھا رہے،یا مصلے پر یہاں تک کہ مؤذن''حی علی الصلاۃ''پر پہنچے۔

الجواب

(مقدمة)الروايات يفسر بعضها بعضًا ۔اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ''حی علی الصلاۃ وحی علی الفلاح'' پرکھڑا ہونے کودرمختار،قبیل فصل صفة الصلاة میں منجملہ آداب کے کہاہےاورآداب کی صفت میں تصریح کی ہے:

تركه لايوجب إساءةً ولاعتاباً ... لكن فعله أفضل.(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ''يكره له الانتظار''میں ''يكره''سے مرادترک افضل ہے۔اس کے بعد منجملہ ایسے آداب کےشروع إمام في الصلاة مذ قيل قد قامت الصلاة کوشمار کرکے کہاہے:

ولوأخرحتى أتمها لابأس به إجماعاً.

اس کے بعداس تاخیرکواعدل المذاہب اوراصح کہاہےاوراصح ہونے کی دلیل ردالمحتارمیں یہ بیان کی ہے:

''لأن فيه محافظة علىٰ فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الإمام''.(۲)

اس قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک ادب کےترک کویعنی تاخیرشروع امام کوعارض محافظت واعانت کی وجہ سے ترجیح دی ہےاسی طرح دوسرےادب یعنی قیام عند''حی علی الصلاۃ'' کےترک کویعنی تقديم قيام على الحيعلتين کوعارض تسویہ صفوف کی وجہ سے راجح کہا جاوے گااور یہ عارض تسویہ نہایت مؤکد ہےاورعامۂ ناس کے عدم اعتمادوقلت مبالات کی وجہ سے مشاہد ہے کہ''حی علی الصلاۃ''پرکھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت

(۱-۲)　الدرالمختار على صدرردالمحتار،آخرباب صفة الصلاة،قبيل الفصل: ٤٧٩/١،دارالفكر.انيس

تک صفوف کا تسویہ نہیں ہوسکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہوجانے پر بھی اگر تسویہ صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے پس اس عارض مؤکد کے لئے اس ادب کو ترک کردیں گے اس سے سب سوالوں کا جواب معلوم ہوگیا۔

۲۳ رصفر ۱۳۱۵ھ۔ (النور، صفحہ ۸، شوال ۱۳۵۱ھ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جماعت کی نماز کے واسطے سب مقتدی اور امام کو "قدقامت الصلاة" کے بعد کھڑا ہونا چاہئے اگر "قدقامت الصلاة" کہنے سے پہلے کھڑے ہوگئے تو گنہ گار ہوں گے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص وضو کررہا ہو اور اقامت شروع ہوگئی اور وضو کرنے والا وضو سے فارغ ایسے وقت ہوا کہ ابھی مکبر لفظ "قد قامت الصلاة" پر نہیں پہنچا تو وہ شخص بھی پہلے بیٹھ کر پھر نماز میں شریک ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ "قد قامت الصلاة" کے بعد نماز کے واسطے کھڑا ہونا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور "قد قامت الصلاة" کہنے سے پہلے کھڑا ہونے سے امام یا مقتدی گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب

اس میں بہت سے اقوال ہیں، مگر سب میں وسعت ہے، کسی نے کسی قول کے اختیار کرنے والے کو گنہ گار نہیں کہا۔ نہ گناہ کی کوئی دلیل ہے، اعلاء السنن حصہ چہارم باب وقت قیام الإمام والمأمومین للصلاة میں سب اقوال مع ادلہ جو کہ آثار ہیں لکھے ہیں اور بعض فقہاء ثقات نے ان سب اقوال پر توقیت کا محمل یہ کہا ہے کہ اس سے تاخیر نہ کرے یہ مراد نہیں کہ اس سے تقدیم نہ کرے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں ہے:

وقال العلامة الطحطاوی: والظاهر أنه احترازعن التأخیر لا التقدیم حتی لو قام أول الإقامة لا بأس وحرر، آه.(۱)

جیسا ایک ایسے ہی جزئیہ میں "**وهی شروع الإمام فی الصلاة مذ قیل قد قامت الصلاة**" تصریح ہے:

ولو أخر حتی أتمها لا بأس به إجماعًا. (کذا فی الدرالمختار، قبیل فصل بیان تالیف الصلوٰة)(۲)

اور ترمذی کا اپنی سنن باب الجنائز میں یہ فیصلہ ہے۔

الفقهاء هم أعلم بمعانی الأحادیث، آه.(۳)

کتبہ اشرف علی۔ ۱۵ ررجب ۱۳۵۶ھ۔ (النور، صفحہ: ۷، شعبان ۱۳۵۷ھ) (امداد الفتاویٰ: ۱/ ۱۸۴-۱۸۹)

(۱) حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، باب صفة الصلاة: ۱/ ۲۱۵، بیروت. انیس

(۲) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة: ۱/ ۴۷۹، دارالفکر. انیس

(۳) وکذلک قال الفقهاء وهم أعلم بمعانی الحدیث. (سنن الترمذی، ت: شاکر، باب ماجاء فی غسل المیت (ضمن رقم الحدیث: ۹۹۰): ۳/ ۳۰۶. انیس)

اقامت میں ''حي علی الصلاۃ'' پر کھڑا ہونا مستحب ہے:

سوال: عبارت شرح وقایہ کی ''ویقوم الإمام والقوم عند ''حي علی الصلاۃ'' ویشرع عند ''قد قامت الصلاۃ''، آیا یہ سنت ہے یا مستحبات یا کچھ اور؟ اگر بارادۂ آراستگی صف قبل '' حی علی الصلاۃ'' کھڑے ہوجائے تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟ اگر بروقت ''حی علی الصلاۃ'' امام مع قوم کھڑا ہو لیکن بوجہ صف آرائی بعد ''قد قامت الصلاۃ'' نماز شروع کرے تو کیا حرج ہے؟

(المستفتی نمبر: ۹۴۸، متولی جامع مسجد (ڈبروگڈھ، آسام) ۲؍ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، م ۲۴؍مئی ۱۹۳۶ء)

الجواب

''ویقوم الإمام والقوم عند ''حی علی الصلاۃ'' ویشرع عند ''قامت الصلاۃ''. (۱)

یہ مستحبات میں سے ہے اور یہ بھی جب کہ پہلے سے لوگ اتنے درست ہو کر بیٹھیں کہ کھڑے ہونے کے بعد صفیں درست نہ کرنا پڑیں، بلکہ خودبخود درست ہو جائیں، اس کا خلاف یعنی ''حی علی الصلاۃ'' سے پہلے کھڑے ہو جانا جب کہ امام موجود ہو مکروہ نہیں، اسی طرح ''قد قامت الصلاۃ'' کے بعد نماز شروع کرنا مکروہ نہیں، خصوصاً جب کہ تاخیر اقامت وتسویہ صفوف کی وجہ سے واقع ہو، یہ مسئلہ صرف اسی قدر حیثیت رکھتا ہے، اس سے زیادہ اس کو اہمیت دینا غلط ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۳؍۵۰-۵۱)

مالابد منہ میں مسئلۂ ''حي علی الفلاح'' پر مقتدیوں کے کھڑا ہونے کی وضاحت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ ایک مسجد کے پیش امام صاحب فرض نمازوں میں تکبیر کہے جانے کے وقت اس وقت کھڑے ہوتے ہیں جس وقت تکبیر پڑھنے والا ''حی علی الصلاۃ'' پڑھتا ہے، کچھ لوگ ان کے تکبیر کہے جانے کے وقت ''حی علی الصلاۃ'' پر کھڑے ہونے پر اعتراض کرتے ہیں، امام صاحب کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی دونوں کو ''حی علی الصلاۃ'' پر ہی کھڑا ہونا چاہیے۔

ثبوت کے لیے امام صاحب کتاب ''کشف الحاجۃ المعروف بہ مالابد منہ اردو'' کے ص: ۱۳۱ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

---

(۱) شرح الوقاية، باب الأذان: ۱/ ۱۳٦، ط: سعيد

(۲) (ولها آداب) تركه لايوجب إساءةً ولاعتاباكترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل (إلٰى قوله) (والقيام) لإمام و مؤتم (حين قيل ''حي على الفلاح'' الخ. ثم قال: (وشروع الإمام) في الصلاة (مذ قيل ''قد قامت الصلاة'')، ولو أخر حتى أتمها لابأس به إجماعًا، وهو-أي التاخير-أعدل المذاهب. (الدر المختار على صدر رد المحتار، قبيل فصل تاليف الصلاة: ۱/ ٤٧٧-٤٧٩، انيس)

''سنت کے طریقہ پر نماز پڑھنے کے بیان میں''۔ ''طریق سنت کا یہ ہے کہ فرضوں میں اذان اور تکبیر کہی جائے اور نزدیک ''حی علی الصلاۃ'' کے امام کھڑا ہوئے''۔

اور دوسری کتاب ''مظاہر حق جدید مع متن مشکوٰۃ شریف قسط ہشتم، ج:۱ص:۳۹۰'' کی یہ حدیث مع تشریح لکھتے ہیں کہ!

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تکبیر کہی جائے، تو تم اس وقت کھڑے نہ ہو، جب تک مجھ کو حجرے سے برآمد ہوتے نہ دیکھ لو''۔

تشریح: فقہا نے لکھا ہے کہ تکبیر کہنے والا جب ''حی علی الصلاۃ'' کہے تو مقتدی اس وقت کھڑے ہوں'' الخ۔

لہذا آنجناب سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آیا یہ کتابیں ہیں بھی یا نہیں؟ نیز معتبر ہیں یا نہیں اور امام صاحب کا ''حی علی الصلاۃ'' پر کھڑے ہونا درست ہے یا غیر درست؟ کتاب مذکورہ میں حوالہ جات صحیح ہیں یا نہیں۔ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

''مالابدمنہ'' وغیرہ سے جو مسئلہ نقل کیا ہے، یہ اس وقت کا ہے جب امام ومقتدی سب صف وغیرہ درست کر کے محراب اور اس کے قریب بیٹھے ہوں، ورنہ اگر امام نماز پڑھانے کے لیے باہر سے آتا ہوا نظر آئے، تو نظر آتے ہی سب لوگ کھڑے ہو کر صف وغیرہ درست کرنے میں لگ جائیں، جیسا کہ خود سوال میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ''مظاہر حق'' سے پیش کیا ہے۔ اور اگر امام سامنے سے نماز پڑھانے کے لیے آتا ہوا نظر نہ آئے، بلکہ پیچھے سے آئے، تو جس صف میں پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہو کر صفیں درست کرنے میں مشغول ہوتے رہیں، جیسا کہ فقہ حنفی کی بہت معتبر کتاب ''درمختار، ص:۱؍۳۳۱ مع الشامی وطحطاوی وغیرہ میں بایں الفاظ مذکور ہے۔

(ولها آداب) تركه لا يوجب إساءة ولا عتابا... (وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر).(۱)

اور یہ بات کسی نے نہیں کہی کہ امام آگے سے پیچھے سے کہیں سے بھی آئے، پہلے آکر مصلیٰ پر بیٹھ جائے، پھر جب مکبر تکبیر کہتا ہوا حیعلتین پر پہنچے، تو امام ومقتدی کھڑے ہوں اور اس کو ضروری یا واجب قرار دیا جائے اور اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر کی جاے، بلکہ ایسا کہنا اور اس پر اصرار کرنا لوگوں کی من گھڑت باتیں اور احداث فی الدین اور بدعت ہے، جو واجب الاصلاح ہے۔ پوری روایات اور گفتگو ابوداؤد شریف اور اس کی شرحوں میں ہے۔ نیز فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی ہے، مثلاً: طحطاوی علی الدر وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۹؍۱۰؍۱۴۰۹ھ۔

الجواب صحیح، حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۱۷-۱۱۹)

(۱) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة، قبيل الفصل. انيس

"حی علی الصلاۃ" کے وقت کھڑا ہونا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ!

کٹیہار کے اکثر مقامات پر اقامت صلاۃ کی یہ صورت رائج ہے کہ مؤذن تنہا کھڑا رہ کر اقامت صلاۃ شروع کرتا ہے اور تمام مصلی بیٹھے رہتے ہیں "حی علی الصلاۃ" پر امام اور مقتدی کھڑے ہوتے ہیں اور "قد قامت الصلاۃ" پر امام نیت باندھتا ہے، اس طریقہ پر بعض جگہ پر اس قدر اشد اد (شدت) برتا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص "حی علی الصلاۃ" سے پہلے کھڑا ہو جائے، تو اسے بالجبر بٹھا دیا جاتا ہے، پس کیا اس طریقہ کو مسنون اور مطابق فقہ حنفی کہا جائے گا؟ اور کیا درجہ وجوب میں ہے کہ خلاف اس کا موجب گناہ ہو؟ فقط (احقر محمد ابراہیم خان)

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

"ومن الأدب القيام: أى قيام القوم والإمام إن كان حاضرًا بقرب المحراب حين قيل أى وقت قول المقيم: "حى على الفلاح"؛ لأنه أمر به فيجاب. وإن لم يكن حاضرًا يقوم كل صف حين ينتهى إليه الإمام فى الأظهر. ومن الأدب شروع الإمام أى إحرامه مذ قيل أى عند قول المقيم: "قد قامت الصلاة" عندهما. وقال أبويوسف رحمهما اللّٰه تعالٰى: يشرع إذا فرغ من الإقامة، فلو أخر حتٰى يفرغ من الإقامة لابأس به". (مراقى الفلاح، ص: ٦١)(١)

وأيضاً: (والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل "حى على الفلاح") خلافاً لزفر، فعنده عند "حى على الصلاة" ابن كمال. (إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهى إليه الإمام على الأظهر) وإن دخل من قُدام قاموا حين يقع بصرهم عليه، إلا إذا قام الإمام بنفسه فى مسجد فلا يقفوا حتٰى يتم إقامته، ظهيرية، وإن خارجه قام كل صف ينتهى إليه الإمام، بحر. (وشروع الإمام) فى الصلاة (مذقيل: "قد قامت الصلاة") ولو أخر حتٰى أتمها لا بأس به إجماعاً، وهو قول الثانى والثلاثة، و هوأعدل المذاهب كما فى شرح المجمع لمصنفه، وفى القهستانى معزياً للخلاصة: أنه الأصح. (الدرالمختار)(٢)

قال الطحطاوى: (قوله: والقيام لإمام ومؤتم، الخ) مسارعة لامتثال أمره، والظاهر أنه احترازعن التأخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لا بأس به. وحرر (قوله: أنه الأصح): أى فالأخذ به أولٰى؛ لأنه لايقع اشتباه على المصلين". (الطحطاوى على الدرالمختار: ١/٢١٥)(٣)

(١) مراقى الفلاح شرح نورالإيضاح، كتاب الصلاة، فصل من آدابها، ص: ٢٧٧-٢٧٨، قديمى

(٢) الدرالمختارعلى صدررد المحتار، كتاب الصلاة، آخرباب صفة الصلاة، قبيل الفصل: ١/٤٧٩، سعيد

(٣) حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ١/٢١٥، دارالمعرفة، بيروت

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ''حی علی الفلاح'' یا ''حی علی الصلاۃ'' کے وقت قوم اور امام کا کھڑا ہونا صرف آداب میں ہے واجبات میں نہیں کہ اس کے ترک پر گناہ ہو(۱) کہ امام مصلی پر یا اس کے قریب پہلے سے موجود ہو، اگر امام وہاں موجود نہ ہو بلکہ کسی دوسری جگہ سے سامنے آئے، تو جس وقت امام پر نظر پڑے اسی وقت سب کو کھڑا ہو جانا چاہئے، اگر مصلے کے سامنے نہیں ہے بلکہ مقتدیوں میں ہوکر دوسری جانب سے یعنی پیچھے سے آئے، تو جس صف میں پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے، حتی کہ مصلے پر پہنچنے کے وقت سب صفیں کھڑی ہو جائیں، نیز ''حی علی الفلاح'' یا ''حی علی الصلاۃ'' کے وقت کی تعیین اس لئے ہے کہ اس کے بعد تک بیٹھے رہنا نہیں چاہئے، یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا منع ہے۔

امام کو ''قد قامت الصلاۃ'' کی قت نماز شروع کر دینا بھی واجب نہیں، پس اگر تکبیر ختم ہونے کا انتظار کیا اور ختم ہونے پر امام نے نماز شروع کی تو بالاتفاق اس میں کوئی گناہ نہیں، بلکہ بہت سے فقہا نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، پس ان چیزوں پر اتنا تشدد کرنا مسائل سے ناواقفیت کی دلیل ہے، (۲) اس تشدد سے رکنا واجب ہے، نہ مقتدی کو ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا گناہ ہے کہ اس کو جبراً بٹھایا جائے، نہ کہ امام کو ''قد قامت الصلاۃ'' کے وقت نماز شروع کرنا واجب ہے کہ ختم کے انتظار کو گناہ کہا جائے۔ جو شئ بالاتفاق مستحب ہو اس کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کرنا بھی ناجائز ہے، ہر شئ کو اس کی حد پر رکھنا چاہئے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۱۹/۱۰/۱۳۵۷ھ/ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ شوال/ ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۷۶/۵-۴۷۸)

---

(۱) ''(ولها آداب) تركه لا يوجب إساءةً ولا عتاباً كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل''. (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة باب صفة الصلاة: ٤٧٧/١، سعيد)

(۲) ''(وشروع الإمام)... (مذ قيل: قد قامت الصلاة) ولو أخر حتى أتمها لا بأس به إجماعاً، وهو قول الثاني والثلاثة، وهو أعدل المذاهب كما في شرح المجمع لمصنفه، وفي القهستاني معزياً للخلاصة: أنه الأصح''. (الدر المختار)

وفي رد المحتار: ''(قوله: لا بأس به إجماعاً) أي لأن الخلاف في الأفضلية، فنفي البأس: أي الشدة ثابت في كلا القولين وإن كان الفعل أولىٰ في أحدهما. (قوله: أنه الأصح) لأن فيه محافظة علىٰ فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الإمام''. (كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة، قبيل الفصل: ٤٧٩/١، سعيد)

(۳) ''قال الطيبي في حاشية المشكوٰة: فيه أن من أصر علىٰ مندوب، و جعله عزمًا، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر علىٰ بدعة أو منكر''. (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، منها استحباب الانصراف عن أحد الجانبين: ٢٦٣/٢، سهيل اكيڈمی لاهور)

”حی علی الصلاۃ“ پر قیام:

سوال: جو بدعتی اس مسجد میں فجر کی نماز میں آتے ہیں وہ کبھی عصر کی نماز میں بھی آتے ہیں تو وہ بعد نماز مصافحہ کرتے ہیں اور ”حی علی الصلاۃ“ پر کھڑے ہوتے ہیں تو کیا میں بھی اس مسجد میں ان کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھوں اور ان کا یہ فعل بھی کروں؟ ورنہ اگر نہ کروں گا تو ہوسکتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے سے روک دیں۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر دوسری مسجد نہیں تو اسی مسجد میں ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ لیا کریں۔(۱) ”حی علی الصلاۃ“ یا ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے پر یا نہ ہونے پر کوئی جھگڑا نہ کریں، کبھی پہلے سے کھڑے ہو جایا کریں، یہ مسئلہ جھگڑے کا نہیں، نماز عصر کے بعد اگر تسبیح و تلاوت میں جلدی ہی مشغول ہو جائیں اور ان کو ذکر میں مشغولی کے وقت مصافحہ نہیں کرنا چاہئے؛(۲) تو امید ہے کہ وہ آپ کو معذور قرار دیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۷۸-۴۷۹)

”حی علی الصلاۃ“ پر قیام:

سوال: جگدل ضلع چوبیس پرگنہ میں کی چند مسجد اس میں فرض نماز اور جمعہ کے لئے لوگ آتے ہیں اور کیف ما اتفق بیٹھ جاتے ہیں، جب مؤذن ”حی علی الصلاۃ“ پر پہنچتا ہے کھڑے ہو جاتے ہیں، تسویۂ صفوف کا انتظام بالکل نہیں کرتے ہیں، تاکید کرنے سے بھی صفیں سیدھی نہیں ہوتیں کیونکہ وقت بہت تنگ ہوتا ہے، صفوف کا سیدھا کرنا واجب ہے، کیونکہ حدیث صحیحہ میں تاکید آئی ہے، آیا بغیر تسویۂ صفوف کسی امر مندوب یا جائز پر عمل کرنا درست ہے، واجب کے ترک سے امر مندوب یا جائز میں کس قسم کی خرابی لازم نہیں آئے گی؟

موطأ امام محمد، ص: ۸۶، باب تسوية الصف میں: ”حتى ينبغي للقوم إذا قال المؤذن ”حي على الفلاح“ أن يقوموا إلى الصلاة، فيصفوا ويسووا الصفوف ويحاذوا بين المناكب الخ“ (۳)

(۱) ويكره تقديم المبتدع أيضاً؛ لأنه فاسق من حيث الاعتقاد، وهو أشد من الفسق من حيث العمل؛ لأن الفاسق من حيث العمل يعترف بأنه فاسق ويخاف ويستغفر بخلاف المبتدع، والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئاً على خلاف ما يعتقده أهل السنة والجماعة، وإنما يجوز الاقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن ما يعتقده يؤدي إلى الكفر عند أهل السنة، أما لو كان مؤدياً إلى الكفر فلا يجوز أصلاً“. (الحلبي الكبير، الأولىٰ بالإمامة، ص: ۵۱۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) فيكره السلام على مشتغل بذكر الله تعالىٰ بأي وجه كان“. رحمتي. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره: ۱/۶۱۶، سعيد)

(۳) والعبارة بتمامها: ”قال محمد: ينبغي للقوم إذا قال المؤذن: ”حي على الفلاح“ أن يقوموا، ==

سے ثابت ہوتا ہے کہ تسویۂ صف کا وقت ''حی علی الفلاح'' پر اٹھنے کے بعد ہے۔ یہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ!

''سووا صفوفکم،فإن تسویة الصفوف من إقامة الصلاة''.(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ تسویۃ الصفوف کا وقت قبل اقامت ہے،اور بدائع الصنائع میں:۱/۱۰۰، میں **حی علی الفلاح** کے قبل اٹھنا ممنوع لکھا ہے،(۲) عالمگیری وغیرہ میں اس کے خلاف مسئلہ لکھا گیا ہے(۳) جو باعث خلجان ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اور اقوال فقہا میں کیا تطبیق ہے؟ موطأ امام محمد اور بدائع الصنائع کے اقوال پر عمل کرنا دیگر کتب فقہ کے اقوال کو چھوڑ کر کیسے ممکن ہے؟ عملِ واجب مقدم ہے یا مستحب؟ استحباب ثابت کرنے کے لئے ''ینبغی'' کا لفظ جیسا کہ موطأ امام محمد میں منقول ہے، کافی ہے؟

''حی علی الفلاح'' کے وقت کھڑے ہونے کا التزام عملاً مثل واجب کرنا واجب کو چھوڑتے ہوئے جائز یا درست ہے یا ممنوع ہے؟ اس عمل میں واجب پہچاننے کے لئے کیا معیار ہیں؟ لہٰذا اس مسئلہ میں آج کل جگہ جگہ میں جو طریق مروج ہے؛ اس پر اس قسم کے اشکالات ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اصل مسئلہ کا حکم اس سے قبل عبارتِ فقہ سے استشہاد کے ساتھ آپ کے پاس ارسال کیا جا چکا ہے، اب بحث اس کے ماخذ اور حدیث وفقہ میں تعارض وتطابق سے باقی رہ گئی، فقہا کے کلام میں عبارتیں بہت مختلف ہیں، بلکہ ایک ہی مصنف

== فیصفوا ویسووا الصفوف،ویحاذوا بین المناکب،فإذا أقام المؤذن الصلاة،کبر الإمام،وهو قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ''(الموطأ للإمام محمد رحمه الله تعالیٰ،باب تسویة الصفوف،ص:۸٦-۸۷،میرمحمد کتب خانه)

(۱) ''عن أنس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال:''سووا صفوفکم،فإن تسویة الصفوف من إقامة الصلاة''.(صحیح البخاری،کتاب الأذان،باب إقامة الصف من تمام الصلاة:۱/۱۰۰، قدیمی)

(۲) ''فکان ینبغی أن یقوموا عند قوله:''حی علی الصلاة''لما ذکرنا،غیر أنا نمنعهم عن القیام کیلا یلغو قوله''حی علی الفلاح''؛لأن من وجدت منه المبادرة إلیٰ شیء فدعاه إلیه بعد تحصیله إیاه لغو من الکلام''(بدائع الصنائع،کتاب الصلاة،فصل فی سنن الصلاة:۲/۲۵،دار الکتب العلمیة،بیروت)

(۳) إن کان المؤذن غیر الإمام،وکان القوم مع الإمام فی المسجد،فإنه یقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن:''حی علی الفلاح''عند علمائنا الثلاثة،وهو الصحیح،فأما إذا کان الإمام خارج المسجد، فإن دخل المسجد من قبل الصفوف،فکلما جاوز صفًا،قام ذلک الصف،وإلیه مال شمس الأئمة الحلوانی و السرخسی وشیخ الإسلام خواهرزاده.وإن کان الإمام دخل المسجد من قُدامهم یقومون کما رأوا الإمام''.(الفتاویٰ الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الثانی فی الأذان،الفصل الثانی فی کلمات الأذان،آه:۱/۵۷،رشیدیة)

نے ایک جگہ کچھ لکھا اور دوسری جگہ اس کے خلاف لکھا ہے، اسی طرح اقوالِ صحابہ وتابعین کا حال ہے، اس لئے جس جگہ اختلافِ مذاہب کی تصریح ہو تو اختلاف مذاہب پر حمل کیا جائے اور جہاں یہ ممکن نہ ہو وہاں تقیید کے ذریعہ سے محل علیحدہ علیحدہ متعین کرلیا جائے اور تقیید کی صورت وہی ہے جو اس سے پہلے مذکور ہوئی ہے یعنی اگر امام محراب کے قریب مصلے پر ہو اور سب مقتدی اپنی اپنی جگہ پر ہوں، تو ''حی علی الفلاح'' کے وقت ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک اور ''قد قامت الصلاۃ'' کے وقت (علی النقل الصحیح) زفر وحسن رحمہما اللہ کے نزدیک کھڑے ہوں۔

اگر امام مصلے پر موجود نہ ہو، بلکہ صفوف کی طرف سے داخل ہو، تو جن صفوں تک پہنچتا جائے، مقتدی کھڑے ہوتے جائیں، اگر سامنے کی جانب سے آئے، تو جس وقت امام پر نظر پڑے اسی وقت فوراً کھڑے ہوجائیں۔

یہ تفصیل درمختار: ۱/۴۵۹، سے نقل کی گئی ہے۔(۱) بدائع: ۱/۲۰،(۲) عالمگیری: ۱/۵۷، (۳) وغیرہ (۴) میں بھی یہ تفصیل موجود ہے۔

لہٰذا اگر کسی جگہ ''حی علی الصلاۃ'' یا ''حی علی الفلاح'' یا ''قدقامت الصلاۃ'' سے پہلے کھڑے ہونے کی کراہت یا ممانعت مذکور ہے، تو اس کا محمل یہ ہے کہ امام محراب کے قریب مصلے پر موجود نہ ہو، یا کراہت تنزیہی مراد لی جائے جس کو 'جائز' 'خلاف اولیٰ'، 'لا بأس' سے تعبیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یا قیام سے مراد قیام حقیقۃ الصلاۃ یعنی تکبیر ہو، مگر یہ احتمال حدیث میں ہوسکتا ہے، یا تاخیر سے احتراز ہو، تقدم سے نہ ہو۔

---

(۱) (والقیام)لإمام ومؤتم(حین قیل "حی علی الفلاح")خلافاً لزفر، فعنده عند"حی علی الصلاۃ"ابن کمال.(إن کان الإمام بقرب المحراب،وإلا فیقوم کل صف ینتهی إلیه الإمام علی الأظهر)وإن دخل من قُدام قاموا حین یقع بصرهم علیه...(وشروع الإمام)فی الصلاۃ(مذ قیل "قد قامت الصلاۃ"). (الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، قبیل الفصل: ۴۷۹/۱،سعید)

(۲) "ولأن القیام لأجل الصلاۃ لایمکن أداؤها بدون الإمام،فلم یکن القیام مفیدًا،ثم دخل الإمام من قُدام الصفوف، فکلما رأوه قاموا؛لأنه کما دخل المسجد قام مقام الإمامة،وإن دخل من رواء الصفوف،فالصحیح أنه کلما جاوز صفاً قام ذلک الصف". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ،فصل فی سنن الصلاۃ: ۲۷/۱،دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۳) ("إن کان المؤذن غیر الإمام،و کان القوم مع الإمام فی المسجد،فإنه یقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن"حی علی الفلاح"عند علمائنا الثلاثة،وهو الصحیح،فأما إذا کان الإمام خارج المسجد،فإن دخل المسجد من قبل الصفوف،فکلما جاوز صفاً قام ذلک الصف ،وإلیه مال شمس الأئمة الحلوانی والسرخسی وشیخ الإسلام خواهرزاده.وإن کان الإمام دخل المسجد من قُدامهم یقومون کما رأوا الإمام". (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان آه: ۵۷/۱،رشیدیة)

(۴) "عند زفر یقومون حین قیل "قد قامت الصلاۃ"الأولیٰ،ویحرمون عند الثانیة". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ: ۲۸۳/۱،دار الکتب العلمیة، بیروت)

”عن أبی قتادة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ أنہ قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم:

”إذا أقیمت الصلا ة فلا تقوموا حتٰی ترونی قد خرجت“. (رواہ الجماعة إلا ابن ماجة،ولم یذکرالبخاری فیہ”قد خرجت“)(۱)کذا فی نیل الأوطار)(۲)

”عن أنس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ أنہ کان یقوم إذا قال المؤذن”قد قامت الصلاة“. (رواہ ابن المنذروغیرہ)(۳)

”عن أبی ھریرة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ أن الصلاة کانت تُقام لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم،فیأخذ الناس مصافھم قبل أن یقوم النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم مقامہ“.(رواہ مسلم)(۴)

”وأخرج عن جابربن سمرة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ أن بلالاً لایقیم حتٰی یخرج النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم،فإذا خرج أقام الصلاة حین یراہ“.إلٰی آخرقولہ:”عن أبی قتادة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ“الخ.

قلت: فیہ دلالة علٰی أن لا یقوم الناس فی الصف ولوشرع المؤذن فی الإقامة،بل ولوکان أتمھا حتٰی یرأوا الإمام خارجاً من حجرتہ أومن باب المسجد متوجھاً إلی الصلاة،ھذا إذاکان الإمام غائباً عن المسجد وقت الإقامة عازباً عن القوم،وأما إذاکان فیہ أوبقربہ بمراٰی منھم فسیأتی حکمہ.

قال الحافظ فی الفتح: ۱۰۱/۱،(۵)قال القرطبی:ظاھرالحدیث أن الصلاة کانت تُقام قبل أن یخرج النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم من بیتہ،وھومعارض لحدیث جابرابن سمرة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ”أن بلالاً کان لایقوم حتٰی یخرج النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم،أخرجہ مسلم.(۶)

ویجمع بینھما بأن بلالاً کان یراقب خروج النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم،فأول ما یراہ یشرع فی الإقامة قبل أن یراہ غالب الناس،ثم إذا رأوہ قاموا،فلا یقوم فی مقامہ حتٰی تعتدل صفوفھم.

قلتُ:ویشھد لہ ماروٰہ عبد الرزاق عن بن جریج عن ابن شھاب:

---

(۱)　صحیح البخاری،کتاب الأذان،باب متٰی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۸۸/۱،قدیمی

(۲)　نیل الأوطار،أبواب الأذان،المحافظة علی الأذان عند دخول وقت الظھربدون تقدیم ولا تأخیر،ولایقیم المؤذن حتٰی یری الإمام والدلیل علٰی ذلک: ۳۱/۲،دارالبازللنشروالتوزیغ عباس أحمد البازمکة المکرمة

(۳)　فتح الباری،کتاب الأذان،باب متٰی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۱۵۳/۲،قدیمی

(۴)　الصحیح لمسلم،کتاب المساجد،باب متٰی یقوم الناس للصلاة: ۲۲۱/۱(ح:۶۰۵-۶۰۶) قدیمی

(۵)　فتح الباری،کتاب الأذان،باب متٰی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۱۵۳/۲،قدیمی

(۶)　الصحیح لمسلم،کتاب المساجد،باب متٰی یقوم الناس للصلاة (ح:۶۰۶)انیس

''أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن:اللّٰه أكبر،يقومون إلى الصلاة فلا يأتى النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم مقامه حتىٰ تعتدل الصفوف''.

قال المؤلف:ويمكن حمل حديث جابررضى اللّٰه تعالىٰ عنه علىٰ ما بعد النبى أيضاً.

أما حديث أبى هريرة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه الذى أخرجه البخارى بلفظ:''أقيمت الصلاة فيسوى الناس صفوفهم،فخرج النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم''.

ولفظه فى مستخرج أبى نُعيم:''فصف الناس صفوفهم،ثم خرج علينا''.

ولفظه عند مسلم:''أقيمت الصلاة،فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم''.

فيجمع بينه وبين حديث أبى قتادة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه بأن ذلك ربما وقع لبيان الجواز،و بأن صنيعهم فى حديث أبى هريرة كان سبب النهى عن ذلك فى حديث أبى قتادة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه،وأنهم كانوا يقومون ساعة تُقام الصلاة،ولولم يخرج النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم،فنهاهم عن ذلك لاحتمال أن يقع له شغل يبطى فيه عن الخروج فيشق عليهم انتظاره،الخ.

وبالجملة إذا لم يكن الإمام مع القوم فالجمهورعلىٰ أنهم لايقومون حتىٰ يروه بمقتضىٰ حديث المتن.(كما فى العمدة للعينى:٢/٢٧٦)(١)

''وهوقولنا معشرالحنفية.أثرأنس فى الظاهردليل لزفر،وفى المعنىٰ دليل للطرفين إذا أريد بالقيام القيام بحقيقة الصلاة،وهوالتكبير،وأما القيام من الجلوس،فلا بد أن يتقدمه،والأمرفى كل ذلك واسع،واللّٰه تعالىٰ أعلم''.

وقال العلامة الطحطاوى:الظاهرأنه احترازعن التأخيرلا التقدم،حتىٰ لوقام أول الإقامة لا بأس،وحرر،الخ''.(٢)(إعلاء السنن،ص:٣٥٦-٣٥٨)(٣)

موطأ امام محمد کے حاشیہ پر طویل بحث کے بعد لکھا ہے:

''والأمرفى هذا الباب واسع ليس له حد مضيق فى الشرع،واختلاف العلماء فى ذلك لاختيارالأفضل بحسب ما لاح لهم،الخ''.(۴)

---

(١) قال البدرالعينى:''وإذا لن يكن الإمام فى المسجد فذهب الجمهورإلىٰ أنهم لايقومون حتىٰ يروه''.(عمدة القارى:٥/٢٢٥،كتاب الأذان،باب متىٰ يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة،دارالكتب العلمية،بيروت)

(٢) حاشية الطحطاوى على الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:١/٢١٥،دار المعرفة، بيروت

(٣) إعلاء السنن،أبواب الإمامة،باب وقت قيام الإمام والمأمومين للصلاة :٤/٣٢٥-٣٢٨،إدارة القرآن،كراچی

(۴) التعليق الممجد علىٰ موطأ إمام محمد، باب تسوية الصفوف،ص:٨٧،حاشية:٢،ميرمحمد كتب خانه

مندوبات پر اصرار کرنا اوران کو وجوب کا درجہ دینا جائز نہیں؛ بلکہ اس سے کراہت آجاتی ہے،(۱) اور جس مندوب سے ترکِ واجب ہوتا ہو اس کا ترک واجب ہوتا ہے، لہٰذا جب کہ تسویہ صفوف میں خلل پڑتا ہو تو اول اقامت سے قیام کر کے تسویۂ صفوف کرلیا جائے، ایسی حالت میں کوئی کراہت کسی قول کے مطابق نہیں، واجب پہچاننے کا معیار دلیل ہے، جس درجہ کی دلیل اسی درجہ کا حکم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۹/۷/۱۳۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۵-۴۷۹/۵)

”حی علی الفلاح“ کہنے کے وقت امام کا کھڑا ہونا:

سوال: بعض پیش امام اقامت کہتے وقت مصلے سے جدا کھڑے رہتے ہیں، جب ”حی علی الفلاح“ پڑھا جاتا ہے، اس وقت مصلے پر آ کر کھڑے ہوتے ہیں، اس کی بابت کیا مسئلہ ہے؟

الجواب

قال فی مراقی الفلاح: ومن الآداب قیام القوم والإمام إن کان حاضرًا بقرب المحراب حین قیل أی وقت قول المقیم ”حی علی الفلاح“ الخ. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ادب نماز کا یہ ہے کہ اگر امام اقامت کے وقت موجود ہو تو امام اور تمام مقتدی ”حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ“ پر کھڑے ہوں؛ اس سے پہلے بیٹھے رہیں، باقی اس سے پہلے مصلے سے الگ کھڑے رہنا؛ اس کی کوئی اصل نہیں۔ (۳) واللہ اعلم

۳/ رمضان ۱۳۴۰ھ۔ (امداد الاحکام: ۸۵-۸۴/۲) ☆

(۱) قال الطیبی فی حاشیة المشکوٰة: فیه أن من أصر علیٰ أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علیٰ بدعة أو منکر". (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب فی صفة الصلاة، ومنها استحباب الانصراف عن أحد الجانبین، قبیل فصل فی القراءة: ۲۶۳/۲، سهیل اکیڈمی لاهور) (کذا فی الکاشف عن حقائق السنن شرح المشکوٰة للطیبی، باب الدعاء فی التشهد: ۱۰۵۱/۳. انیس)

(۲) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی آدابها: ۲۷۷/۱. انیس

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول صفوں پر بیٹھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا انتظار کرنا تھا۔ انیس

☆ **جمعہ کی نماز کے لئے ”حی علی الفلاح“ پر کھڑا ہونا:**

سوال: مقتدیوں کو نمازِ جمعہ کے لئے خطبہ کے ختم ہوتے ہی کھڑا ہونا چاہئے یا امام کے مصلی پر جانے اور مکبر کے تکبیر کہنے کا انتظار کیا جائے، مسنون طریقہ کیا ہے؟　　==

"قد قامت الصلاة" پرسب مقتدیوں کا کھڑا ہونا:

سوال(۱) حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الصلاۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ ایک شخص اقامت کے وقت بیٹھا رہتا ہے اور "حی علی الصلاۃ" پر کھڑا ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو فرمایا: "لاحـــرج"، پھر پوچھا ایک شخص شروعِ اقامت سے کھڑا ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے، تو آپ نے فرمایا: "لاحرج".

حضرت سے دریافت طلب ہے کہ آیا یہ روایت صحیح ہے اور "کتاب الصلاۃ" سے کونسی کتاب مراد ہے؟ اس کتاب کا کیا نام ہے؛ جس کتاب الصلاۃ میں آپ نے فرمایا، یعنی باب الصلاۃ اور کتاب الصلاۃ سے مطلب نہیں ہے، مطلب کونسی کتاب ہے؛ جس میں آپ نے کتاب الصلاۃ میں یہ فرمایا؟

(۲) اوراس عبارت کا کیا مطلب ہے:

"عـن ابـن شهـاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: اللّٰه أكبر، يقومون إلى الصلاة، فلا يأتى النبى عليه السلام مقامه حتىٰ تعتدل الصفوف". (فتح البارى)(۱) بينوا و توجروا.

== الجواب ـــــــــــ حامداً و مصلياً

اصل تو یہ ہے کہ جس وقت مکبر "حی علی الفلاح" کہے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے، ((والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل "حى على الفلاح")، خلافاً لزفر، فعنده عند "حى على الصلاة" (إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهى إليه الإمام على الأظهر) آه". (الدر المختار متن الرد، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل الفصل: ۴۷۹/۱، سعيد) لیکن احادیث میں صفوف سیدھا کرنے کی نیز درمیان میں جگہ نہ چھوڑنے کی بہت تاکید آئی ہے اور عام طور پر لوگ مسائل سے ناآشنا ہیں، اس لئے تکبیر شروع ہونے سے پیشتر ہی یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کرلی جائیں، تاکہ تکبیر بھی سب سکون سے سن سکیں اور اس وقت کسی قسم کا شور نہ ہو۔ (عن أبى الزاهرية عن كثير بن مرة عن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنه، قال قتيبة: عن أبى الزاهرية عن أبى شجرة -لم يذكر ابن عمر- أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينوا بأيدى أخوانكم"- لم يقل عيسىٰ: "بأيدى إخوانكم" -"ولا تذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفاً وصله الله، ومن قطع صفاً قطعه الله". قال أبو داؤد: أبو شجرة كثير بن مرة". (سنن أبى داؤد، باب تسوية الصفوف: ۹۷/۱، دار الحديث، ملتان)

"عمرو بن مرة قال: سمعتُ سالم بن أبى الجعد قال: سمعتُ نعمان بن بشير رضى الله تعالىٰ عنه يقول: قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لتُسونّ صفوفكم، أوليخالفنّ الله بين وجوهكم". (صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف: ۱۰۰/۱، قديمى)) فقط والله سبحانه تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف۔ ۲۵/ربیع الاول/۱۳۵۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۹۷/۵-۴۹۸)

(۱) فتح البارى، كتاب الأذان، باب متىٰ يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۱۵۳/۲، قديمى

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) ”کتاب الصلاۃ“ کا قلمی نسخہ حیدرآباد دکن میں موجود تھا، جس میں مسئلہ کا عنوان یہ ہے کہ امام محمد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ ایک شخص اقامت کے وقت بیٹھا رہتا ہے اور ”حی علی الصلاۃ“ پر کھڑا ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو فرمایا: ”لا حرج“ پھر پوچھا ایک شخص شروع اقامت سے کھڑا ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”لا حرج“.(۱)

(۲) پہلے ایسا ہوتا تھا کہ تشریف آوری سے قبل ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صف بستہ کھڑے ہوجاتے، ارشاد ہوا کہ ”جب تک مجھے نہ دیکھ لو کہ میں آ گیا ہوں کھڑے مت ہوا کرو“ اس ارشاد پر معمول یہ ہو گیا کہ سب بیٹھے رہتے، جب حجرۂ مبارک سے پردہ اٹھتا اور روئے انور پر مؤذن کی نظر پڑتی وہ فوراً کھڑے ہوکر تکبیر شروع کر دیتے، جب ہی سب کھڑے ہوجاتے حتیٰ کہ مصلیٰ مبارک پر جب پہنچتے تو سب کھڑے ہوئے ملتے، نماز شروع ہوجاتی۔

”عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: إذا ”أقیمت الصلاة“ أی نودی بألفاظ الإقامة ”فلا تقوموا منتظرین للصلاة حتیٰ ترونی“ أی تبصرونی خرجتُ.

قال الحافظ فی الفتح: قال القرطبی: ظاهر الحدیث أن الصلاة تُقام قبل أن یخرج النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم من بیته ... بأن بلالاً کان یراقب خروج النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فأول ما یراه یشرع فی الإقامة قبل أن یراه غالب الناس، ثم إذا رأوه قاموا، فلا یقوم فی مکانه حتیٰ تعتدل صفوفهم.

فیجمع بینه وبین حدیث أبی قتادة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه بأن ذلک ربما وقع لبیان الجواز و بأن صنیعهم فی حدیث أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه کان سبب النهی عن ذلک فی حدیث أبی قتادة حدیث، وأنهم کانوا یقومون ساعة تُقام الصلاة ولو لم یخرج النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فنهاهم عن ذلک. (بذل المجهود شرح أبی داؤد)(۲) فقط (فتاویٰ محمودیہ: ۴۹۵/۵-۴۹۷)

---

(۱) قلت: متی یجب علی القوم أن یقوموا فی الصف؟ قال: إذا کان الإمام معهم فی المسجد فإنی أحب لهم أن یقوموا فی الصف إذا قال المؤذن: ”حی علی الصلاة“، وإذا قال: ”قد قامت الصلاة“ کبر الإمام و کبر القوم معه وأما إذا لم یکن الإمام معهم فإننی أکره، لهم أن یقوموا فی الصف والإمام غائب عنه وهذا قول أبی حنیفة ومحمد وأما فی قول أبی یوسف فإنه لا یکبر حتی یفرغ المؤذن من الإقامة، قلت: أرأیت إن أخر الإمام ذلک حتی یفرغ المؤذن من الإقامة ثم کبر و دخل فی الصلاة ؟ قال: لا بأس بذلک. (الأصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، باب افتتاح الصلاة ومایصنع الإمام: ۱۸/۱-۱۹. انیس)

(۲) بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب فی الصلاة تُقام ولم یأت الإمام ینتظرونه قعودًا: ۳۰۷/۱؛ مکتبة إمدادیة، ملتان

”حی علی الصلاۃ“ سے پہلے صف درست کرنے کے لیے کھڑے ہوجانا:

سوال: زید اور بکر میں چند دنوں سے اس بات پر بحث چل رہی ہے کہ آیا نماز میں کس وقت کھڑا ہونا چاہیے؟ زید کہتا ہے کہ جب مکبر ”حی علی الصلاۃ“ پر پہنچے، اس وقت کھڑا ہونا چاہیے، یہ مستحب ہے۔ قبل سے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے اور حوالہ میں مندرجہ ذیل کتب پیش کرتا ہے (١) شامی (٢) شرح وقایہ (٣) درمختار (۴) فتاویٰ عالمگیری (۵) بخاری شریف وغیرہا، لیکن بکر کا کہنا ہے کہ میں ان کتابوں کو نہیں مانتا ہوں۔

اب از روئے شرع مطلع فرمائیں کہ جو شخص ان کتب مستندہ اور صحاح ستہ کو نہیں مانتا، ایسے شخص کیلئے کیا حکم ہے؟

دوم جو مستحب پر مکروہ کو ترجیح دیتا ہے۔ شریعت مطہرہ اسے کیا کہتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

”حی علی الصلاۃ“ سے پہلے صف سیدھی کرنے کے لیے کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے اور ”حی علی الصلاۃ“ پر کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جبکہ پہلے سے صف سیدھی کر کرا کے بیٹھے ہوں، ورنہ تکبیر شروع ہوتے ہی اس طرح کھڑے ہوجانا چاہیے کہ تکبیر ختم ہوتے ہوتے انہیں سیدھی ہوکر تکبیر تحریمہ امام کے ساتھ مل جائے اور امام کو تکبیر ختم ہوتے ہی فوراً بلا فصل وتاخیر کے تحریمہ باندھ لینا چاہیے۔

مذکورہ تمام کتابیں حنفیہ کی سب مستند کتابیں ہیں، ان میں سے کسی کا بھی انکار سخت گستاخی اور غلطی ہے، (١) اور ان کتابوں میں درج شدہ کا حاصل وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ١١٠-١١١)

اگر بدعتیوں کے جماعت میں پھنس جائے، تو اقامت کے وقت کیا کرے:

سوال: تکبیر بیٹھ کر سننا اور ”حی علی الصلاۃ“ پر کھڑے ہونا ناجائز اور بدعت ہے، یا کہ نہیں اگر ایسی جگہ میں جائیں جہاں اس قسم کے بدعتی لوگ عمل کرتے ہوں، تو وہاں بیٹھ جائیں، تو کوئی شرعاً عیب یا گناہ تو نہیں؟

---

(١) وفی المحیط: حکی أن فقیهًا وضع کتابه فی دکان وذهب ثم مر علی ذلک الدکّان فقال صاحب الدکان: هٰهنا نسیت المنشار، فقال الفقیه: عندک کتاب لامنشار، فقال صاحب الدکان: النجار بالمنشار یقطع الخشب وأنتم تقطعون به حلق الناس أو قال حق الناس، فشکی الفقیه إلی الإمام الفضلی یعنی شیخ محمد بن الفضل فأمر بقتل ذلک الرجل، لأنه کفر باستخفاف کتاب الفقه، وفی التتمة: من أهان الشریعة أو المسائل التی لابد منها کفر. (شرح الفقه الأکبر، فصل فی العلم والعلماء: ٢١٢، المطبع الحنفی بالهند. انیس)

الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

تکبیر بیٹھ کر سننا واجب نہیں ہے، بلکہ جب امام نماز پڑھانے کے لیے نکلے، لوگ اس وقت کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلیں اور تیاری جماعت میں لگ جائیں اور "حی علی الصلاۃ" تک صفیں سیدھی کرلیں، یہ طریقہ سنت ہے۔ اگر یہ بدعتیوں کے جھرمٹ میں پھنس جائے تو غیر ضروری سمجھتا ہوا جب مناسب ہو کھڑا ہو جاوے، گنجائش سب کی ہے۔ صرف ایک شق کو ضروری سمجھنا غلط اور بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳/۳/۱۳۸۸ھ۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۰۷-۱۰۸) ☆

☆ اقامت میں مکروہ چیزیں:

۱۔ جس کا وضو نہ ہو یا جس پر غسل واجب ہو اس کی اقامت مکروہ تحریمی ہے لیکن کہنے کے بعد لوٹائی نہ جائے گی۔ (درمختار بر شامی: ۱/۲۶۳)

۲۔ عورت، مجنون، کم عقل، مدہوش، بے عقل بچہ اقامت کہہ دے تو لوٹائی نہ جائے گی۔ (درمختار بر شامی: ۱/۲۶۳)

۳۔ مسافر کو اقامت چھوڑنا مکروہ ہے گرچہ تنہا ہو۔ (درمختار بر شامی: ۱/۲۶۴)

۵۔ اذان ایک شخص اور اقامت دوسرا کہے اور اذان دینے والا اس سے ناراض ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو اقامت کہنا مکروہ ہے اور ناراض نہ ہو تو حرج نہیں ہے۔ لیکن جو اذان دے اسی کو اقامت کہنا افضل ہے۔

(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۰۷-انیس)

اذان واقامت کے متفرق مسائل:

۱۔ مؤذن اذان یا اقامت کہنے کے دوران بے ہوش ہو جائے یا مر جائے یا گونگا ہو جائے یا اس کی زبان نہ چلے اور کوئی تلقین کرنے والا بھی نہ ہو یا وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے بغیر پورا کئے وضو کرنے جائے تو از سر نو کہے (شامی: ۱/۲۶۳) لیکن وضو ٹوٹنے کی صورت میں پورا کر کے وضو کرنے جانا اولیٰ ہے (عالمگیری: ۱/۵۵)

۲۔ اذان و اقامت کے دوران مؤذن کو سلام کرنا مکروہ ہے اور مؤذن کے لئے بھی سلام وغیرہ کا جواب دینا مکروہ ہے۔ اور فارغ ہونے کے بعد بھی اس پر اس کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ (عالمگیری: ۱/۵۵)

۳۔ اذان و اقامت کہنے والے کو اذان یا اقامت کے دوران بات کرنا یا چلنا بھی نہیں چاہئے۔ (عالمگیری: ۱/۵۵)
لیکن ضرورت ہو تو حرج نہیں ہے۔

۴۔ اگر کسی کے سامنے قضا نماز تنہا پڑھ رہا ہو خواہ مسجد میں ہو یا دوسری جگہ تو اذان و اقامت آہستہ کہے تاکہ اس کی قضا ظاہر نہ ہو کیوں کہ گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے۔ (شامی وغیرہ)

۵۔ سفر میں سب ساتھی حاضر ہوں تو اذان مستحب ہے اور اقامت سنتِ مؤکدہ ہے، اقامت کا چھوڑنا مکروہ ہے اذان کا نہیں۔ خواہ سفر شرعی ہو یا عام بول چال والا۔ (شامی وغیرہ) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۰۷-۲۰۸-انیس)

اقامت میں بوقت کلمۂ شہادت، امام کا پیٹھ پھیرنا:

سوال: امام تکبیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر اپنی پشت ادباً پھیرے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر: ١٦٥، ٧/رمضان ١٣٥٢ھ م ٢٥/دسمبر ١٩٣٢ء)

الجواب

امام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر اپنی پشت نہ پھیرے، کیونکہ پشت پھیرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔(١)

محمد کفایت اللہ کان لہ۔(کفایت المفتی: ٣/٤٨)

☆☆☆

(١) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم اعظم آنے پر دعا کا ثبوت ملتا ہے، پشت پھیرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ روایتوں میں ہے کہ!

عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص أنه سمع النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم یقول: ''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علیّ فإنه من صلی علیّ صلاة صلی اللّٰہ علیه بها عشرًا ثم سلوا اللّٰہ لی الوسیلة فإنها منزلة فی الجنة ولاتنبغی إلا لعبد من عباداللّٰہ وأرجو أن أکون أنا هو،فمن سأل لی الوسیلة حلت له الشفاعة''.(الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة،باب القول مثل قول المؤذن لم سمعه (ح: ٣٨٤)

ایک دوسری روایت میں ہے:

عن عمر بن الخطاب قال: إن الدعاء موقوف بین السماء والأرض لایصعد منه شیء حتی تصلی علی نبیک صلی اللّٰہ علیه وسلم. (سنن الترمذی،باب ماجاء فی فضل الصلاة علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم (ح: ٤٨٦)انیس)

اقامت کی جگہ

مکبّر کہاں کھڑا ہو:

سوال: فرائض کی تکبیر کیلئے مکبّر کا کہاں کھڑا ہونا مشروع ہے۔ بالکل محاذی امام کے یا دائیں بائیں، مستحب و مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

شرعاً اس میں کوئی تحدید نہیں ہے؛ یعنی اقامت کیلئے شرعاً کوئی جگہ محاذی امام یا جانب یمین وشمال معین نہیں ہے۔ حسب موقع وحسب ضرورت جس طرف اور جس موقع پر مکبّر کھڑا ہو کر تکبیر کہے درست ہے اور فقہا کا اقامت کیلئے کوئی جانب اور کوئی جگہ معین نہ کرنا یہی دلیل ہے؛ عدم تعیین وعدم تحدید کی۔ کسی فقہ کی کتاب میں جانب یمین یا شمال یا محاذات کی تخصیص مکبّر کیلئے نہیں کی گئی اور جو کچھ عوام میں مشہور ہے کہ اذان بائیں جانب اور تکبیر داہنی طرف ہو؛ یہ بے اصل ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۸۶) ☆

اقامت کس جگہ سے کہنی چاہئے:

سوال: کیا تکبیر صف کی دائیں جانب یا بائیں جانب یا دوسری صف یا تیسری صف یا جہاں سے مکبر کو سہولت ہو، دے سکتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ امام سے قریب دائیں جانب ہو۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد بشیر احمد۔ ۹/محرم ۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۷۸-۳۷۹)

☆ **تکبیر کس جانب سے کہی جاوے:**

سوال: تکبیر بائیں جانب جائز ہے یا نہیں، یا داہنی جانب ہی کہی جاوے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

تکبیر بائیں جانب بھی درست ہے، داہنی جانب کی کچھ تخصیص نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۱۶-۱۱۷) ==

تکبیر کہاں کھڑے ہوکر کہنا افضل ہے:

سوال: اقامت کے وقت مکبر کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بعض اس کو افضل کہتے ہیں، بندہ کو اس کی دلیل مطلوب ہے۔ براہ کرم تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب

امام کے پیچھے محاذاۃ میں کھڑے ہوکر تکبیر کہنے کا تعامل ہے، اس لئے یہی افضل ہوگا، (۱) جیسے تراویح کی بیس رکعت کے بعد اجتماعی دعا منقول نہیں ہے، لیکن امت اور اکابر کے عمل کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے اور دعا مانگی جاتی ہے، علی ہذا عیدین کی نماز کے بعد تکبیر ثابت نہیں ہے، مگر توارث کی بنا پر تکبیر کہنے کی اجازت دی ہے، بعض نے واجب کہہ دیا ہے۔

ولابأس به عقب العيد لأن المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۷۸٦/۱، باب العيدين، قبيل باب الكسوف)

البتہ حسب ضرورت اور حسب موقع جس طرف اور جس موقعہ پر مکبر کھڑا ہوکر تکبیر کہے درست ہے، شرعی ضرورت کے بغیر ادھر ادھر کنارے پر کھڑے ہوکر تکبیر کہنے کی عادت خلاف اولیٰ ہے، مگر تکبیر قابل اعادہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴۵/۵۔ نیز ۳۳۴/۴-۳۳۵)

== ... فمثلاً إذا صلى رجلان جماعة فإن المأموم ينبغي أن يقف إلى يمين الإمام ولكنه إذا وقف إلى يساره يكون يساره يكون مسيئاً وتجوز صلاته. (الأصل للشيباني، مطلب ينبغي، مقدمه، ط: قطر: ۲۵٦. انيس)

(ويقف الأكثر من واحد) صادق بالإثنين وكيفيته أن يقف واحد بحذائه والآخر عن يمينه ولو جاء واحد وقف عن يسار الأول الذى هو بحذاء الإمام فيصير الإمام متوسطاً ويقف الرابع عن يمين الواقف الذى هو عن يمين من بحذاء الإمام والخامس عن يسار الثالث وهكذا فإذا استوى الجانبان يقوم الجائى عن جهة اليمين وأن ترجح اليمين يقوم عن يسار، قهستاني. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى بيان الأحق بالإمامة: ۳۰۵. انيس)

(۱) وأفضل مكان المأموم إذا كان رجلاً حيث يكون أقرب إلى الإمام لقول النبى صلى الله عليه وسلم: "خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها" وإذا تساوت المواضع فى القرب إلى الإمام فعن يمينه أولىٰ لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يحب التيامن فى الأمور. (بدائع الصنائع، فصل فى بيان مقام الإمام والمأموم: ۱۵۹/۱، المحيط البرهانى، الفصل السابع فى بيان مقام الإمام: ۴۲۳/۱. انيس)

قال المهلب: التيامن فى الأكل والشرب وجميع الأشياء من السنن، وأصله ما أثنى الله به على أصحاب اليمين فى الآخرة. (شرح صحيح البخارى لابن بطال، باب هل يستأذن الرجل من على يمينه: ۷۴/٦)

قال الطيبى: وفيه استحباب التيامن فى كل ماكان من أنواع الإكرام. (شرح المشكوٰة الكاشف عن حقائق السنن: ۲۸۸۰/۹. انيس)

اقامت پہلی صف سے ضروری نہیں:

سوال: مؤذن اقامت اول صف میں پڑھے، یا جس صف میں چاہے، مستحب کیا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

جس صف میں ہو؛ اسی میں اقامت پڑھ سکتا ہے، اس میں کچھ قید نہیں ہے اور صف اول میں ہونا ضروری نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۰۲/۲)

اذان بائیں سے اور تکبیر دائیں سے کہنے کی کچھ حقیقت نہیں:

سوال: اذان بائیں طرف اور تکبیر داہنی طرف کھڑے ہوکر پڑھنا مشہور ہے اور اس پر اکثر اہل علم کا تعامل دیکھا جاتا ہے، بلکہ اس قید وتخصیص کو ضروری وشرعی سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کرنے والے کو ملامت کرتے ہیں اور دعا کے وقت امام کا بائیں طرف منہ کرکے بیٹھنا نہایت ہی مذموم سمجھتے ہیں۔اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

اذان بائیں طرف اور اقامت داہنی طرف ہونے کی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور کسی حدیث وفقہ کی کتاب میں نہیں ہے، یہ بات غلط مشہور ہے۔ ورنہ ان لوگوں کو جو ایسا کہتے ہیں کوئی دلیل لانی چاہئے۔ بلا دلیل اپنی طرف سے شریعت میں ایسی قیدیں لگانا درست نہیں ہے، یہ یاد رکھنے کی بات ہے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸۸/۲-۸۹) ☆

(۱) ويقيم على الأرض هكذا في القنية،وفي المسجد،هكذا في البحر الرائق.(الفتاویٰ الهندية،باب الأذان،الفصل الثاني:٥٤/١،ظفير)

(۲) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهورد".(الصحيح لمسلم،كتاب الأقضية،باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور.رقم الحديث:١٧١٨)انيس)

☆ **تکبیر داہنی جانب اور اذان بائیں جانب ہو اس کا کوئی ثبوت نہیں:**

سوال: تکبیر داہنی جانب ہونی چاہئے یا بائیں جانب؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اذان بائیں جانب ہو اور تکبیر داہنی جانب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا، اس میں ثواب زیادہ ہے۔اس کے برعکس کرنا ثواب میں کمی کرنا ہے۔ دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں امر مساوی ہیں تعین کرنا بدعت ہے، کیونکہ اس کی تعیین ثابت نہیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

یہ مشہور بے اصل ہے، شریعت میں اس کا کچھ حکم نہیں کہ اذان بائیں جانب ہو اور اقامت داہنی جانب ہو، ==

اقامت کے لئے جگہ کی کوئی تعیین نہیں ہے:

سوال (۱) اگر مجبوراً امام کو خود اقامت کہنی پڑے، تو اپنی جگہ پر کہے یا مقتدیوں کی صف میں آکر پوری تکبیر کہے یا'' قد قامت الصلاۃ'' کے بعد نماز شروع کر دے؟

(۲)　کیا دوسری صف میں اقامت کہنا جائز ہے؟

الجواب ——————— وباللّٰہ التوفیق

(۱) امام اپنی جگہ پر پوری تکبیر کہہ کر نماز شروع کرے۔(۱)

(۲)　دوسری صف میں اگر تکبیر کہی جائے تو بھی جائز ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۵/۶/۵/۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۱۲۰)

اقامت کے لئے کسی جہت صف کی تعیین نہیں:

سوال:　تکبیر داہنی طرف امام کے ہونی چاہئے یا پشت پر یا بائیں جانب؟ کونسی جگہ افضل اور جائز ہے؟

(المستفتی نمبر: ۱۶۵، ۷/رمضان ۱۳۵۲ھ)

الجواب ———————

تکبیر کے لئے کوئی جہت اور کوئی صف متعین نہیں ہے۔(۳)

جواب دیگر:　مسجد میں اذان ایسی جگہ کہنی چاہئے جہاں سے آواز زیادہ نمازیوں کو پہنچے۔ خواہ جنوب میں ہو یا شمال میں۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان لہ۔ (کفایت المفتی: ۳/۴۷-۴۸)

== بلکہ جس طرف اتفاق ہو اذان و اقامت درست ہے کچھ کراہت کسی جانب میں نہیں ہے۔ جس نے داہنی جانب تکبیر کہنے میں ثواب زیادہ بتلایا ہے، ان سے دریافت کیا جاوے کہ کسی فقہ میں آپ نے کوئی تصریح دیکھی ہے؛ یا حدیث میں یہ بات ہے، یہ بات تو دوسری ہے کہ داہنی طرف کھڑے ہونے والے مقتدی کو زیادہ ثواب حدیث سے ثابت ہے۔ مگر اقامت داہنی طرف ہونے میں زیادہ ثواب ہونا کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم: ۲/۱۱۹-۱۲۰)

(۱-۲)　اس لئے کہ تکبیر کے لئے شرعاً کوئی جگہ متعین نہیں ہے۔[مجاہد]

ویقیم علی الأرض هكذا في القنية وفي المسجد هكذا في البحر الرائق. (الفتاوىٰ الهندية، باب الأذان، الفصل الثاني: ۱/۵٦)

(۳)　المرجع السابق. (الفتاوىٰ الهندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما: ۱/۵٦، ط ماجدية) والسنة الأذان في موضع عالٍ والإقامة على الأرض. (قنية المنية، باب الأذان: ۱۲، ط: كلكته. انيس)==

درمیان صف میں اقامت کہے تو اس کا کیا حکم ہے:

سوال: نمازی زیادہ ہوں تو اقامت کہے۔ صف اول میں یا درمیانی صف میں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نمازی کم ہوں اور صف اول میں تکبیر کہنے سے سب کو آواز پہونچی ہو تو تکبیر (اقامت) صف اول میں کہنا بہتر ہے۔ ہاں اگر سب کو آواز نہ پہنچے اور درمیان کی کسی صف میں تکبیر کہی جائے کہ جس کی وجہ سے آگے پیچھے سب نمازی سن سکیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۹۱/۴)

چلتے ہوئے تکبیر شروع کرنا کیسا ہے:

سوال: اگر مؤذن تکبیر کو چلتے ہوئے شروع کردے اور اپنی جگہ پر پہنچ کر پوری کرے، تو یہ خلافِ سنت ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ خلافِ اولیٰ وخلاف سنت ہے۔ إلا أن یکون أحیاناً عن ضرورة.

قال فی الدرالمختار: ویستقبل غیر الراکب القبلة بهما ویکره ترکه تنزیهًا، الخ. (۱)

ظاہر ہے کہ چلتے ہوئے کبھی استقبال قبلہ بھی ترک ہوجاتا ہے۔

(قوله غیر الراکب) عبارة الإمداد: إلا أن یکون راکباً مسافرًا لضرورة السیر، الخ. (ردالمحتار) (۳)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰۸/۲)

☆☆☆

== ویسن الأذان فی موضع عالٍ والإقامة علی الأرض. (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۴۳/۱)

(۴) وفی الهندیة: "والسنة أن یؤذن فی موضع عال یکون أسمع لجیرانه ویرفع صوته". (باب الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة وکیفیتهما: ۵۵/۱، ط: ماجدیة)

حاشیه صفحه هذا:

(۱-۲) رد المحتار، باب الأذان: ۳۶۱/۱۔

اس کے بعد مذکور ہے:

"لأن بلالا أذن وهو راکب ثم نزل وأقام علی الأرض". (رد المحتار، باب الأذان: ۳۶۱/۱، ظفیر)

کلماتِ اقامت کی تعداد

تکبیر میں کلمات اذان کی تکرار:

سوال: عموماً ہم تکبیر کو دو دفعہ کہتے ہیں، کیا ایک دفعہ تکبیر کو کہنا جائز ہے اور "قد قامت الصلاۃ" دو دفعہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

عندالحنفیہ تکبیر مثل اذان کے یعنی اللہ اکبر اول چار دفعہ اور باقی کلمات دو دو دفعہ کہنا چاہئے اور "قد قامت الصلاۃ" بھی دو دفعہ کہنا چاہئے، ایک ایک دفعہ کہنا کلمات تکبیر کا مذہب حنفیہ کا نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۹۸/۲)

اذان واقامت کے کلمات دو دو بار ہیں، یا ایک ایک بار:

سوال: اذان اور اقامت کے کلمے دو دو بار کہنا درست ہے یا ایک ایک بار کہنا درست ہے؟

هو المصوب

اذان واقامت کے کلمات دو دو بار کہے جائیں گے، اذان مثل اقامت کے ہے، سوائے اس کے کہ اقامت میں الفاظ اقامت (۲) ہیں۔(۳)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۹٦/۱)

---

(۱) والإقامة مثل الأذان عندنا،الخ،ولنا ماروى أبوداؤد عن ابن أبى ليلىٰ عن معاذ،الخ.(غنية المستملى:۳۵۹/۱،ظفير)

أخرجه عبدالرزاق فى المصنف،باب بدء الأذان (ح: ۱۷۸۸)/وأبوبكربن أبى شيبة،باب ماجاء فى الأذان والإقامة كيف هو (ح:۲۱۱۸)/وأبوداؤد،باب كيف الأذان (ح:۵۰٦)/وابن أبى عاصم فى الآحادوالمثانى (ح:۱۹۳۹)انيس)

(۲) "قد قامت الصلاة،قد قامت الصلاة".انيس

(۳) عن أنس قال:أمر بلال أن يشفع الأذان وأن يوتر الإقامة إلا الإقامة (أى لفظ قد قامت الصلاة فإنى يثنى).(صحيح البخارى،كتاب الأذان،باب الأذان مثنىٰ مثنىٰ.رقم الحديث:۶۰۵)

عن معاذ قال:جاء رجل من الأنصارإلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال:إنى رأيت فى النوم كأنى مستيقظ أرىٰ رجلا نزل من السماء عليه بردان أخضران نزل علىٰ جذم حائط من المدينة فأذن مثنىٰ مثنىٰ ثم جلس ثم أقام فقال مثنىٰ مثنىٰ.(مسند الإمام أحمد بن حنبل،رقم الحديث:۲۲۰۲۷)

حنفی مؤذن کی اذان اور شافعی مکبر کی تکبیر:

سوال: ایک مسجد میں مؤذن حنفی المسلک اور بقیہ لوگ شافعی ہیں، اذان حنفی دیتا ہے، تکبیر شافعی کہتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

هـو المصـوب

دریافت کردہ صورت میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔(۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۹۸)

اقامت میں دوکلموں کوملانا:

سوال: اقامت میں "حی علی الصلاۃ" و"قد قامت الصلاۃ" کسرہ کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

هـو المصـوب

"قد قامت الصلوٰۃ" میں صلوٰۃ کی تا پر کسرہ پڑھنا درست نہیں، بلکہ وقف کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔(۲)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۹۸)

تکبیر میں "قد قامت الصلاۃ" کے دونوں کلمے ایک سانس سے کہے یا دو سے:

سوال (الف): تکبیر کس طرح پڑھنی چاہئے، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہر دو کلمے اکٹھے پڑھے، سوائے "قد قامت الصلاۃ" کے، کہ ان کے درمیان سانس توڑے۔ (بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

(ب) اور بندہ تکبیر میں "اللّٰــه أكبرُ اللّٰه أكبرْ" پڑھتا ہے، یعنی پہلے اکبر پر پیش اور دوسرے پر جزم، اسی طرح دوسرے کلمے بھی ملا کر پڑھے جاتے ہیں، ان کلمات کے پہلے کلمہ کے آخری حرف پر پیش دوسرے پر جزم، پڑھتا ہوں، تو وہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں۔

(ج) اور تکبیر میں دائیں بائیں منہ پھیرنا امداد الفتاویٰ جلد اول میں لکھا ہے، وہ کہیں بھی شائع نہیں، کیا وجہ ہے، کوئی اختلاف ہے۔　　(رب بھروسے عطر فروش، مین بازار میانچول، ضلع ملتان)

---

(۱) ومنها: أن من أذن فهو الذي يقيم وإن أقام غيره فإن كان يتأذى بذلک يكره لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لايتاذى به لايكره. (بدائع الصنائع: ۱/۳۷۵)

(۲) وفي الإمداد: ويجزم الراء أي يسكنها في التكبير، قال الزيلعي يعني على الوقف لكن في الأذان حقيقة وفي الإقامة ينوي الوقف ... ومرفوعا إلى النبي صلى الله عليه وسلم قال: الأذان جزم والإقامة جزم والتكبير جزم. (رد المحتار على هامش الدر المختار، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث "الأذان جزم": ۲/ ۵۱)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

(الف) ''قد قامت الصلاۃ'' دومرتبہ ایک ہی سانس میں ہے، کیونکہ پوری اقامت میں حَدَر مطلوب ہے۔

درمختار میں ہے:

(هى)أى الإقامة وكذا الإمامة (أفضل منه)،فتح، (ولايضع)المقيم (أصبعيه فى أذنيه) لأنها أخفض(ويحدر)بضم الدال أى يسرع فيها فلوترسل لم يعدها فى الأصح. (ردالمحتار: ۲۸٦/۱)(۱)

حدر اور ترسل متقابل ہیں، اذان میں ترسل مطلوب ہے اور اقامت میں حدر، چونکہ ''قد قامت الصلاۃ'' کا استثنا نہیں کیا، اس لئے پوری اقامت میں حدر ہوگا اور مشکوٰۃ شریف والی حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے۔

(ب) پہلے ''اللّٰہ أکبر'' کی رآء کو ساکن پڑھے، باقی کلمات میں بھی پہلے کلمہ کے اخیر کو ساکن پڑھے۔

وفى الإمداد:يجزم الراء أى يسكنها فى التكبير.

وحاصلها: أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبر الأول أويصلها بـ الله أكبر الثانية فإن سكنها كفى وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة. (ردالمحتار،باب الأذان: ۲۸٤/۱)

(ج) بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ ۱۳۹۵/۱۰/۲۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۳٦/۲۔۲۳۷)

اقامت کے کلمات:

سوال: برسوں اس مسجد اور شہر کی دیگر مساجد میں جو حنفی المسلک ہیں، اقامت میں ''اللّٰہ أکبر'' چار بار، دیگر کلمات دو بار اور اخیر میں ''لا إلٰہ إلا اللّٰہ'' ایک بار کہا جاتا رہا ہے، صدر انتظامی کمیٹی کا اصرار ہے کہ ''اللّٰہ أکبر'' دو بار اور دیگر کلمات صرف ایک بار کہے جائیں، اس سلسلہ میں احناف کا مسلک کیا ہے؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟

(خواجہ حبیب الدین، سالار جنگ کالونی)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

احناف کا مسلک یہی ہے جو آپ نے ذکر کیا ہے کہ تکبیر چار دفعہ کہی جائے اور ''لا إلٰہ إلا اللّٰہ'' ایک دفعہ اور باقی کلمات دو دو مرتبہ، چنانچہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اقامت کے سترہ کلمات سکھائے، (۲) اور سترہ کلمات اسی تفصیل کے مطابق ہو سکتے ہیں۔

---

(۱) الدرالمختار،باب الأذان،قبيل مطلب فى أذان الجوق: ۳۸۸/۱۔۳۸۹،دارالفكربيروت انيس

(۲) سنن أبي داؤد،رقم الحديث: ۵۰۰،باب كيف الأذان

دوسرے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ جنہوں نے سب سے پہلے خواب میں اذان کے کلمات سنے اور اسی خواب کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا فیصلہ فرمایا، ان سے بھی مروی ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جوڑے جوڑے ہوا کرتے تھے۔

" كان أذان رسول الله شفعًا شفعًا في الأذان والإقامة ". (١)

اس لئے آپ کے صدر صاحب کو چاہئے کہ ایسا کام نہ کریں، جس سے لوگوں میں انتشار اور اختلاف پیدا ہو۔

(کتاب الفتاویٰ: ٢/ ١٥٣-١٥٤) ☆

حنفی اور واقف کے لیے، تکبیر و اقامت میں ایک مرتبہ ”حی علی الصلاۃ“ ”حی علی الفلاح“ کہنا:

سوال: [ایک شخص] بروقت کہنے تکبیر کے، ”حی علی الصلاۃ“ اور ”حی علی الفلاح“ ایک ایک مرتبہ کہتا ہے، یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

ایک ایک بار ”حی علی الصلاۃ“، ”حی علی الفلاح“ کہنا مذہب شافعیؒ، مالکؒ میں ہے، (١) مگر یہ شخص یا جاہل ہے یا غیر مقلد۔ لہٰذا اس کی یہ حرکت بوجہ نفسانیت و ہوا کے ہے، بیجا ہے۔ واللہ اعلم

(مجموعہ کلاں، ص: ١٢٩-١٣٠) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ١٤٢)

(٣) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ١٩٤، باب ما جاء في أن الإقامة مثنیٰ مثنیٰ

☆ اقامت کے کلمات کی تعداد:

سوال: اقامت کے گیارہ یا سترہ کلمات ٹھیک ہیں کبھی سترہ تو کبھی گیارہ پڑھنا چاہئے؟

هو المصوب

دونوں طرح درست ہے، احناف کے یہاں ایک ایک کلمہ کو لوٹا کر پڑھنا (یعنی سترہ کلمات) افضل ہے اور شوافع کے یہاں بغیر لوٹائے؛ یعنی گیارہ کلمات افضل ہے۔ (وأما الإقامة فمثنیٰ مثنیٰ عند عامة العلماء كالأذان وعند مالك والشافعي فرادى فرادى إلا قوله" قد قامت الصلاة". (بدائع الصنائع: ١/ ٣٦٦)

والإقامة سبع عشرة كلمة خمس عشر منها كلمات الأذان وكلمتان قوله" قد قامت الصلاة" مرتين، كذا في فتاویٰ قاضيخان. (الفتاویٰ الهندية: ١/ ٥٥)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ١/ ٣٩٧)

(١) قال الشافعي في المشهور عنه وأحمد: الإقامة أحد عشر كلمة كلها تفرد، إلا ذكر الإقامة، ==

”حی علی الصلاۃ“ چار مرتبہ کہنا:

سوال: تکبیر کہتے وقت ”حی علی الصلاۃ“ چار مرتبہ پڑھنے سے تکبیر ہو جاتی ہے یا کچھ کمی رہتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

”حی علی الصلاۃ“ چار مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ ہے، چار مرتبہ غلط ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۴۱۹/۵)

☆☆☆

== يذكر مرتين فيقول: الله أكبر مرتين أشهد أن لا إله إلا الله ، أشهد أن محمداً رسول الله،حی على الصلاة،حی على الفلاح ، قدقامت الصلاة مرتين ،الله أكبر مرتين،لا إله إلا الله.وقال الشافعی فی القول الآخر كمذهب مالک:الإقامة عشر كلمات فذكر الإقامة فيها مفردة ، الله أكبر مرتين،أشهد أن لا إله إلا الله ، أشهد أن محمداً رسول الله،حی على الصلاة،حی على الفلاح، قد قامت الصلاة،الله أكبر مرتين،لا إله إلا الله.(اختلاف الأئمة العلماء،باب الأذان:۹۱/۱)كذا فی المدونة،ماجاء فی الأذان والإقامة: ۱۵۸/۱ /وكذا الإقناع للماوردی،باب الأذان:۳۵/۱.انیس)

(۱) عن أبی محذورة أن نبی الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علمه هذا الأذان:"الله أكبر،الله أكبر،الله أكبر،الله أكبر، أشهد أن لا اله إلا الله ،أشهد أن لا إله إلا الله،أشهد أن محمدًا رسول الله ، أشهد أن محمدًا رسول الله، ... حی على الصلاة،حی على الصلاة،حی على الفلاح، حی على الفلاح،الله أكبر الله أكبر".(مشكوٰة المصابيح،كتاب الصلاة،باب الأذان، الفصل الأول:٦٣/١.قديمی/أخرجه مسلم فی الصحيح،باب صفة الأذان (ح:۳۷۹)انیس)

اقامت کے آداب

تکبیر سے پہلے بسم اللہ:

سوال: ایک شخص وقت شروع کرنے تکبیر جماعت کے پہلے بسم اللہ پڑھ کر تکبیر شروع کرتا ہے، دوسرا شخص کہتا ہے یہ نا جائز ہے؟

الجواب

اس میں کچھ حرج نہیں ہے؛ ہر ایک کام کے اول میں بسم اللہ کہنا بہتر اور افضل ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۹۶/۲)

اقامت سے پہلے درود شریف:

سوال: ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ اقامت سے پہلے درود شریف پڑھے، کیا حدیث میں ایسا کرنا ثابت ہے

(محمد عبدالواحد، پالونچہ)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجنا نہایت اجر وثواب کا کام ہے، لیکن اقامت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں درود شریف پڑھنا ثابت نہیں، (۲) حدیث کی کتابوں میں اذان واقامت کے ابواب موجود ہیں۔

---

(۱) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: کل کلام أو أمر ذی بال لا یفتح بذکر الله عزوجل فهو أبتر أو قال أقطع.(مسندالإمام أحمد،صحیفة همام بن منبه (ح:۸۶۹۷)انیس)

(۲) لا کلام فی أنّ الصلاة والسلام علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عقب الأذان مطلوبان شرعًا لو رود الأحادیث الصحیحة ...إنما الخلاف فی الجهر بهما علی الکیفیة المعروفة والصواب أنها بدعة مذمومة بهذه الکیفیة التی جرت بهما عادة المؤذنین من رفع الصوت بهما کالأذان والتمطیط والتغنی فإنّ ذلک إحداث شعار دینی علیٰ خلاف ما عهد عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وأصحابه والسلف الصالح من أئمة المسلمین ولیس لأحد بعدهم ذلک ... ومن ثم قال العلامة ابن حجر فی فتاویه الکبریٰ:من صلی علی النبی صلی الله علیه وسلم قبل الأذان أو قال محمد رسول اللّٰه بعده معتقدًا سنیته فی ذلک المحل ینهی ویمنع منه لأنه تشریع بغیر دلیل ومن شرع بغیر دلیل یزجر ویمنع.(الأبداع فی مضار الابتداع: ۷۷-۷۸،ط: المکتبة العلمیة، المدینة المنورة)

اسی طرح فقہ حنفی کی کتب میں بھی اذان واقامت سے متعلق ایک ایک حکم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اس میں اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں۔

ہاں! عام حالات میں جتنا درود پڑھا جائے؛ کم ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۴۷-۱۴۸)

تکبیر اقامت درود پڑھ کر بآواز بلند کہنا:

سوال: تکبیر (اقامت) درود پڑھ کر کہنا وہ بھی بآواز بلند کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــ وباللہ التوفیق

یہ ثابت نہیں ہے، عبادات میں وہی کام کرنا چاہئے؛ جو حدیث وفقہ سے ثابت ہو، بالخصوص فرائض میں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ۔۲۱/۱۱/۱۳۴۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۱/۴۵)

جماعت کے وقت مؤذن کا بآواز بلند درود شریف پڑھنا:

سوال: بعض جگہ یہ دستور ہے کہ جس وقت نماز کے واسطے جماعت کھڑی ہوتی ہے تو مؤذن تکبیر پڑھنے سے پہلے بآواز بلند درود شریف پڑھتا ہے پھر اس کے ملحق تکبیر پڑھتا ہے اور ہر جماعت کے وقت یہی دستور اختیار کیا جاتا ہے آیا یہ طریقہ شرعاً مستحسن ہے اور اس طریقہ کے لئے شرعی ثبوت موجود ہے، اگر شرعی ثبوت نہیں ہے، تو یہ فعل کیسا ہے؟

(المستفتی نمبر:۲۳۹۶، چودھری اسلوب الٰہی صاحب، دہلی، ۱۳/جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ/۱۱/اگست ۱۹۳۸ء)

الجواب ـــــــــــــ

اقامت سے پہلے بآواز بلند درود شریف پڑھنا کہیں ثابت نہیں، نہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ صحابۂ کرام اور ائمہ عظام کے زمانے میں اور اگر اس کو ایک طریقہ دائمہ بنالیا جائے تو بدعت ہے۔(۲) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی:۳/۵۵-۵۶)

(۱) قال ابن نجيم رحمه الله: ولأن ذكر الله تعالىٰ إذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت أو بشيء دون شيء لم يكن مشروعاً حيث لم يرد الشرع به؛ لأنه خلاف المشروع.(البحر الرائق، باب العيدين:۲/۱۵۹)

(۲) عن عائشة قالت: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد".(البخاري، باب إذا اصطلحوا علىٰ صلح جوز:۱/۳۶۱، ط:قديمي كتب خانه، كراچي)

فائدة: التسليم بعد الأذان حدث في ربيع الآخر سنة سبعمأة وإحدىٰ ثمانين، الخ، وهو بدعة حسنة.(الدر المختار، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق:۱/۳۹۰، ط: سعيد كمپني)

اقامت میں دائیں بائیں کو مڑنا:

سوال: اقامت کے اندر بھی مثل اذان کے ''حی علی الصلاۃ'' و''حی علی الفلاح'' کہنے کے وقت داہنے اور بائیں منھ پھیرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

روایات کتب فقہ سے ظاہر ہے کہ اقامت مثل اذان کے ہے اور جو مواقع اختلاف کے ہیں ان میں فقہا و محققین نے تحویل وجہ کو نہیں لکھا، بلکہ تحویل وجہ میں اقامت کو مثل اذان کے قرار دیا ہے۔(۱)

لہٰذا راجح یہی ہے کہ تحویل وجہ اقامت میں بھی ہو، مگر چونکہ بعض علما نے اس علت سے کہ اقامت اعلام حاضرین کے لئے ہے، تحویل وجہ کو حیعلتین میں سنت نہیں سمجھا، اس لئے اس میں گنجائش ہے، لیکن جو علما اس تحویل کو سنت نہیں فرماتے؛ وہ بھی اس کو منع نہیں کرتے، بلکہ غایت یہ کہ ضروری نہیں فرماتے، تو اس اعتبار سے بھی فعل اس کا اولیٰ ہے، ترک سے۔ لہٰذا معمول بہ بنانا اس کو مناسب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۸۹-۹۰) ☆

(۱) والإقامة كالأذان فيمامر. (الدر المختار)

قال الشامي: ... أراد بمامر أحكام الأذان العشرة المذكورة في المتن وهي أنه سنة للفرائض وأنه يعاد إن قدم على الوقت وأنه يبدأ بأربع تكبيرات وعدم الترجيع وعدم اللحن والترسل والالتفات والاستدارة وزيادة ''الصلاة خيرمن النوم'' في أذان الفجر وجعل أصبعيه في أذنيه ثم استثنى من العشرة ثلاثة أحكام لاتكون في الإقامة فأبدل الترسل بالحدرو ''الصلاة خيرمن النوم'' بـ''قد قامت الصلاة'' وذكر أنه لايضع أصبعيه في أذنيه فبقيت الأحكام السبعة مشتركة. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنابر للأذان: ۱/ ۳۶۰، ظفير)

☆ اقامت میں دائیں بائیں چہرہ پھیرنا:

سوال: اذان کہتے ہوئے ''حی علی الصلاۃ'' پر دائیں طرف اور ''حی علی الفلاح'' پر بائیں طرف رخ کیا جاتا ہے، کیا اقامت کہتے ہوئے بھی اسی طرح دائیں اور بائیں رخ کرنا چاہئے؟ (محمد فیاض، یاقوت پورہ)

الجواب

اذان میں ''حي علی الصلاۃ'' اور ''حي علی الفلاح'' پر دائیں اور بائیں گردن موڑنا حدیث سے ثابت ہے۔

(چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ عمل احادیث میں موجود ہے: ''رأيت بلالا خرج إلى الأبطح، فأذن، فلما بلغ ''حي على الصلاة، حي على الفلاح''، لوى عنقه يمينا وشمالا ولم يستدر''. (سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۵۲۰، باب في المؤذن يستدير في أذانه، محشی)

لیکن اقامت میں اس طرح کہنا ثابت نہیں، وجہ اس کی ظاہر ہے کہ اذان میں دور کے لوگوں کو باخبر کرنا مقصود ہے، اس لئے دائیں بائیں رخ کیا جاتا ہے، تاکہ ہر طرف مؤذن کی آواز پہنچ جائے، اقامت کا مقصد جو لوگ مسجد میں موجود ہیں، صرف ان کو متوجہ کرنا ہے اور اس میں دائیں بائیں رخ کرنے کی حاجت نہیں؛ ==

اقامت میں دائیں بائیں مڑنے کا حکم:

سوال: اقامت میں بھی مثل اذان کے ’’حی علی الصلاۃ‘‘ اور ’’حی علی الفلاح‘‘ کے وقت دائیں بائیں منھ پھیرنا چاہئے یا نہیں، اکثر کتب متون وشروح فقہ میں لکھا ہے کہ: ’’الإقامة مثل الأذان أو مثله، الخ ‘‘ تو آیا مثلیت میں تحویل وجه اور التفات إلى اليمين والشمال داخل ہے یا نہیں؟

الجواب

ہاں اقامت میں بھی مثل اذان ’’حی علی الصلاۃ‘‘ اور ’’حی علی الفلاح‘‘ کے وقت منھ پھیرنا چاہئے، کیونکہ تحویل وجہ سنت ہے۔

(ويلتفت فيه) وكذا فيهامطلقًا (يمينًا ويسارًا) ... (بصلاة وفلاح) لأنه سنة الأذان مطلقًا. (الدر المختار)(١) والله أعلم (کفایت المفتی:٤٦/٣)

اقامت میں التفات ہے یا نہیں:

سوال: مؤذن اذان کہتے وقت ’’حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح‘‘ میں جس طرح منہ دائیں بائیں پھیر لیتا ہے، کیا اس طرح اقامت میں بھی ’’حی علی الصلاۃ‘‘ و ’’حی علی الفلاح‘‘ پر منہ دائیں بائیں پھیرلے؟

مولانا عبدالشکور صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) لکھنوی نے علم الفقہ :١٠/٢، میں صرف اذان میں ’’حی علی الصلاۃ ‘‘و ’’حی علی الفلاح‘‘ پر منہ دائیں بائیں پھیرنے کو مسنون لکھا ہے۔(٢)

لیکن صاحب درمختار دونوں کو مسنون کہتے ہیں، ان کی عبارت یہ ہے:

’’ويلتفت فيه، وكذا فيها مطلقاً ‘‘. (كتاب الصلاة، باب الأذان)(٣)

صحیح مسئلہ کیا ہے، وضاحت فرمائیں؟

== گو بعض فقہا نے اقامت میں بھی اذان کی مماثلت کی وجہ سے دائیں بائیں رخ کرنے کو کہا ہے، لیکن اکثر فقہا کے نزدیک زیادہ صحیح اور درست یہی رائے ہے کہ اقامت میں ’’حی علی الصلوٰۃ‘‘ اور ’’حی علی الفلاح‘‘ پر دائیں بائیں رخ کرنا مستحب نہیں۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ کہتے ہیں:

’’لايحول فيها لأنها إعلام للحاضرين‘‘. (البحر الرائق: ٢٥٨/١)

اور جوہرہ میں ہے: ’’هل يحول في الإقامة ؟قيل: لا؛ لأنها إعلام للحاضرين‘‘. (الجوهرة النيرة: ٢٦/١، طبع: دیوبند)

(کتاب الفتاویٰ: ١٤٨/٢-١٤٩)

(١-٣) الدر المختار على صدرردالمحتار، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث ’’الأذان جزم‘‘: ٣٨٧/١، ط: سعيد

(٢) علم الفقہ حصہ دوم، اذان اور اقامت کا مسنون طریقہ، ص: ١٥٥، دار الاشاعت اردو بازار، کراچی

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس میں دونوں قول ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اگر جگہ بڑی ہو تو دونوں طرف پھرالے ورنہ نہیں:

”وأطلق فی الالتفات، ولم یقیده بالأذان، وقدمنا عن القنیة أنه یحول فی الإقامة أیضًا، وفی السراج الوهاج: لا یحول فیها؛ لأنها لإعلام الحاضرین، بخلاف الأذان فإنه إعلام للغائبین، وقیل: یحول إذا کان الموضع متسعًا، الخ“. (البحر الرائق: ١/٢٥٨)(١) فقط والله تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند-١٢/٨/١٣٨٨ھ-

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ١٢/٨/١٣٨٨ھ- (فتاویٰ محمودیہ: ٥/٤٦٦)

اقامت میں ”قد قامت الصلاة“ بلند آواز سے کہنا کیسا ہے:

سوال: در اقامت لفظ ”قد قامت الصلوٰة“ را بلند کردن چہ حکم دارد؟ (٢)

الجواب ـــــــــــــــ

حرجے دراں نیست- (٣) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ٢/١٠٥)

قد قامت الصلاة پر وقف کرنا:

سوال: ”قد قامت الصلاة“ پڑھنے کی کیا کیفیت ہے؟ ہر کلمہ پر وقف ضروری ہے یا پہلے کلمہ کا وصل کر کے دوسرے پر وقف کیا جائے؟

الجواب ـــــــــــــــ

اذان اور اقامت پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کلمہ کو ساکن کر کے پڑھے، اذان میں حقیقتاً وقف کیا جائے اور اقامت میں بہ نسبت وقف ساکن پڑھا جائے، اسی طرح ”قد قامت الصلاة“ کو بھی دونوں مرتبہ بہ نیت وقف ساکن کر کے پڑھا جائے، البتہ اذان و اقامت کے تکبیرات میں ہر دو تکبیر ایک کلمے شمار ہوتا ہے-

---

(١) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٤٥٠، رشیدیة

(٢) خلاصۂ سوال: اقامت میں لفظ ”قد قامت الصلاة“ کو بلند کرنا کیسا ہے؟ انیس

(٣) خلاصۂ جواب: اس میں کوئی حرج نہیں ہے- انیس

والإقامة مثل الأذان إلا أنه یزید فیها بعد الفلاح ”قد قامت الصلاة“ مرتین، هکذا فعل الملک النازل من السماء وهو المشهور. (الهدایة، باب الأذان: ١/٨٣، ظفیر)

لما قال العلامة عالم بن علاء الأنصاری:یترسل فی الأذان ویحدرفی الإقامة ... الترسل أن یقول"اللّٰہ أکبر"ویقف ثم یقول مرة أخری مثله و کذلک یقف بین کلمتین إلی آخرالأذان و الحدرالوصل و السرعة.(الفتاویٰ التاتاخانیة: ۵۱۸/۱،باب الأذان)(۱)(فتاویٰ حقانیہ:۵۸/۳)

"قد قامت الصلاة" کی "تاء" پر کیا حرکت پڑھیں:

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ "قد قامت الصلاۃ،قد قامت الصلاۃُ،،("ۃ" پرضمہ کے ساتھ)پڑھا جائیگا ،اس کے خلاف نہیں، ورنہ اقامت ادانہ ہوگی۔دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ "قد قامت الصلاۃ" پڑھا جائے گا یعنی "ۃ" کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا،ایک فریق دوسرے فریق کو کہتا ہے کہ تمہارے طریقے کے مطابق اقامت ادانہ ہوگی۔ تواب کس فریق کا اعتبار کیا جائیگا اور صحیح کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

آخر والی "تاء" وقف اور سکتہ کی حالت میں "ھا" ہوجائے گی، لہٰذا اس پر نہ پیش پڑھا جائے گا نہ زیر، اصل کے اعتبار سے اس پر پیش تھا، جب کہ اس پر وقف وسکتہ نہ ہو، سکتہ کے بعد وہ ساکن ہے،(۲) زیر غلط ہے، ترکیب نحوی کے اعتبار سے "الصلاۃ"،"قد قامت،، کا فاعل ہے، جس پر پیش آئے گا، زیر غلط ہے، غلط سے پورا اجتناب کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۶۸/۵-۴۶۹)

امام کا "قد قامت الصلاۃ" پر ہاتھ باندھنا:

سوال: اگر کوئی امام تکبیر پوری نہ ہونے دے ہمیشہ "قد قامت الصلاۃ" پر نیت باندھ لے، تو کیسا ہے؟

---

(۱) قال العلامة الشرنبلالی: (یتمهل) یترسل فی الأذان بالفصل بسکتة بین کل کلمتین ویسرع أی یحدرفی الإقامة للأمربهما فی السنة.

قال السید أحمد الطحطاوی تحت(قوله بین کلمتین):أی جملتین إلا فی التکیرالأول فإن السکتة تکون بعد تکبیرتین(الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح:۱۵۷-۱۵۸،باب الأذان)

(۲) و فی الإمداد:ویجزم الراء:أی یسکنها فی التکبیر.قال الزیلعی:یعنی علی الوقف،لکن فی الأذان حقیقة وفی الإقامة ینوی الوقف،آہ:أی للحدر، وروی ذلک عن النخعی موقوفاً علیه ومرفوعاً إلی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم أنه قال:"الأذان جزم،والإقامة جزم،والتکبیرجزم" آہ.(رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی الکلام علیٰ حدیث"الأذان جزم":۳۸۶/۱، سعید)

الجواب

بہتر یہ ہے کہ تکبیر ختم ہونے پر امام نیت باندھے اور اگر "قد قامت الصلاۃ" پر نیت باندھے، تو یہ بھی جائز ہے اور متون کتب فقہ میں ایسا ہی لکھتے ہیں، مگر اولیٰ اول ہے۔ (١) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ١١٣/٢)

امام نماز کس وقت شروع کرے:

سوال: امام کو نماز کس وقت شروع کرنی چاہیے؟

الجواب

مستحب یہ ہے کہ امام نماز "قد قامت الصلوٰۃ" کے وقت شروع کرے، اگرچہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مقیم (اقامت کہنے والے) کی فراغت تک انتظار کرے، لیکن یہ اختلاف نفس استحباب میں ہے۔

قال العلامة حسن بن العمار الشرنبلالي: ومن الآداب شروع الإمام أی إحرامه مذ قيل أی عند قول المقيم: " قد قامت الصلاة" عندهما ـ وقال أبويوسف: يشرع إذا فرغ من الإقامة فلو أخرحتى يفرغ من الإقامة لا بأس به فی قولهم جميعاً. (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی، فصل آداب الصلوٰۃ: ٢٢٥)(٢)

(فتاویٰ حقانیہ: ١٠٦/٣-١٠٧)

امام کے عمامہ باندھنے سے پہلے اقامت ختم ہوگئی، تو کیا پھر تکبیر کہی جائے:

سوال: امام مصلی پر رومال یا عمامہ باندھ رہا تھا کہ مؤذن نے تکبیر ختم کردی، امام نے کہا پھر تکبیر کہو، آیا دوبارہ تکبیر کی ضرورت تھی یا نہیں؟

الجواب

دوبارہ تکبیر کہنے کی اس صورت میں ضرورت نہ تھی (٣) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ١١٦/٢)

---

(١) (وشروع الإمام) فی الصلاة (مذ قيل "قد قامت الصلوٰة") و لوأخرحتى أتمها لابأس به إجماعًا، الخ، وهو قول الثانی والثلاثة، وهوأعدل المذاهب، الخ، وفی القهستانی معزياً للخلاصة: أنه الأصح. (الدرالمختار)

لأن فيه محافظة علىٰ فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الأمام. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، آخر آداب الصلاة: ٤٤٧/١، ظفير)

(٢) المرجع السابق (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، قبيل فصل إذا أراد الشروع: ٤٧٩/١)

(وإذا قال) المقيم (حی على الصلاة) سيجیء مافيه (قام الإمام) بقرب المحراب (والجماعة) مسارعة لامتثال الأمر (وإذا قال: قد قامت الصلاة) الوأولى (شرعوا) وعندأبی يوسف إذا فرغ من الصلاة، وهوأعدل المذاهب قاله ابن الساعاتی وبه قالت الثلاثة. (الدرالمنتقى فی شرح الملتقى، كتاب الصلاة: ١٨٨/١، دارالكتب العلمية، بيروت. انيس)

(٣) صلى السنة بعد الإقامة أوحضرالإمام بعدها لايعيدها (بزازية) و ينبغی إن طال الفصل أووجد مايعد قاطعاً كأكل أن تعاد. (الدرالمختار)

==

تکبیر کے بعد دیر سے جماعت ہوتو تکبیر کا اعادہ کیسا ہے:

سوال: اقامت کے بعد امام نے کھانا کھایا، یا زیادہ دیر تک باتیں کیں تو نماز کے واسطے اعادہ اقامت کی حاجت ہے یا نہیں؟

الجواب

عبارت شامی کی ''لأن تكرارها غير مشروع إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير''.(۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں اعادۂ اقامت کی جاوے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۱۱۷-۱۲۲)

اقامت کے بعد فصل ہوجائے تو کیا اقامت دہرائی جائے:

سوال: اگر اقامت کہی گئی اور اقامت کے فوراً بعد نماز شروع نہیں کی گئی، تو کیا دوبارہ اقامت کہنی چاہئے؟
(محمد ارشد، وجے واڑہ)

الجواب

فقہا نے لکھا ہے کہ اگر اقامت اور نماز کے درمیان طویل فصل ہوجائے تو اقامت باطل ہوجائے گی، اس لئے ایسی صورت میں دوبارہ اقامت کہنی چاہئے، اور اگر معمولی وقفہ ہو، تو دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں، لیکن طویل اور معمولی وقفہ سے کیا مراد ہے؟ فقہا کے یہاں اس سلسلہ میں بالکل واضح بات نہیں ملتی، علامہ ابن نجیمؒ نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اگر فجر کی اقامت کے بعد امام سنتِ فجر پڑھ لے تو اقامت کو لوٹانا واجب نہیں۔

''صلى سنة الفجر بعدها لا يجب عليه إعادتها''.(۲)

== قال الشامي: أقول: قال في آخر شرح المنية: أقام المؤذن ولم يصلّ الإمام ركعتي الفجر يصليهما ولا تعاد الإقامة لأن تكرارها غير مشروع إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير مما يقطع المجلس في سجدة التلاوة، آه.(رد المحتار، آخر باب الأذان: ۱/ ۳۷۱-۳۷۲، ظفير)

(۱) ''أقام المؤذن ولم يصلّ الإمام ركعتي الفجر يصليهما ولا تعاد الإقامة لأن تكرارها غير مشروع إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير مما يقطع المجلس في سجدة التلاوة''.(الحلبي الكبير شرح منية المصلي، فصل في مسائل شتىٰ آخر كتاب الصلاة: ۶۱۹، مطبوعه سنده. انيس)

درمختار میں ہے:

صلى السنة بعد الإقامة أو حضر الإمام بعدها لا يعيدها.(بزازية) وينبغي إن طال الفصل أو وجد ما يعد قاطعاً كأكل أن تعاد.(الدر المختار، آخر باب الأذان: ۱/ ۳۷۱، ظفير)

(۲) البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۲۶۳-

اس سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ دو ہلکی رکعتوں سے زیادہ تاخیر ہوجائے تو اس کو طویل فصل سمجھا جائے گا۔علامہ شامی نے لکھا ہے کہ طویل گفتگو یا کوئی اور طویل عمل پایا جائے ،جس کو سجدۂ تلاوت کے مسئلہ میں مجلس کی تبدیلی کا باعث قرار دیا جاتا ہے،تو اقامت دہرائی جائے گی ،ورنہ نہیں:

" ... إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير مما يقطع المجلس فى سجدة التلاوة". (١)

(کتاب الفتاویٰ:٢/١٥١-١٥٢)

بعد تکبیر کچھ تکلم کر لینے سے تکبیر کا اعادہ نہیں کیا جائے گا:

سوال: تکبیر کے بعد اگر عمداً کچھ کہہ دیا مثلاً صف سیدھی کرنے کو کہا یا کوئی اور جملہ کہہ دیا تو کیا اس سے تکبیر کا اعادہ ضروری ہوگا؟ بینوا وتو جروا

الجواب ـــــــــــــ حامداً و مصلياً و مسلماً

صف درست کرنے کے لئے کہنے یا تھوڑی سی بات کر لینے سے تکبیر کا اعادہ نہ کیا جائے گا۔

في الدر: صلى السنة بعد الإقامة أو حضر الإمام بعدها لا يعيدها (بزازية) وينبغي إن طال الفصل أو وجد ما يعد قاطعا كأكل أن تعاد. (١/٣٦٨) (٢) والله أعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ۔٢٤/٢/١٤٠٣ھ۔الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔(فتاویٰ ریاض العلوم:٢/٣١٨-٣١٩)

تکبیر پڑھتے وقت اگر غلطی ہوجائے تو کیا اقامت شروع سے پڑھے:

سوال: تکبیر پڑھتے ہوئے اگر غلطی ہوجائے،تو شروع سے پڑھے،یا جہاں سے غلطی ہو وہاں سے؟

الجواب ـــــــــــــ حامداً و مصلياً

تکبیر پڑھتے ہوئے اگر کچھ چھوٹ جائے تو جس جگہ سے غلطی ہوئی ہے اسی جگہ سے صحیح پڑھے،شروع سے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔(٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:٥/٤٧٠)

(١) رد المحتار، آخر باب الأذان: ٢/٧٠ - ٧١۔

(٢) الدر المختار متن الرد، آخر باب الأذان، فروع، قبيل باب شروط الصلاة: ١/٤٠٠، انيس

(٣) "وإذا قدم في أذانه أو في إقامة بعض الكلمات على بعض نحو أن يقول" أشهد أن محمدًا رسول الله" قبل قوله" أشهد أن لا إله إلا الله"، فالأفضل في هذا أن ما سبق على أوانه لا يعتد به حتى يعيده في أوانه أو موضعه، وإن مضى على ذلك جازت صلاته، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في بيان كلمات الأذان والإقامة: ١/٥٦، رشيدية)

کلماتِ اقامت کا جواب:

سوال: اقامت میں کلماتِ مؤذن کا جواب دینا مثل اذان کے مستحب ہے یا مؤکدہ؟ لیکن جبکہ امام کو "قد قامت الصلاۃ" پر نیت باندھنے کا حکم ہے، تو مقتدی بقیہ کلمات مؤذن کا جواب دے کر شریک جماعت ہوں، یا کیا؟

الجواب

مستحب ہے۔ (۱) اور اس مستحب کے ادا کرنے کے لئے علامہ شامیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ امام بعد ختم اقامت تکبیر تحریمہ کہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۲/۱۰۱)

اقامت کا جواب:

سوال: جس طرح اذان کا جواب دینا ہے، کیا اسی طرح اقامت کا بھی جواب دینا ہے؟ (عبد البصیر، کوواڑ)

الجواب

جی ہاں! اذان کی طرح اقامت کا بھی جواب دینا چاہئے، فرق یہ ہے کہ اذان کا جواب دینا بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے اور اقامت کا جواب مستحب۔ اقامت میں "قد قامت الصلاۃ" کے جواب میں "أقامها اللّٰہ وأدامها" کہنا چاہئے: (۳)

"(ویجیب الإقامة) ندباً إجماعًا (کا لأذان) ویقول عند "قد قامت الصلاۃ" "أقامها اللّٰہ وأدامها". (۴)

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۴۸)

جواب اقامت فقط مقتدی پر ہے یا سب پر:

سوال: جواب اقامت کا مقتدی اور امام اور فارغ عن الصلوٰۃ، سب دیں، یا فقط مقتدی؟

---

(۱) (ویجیب الإقامة) ندباً إجماعاً (کالأذان). (الدر المختار علی صدر رد المحتار، باب الأذان، قبیل باب شروط الصلاۃ: ۱/ ۳۷۱، ظفیر)

(۲) (وشروع الإمام) فی الصلوٰۃ (مذ قیل "قد قامت الصلوٰۃ") لو أخر حتی أتمها لابأس به إجماعاً الخ وهو أعدل المذاهب الخ وفی القهستانی معزیاً للخلاصة: أنه الأصح. (الدر المختار)

لأن فیه محافظة علی فضیلة متابعة المؤذن وإعانة له علی الشروع مع الأمام. (رد المحتار، باب صفة الصلاۃ، آداب الصلاۃ: ۱/ ۴۴۷، ظفیر)

(۳) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مبارک بھی کتب حدیث میں ملتا ہے، چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت میں "قد قامت الصلوٰۃ" پر پہنچتے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت "أقامها اللّٰہ وأدامها" فرماتے۔

"عن بعض أصحاب النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أن بلالا أخذ في الإقامة فلما أن قال: "قد قامت الصلوٰۃ، قال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: "أقامها اللّٰہ وأدامها". (سنن أبي داؤد، رقم الحدیث: ۵۲۸، باب ما یقول إذا سمع الإقامة، محشی)

(۴) الدر المختار علی هامش الرد، قبیل باب شروط الصلاۃ: ۲/ ۷۱۔

الجواب

امام اور مقتدی سب دیں اور فارغ عن الصلوٰۃ بھی جواب دے۔

فی الدرالمختار: ولو تکرر أجاب الأول. وفی رد المحتار: ویظهر لی إجابة الکل بالقول لتعدد السبب وهو السماع کما اعتمده بعض الشافعیة.(١)

قلت: دل علیٰ سببیة السماع فإذا وجد السماع وجد الإجابة أیا من کان.(٢) والله تعالیٰ أعلم

ذی قعدہ ١٣٢٢ھ (امداد صفحہ ٦٤ جلد ١)۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ١/١٨١-١٨٢)

"قد قامت الصلوٰۃ" کے جواب کا حکم:

سوال: اذان کے جواب میں وہی کلمات دہرائے جاتے ہیں، تو اقامت کے دوران "قد قامت الصلاۃ" کے جواب میں کیا کہنا چاہئے؟

---

(١) الدرالمختار مع رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة: ١/٣٩٧، ط: بیروت، انیس

(٢) فی الجواب بحث من وجوه:

أما الأول فلأن الروایة المنقولة متعلقة بالأذان، والسائل یستفتی عن حکم الإقامة؟

وجوابه: أنه استدلال بالنظیر علی النظیر؛ لأن الإقامة فی الجواب مثل الأذان وهو ظاهر.

وأما الثانی فلأن سببیة السماع فی غیر الفارغین مسلم وأما الفارغون فلا؛ لأنه دعاء لغیر الفارغین لا للکل. فیکون الجواب علیهم لا علی الکل؟

وجوابه أن شرعیة الجواب لمراعاة حسن الأدب مع داعی الله وهو لا یختص بغیر الفارغین.

ویؤید ماقلنا ماقال العلامة الشامی فی رد المحتار حیث قال: هل یجیب أذان غیر الصلاة کالأذان للمولود؟ لم أره لأئمتنا، والظاهر نعم، ولذا یلتفت فی حیعلته کما مر، وهو ظاهر الحدیث، إلا أن یقال: إن أل فیه للعهد، اه مافیه. (الدرالمختار مع رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة: ١/٣٩٧، ط بیروت، انیس)

أقول: فإن کان للجنس والاستغراق فظاهر وإن کان للعهد فلا یضر فی ما نحن فیه لأنه یشمل حٍ کل أذان للصلاة و فیه المدعیٰ. (یہ عبارت حاشیہ تصحیح الاغلاط صفحہ: ١ سے لکھی گئی)

اضافہ از سعید احمد پالنپوری:

لیکن مناسب یہ تھا کہ مندرجہ ذیل عبارت استدلال میں پیش کی جاتی۔

(ویجیب الإقامة) ندبًا إجماعًا (کالأذان) ویقول عند "قد قامت الصلاة": "أقامها الله وأدامها" آه. (الدرالمختار) (قوله إجماعا): قید لقوله ندبا: أی إن القائلین بإجابتها أجمعوا علی الندب ولم یقل أحد منهم بالوجوب کما قیل فی الأذان، آه. (رد المحتار، باب الأذان، قبیل باب شروط الصلاة: ١/٤٠٠، انیس)

مذکور عبارت اپنے اطلاق کی وجہ سے امام مقتدی اور فارغ عن الصلوۃ سب کو شامل ہے اور بالخصوص امام کے بارے میں مندرجہ ذیل حدیث بھی دلیل ہے۔

عن أبی أمامة أو عن بعض أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم أنَ بلالا أخذ فی الإقامة فلما أن قال: قد قامت الصلوة، قال النبی صلی الله علیه وسلم "أقامها الله وأدامها" وقال فی سائر الإقامة کنحو حدیث عمر فی الأذان. (سنن أبی داؤد: ١/٨٥، باب ما یقول إذا سمع الإقامة)

الجواب ______________

احادیث مبارکہ میں مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ''قد قامت الصلاة'' کے جواب میں ''أقامها الله و أدامها'' فرماتے تھے، اس لئے اقامت میں ''قد قامت الصلاة'' کے جواب میں ''أقامها اللّٰه و أدامها'' کہنا چاہیئے۔

قال العلامة الحصكفي: (ويجيب الإقامة) ندبًا إجماعًا (كالأذان) ويقول عند ''قد قامت الصلاة'' ''أقامها الله و أدامها''.

قال العلامة ابن عابدين (تحت قوله ويقول الخ): أي كما رواه أبوداؤد بزيادة ''مادامت السمٰوات والأرض وجعلني من صالحي أهلها''. (الدر المختار مع الرد: ۱/ ٤٠٠، باب الأذان)(۱)

(فتاویٰ حقانیہ: ۳/ ٦٠)

''قد قامت الصلاة'' کے وقت ''أقامها الله و أدامها'' کہنے کا ثبوت:

سوال: تکبیر کا جواب دیتے وقت ''قد قامت الصلاة'' کا جواب ''أقامها اللّٰه و أدامها'' سے دینے کا شرعاً کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ (سائل: مولوی محمد اقبال، گوجرانوالہ)

الجواب ______________

طحطاوی میں حلبی وغیرہ سے منقول ہے کہ آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام ''قد قامت الصلاة'' کے وقت ''أقامها اللّٰه و أدامها'' کہتے تھے۔

قال بعض الفضلاء: ويقول عند قد قامت الصلاة: أقامها اللّٰه وأدامها''. وهكذا روى عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ذكره الحلبي وغيره، ومعنىٰ أقامها اللّٰه أثبتها وأبقاها. آه. (الطحطاوي: ١١٠)

ويقول عند'' قد قامت الصلاة'' ''أقامها اللّٰه وأدامها''. آه. (الدر المختار)

(قوله ويقول) أي كما رواه أبوداؤد بزيادة ''مادامت السموت والأرض وجعلني من صالحي أهلها''. آه. (رد المحتار، آخر باب الأذان: ١/ ٢٩٤) فقط واللّٰه أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان، ۹/ ۷/ ۱۴۰۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/ ۲۲۴)

☆☆☆

(۱) لما في الهندية: وإجابة الإقامة مستحبة هكذا في فتح القدير وإذا بلغ قوله ''قد قامت الصلاة'' يقول السامع ''أقامها اللّٰه وأدامها مادامت السمٰوات والأرض'' وفي سائر الكلمات يجيب كما يجيب في الأذان. (الفتاوىٰ الهندية: ١/ ٥٧، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة)

نماز میں بدن کی پاکی کے مسائل

بغیر استنجا نماز پڑھ لی، تو نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد استنجا نہیں کیا، وضو کر کے نماز پڑھ لی، بعد میں یاد آیا۔ اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ یا وضو کے بعد یاد آیا تو اس کو وضو کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

اگر ڈھیلے سے استنجا کر لیا تھا اور نجاست مخرج سے بقدر درہم متجاوز نہ تھی؛ تو بدوں پانی سے استنجا کرنے کے اس کی نماز ہوگئی۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۳۹/۲)

بلا وضو وطہارت کے نماز استسقاء:

سوال: استسقاء کی نماز پڑھنے گئے تھے، وہاں زید نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ نماز پڑھو، جو لوگ بغیر طہارت اور بغیر وضو کے تھے، ان لوگوں نے انکار کیا، اس پر زید نے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ اللہ کے بندو! اللہ دل کا حال جانتا ہے، اس کے بعد اس کے کہنے پر بغیر طہات و وضو کے نماز پڑھی۔

(۲) صلوٰۃ استسقاء کے لیے جبکہ پانی ایک فرلانگ پر موجود ہو، تو تیمّم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) ایک امام نامرد ہے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وإن كره تحريمًا، فيجب غسله، ومادونه تنزيهًا فيسن، وفوقه مبطل فيفرض. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الأنجاس: ۲۹۱/۱، ظفير)

ذكر في الذخيرة: إذا كانت النجاسة في موضع الاستنجاء أكثر من قدر درهم فاستجمر أي استنجى بثلثة أحجار وأنقاه أي موضع الاستنجاء ولم يغسله بالماء. قال الفقيه أبو الليث في فتاوٰيه: يجزيه يعني من غير كراهة وكان الغسل أفضل. قال صاحب الذخيرة: وبه أي بما قال أبو الليث: نأخذ. وفي هذا إشارة إلى أن البعض يخالف في ذلك ولا أعلم فيه مخالفًا، الخ، وهذا إذا كانت تلك النجاسة ماخرج من الحدث المعتاد ولم تصبه من الخارج. (غنية المستملي: ۱۸۹، ظفير)

الجو اب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) بغیر وضو وطہارت کے نماز استسقاء بھی جائز نہیں؛ گناہ ہے۔(۱)

(۲) اگر یہ اندیشہ ہو کہ وضو کر کے آنے پر نماز نہیں ملے گی، تو تیمّم جائز ہے۔(۲)

(۳) درست ہے، لیکن مرد افضل ہے۔(۳) (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۱۲، ۵۱۳)

بلا وضو نماز پڑھنا:

سوال: بغیر وضو نماز پڑھنے اور اسی طرح سجدۂ تلاوت یا سجدۂ سہو اور سجدۂ شکر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

جائز نہیں، بلکہ بعض کے نزدیک بغیر طہارت نماز ادا کرنا کفر ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:

"من صلّٰی بغیر طهارة فقد كفر" انتهٰى. (۴)

اور کشف میں سجدۂ تلاوت کے بارے میں ہے:

"وهی سجدة بين تكبيرتين بشروط الصلاة من الطهارة وغيرها" انتهٰى. (۵)

---

(۱) چونکہ صلوٰۃ استسقاء بھی دوسری نمازوں کی طرح مستقل نماز ہے، تو جس طرح دوسری تمام نمازوں کے لیے طہارت شرط ہے، اسی طرح نماز استسقاء کے لیے بھی طہارت شرط ہے اور بغیر طہارت کے ادا کرنا گناہ ہے۔

(۲) عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: أقبل علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الغائط، فلقيه رجل عند بير جمل، فسلم عليه فلم يرد عليه رسول الله تعالىٰ عليه وسلم حتى أقبل على الحائط، فوضع يده على الحائط ثم مسح وجهه ويديه، ثم رد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الرجل السلام". (سنن أبی داؤد، كتاب الطهارة، باب التيمم فی الحضر: ۱/۵۳، إمدادية)

"قال العينی: استدل به الطحاوی علىٰ جواز التيمم للجنازة عند خوف فواتها" (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۰۰، إمدادية)

"فإن عندنا مايفوت لاإلىٰ خلف، يجوز التيمم له مع وجود الماء كصلاة الجنازة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۶۳، رشيدية)

(۳) نامردی کوئی ایسا عیب نہیں جس کی وجہ سے امامت متاثر ہو۔

(۴) اصل عبارت اس طرح ہے: "يكفر إذا صلى إلى غير القبلة متعمدًا، فوافق ذلك القبلة قال أبو حنيفة: هو كافر، وبه أخذ الفقيه أبو الليث، وكذا إذا صلى بغير طهارة أو صلى مع الثوب النجس". (الفتاوىٰ الهندية، مطلب فی موجبات الكفر: ۲/۲۶۸. انيس)

(۵) قواعد الفقہ میں ہے: "سجود التلاوة هو الذی سبب وجوبه تلاوة آية من أربع عشرة آية، وهی سجدة بين تكبيرتين بشرائط الصلاة بلاقيام ورفع يد وتشهد وسلام". (قواعد الفقه، حرف الراء: ۱/۳۲۰. انيس)

تاتارخانیہ میں ہے:

قال الأكثرون: إنها ليست بقربة عنده بل هي مكروهة لايثاب عليها وتركها أولىٰ، وقالا: هي قربة يثاب عليها، وثمرة الاختلاف تظهر في انتقاض الطهارة إذا نام في سجود الشكر. (١)

(مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:٢٠٢)

وضو نہ ہونے کے باوجود نماز پڑھتا رہا، تو کیا کفارہ ہوگا:

سوال: میں نے شہر کی ایک چھوٹی سی مسجد میں امام کے پیچھے نماز پڑھی، میں اگلی صف میں تھا، قیام کی حالت میں جب امام صاحب ''وَلاَ الضَّالِّيْنَ'' تک پہنچے تو مجھے یاد آیا کہ میرا وضو نہیں ہے اور مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ بغیر وضو کے سجدہ کرنا سخت گناہ ہے اور مسجد چھوٹی سی ہے، اس کی صفیں بازار کی سڑک تک پہنچ جاتی ہیں اور میرے لیے وہاں سے نکلنا بہت دشوار تھا، کیوں کہ میں اگلی صف میں تھا، میں نے بغیر وضو کے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی ہے اور سلام پھیرنے کے بعد دوبارہ وضو کر کے نماز ادا کی۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ بغیر وضو کے نماز پڑھنا کتنا گناہ ہے؟ اور آئندہ کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ میں اس گناہ کا کیا کفارہ ادا کروں؟

الجواب ______________

وضو، نماز کے لیے شرط ہے، بغیر وضو کے نماز پڑھنا سخت گناہ ہے۔ آپ نے نماز دہرالی، اس لیے آپ کی نماز تو ہوگئی، اگر مسجد سے نکلنے کا موقع نہ ہو تو سلام پھیر کر اسی جگہ بیٹھ جانا چاہیے اور آپ نے جو بغیر وضو کے نماز پڑھی؛ اس کا کفارہ توبہ واستغفار ہے۔ (٢) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:٣/٣٣٣)

---

(١) الفتاویٰ التاتارخانية، آخر سجدة الشكر: ١/٧٩٢، مجلس دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد. انيس

(٢) عن همام بن منبه أنه سمع أباهريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تقبل صلوٰة من أحدث حتّٰى يتوضأ، قال رجل من حضرموت: ما الحدث يا أباهريرة؟ قال: فساء أو ضراط. (الصحيح للبخاري، باب لاتقبل صلاة بغير طهور (ح: ١٣٥)/الصحيح لمسلم، باب وجوب الطهارة للصلاة (ح: ٢٢٥)/مسند الإمام أحمد، مسند أبي هريرة (ح: ٨٠٧٨)/المنتقى لابن الجارود، لاتقبل صلاة بغير طهور (ح: ٦٦)

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قلس أو قاء أو رعف فلينصرف وليتوضأ وليتم على صلاته. (سنن الدارقطني، باب في الوضوء من الخارج من البدن كالرعاف (ح: ٥٦٨) وعن ابن جريج عن أبيه (ح: ٥٦٧)

عن ابن عمر أنه كان إذا رعف رجع فتوضأ ولم يتكلم ثم رجع فبنى على ماصلى. (موطأ الإمام مالك برواية محمدبن الحسن الشيباني، الوضوء من الرعاف (ح: ٣٦)

==

وضو میں کوئی عضو خشک رہ گیا اور نماز پڑھ لی، تو کیا حکم ہے:

سوال: زید نے وضو کیا جتنے مقام کا دھونا وضو میں فرض ہے، تو فرض کے مقام پر ایک انگل خشک رہ گیا اور خشک کا رہنا زید کو معلوم نہیں ہے، ویسے ہی نماز پڑھ لی، تو زید کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

(٢) بکر نے دیکھ لیا کہ زید کا فلاں مقام پر فرض کی جگہ پر ایک انگل خشک ہے، تو بکر نے زید کو دو سبب سے نہیں بتلایا، ایک سبب یہ ہے کہ زید کو کوئی بھول چوک بتلاتا ہے تو زید کو برا معلوم ہوتا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ بکر سے زید کی نااتفاقی ہے، ایسی صورت میں بکر گنہگار رہوگا یا نہیں ہوگا، شرعا حکم کیا ہے؟

الجواب

جب عضو مفروض خشک رہ گیا تو جس وقت زید کو معلوم ہوا؛ اسی وقت نماز کا اعادہ واجب ہے، اگر اعادہ نہ کیا گنہگار ہوگا، (١) اور اگر کبھی معلوم نہ ہوا تو اگر اس نے وضو، احتیاط کے ساتھ اعضا کو خوب مل مل کر کی تھی اور اپنی طرف سے کچھ کوتاہی نہیں کی؛ تو امید ہے کہ اس نماز کے فساد سے اس کو عذاب نہ ہوگا اور اگر بے احتیاطی ولا پرائی سے جلدی جلدی وضو کیا تھا، تو اس نماز کے فساد کا اس کو گناہ ہوگا۔

(٢) بکر نے اگر اس واسطے نہیں بتلایا کہ زید کو اس کی غلطی پر مطلع کرنے سے غصہ آتا اور وہ برا مانتا ہے تب تو صرف زید کو گناہ ہوا؛ بکر کو نہیں ہوا، اور اگر زید اس سے برا نہیں مانتا، لیکن بکر نے محض نااتفاقی کی وجہ سے نہیں بتلایا تو بکر کو بھی گناہ ہوگا۔ (٢) (امداد الاحکام: ٢/٧٩-٨٠)

== عن يزيد بن عبدالله بن قسيط: رأيت سعيدبن المسيب رعف وهو فى صلاته فأتى دارأم سلمة زوج النبى صلى الله عليه وسلم فتوضأ ولم يتكلم وبنى على صلاته. (مصنف ابن أبى شيبة، فى الذى يقيء أو يرعف فى الصلاة (ح: ٥٩١٤) / كذا فى موطأ الإمام مالك برواية محمد بن الحسن الشيبانى، الوضوء من الرعاف (ح: ٣٧) انيس)

(١) عن خالد عن بعض أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم أن النبى صلى الله عليه وسلم رأى رجلاً يصلى وفى ظهر قدمه لمعة قدر الدرهم لم يصبها الماء فأمره النبى صلى الله عليه وسلم أن يعيدالوضوء والصلاة. (سنن أبى داؤد، باب تفريق الوضوء (ح: ١٧٥)

عن جابر بن عبدالله قال: رأى النبى صلى الله عليه وسلم فى قدم رجل لمعة لم يغسلها فقال: ويل للأعقاب من النار. (شرح معانى الآثار، باب فرض الرجلين فى وضوء الصلاة (ح: ١٨٦) انيس)

(٢) عن حذيفة بن اليمان عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: والذى نفسى بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عقاباً منه ثم تدعونه فلايستجيب لكم. (سنن الترمذى، باب ماجاء فى الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر (ح: ٢١٦٩) / شعب الإيمان، الأمربالمعروف والنهى عن المنكر (ح: ٧١٥٢) انيس)

عن سعيدبن أبى بردة عن أبيه عن جده عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: على كل مسلم صدقة، ==

کنویں کے ناپاک پانی سے وضو کر کے نماز پڑھی ہو، تو اعادہ واجب ہے یا نہیں:

سوال: ہمارے محلّہ میں مسجد میں کنواں ہے، طہارت خانے اور بیت الخلا کنویں سے چار پانچ گز دور ہیں، بارش میں بیت الخلا بھر جاتا ہے، کنواں سفلی سطح پر ہے؛ اس لئے بارش میں کنویں کے اطراف میں غلیظ پانی بھر جاتا ہے، حال میں تین روز قبل بہت زور کی بارش ہوئی تو یہی صورت حال پیش آئی، اور کنویں کے پانی کے تینوں اوصاف بدل گئے، چار نمازیں اس کنویں کے پانی سے وضو کر کے پڑھی گئی ہیں، اگر کنویں کا پانی ناپاک سمجھا جائے، تو پاک کرنے کے لئے کیا صورت اختیار کریں، کچھ دن کنواں ایسے ہی بند رہنے دیں یا خالی کرنا ہوگا، اور جو نمازیں پڑھی ہیں، ان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (حیدرآباد)

الجواب

جب کہ یہ واقعہ ہے کہ ناپاک پانی کنویں کے پانی سے مس ہوا، یا نجاست کے اثرات پانی میں سرایت کر گئے اور کنویں کے پانی کے تینوں اوصاف بدل گئے، تو یقیناً کنواں ناپاک ہو گیا، (١) ایسے پانی سے وضو کر کے جو نمازیں ادا کی ہیں، وہ نمازیں قابل اعادہ ہیں اور بلا تاخیر کنویں کا سب پانی نکال دیا جائے، پانی کچھ دن رہنے دینے سے کنواں پاک نہ ہوگا، نکال دینا ہی ضروری ہے۔ (٢) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ١٤٦/٧-١٤٧)

== قیل: أرأیت إن لم یجد؟ قال: یعمل بیدیه وینفع نفسه ویتصدق، قال قیل: أرأیت إن لم یستطع؟ قال: یعین ذا الحاجة الملهوف، قال قیل له: أرأیت إن لم یستطع؟ قال: یأمر بالمعروف أو الخیر، قال: أرأیت إن لم یفعل؟ قال: یمسک عن الشر فإنها صدقة. (الصحیح لمسلم، باب بیان أن اسم الصدقة یقع علی کل، الخ (ح: ١٠٠٨) انیس)

(١) (فرع: البعد بین البئر والبالوعة بقدر مالا یظهر للنجس أثر) اختلف فی مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلی البئر، ففی روایة: خمسة أذرع، وفی روایة: سبعة، وقال الحلوانی: المعتبر الطعم أو اللون أو الریح فإن لم یتغیر جاز وإلا لا ولو کان عشرة أذرع. وفی الخلاصة والخانیة: والتعویل علیه وصححه فی المحیط، بحر. (ردالمحتار: ٢٠٤/١، باب الأنجاس، فصل فی البئر، مطلب فی السؤر)

(٢) اگر کوئی گندی یا نجس چیز کنویں میں گر جائے، جیسے انسان کا پیشاب، پاخانہ، شراب، خون وغیرہ نجاست غلیظہ یا خفیفہ، تو ایسی صورت میں کنویں کا تمام پانی ناپاک ہو جائے گا، اسے وضو غسل یا طہارت وکھانے پینے کے لیے استعمال میں لانا جائز نہیں ہوگا۔ (ردالمحتار مع الدر المختار: ٢١٢/١) اور وہ کنواں اس وقت تک پاک نہیں کہلائے گا؛ جب تک کہ تمام پانی نہ نکال دیا جائے، تمام پانی سے مراد کنویں کا اتنا پانی نکالنا مراد ہے کہ اب ڈول نصف سے زائد بھر کر نہ آئے، اس وقت یہ پاک کہا جائے گا۔ شامی وغیرہ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کل پانی نکل سکے تو کل نکالا جاوے اور اگر کل نہ نکل سکے، تو اب تقدیر کی ضرورت ہوگی اور تقدیر میں اختلاف ہے، بعض علما نے قول عدلین کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے بوجہ تیسیر کے، تین سو ڈول پر فتویٰ دیا ہے۔

وقیل: یفتیٰ بمأتین إلیٰ ثلٰث مأة وهذا أیسر. (قوله: وقیل، الخ): جزم به فی الکنز والملتقیٰ وهو مروی عن محمد وعلیه الفتویٰ، خلاصة وتاتارخانیة عن النصاب، وهو المختار، معراج عن العتابیة، وجعله فی العنایة ==

نماز بحالت جنابت:

سوال: زید نے ناپاکی کی حالت میں بھول کر صبح کی نماز پڑھ لی، بعد میں اس کو خیال آیا کہ میرے اوپر غسل واجب تھا اب نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اور بے غسل پڑھنے سے زید پر شریعت کی طرف سے کچھ گرفت ہوگی؟

(احمد عباس، پاکستان)

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اعادہ لازم ہے،(۱) اس بھول پر گرفت نہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۱۱)

اگر ناپاک آدمی نے نماز پڑھ لی تو۔۔۔:

سوال: اگر خواب میں شب کو کپڑے ناپاک ہو جائیں اور کسی شخص کو صبح اس کی خبر نہ ہو اور وہ نماز بھی پڑھ لے اور ساتھ ہی قرآن شریف بھی پڑھ لے، تو بتائیں کہ کیا اس کی نماز اور تلاوت کا کوئی کفارہ ادا کرنا پڑے گا؟

الجواب ــــــــــــ

اس کی نماز اور تلاوت کالعدم ہے،(۳) دوبارہ پڑھے، یہی کفارہ ہے کہ اس غلطی پر استغفار کرے۔(۴)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۳۳)

== روایة عن الإمام، وهو المختار والأیسر کما فی الاختیار،وأفاد فی النهر:أن المأتین واجبتان والمائة الثالثة مندوبة.(ردالمحتار مع الدر المختار،فصل فی البئر،باب الأنجاس: ۱/۲۱۵،انیس)

(۱) "فمنها الطهارة عن الحدث والجنابة ، فلقوله تعالٰی﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ، فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾إلٰی قوله:﴿وَلِيُطَهِّرَكُمْ﴾[سورة المائدة]وقول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم:"مفتاح الصلٰوة الطهور".وقوله تعالٰی:﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾(سورة النساء)وقوله علیه الصلاة والسلام:"تحت کل شعرة جنابة،ألا فبلّوا الشعر وأنقوا البشرة".(بدائع الصنائع،کتاب الصلاة،فصل فی بیان شرائط الأرکان: ۱/۵۳۶،دارالکتب العلمیة،بیروت)

(۲) "رفع عن أمتی الخطأ والنسیان،وما استکرهوا علیه".الطبرانی عن ثوبان"(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر،رقم الحدیث: ۴۴۶۱۔ج:۷/ص:۳۴۰۳،مکتبة نزار مصطفی الباز،ریاض)

(۳) تطهیر النجاسة من بدن المصلّی وثوبه والمکان الذی یصلّی علیه واجب، الخ.(الفتاویٰ الهندیة: ۱/۵۸)

"یجب علی المصلی أن یقدم الطهارة من الأحداث والأنجاس علٰی ما قدمناه.قال اللّٰه تعالٰی:"وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ".وقال اللّٰه تعالٰی:"وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا".(الهدایة: ۱/۹۲،باب شروط الصلاة التی تتقدمها)

(۴) علی رضی اللّٰه عنه یقول:کنت رجلاًإذا سمعت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حدیثا نفعنی اللّٰه منه بما شاء أن ینفعنی وإذا حدثنی أحد من أصحابه استحلفته فإذا حلف لی صدقته،قال:وحدثنی أبوبکر وصدق أبوبکر رضی اللّٰه عنه أنه قال:سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول:ما من عبد یذنب ذنباً فیحسن الطهور، ==

تنگیٔ وقت کی وجہ سے بلا غسل نماز پڑھنا:

سوال: اگر کسی کو احتلام ہو جائے اگر وہ غسل کرتا ہے تو نماز قضا ہو جاتی ہے، کیا وہ استنجا پاک کر کے نماز ادا کر لے اور بعد میں غسل کر لے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲) اگر رات کو ہمبستری سے فارغ ہو کر اپنے جسم کی نجاست شدہ حصہ کو پانی سے دھو لے اور صبح کو استنجا کر کے نماز قضا ہو جانے کی وجہ سے نماز ادا کر لے اور پھر غسل کر لے تو کیا نماز ہو جائے گی؟

(۳) احتلام کی صورت میں صبح کو غسل کا خیال نہ رہا، نماز صبح ادا کر لی، پھر خیال آیا کہ غسل کرنا تھا، پھر غسل کیا تو نماز دوبارہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ (احمد علی، مظفر نگر)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) غسل ضروری ہے، وقت تنگ ہونے کی وجہ سے اس کو ترک کر کے استنجا پر کفایت کرنا جائز نہیں، اس سے نماز نہیں ہوگی۔(۱)

(۲) اس کا جواب نمبر:۱، میں آ گیا۔

(۳) اس کی نماز نہیں ہوئی، اس کا اعادہ ضروری ہے۔(۲)

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ ۱۳۹۷/۵/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ ۱۳۹۷/۵/۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۱۱-۵۱۲)

== ثم يقوم فيصلي ركعتين ثم يستغفر الله إلا غفر الله له، ثم قرأ هذه الآية ﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ﴾ (آل عمران: ١٣٥) إلى آخر الآية. (سنن أبي داؤد، باب في الاستغفار (ح: ١٥٢١) انيس)

(۱) "(لا) يتيمم (لفوت جمعة ووقت) ولو وترًا لفواتها إلى بدل". (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ٢٤٦/١، سعيد)

والمعاني الموجبة للغسل إنزال المني على وجه الدفق والشهوة من الرجل والمرأة حالة النوم واليقظة ... والتقاء الختانين من غير إنزال ... والحيض وكذا النفاس. (الهداية، فصل في الغسل: ٣٧/١)

قرآن مجید میں ہے: "وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا". (سورة المائدة: ٦)

عن علي رضي الله عنه قال: قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: ... لا تفعل إذا رأيت المذي فاغسل ذكرك وتوضأ وضوئك للصلوة فإذا فضخت الماء فاغتسل. (سنن أبي داؤد، باب في المذي (ح: ٢٠٦)

دوسری روایت میں الفاظ اس طرح ہے: إذا حذفت فاغتسل من الجنابة وإذا لم تكن حاذفاً فلا تغتسل. (مسند الإمام أحمد، مسند علي بن أبي طالب (ح: ٨٤٩) انيس)

(۲) "(وإذا ظهر حدث إمامه)...(بطلت فيلزم إعادتها)...(كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب) أو فاقد شرط أو ركن". (الدر المختار، باب الإمامة، مطلب المواضع التي تفسد صلاة الإمام دون المؤتم: ٥٩١/١، سعيد)

ناپاکی میں نماز پڑھانا سخت جرم ہے:

سوال: حضرت والا! بندہ سے یہ قصور ہو گیا ہے کہ میں نے بدنامی کے خوف سے ناپاکی کی حالت ہی میں کچھ نمازیں پڑھا دیں، مجھے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب ______________________

میرے محترم! آپ نے ناپاکی کی حالت میں جو نمازیں پڑھائیں، اس میں آپ نہایت سخت جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، (۱) انتہائی جرأت ہے، آپ کو ہرگز ہرگز ایسا جان بوجھ کر نہیں کرنا چاہیے تھا، اللہ تعالیٰ کے سامنے تنہائی میں روئیے اور پشیمانی ظاہر کر کے معافی طلب کیجئے اور آئندہ کبھی بھی ایسا نہ کیجئے، چاہے کتنی بھی بے شرمی محسوس ہوتی ہو، اثنائے نماز میں اگر ناپاکی کا علم ہو جائے یا وضو ٹوٹ جائے تو فوراً نماز توڑ دیجئے اور مقتدیوں سے کہہ دیجئے کہ میری نماز ٹوٹ گئی تم نماز پڑھ لو۔ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے سامنے ہیچ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھ کر مایوس نہ ہوئیے، مگر اس قہار و جبار عالم الغیب والشہادت کی پکڑ اور اس کے غیظ و غضب سے کبھی مطمئن نہ ہوئیے۔

﴿فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾. (۲)

(خدا کی خفیہ تدبیروں اور گرفتوں سے سوائے خاسر لوگوں کے کوئی مطمئن نہیں ہوتا۔)

(مکتوبات: ۱۹/۴-۲۰) (فتاویٰ شیخ الاسلام: ۲۳) ☆

---

(۱) قصداً بے وضو نماز پڑھنا اگرچہ ظاہر الروایۃ میں موجب کفر نہیں ہے، لیکن حنفیہ کی ایک نادر الروایۃ یہ ہے کہ ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے، اس سے اس عمل کی شناعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

وإن الإكفار رواية النوادر وفي ظاهر الرواية لا يكون كفرًا. (ردالمحتار: ۸۱/۱، كتاب الطهارة)

یہ اللہ تعالیٰ پر (جو کہ پوشیدہ اور ظاہر سب پر مطلع ہے اور ہر وقت ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے۔

(۲) سورة الأعراف: ۹۹. انيس

عبد الرحمن بن أبي الموالي قال: سمعت محمد بن كعب القرظي يقول: الكبائر ثلاث: أن تأمن مكر الله، وأن تقنط من رحمة الله، وأن تيأس من روح الله، قال: ويتلو القرظي هذه الآيات ﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (الأعراف: ۹۹) ﴿وَمَنْ يَقْنُطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهٖ اِلَّا الضَّالُّوْنَ﴾ (الحجر: ۵٦) وقال يعقوب عليه السلام لبنيه: ﴿لَا تَيْاَسُوْا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَيْاَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ (يوسف: ۸۷). (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، محمد بن كعب القرظي: ۲۱٦/۳. انيس)

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ وهو أخذه العبد من حيث لا يحتسب فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ أي لا يأمن أحد أخذه تعالى العبد من حيث لا يشعر، مع كثرة ما رأى من أخذه العباد من حيث لا يحتسبون إلا القوم الذي خسروا عقولهم وأضاعوا فطرة الله التي فطر الناس عليها، والاستعداد القريب المستفاد من النظر في الآيات ==

ناپاکی میں نماز پڑھانے کا وبال امام پر ہے:

سوال: ناواقفیت کی وجہ سے امام نے ناپاکی کی حالت میں نمازیں پڑھادیں، یہ بھی صحیح معلوم نہیں کہ کن کن لوگوں نے اس کی اقتدا کی ہے، تواب وہ کیا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

جو نمازیں ناواقفیت کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں پڑھائی گئی ہیں، وہ سب بھی واجب الاعادہ ہیں،(۱) مقتدیوں کی نمازوں کا بار بھی امام ہی پر ہے اور اگر وہ معلوم نہیں ہیں تو امام کو اللہ تعالیٰ کے سامنے صدق دل سے دعا کرنی چاہیے۔ ان مقتدیوں کا ذمہ بری ہے، امام کو اپنے اور ان سب مقتدیوں کے لئے دعا کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا اور رونا چاہیے بجز توبہ واستغفار اور کوئی صورت نہیں۔

(مکتوبات:۱۶/۴)(فتاویٰ شیخ الاسلام:۲۳)

== فصاروا خاسرين إنسانيتهم بل أخس من البهائم.(تفسير القاسمي- محاسن التأويل،تفسير سورة الأعراف،تنبيه:۱۵۹/۵.انيس)

☆ ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا:

سوال: ایک ناواقف آدمی نے حالت جنابت میں نمازیں پڑھ لیں، تو کیا اس کی ناواقفیت کو عذر قرار دے کر اس کی نمازیں صحیح کہی جائیں گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

جو نمازیں ناواقفیت کی وجہ سے حالت جنابت (ناپاکی) میں پڑھی گئی ہیں، وہ سب واجب الاعادہ ہیں۔(قال النبي صلى الله عليه و سلم:"لاتقبل صلوٰة بغير طهور" الخ.(سنن الترمذي مع العرف الشذي: ۳/۱)

ناواقفیت مسلمان کے لئے اس ملک اور اس زمانہ میں عذر نہیں ہے۔

(مکتوبات:۱۶/۴)(فتاویٰ شیخ الاسلام:۲۳)

(۱) ... وإن لم يكن كذلك واحتمل أنه قال على وجه التورع والاحتياط أعادوا صلوٰتهم.(الفتاوىٰ الهندية:۸۷/۱،الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الإقتداء)

عن إبراهيم قال:إذا فسدت صلاة الإمام فسدت صلاة من خلفه.(كتاب الآثار لأبي يوسف،باب افتتاح الصلاة (ح:۱٤٤)/كتاب الآثار لمحمدبن الحسن، باب ما يقطع الصلاة (ح:۱۳۳)

قال محمد:وبه نأخذ إذا صلى الرجل بأصحابه جنباً أو على غير وضوء أو فسدت صلاته بوجه من الوجوه فسدت صلاة من خلفه.(كتاب الآثار لمحمدبن الحسن، باب ما يقطع الصلاة (ح:۱۳۳)انيس)

عن علي بن أبي طالب قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً، فانصرف ثم جاء ورأسه يقطر ماء فصلى بنا، ثم قال:إني صليت بكم آنفاً وأنا جنب، فمن أصابه مثل الذي أصابني أو وجد رزاً في بطنه فليصنع مثل ماصنعت.(مسند الإمام أحمد،مسند علي بن أبي طالب (ح:۷۷۷)/انيس)

غیر مفتیٰ بہ قول پر بغیر غسل نماز کا حکم:

سوال: عرصہ سے ایک مسئلہ درپیش ہے اور کسی طرح حل نہیں ہوسکا، میں امید کرتا ہوں کہ جناب ضرور بالضرور حل کرلیں گے۔ میں تھوڑی سی عبارت فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ: ۱۸ رکی نقل کرتا ہوں؛ جس سے صورت مسئولہ بخوبی روشن ہوجائے گی۔عبارت فتاویٰ عالمگیری مندرجہ ذیل ہے:

ایک شخص کو احتلام ہوا یا کسی عورت کی طرف دیکھا اور منی اپنی جگہ سے بشہوت جدا ہوئی، پھر اپنے ذکر کو دبالیا؛ یہاں تک کہ شہوت اس کی ساکن ہوگئی، پھر منی بہی تو اس پر امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک واجب نہ ہوگا، یہ خلاصہ میں ہے۔(۱)

اب صورت حال یہ ہے کہ ایک شخص کو احتلام ہوا اور منی اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہوئی؛ پس اس نے اپنے ذکر کو دبالیا؛ یہاں تک کہ شہوت ساکن ہوگئی اور پھر منی بہی۔ شخص مذکور کو چونکہ پہلے سے یہ علم تھا کہ ایسی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا؛ اس لئے اس نے غسل نہیں کیا اور بغیر غسل کے نماز پڑھتا رہا اور چند مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا اور کبھی غسل نہیں کیا اور یہ اس نے محض اپنی غلط فہمی کی وجہ سے ایسا کیا اور جب اس کو معلوم ہوا کہ اس نے سخت غلطی کی تو وہ بہت نادم ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا شخص مذکور نے جس قدر نمازیں اس صورت میں پڑھی ہیں؛ وہ ادا ہوگئیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہوئیں تو اب ان کی ادائیگی کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور شخص موصوف اس فعل کے کرنے سے گنہگار ہوا یا نہیں اور اگر گنہگار رہوا تو کس درجہ کا؟

الجواب

چونکہ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور بہت سے مشائخ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی قول کو مفتی بہ لکھا ہے (اگرچہ محققین کی رائے یہ نہیں)؛ تاہم جو فعل شخص مذکور نے قول مختار سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کیا اور اس پر وہ اب نادم بھی ہے اور نفس مسئلہ میں کچھ گنجائش بھی ہے۔اس لئے حق تعالیٰ شانہ کی رحمت سے امید مسامحت کی ہے۔(۲)

---

(۱) إذا احتلم أو نظر إلى امرأة فزال المنی عن مكانه بشهوة فأمسك ذكره حتى سكنت شهوته ثم سال المنی عليه الغسل عندهما وعند أبی يوسف لايجب،هكذا فی الخلاصة.(الفتاویٰ الهندية،الفصل الثالث فی المعانی الموجبة للغسل: ۱/ ۱٤.انیس)

(۲) ﴿لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ﴾(سورة الزمر: ۵۳)﴿وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ﴾(سورةالحجر: ۵٦)انیس)

باقی جو نمازیں اس نے اس حالت میں پڑھی ہیں؛ ان کے متعلق اختلاف ائمہ اور اختلاف مشائخ مرجحین پر نظر کرکے، امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے:

"یؤخذ بقول أبی یوسف فی صلوات ماضیة فلا تعاد وفی مستقبلة لایصلی ما لم یغتسل"، اھـ. (رد المحتار: ١١٩/١)(١)

لیکن پھر بھی احتیاط یہی ہے کہ ان نمازوں کی قضا کرے؛ کیونکہ محققین کے نزدیک قول مختار امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے۔ (٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ١٣٦/٢-١٣٧)

کچھوے کی ہڈی کا طلاء لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اگر استخوان باخہ یعنی کچھوا بر بدن طلاء نمودہ نماز خواند نماز می شود یا نہ؟ (٣)

الجواب

جواب صاف این است کہ استخوان باخہ را بر بدن طلاء کردہ نماز گذاردن جائز است، نماز فاسد ومکروہ نمی شود؛ زیرا کہ استخوان او پاک است، اگرچہ خوردنِ او حلال نہ باشد۔ (٤) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ١٣١/٢)

---

(١) رد المحتار، أبحاث الغسل، مطلب فی تحریر الصاع والمد والرطل: ١٤٩/١، ظفیر

الجنب إذا اغتسل قبل أن یبول وصلی جازت صلاته فإن خرج منه المنی بعدذلک کان علیه الغسل فی قول أبی حنیفة ومحمد خلافاً لأبی یوسف، ولا یعید ماصلی، وعلی هذا الخلاف إذا استمتع بالکف فلما انفصل المنی أخذ بإحلیله حتی سکنت شهوته ثم خرج المنی. (فتاویٰ قاضی خان، فصل فیمایوجب الغسل: ٥٤-٥٥، اشپاٹک لیتھو گرافس کلکته. انیس)

(٢) (وفرض) الغسل (عند) خروج (منیّ) من العضو وإلا فلا یفرض اتفاقاً الخ (منفصل عن مقره) الخ (بشهوة) الخ ولأنه لیس بشرط عندهما خلافاً للثانی. (الدر المختار)

قال فی رد المحتار (تحت قول الدرقلت: الخ): ... لکن أکثر الکتب علٰی خلافه حتی البحر والنهر، ولاسیما قد ذکروا أن قوله قیاس وقولهما استحسان وأنه الأحوط، فینبغی الإفتاء بقوله فی مواضع الضرورة فقط تأمل. (رد المحتار، أبحاث الغسل، مطلب فی تحریر الصاع والمد والرطل: ١٤٨/١-١٤٩)

(٣) خلاصۂ سوال: اگر کچھوے کی ہڈی کا طلاء لگا کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ انیس

(٤) (شعر المیتة) ... (وعظمها) الخ وکذا کل مالاتحله الحیاة ... (طاهر). (الدر المختار علٰی صدر رد المحتار، باب المیاه، مطلب فی أحکام الدباغة: ١٩٠/١، ظفیر)

خلاصۂ جواب: واضح جواب یہ ہے کہ کچھوے کی ہڈی کو بدن پر طلاء کرکے نماز پڑھنا جائز ہے، نماز فاسد یا مکروہ نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے کہ اس کی ہڈی پاک ہے، اگرچہ اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ انیس

ناپاک تیل کی مالش کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں:

سوال: زید دس ماہ سے مالش روغن بیر بہوٹی کی،تقویت باہ کیلئے کرتا ہے اور بغیر دھوئے نمازِ پنجگانہ ادا کرتا ہے۔ آیا نماز اس کی جائز ہے یا نہیں اور برتقدیر عدم جواز دس ماہ کی نماز کی قضا واجب ہے یا نہیں اور تداوی بالمحرم جائز ہے یا نہیں اور حشرات الارض بھی اس میں داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب

تداوی بالمحرم عند الضرورت بشرائط جائز ہے۔

کما فی الشامی؛قال فی النهایة:وفی التهذیب:یجوز للعلیل شرب البول،والدم والمیتة للتداوی إذا أخبره طبیب مسلم أن فیه شفاءه ولم یجد من المباح مایقوم مقامه،الخ.(۱)

اور تداوی بالمحرم میں حشرات الارض بھی داخل ہیں۔

لقوله تعالیٰ:﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾(۲)

اور یہی وجہ حرمت ان حشرات کی ہے اور نجس ہونا؛نہ ہونا،دم سائل ہونے پر موقوف ہے۔پس اگر بیر بہوٹی میں دم سائل ہے تو مرنے کے بعد وہ نجس ہے اور اس کا تیل بھی نجس ہے،اس کو دھوکر نماز پڑھنی چاہئے اور جو نمازیں بلا دھوئے پڑھی گئیں،ان کا اعادہ لازم ہے اور یہ امور کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہیں۔(۳)فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۳۲)

---

(۱) رد المحتار،کتاب البیوع،باب المتفرقات،مطلب فی التداوی بالمحرم:۴/۲۹۸،ظفیر

(۲) سورة الأعراف:۱۵۷.

﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ أی المستخبثات کالحشرات والخنازیر، الخ.(فتح القدیر للشوکانی،تفسیر سورة الأعراف:۲/۲۸۸.انیس)

(۳) یعنی حشرات الارض اگر ایسے ہیں کہ ان میں دم سائل نہیں ہے تو ان کا تیل ناپاک نہیں ہوتا،اس کا استعمال جائز رہتا ہے اور اگر حشرات الارض ذی دم مسفوح ہیں تو ان کا تیل ناپاک ہے اور اس تیل کا استعمال کھانے پینے کے لیے جائز نہیں ہوگا۔البتہ ضرورتاً مالش وغیرہ کے لیے استعمال میں لانا درست ہے۔

(ودم) مسفوح من سائر الحیوانات إلا دم شهید ما دام علیه.(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار،باب الأنجاس،مبحث فی بول الفأرة،الخ:۱/۳۱۹،دار الفکر)

(ونُجیز بیع الدهن المتنجس والانتفاع به فی غیر الأکل) کالاستصباح والدباغة وغیرهما،ابن المالک.(رد المحتار،کتاب البیوع،مطلب فی بیع دودة القرمز:۵/۷۳،انیس)

حشرات الارض کا تیل لگا کر نماز جائز ہے یا نہیں:

سوال: مندرجہ ذیل جانوروں کا تیل نجس ہے یا نہیں، اگر نجس ہے تو مغلظہ یا خفیفہ؟ اگر کوئی شخص ان روغنوں کو بغرض علاج جسم کے کسی حصہ پر مالش کرے، تو شرعاً جائز ہے یا نہیں اور نماز کو مانع ہے یا نہیں؟ بغیر دھوئے جسم کے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ روغن جونک جھیلی، روغن مورچہ صحرائی، روغن خراطین برساتی، روغن بیر بہوٹی۔

الجواب

ان جانوروں حشرات الارض کا تیل نجس مغلظہ ہے، استعمال اس کا درست نہیں ہے۔(۱)

البتہ بضرورت تداوی اگر طبیب حاذق مسلمان تجویز کرے اور کوئی دوا پاک وحلال اس کا قائم مقام نہ ہو سکے، تو اس کا استعمال درست ہے۔(۲) اور جبکہ وہ نجاست غلیظہ ہے، تو ایک درہم کی مقدار تک معاف ہے؛ نماز ہو جاتی ہے، اگرچہ بہتر دھونا ہے اور مقدار درہم سے زیادہ ہو تو دھونا اور پاک کرنا ضروری ہے؛ ورنہ نماز نہ ہوگی۔

درمختار میں ہے:

(وعفا) الشارع (عن قدر درهم) الخ. (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۱۳۴-۱۳۵)

بحالت مجبوری ناپاک دوا کا موجود رہنا:

سوال: اگر کسی شخص نے ایسا طلاء استعمال کیا جس کا ایک جزو شراب بھی ہے اور اس عضو کا دھونا سخت مضر ہے تو ایسی صورت میں نماز کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب

اگر دھونے سے اس عضو کو نقصان پہنچنے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں بغیر دھوئے نماز جائز ہوگی؛ کیوں کہ ضرورت میں سب جائز ہوتا ہے۔

(۱) (ولا يحل ذوناب) ... (ولا الحشرات)هي صغاردواب الأرض. (الدرالمختار علی صدررد المحتار، كتاب الذبائح: ۲۶۵/۵، ظفير)

(۲) وقيل يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان، وعليه الفتویٰ. (الدرالمختار علی صدر رد المحتار، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم: ۱۹۴/۱، ظفير)

(۳) الدرالمختار علی صدر رد المحتار، باب الأنجاس: ۲۹۱/۱۔

بدن کا پاک رہنا نمازی کے لئے شرط ہے۔

وطهارة بدنه. (الدرالمختار علی صدررد المحتار، باب شروط الصلاة: ۳۷۳/۱، ظفير)

قاعدہ ہے:

الضرورات تبيح المحظورات.(۱)

الأشباه والنظائر میں ہے:

وقد تراعى المصلحة بغلبتها على المفسدة،فمن ذلك الصلاة مع اختلال شرط من شروطها من الطهارة أوالستر أوالاستقبال فإن فى كل ذلك مفسدة لما فيه من الإخلال بجلال الله تعالىٰ فى أن لايناجى إلا علىٰ أكمل الأحوال ومتى تعذرعليه شيء من ذلك جازت الصلاة بدونه تقديمًا لمصلحة الصلاة علىٰ هذه المفسدة،انتهىٰ.(۲)(مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحئ اردو:۲۲۰)

لوپ (دوالگانے) کی حالت میں نماز:

سوال: لوپ لگوانے سے عوتوں کی نماز، قرآن شریف کی تلاوت میں تو کسی قسم کی خرابی نہیں آتی؟ اگر چہ لوپ بعض دفعہ بطور علاج بھی لگایا جاتا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

لوپ اگر پاک ہے اور علاج کے لیے لگا رکھا ہے تو ایسی حالت میں نماز، تلاوت وغیرہ کچھ بھی ممنوع نہیں، سب درست ہے۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔۲۳/۳/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیو بند۔۲۳/۳/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۱۴)

---

(۱) الفروق للقرافي،الحجة الرابعة الشاهد واليمين: ۱/۱٤٦/الأشباه والنظائرللسبكي،القاعدة الثانية الضرر يزال: ۱/٤٥/الموافقات،الطرف الأول فى الاجتهاد: ٥/٩٩/المنثورفى القواعد الفقهية،حرف الضاد المعجمة: ۲/۳۱۷/فتح القدير،باب ثبوت النسب: ٤/۳٤۸/التحبيرشرح التحرير، لاضرر ولاضرار: ۸/۳۸٤۷/ الأشباه والنظائرلابن نجيم،القاعدة الثانية ماأبيح للضرورة يقدربقدرها:۷۳.انيس

(۲) الأشباه والنظائرلابن نجيم،القاعدة الثانية:الحاجة تنزل منزلة الضرورة:۷۸.انيس

(۳) اس لیے کہ یہ پاک ہوتا ہے اور اس میں نجاست کا کوئی اثر نہیں ہوتا، ہاں البتہ تحقیق کے ساتھ اس کا نجس ہونا معلوم ہو تو پھر نماز وغیرہ درست نہیں۔

ثم الشرط: ... ما يتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه (هى) ستة:(طهارة بدنه)...(من حدث)... (وخبث).(تنوير الأبصارمتن الدر المختارعلىٰ صدرردالمحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ۱/٤۰۲،سعيد)

اگر نماز میں، مردار کی ہڈی بدن پر ہو:

سوال: مردار کی ہڈی گلے وغیرہ میں لٹکا کر نماز درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مردار کی ہڈی پاک ہوتی ہے، سوائے خنزیر کے، سواس کے ساتھ ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا۔(۳) فقط
(مجموعہ کلاں، ص: ۱۴۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۷۶)

اگر مصلی پر ناپاک بچہ بیٹھ جائے تو نماز کا حکم:

سوال: ناپاک بچہ اگر کسی نمازی شخص پر بیٹھ گیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

نماز ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو! البحر الرائق میں ہے:

"فلو جلس الصبی المتنجس الثوب والبدن فی حجر المصلی وهو یستمسک أو الحمام المتنجس علٰی رأسه جازت صلاته لأنه الذی یستعمله فلم یکن حامل النجاسة". (البحر الرائق، باب الأنجاس، کوئٹہ: ۲۲۸/۱)

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

وفی الظهیریة: الصبی إذا کان ثوبه نجسًا أو هو نجس فجلس علٰی حجر المصلی وهو یستمسک أو الحمام النجس إذا وقع علٰی رأس المصلی وهو یصلی کذلک جازت الصلاة ... أن الذی علی المصلی مستعل له فلم یصر المصلی حاملاً للنجاسة. (البحر الرائق: ۲۶۷/۱، باب شروط الصلاة، کوئٹہ)

(۳) عن ابن عباس قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ﴾ ألا کل شیء من المیتة حلال إلا ما أکل منها فأما الجلد والقرن والشعر والصوف والسن والعظم فکل هذا حلال لأنه لایذکی. (سنن الدارقطنی، باب الدباغ (ح: ۱۲۰) / السنن الکبریٰ للبیهقی، باب المنع من الانتفاع بشعر المیتة (ح: ۸۱)

(وشعر المیتة) غیر الخنزیر علی المذهب (وعظمها ...) ... (طاهر). (الدر المختار علٰی صدر ردالمحتار، مطلب فی أحکام الدباغة: ۳۵۹/۱-۳۶۲) انیس)

عالمگیری میں ہے:

إذا وضع فی حجر المصلی الصبی الغیر المستمسک وعلیه نجاسة مانعة إن لم یمکث قدر ما أمکنه أداء رکن لاتفسد صلاته وإن مکث تفسد بخلاف ما لو استمسک وإن طال مکثه وکذا الحمامة المتنجسة إذا جلست علیه هکذا فی الخلاصة وفتح القدیر. (الفتاویٰ الهندیة: ٦٣/١) **والله سبحانه تعالیٰ أعلم** (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۲/۱۱۴-۱۱۵)

ننگے پاؤں چلنے والا بغیر پاؤں دھوئے نماز پڑھ سکتا ہے:

سوال: اگر وضو کر کے کوئی شخص میل دو میل تک ننگے پیر چلے اور پھر پانی پیر دھونے کیلئے نہ ملے تو پیروں کو جھاڑ کر نماز پڑھنے سے نماز ہوجاوے گی یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں پیروں کو جھاڑ کر اور صاف کر کے نماز پڑھے، تو نماز ہوجاوے گی۔(۱) اور صورتِ مسئولہ میں تو نجاست کا سوال ہی نہیں ہے؛ محض شک ووہم ہے اور فقہا کا اصول ہے:

"**الیقین لایزول بالشک**". (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۳۹)

☆☆☆

---

(١) وطین شارع ... عفو. (الدرالمختار)

وفی رد المحتار:...وفی الفیض:طین الشوارع عفووإن ملأ الثوب للضرورة ولومختلطاً بالعذرات و تجوز الصلاة معه.(رد المحتار،باب الأنجاس،مطلب فی طین الشوارع: ٢٩٩/١،ظفیر)

وفی التجنیس:مشی فی طین أو أصابه ولم یغسله وصلی تجزئه مالم یکن فیه أثر النجاسة لأنها المانع ولم توجد إلا أن یحتاط أما فی الحکم فلایجب.(فتح القدیر،باب الأنجاس وتطهیرها: ٢١١/١)

ولذا أفتوا بطهارة طین الطرقات.(الأشباه والنظائر،القاعدة:الأصل بقاء ما کان علی ما کان: ١٩٩)انیس)

(٢) الأشباه والنظائر لابن نجیم: ٧٥،ظفیر

قوله:الیقین لایزول بالشک،قیل: لا شک مع الیقین فکیف یرتفع ما لاوجود له ؟ ویمکن أن یقال:الأصل الیقین لا یزیله شک طارئ علیه.(غمزعیون البصائر،القاعدة الثالثة:الیقین لایزول بالشک: ١٩٣/١.انیس)

نماز میں کپڑے کی پاکی کے مسائل

بازاری لٹھا وململ میں نماز درست ہے:

سوال: ململ اور لٹھا جو ہم بازار سے خرید کر پہنتے ہیں؛ ان سے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب

ان کپڑوں سے نماز پڑھنا درست ہے۔(١) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ١٣٢/٢)

کورے کپڑے میں نماز درست ہے:

سوال: کورے کپڑے سے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

کورے کپڑے سے بدون دھوئے نماز درست ہے۔(٢)

(اس لئے کہ یہ پاک ہے، اس سلسلہ میں شک کا کوئی اعتبار نہیں۔ درمختار میں ہے: "ولو شک فی نجاسة ماء أوثوب الخ لم یعتبر". (الدر المختار) (اضافہ۔ ظفیر))(٣) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ١٣٨/٢)

(١-٢-٣) اس لئے کہ یہ کپڑے پاک ہیں اور ان کا پہننا جائز ہے۔

"ولو شک فی نجاسة ماء أوثوب الخ لم یعتبر". (الدر المختار)

قال فی ردالمحتار:

(قوله ولو شک، الخ) فی التاتارخانیة: من شک فی إنائه أوثوبه أوبدنه أصابته نجاسة أولا فهو طاهر مالم یستیقن، الخ، وکذا ما یتخذه أهل الشرک أوالجهلة من المسلمین کالسمن والخبز والأطعمة والثیاب، آه ملخصًا. (رد المحتار، کتاب الطهارة، قبیل مطلب فی أبحاث الغسل: ١٤٠/١، ظفیر)

پھر فقہا کا مسلم قاعدہ ہے۔

"الیقین لایزول بالشک". (الأشباه والنظائر لابن نجیم: ٧٥، ظفیر)

ولو کان الثوب طاهراً فشک فی نجاسته جازله أن یصلی فیه، لأن الشک لا یرفع الیقین، وکذا إذا کان عنده ماء طاهر فشک فی وقوع النجاسة فیه، ولا بأس بلبس ثیاب أهل الذمة والصلاة فیها، ==

نماز کوٹ پتلون میں ہوتی ہے یا نہیں:

سوال: کیا کوٹ پتلون سے نماز ہوجاتی ہے؟

الجواب

اگر یہ کپڑے پاک ہوں، تو نماز ہوجاتی ہے۔(۱) اور پہننا ان کپڑوں کا ممنوع ہے بوجہ تشبہ کے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۳۴)

انڈرویئر کے ساتھ نماز پڑھنا:

سوال: شلوار یا پاجامہ کے نیچے انڈرویئر یا جانگیہ پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر پاک ہو تو جائز ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۲۸)

ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی:

سوال: شخصے بعداز چہل سال گاہ بگاہ در مرض تقطیر البول مبتلا شد پس او برائے دفع وہم بول یک پارچہ خورد زیریں استعمال می کند وآں پارچۂ زیریں گاہے از بول آلودہ می شود پس ازاں پارچۂ زیریں زیر تہبند دیگر داشتہ نماز جائز است یا نہ؟ (۳)

== إلا الإزار والسراويل فإنه تكره الصلاة فيهماوتجوز. (أما)الجوازفلأن الأصل فى الثياب هو الطهارة فلا تثبت النجاسة بالشک ولأن التوارث جارٍ فيمابين المسلمين بالصلاة فى الثياب المغنومة من الكفرة قبل الغسل.(بدائع الصنائع،فصل فى بيان المقدارالذى يصيربه المحل: ۸۱/۱.انيس)

(۱) (طهارة بدنه) ... (وثوبه).(الدرالمختار)

قال فى ردالمحتار:(قوله وثوبه)أراد ما لابس البدن،فدخل القلنسوة والخف والنعل،ط،عن الحموى.(رد المحتار ،باب شروط الصلاة: ۳۷۳/۱)

(۲) تطهير النجاسة من بدن المصلّى وثوبه والمكان الذى يصلّى فيه واجب،الخ. (الفتاویٰ الهندية: ۵۸/۱)

(۳) خلاصۂ سوال: ایک شخص چالیس سال کے بعد، وقتاً فوقتاً پیشاب ٹپکنے کی بیماری میں مبتلا ہوگیا تو وہ پیشاب کے وہم کے ازالہ کے لئے ایک چھوٹا کپڑا نیچے استعمال کرتا ہے، اور وہ نچلا کپڑا کبھی پیشاب سے تر ہوجاتا ہے، تو کیا دوسرے تہبند کے نیچے اس چھوٹے کپڑے کو رکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ انیس

الجواب

اگر معلوم ومتعین است کہ پارچۂ زیریں از قطرات بول زیادہ از قدر درہم شدہ است نماز دراں صحیح نخواہد بود وگرنہ جائز است۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۴۲) ☆

(۱) (وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وإن كره تحريماً، فيجب غسله،ومادونه تنزيهًا فيسن،وفوقه مبطل فيفرض.(الدر المختار)

قال في رد المحتار:ففي المحيط:يكره أن يصلي ومعه قدر درهم أودونه من النجاسة عالماً به لاختلاف الناس فيه .رد المحتار،باب الأنجاس: ۲۹۱/۱،ظفير)

خلاصۂ جواب: اگر یہ معلوم ومتعین ہے کہ نیچے کا کپڑا پیشاب کے قطروں سے ایک درہم کی مقدار سے زیادہ ملوث ہے، تو اس میں نماز صحیح ودرست نہ ہوگی، ورنہ جائز ہے۔انیس

☆ ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوگی:

سوال: ہندہ کی گود میں شیرخوار بچہ ہے جس کی وجہ سے اس کا کپڑا ہروقت ناپاک رہتا ہے، تو ایسی حالت میں ہندہ ناپاک کپڑے سے نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

پاک کپڑا بدل کر یا ناپاک کو دھوکر نماز پڑھنی چاہئے، ناپاک کپڑے سے نماز نہ ہوگی۔(بشرطیکہ ایک درہم سے زائد ہو۔انیس)(ثم الشرط،الخ، شرعًا ما يتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه (هي)ستة (طهارة بدنه)أي جسده،الخ (وثوبه).(الدر المختار على هامش رد المحتار،باب شروط الصلوٰة:۱/۳۷۳،ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم:۲/۱۳۷-۱۳۸)

ناپاک کپڑوں میں نماز کا حکم:

سوال: اگر امام کے کپڑوں پر شیرخوار نے خوب پیشاب کیا ہو اور ان سے بھول کر نماز پڑھ لی ہو تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز لوٹانی چاہئے۔(اگر ایک درہم سے زائد نجاست لگی ہو۔(هي)(أي شروط الصلاة)ستة (طهارة بدنه) (إلى قوله)(وثوبه).(الدر المختار) (الدر على ردالمحتار،باب شروط الصلاة: ۴۰۲/۱،انيس)

النجاسة إن كانت غليظة وهي أكثر من قدر الدرهم فغسلها فريضة والصلوٰة فيها باطلة وإن كانت مقدار درهم فغسلها واجب،الخ.(الفتاوىٰ الهندية،: ۵۸/۱،الفصل الأول في الطهارة وستر العورة)

(وإذا ظهر حدث إمامه)وكذا كل مفسد في رأي مقتد(بطلت فيلزم إعادتها)الخ(كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب)أوفاقد شرط أو ركن.(الدر المختار على هامش ردالمحتار،باب الإمامة،مطلب المواضع التي تفسد صلاة الإمام دون المؤتم: ۵۵۳/۱،ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۴۱)

الکحل ملا ہوا سینٹ نماز کے وقت لگانا:

سوال: کسی شخص نے سینٹ لگایا ہوا اور اس میں الکحل ملایا ہوا ہو، تو کیا اس شخص کی نماز ہوگی؟

(محمد توصیف کھڑکی پونہ)

الجواب

الکحل بنیادی طور پر تیز شراب کا جوہر اور ایک نشہ آور چیز ہے اور نشہ آور سیال چیزیں حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی ہیں۔ الکحل اگر انگور، کھجور یا کشمش سے بنائی گئی ہو تو بالاتفاق ناپاک اور حرام ہے۔ اگر مذکورہ شخص نے سینٹ میں اس قسم کا الکحل استعمال کیا ہوا اور وہ ہتھیلی کی مقدار سے زیادہ ہو تو نماز نہیں ہوگی اور اس سے کم ہو تو نماز درست ہوگی، اور اگر الکحل ان چیزوں کے علاوہ اور چیزوں سے بنایا گیا ہو تو چونکہ اس صورت میں بھی نماز مشتبہ ہوگی؛ اس لئے احتیاطاً نماز دہرائی جائے۔ درمختار میں منقول ہے کہ!

(وعرض مقعر الكف) وهو داخل مفاصل أصابع اليد (في رقيق من مغلظة كعذرة) آدمي. (الدر المختار: ۵۲۲/۱)(۱)

(وعفي دون ربع) جميع بدن و (ثوب) ولو كبيرًا هو المختار، ذكره الحلبي، ورجحه في النهر على التقدير بربع المصاب كيد وكم وإن قال في الحقائق وعليه الفتوى. (الدر المختار: ۵۲٦/۱)(۲)

قال محمد في الأصل: إذا طرح في الخمر ريحان يقال له سوسن حتى توجد رائحته فلاينبغي أن يدهن أويتطيب بها. (الفتاویٰ الهندية: ۴۱۰/۵)(۲) والله أعلم وعلمه أتم

محمد شاکر خان قاسمی پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان: ۲/۲-۷۳)

مقدار درہم سے کم رطوبت کے ساتھ نماز صحیح ہے:

سوال (۱) اگر تہبند بعد وطی فی الفور باندھ لیا جاوے، تو اس سے نماز درست ہے یا نہیں؟

مذی لگے ہوئے کپڑوں میں نماز درست ہے یا نہیں:

(۲) جس کپڑے کو مذی لگ جاوے اس سے نماز درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب الأنجاس، مطلب في طهارة بوله صلى الله عليه وسلم، انيس

(۲) وإذا طبخ في الخمر ريحان يقال له: سوسن، حتى يأخذ ريحها ثم يباع لا يحل لأحد أن يدهن أو يتطيب به لأنه عين الخمر. (المبسوط للسرخسي، كتاب الأشربة: ۲۱/۲۴. انيس)

الجواب

(۱) اگر تہبند کو رطوبت زائد قدر درہم سے نہ لگے تو وہ پاک ہے، نماز اس سے صحیح ہے، لیکن دھونا قدر درہم کا بھی ضروری ہے کہ باقی رکھنا اس کا مکروہ ہے۔(۱)

(۲) مذی نجس ہے، جس کپڑے کو مذی لگے گی وہ نجس ہے اس سے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔(۲) اور مقدار درہم اس میں بھی معاف ہے، لیکن دھونا اس کا بھی ضروری ہے۔ درمختار میں ہے:

(وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وإن كره تحريمًا، فيجب غسله، ومادونه تنزيهًا فيسن.(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۳۳)

دھبّے کو دیکھتے ہوئے نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اگر پاجامہ پر دھبہ معلوم ہو اور خواب یاد نہیں اور میری دوکان تمباکو کی ہے شاید تمباکو کا دھبہ لگ گیا ہو۔ غرض کہ اسی دھبہ سے برابر ایک ہفتہ تک نماز پڑھتا رہا، وقت بدلنے کپڑے کے قبل از جمعہ مجھ کو معلوم ہوا، بعدہ نہا کر کپڑے بدل لئے تو اس ہفتہ کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اگر یہ یقین ہو کہ یہ دھبہ منی کا ہے، تو اس سے پہلے جو آخر مرتبہ سویا ہو اس کے بعد کی نمازوں کا لوٹانا ہوگا۔ مثلاً رات کو سویا تھا اور دن کو قبل از ظہر دھبہ دیکھا تو صبح کی نماز کا اعادہ کرے اور اگر بعد ظہر کے دیکھا تو ظہر کا بھی اعادہ کرے اور اگر منی ہونا اس کا یقینی نہیں ہے؛ بلکہ یہ بھی شبہ ہے کہ شاید اور کسی چیز کا دھبہ ہو، تو پھر کسی ایک نماز کا بھی اعادہ لازم نہیں ہے۔(۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۳۷)

---

(۱) (وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وإن كره تحريمًا، فيجب غسله، وما دونه تنزيهاً فيسن، وفوقه مبطل فيفرض. (الدر المختار)

(قوله وإن كره تحريمًا): أشار إلى أن العفو عنه بالنسبة إلى صحة الصلاة به، فلاينافي الإثم ، الخ ، لكنه قال بعده: والأقرب أن غسل الدرهم ومادونه مستحب مع العلم به والقدرة على غسله، فتركه حينئذ خلاف الأولى، نعم الدرهم غسله آكد مما دونه، الخ. ففي المحيط: يكره أن يصلي ومعه قدر درهم أو دونه من النجاسة عالمًا به ، الخ. (رد المحتار، باب الأنجاس: ۱/۲۹۱-۲۹۲، ظفير)

(۲) كل مايخرج من بدن الإنسان ممايوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلظ كالغائط والبول والمني والمذي والودي والقيح و الصديد. (الفتاوى الهندية، الباب السابع، الفصل الثاني: ۱/٤٤)

(۳) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الأنجاس: ۱/۲۹۱، ظفير

(۴) (فرض) الغسل الخ عند (رؤية مستيقظ)، الخ، منياً أو مذياً (وإن لم يتذكر الاحتلام) ==

ناپاک کپڑوں میں بھول کر نماز پڑھ لینا:

سوال: بدن یا کپڑے پر ناپاکی لگ گئی، نماز کے وقت بھول کر نماز پڑھ لی، تو کیا وہ نماز پھر لوٹانی پڑے گی؟

الجواب ــ

اگر ناپاکی کا وزن ساڑھے تین ماشے تھا یا اگر نجاست سیال تھی تو اس کا پھیلاؤ ایک روپے کے برابر تھا، تو نماز ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں، اگر اس سے زیادہ تھا تو نماز لوٹانا ہوگی۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۲/۳)

فجر کی نماز پڑھ کر کپڑوں پر منی دیکھی:

سوال: اگر کسی کو رات میں احتلام ہوجائے اور اسے صبح کو یاد نہیں رہا کہ اس کو رات میں احتلام ہوا ہے اور اس نے فجر کی نماز ادا کی پھر دو پہر کو اس نے نجاست دیکھی، آیا اس کی نماز ادا ہوئی یا نہیں، اگر نہیں تو اعادۂ نماز کر کے کوئی گناہ اس پر ہوگا یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر فجر کے بعد نہیں سویا تو نماز فجر کا اعادہ لازم ہے۔(کذا فی الدر المختار) (۲) (فتاویٰ محمودیہ: ۵۱۵/۵)

کپڑوں پر ناپاکی دیکھنے والے کو کتنے وقت کی نماز کا اعادہ کرنا چاہئے:

سوال: ایک شخص نے بروز جمعہ کپڑے بدلے اور بروز شنبہ ان کپڑوں پر ناپاکی لگی ہوئی دیکھی، تو اس شخص کو کتنی نمازیں لوٹانی ہوں گی؟

== إلا إذا علم أنه مذی أو شک أنه مذی أو ودی أو كان ذكره منتشرًا قبيل النوم فلا غسل عليه، الخ، أو تيقن أنه منی أو تذكر حلمًا فعليه الغسل. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، أبحاث الغسل : ١٥٢/١، ظفير)

(١) وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ ... جازت الصلوٰة معه وإن زاد لم تجز، الخ. (الهداية: ٥٨/١)

(٢) وجد فی ثوبه منيًا أو بولاً أو دمًا أعاد من آخر احتلام وبول ورعاف".

"(قوله: أعاد من آخر احتلام الخ) لف ونشر مرتب. وفی بعض النسخ من آخر نوم وهو المراد بالاحتلام، لأن النوم سببه كما نقله فی البحر". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، فصل فی البئر، فرع: ٢١٩/١، سعيد)

"الأصل إضافة الحادث إلىٰ أقرب أوقاته، منها ما قدمناه فيما لو رأى فی ثوبه نجاسة وقد صلى فيه، ولا يدری متى أصابته، يعيدها من آخر حدث أحدثه، والمنی من آخر رقدة". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة: ٢٠٣/١، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

الجواب

فی الدر المختار،فصل فی البئر: (فرع)وجد فی ثوبه منيًا (إلٰی قوله)أعاد من آخر احتلام.أی من آخر نوم. (كما فی رد المحتار)(١)

اس سے معلوم ہوا کہ اخیر سونے سے جو اٹھا ہے اس وقت سے نمازیں لوٹاوے۔فقط

٣٠/رجب ١٣٢٩ھ ۔(تتمہ اولیٰ صفحہ:٣٦)

سوال: ایک شخص رات کو جو کپڑا پہن کر سوتا ہے صبح کو اس کپڑے میں ناپاکی کا اثر پایا گیا،اس کو یہ معلوم نہیں کہ کتنے روز سے یہ نہانے کی حاجت ہوئی ہے،اب وہ شخص کتنے روز کی نمازیں دہراوے؟اور وہ شخص بہت پریشان ہے۔

الجواب

وجد فی ثوبه منياً أوبولاً أودماً أعاد من آخر احتلام وبول ورعاف، كذا فی الدر المختار.

وفی رد المحتار: فی بعض النسخ من آخر نوم وهو المراد بالاحتلام لأن النوم سببه. (كما نقله فی البحر. ٢٢٦/١)(٢)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آخری سونے سے نماز لوٹاوے یعنی اگر سوکر اٹھا فجر کو دیکھا ہے تو یہ سمجھیں گے کہ اسی شب میں احتلام ہوا ہے غسل کر کے فجر پڑھے اور اگر فجر پڑھنے کے بعد دیکھا ہے تو تو فجر کی نماز لوٹاوے۔

٢٤/جمادی الاولیٰ ١٣٣٣ھ (تتمہ ثالثہ،صفحہ:٣٥)(امداد الفتاویٰ جدید:٢٠٥/١)

ناپاک اونی کپڑا بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا اور نہ ایسے کپڑے سے نماز جائز ہے:

سوال: اونی کپڑے پر اگر گوبر وغیرہ لگ جائے اور خشک ہوکر خود بخود جھڑ جائے یا پیشاب وغیرہ سے تر ہوکر خشک ہوجائے تو اس کپڑے پر بلا پاک کئے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

وہ کپڑا بدوں دھونے کے پاک نہ ہوگا،اس کو تین بار دھونا چاہئے۔(٣)فقط (اور جب تک وہ پاک نہ ہو،اس پر نماز جائز نہیں ہے۔ظفیر)(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:١٣٨/٢-١٣٩)

(١-٢) الدر المختار مع رد المحتار، فصل فی البیر، فرع: مطلب مهم فی تعريف الاستحسان: ٢١٩/١-٢٢٠/ وكذا فی البحر الرائق شرح كنز الدقائق،موجبات الغسل: ٥٩/١،انیس

(٣) وإزالتها إن كانت مرئيةً بإزالة عينها وأثرها إن كانت شيئًا يزول أثره، الخ، وإن كانت غير مرئية يغسلها ثلٰث مرات ويشترط العصر فی كل مرة فيما ينعصر،الخ. (الفتاویٰ الهندية،كتاب الطهارة،الباب السابع،الفصل الأول فی تطهير الأنجاس: ٤٠/١)(كذا فی المحيط البرهانی،الفصل السابع فی النجاسات وأحكامها: ١٩٦/١.انیس)

پاک کپڑا نہ ہوتو ناپاک میں نماز پڑھ لے:

سوال: زید کے کپڑے ناپاک ہوگئے اور نماز کا وقت ہوگیا، پانی موجود نہیں، نماز قضا کرے یا ناپاک کپڑوں ہی میں ادا نماز پڑھ لے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس وقت ناپاک کپڑے ہی میں پڑھ لے، مگر اس کے بعد دوسری نماز کے وقت کے اندر پاک کپڑا ملنے کا ظن غالب ہو، تو اس وقت نماز پڑھنا فرض نہیں، مع ہذا بہتر ہے کہ اس وقت بھی پڑھ لے اور بعد میں قضا بھی پڑھے۔

كما قالوا فى العاجزعن القيام ويغلب علىٰ ظنه القدرة بعده. (١) **فقط والله تعالىٰ اعلم**

٢١/ذی قعدہ ١٤٠٠ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٤٤١/٣)

بالکل مجبوری میں ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت:

سوال: انسان ایسی جگہ پر موجود ہے کہ جہاں پانی بالکل نہیں ملتا، نماز وغیرہ تیمّم سے پڑھی جاتی ہے، تو اس جگہ انسان کو احتلام ہوجاتا ہے، اس کے پاس پہنے ہوئے کپڑے کے علاوہ اور کپڑے نہیں ہیں، تیمّم سے انسان تو پاک ہوجاتا ہے، اب اس جگہ پر جہاں کپڑا دھونے کے لیے پانی نہیں ملتا، کیا کیا جائے؟

الجواب ـــــــــــــــ

چند مسئلے سمجھ لیجئے:

اول: مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے، (٢) جس کا چھپانا مرد کے لیے نماز میں فرض ہے، (٣) پس اگر لنگی یا پاجامہ ناپاک ہوگیا، مگر کرتہ قمیص یا کوئی اور کپڑا موجود ہے جس سے اتنا ستر چھپایا جاسکتا ہے جو اوپر لکھا گیا

---

(١) ويتفرع على هذا الاختلاف مالو ازدحم جمع على بئر، لا يمكن الاستقاء منها إلا بالمناوبة أو كانوا عراة ليس معهم إلا ثوب يتناوبونه وعلم أن النوبة لاتصل إليه إلا بعد الوقت فإنه لايتيمم ولا يصلى عارياً بل يصبر عندنا، وكذا لو اجتمعوا فى مكان ضيق ليس فيه إلا موضع يسع أن يصلى قائماً فقط يصبر ويصلى قائماً بعدالوقت كعاجزعن القيام والوضوء فى الوقت ويغلب على ظنه القدرة بعده وكذا معه ثوب نجس وماء يلزمه غسل الثوب وإن خرج الوقت ،بحر ملخصاًعن التوشيح. (ردالمحتار، باب التيمم: ٢٣٣/١ / وكذا فى البحرالرائق، شرائط التيمم: ١٤٧/١. انيس)

(٢) العورة للرجل من تحت السرّة حتى تجاوزركبتيه ، الخ . (الفتاوىٰ الهندية: ٥٨/١)

(٣) سترالعورة شرط لصحة الصلاة إذا قدرعليه. (الفتاوىٰ الهندية: ٥٨/١، الفصل الأول فى الطهارة وسترالعورة)

ہے،تو لنگی یا پاجامہ اتار کر اس پاک کپڑے سے ستر چھپائے اور اس سے نماز پڑھے،ایسی صورت میں ناپاک لنگی اور پاجامہ میں نماز جائز نہیں۔(١)

دوم: اور اگر بقدر فرض ستر چھپانے کے لیے بھی کوئی پاک کپڑا نہیں اور ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں،تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(١) وہ کپڑا ایک چوتھائی یا اس سے زیادہ پاک ہے،اس صورت میں اسی ناپاک کپڑے ہی میں نماز پڑھنا ضروری ہے،برہنہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ (٢)

(٢) وہ کپڑا پورے کا پورا ناپاک ہے،اس صورت میں اختیار ہے کہ کپڑا پہن کر نماز پڑھے یا برہنہ نماز پڑھے،(٣)لیکن اگر برہنہ نماز پڑھے تو بیٹھ کر پڑھے اور رکوع وسجدہ کے بجائے اشارہ کرے۔(٤)

(٣) وہ کپڑا چوتھائی سے کم پاک ہے،تو اس صورت میں بھی اختیار ہے،چاہے کپڑا پہن کر نماز پڑھے یا کپڑا اتار کر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔(٥)(آپ کے مسائل اوران کا حل:٣٣٠/٣-٣٣١)

بار بار کپڑا نجس ہوجاتا ہو،تو تبدیل نہ کریں:

سوال: بواسیر خونی کا ایک مریض ایسا ہے کہ ہر وقت اس کا خون رستا رہتا ہے اور وہ معذور ہے نماز کے لئے تو اس کو ایک بار وضو کرنا پڑے گا،لیکن جو پاک کپڑا پہن کر وہ نماز پڑھتا ہے وہ تھوڑی دیر میں پھر خون آلود ہو کر ناپاک ہوجاتا ہے،تو اس سلسلہ میں ارشاد فرمائیں کہ وہ مریض اسی آلودہ کپڑے سے ہی نماز پڑھ لے یا وہ نماز توڑ کر کپڑا تبدیل کرے؟

---

(١) تطهير النجاسة من بدن المصلّي وثوبه والمكان الذى يصلى عليه واجب،هكذا فى الزاهدى فى باب الأنجاس.(الفتاویٰ الهندية:٥٨/١،الفصل الأول فى الطهارة وستر العورة)

(٢) وإن كان ربعه طاهرًا وثلاثة أرباعه نجسًا لم تجز الصلاة عرياناً ، إلخ.(الحلبى الكبير،ص:١٩٧/كذا فى الفتاویٰ الهندية:٦٠/١،الفصل الثانى فى طهارة ما يستر به العورة)

(٣) وإن كان أقل من ربعه طاهرًاأو كله نجسًا خيّربين أن يصلى عاريًا قاعدًا بإيماء وبين أن يصلى فيه قائمًا بركوع وسجود وهو أفضل،كذا فى الكافى.(الفتاویٰ الهندية:٦٠/١،الفصل الثانى فى طهارة ما يستر به العورة)

(٤) وإن صلّى عرياناً لعدم الثوب أولنجاسة فإنّه يصلى قاعدًا يؤمى بالركوع والسجود إيماء برأسه ، الخ.(الحلبى الكبير شرح منية المصلى،ص:١٩٩)

(٥) إن كان أقل من ربع الثوب طاهرًا فهوبالخيار ... إن شاء صلّى به وإن شاء صلّى عرياناً،إلخ.(الحلبى الكبير،ص:١٩٧)

الجواب

اسی کپڑے سے نماز پڑھ لے، نماز توڑ کر نیا کپڑا بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(وإن سال علیٰ ثوبه)فوق الدرهم (جازله أن لايغسله إن كان لوغسله تنجس قبل الفراغ منها)أي الصلاة(وإلا)يتنجس قبل فراغه(فلا)يجوز ترك غسله،هو المختار للفتویٰ.(الدر المختار علی صدر ردالمحتار: ٢٢٤/١،كتاب الطهاوة،باب الحيض،مطلب في أحكام المعذور)فقط والله أعلم

احقر انور عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ٢٩٦/٢)

کپڑے کی نجاست دھوئیں، لیکن غیر ضروری وہم نہ کریں:

سوال: میرے چھ بچے ہیں، بڑی بچی آٹھ برس کی ہے، میں نماز پڑھتی ہوں، لیکن کپڑے میرے صاف و پاک نہیں رہ سکتے، جب کوئی پانی کا چھینٹا پڑ جائے تو میں لباس بدل لیتی ہوں، لیکن پھر بھی دل میں شک رہتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ عورت کی نماز ہو جاتی ہے، چاہے لباس کا کوئی کونا بھی پاک ہو۔

الجواب

کپڑوں کا پاک ہونا نماز کی شرط ہے، ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی، لیکن اس میں وہم کی حد تک مبالغہ کرنا غلط ہے، اگر یقینی طور پر نجاست لگ جائے تو اسے دھو ڈالئے، اس سے زیادہ وہم ہے اور یہ خیال غلط ہے کہ: ’’عورت کی نماز ہو جاتی ہے، چاہے لباس کا کوئی کونا بھی پاک ہو‘‘ لباس کا پاک ہونا جس طرح مرد کے لیے نماز کی شرط ہے، اسی طرح عورت کے لیے بھی شرط ہے۔(١) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ٣٣٥/٣) ☆

---

(١) تطهير النجاسة من بدن المصلّي وثوبه والمكان الذي يصلّي عليه واجب.(الفتاویٰ الهندية: ٥٨/١،الفصل الأول في الطهارة وستر العورة)

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾(سورة المدثر: ٤)

وقال ابن زيد:كان المشركون لا يتطهرون فأمره الله أن يتطهر وأن يطهر ثيابه.(تفسير ابن كثير،تفسير سورة المدثر: ٢٧٣/٨،دار الكتب العلمية بيروت.انيس)

☆ کپڑے ناپاک ہوں، تو نیت صاف ہونے کے باوجود، نماز درست نہیں:

سوال: میرے کپڑے ناپاک تھے، اور میری نیت صاف تھی، میں نے نماز ادا کری، تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ میری نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب

نماز کے لیے صرف نیت کا صاف ہونا کافی نہیں، کپڑے پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ (حوالہ مذکورہ بالا صفحہ ہذا) اس لیے آپ کی نماز نہیں ہوئی۔

جنابت کی حالت میں پہنے ہوئے کپڑوں میں نماز کا حکم:

سوال: احتلام ہونے کے بعد یا صحبت کرنے کے بعد نجاست صاف کر کے جانگھیا پہن لیا جائے اور اس پر کپڑے پہن لئے جائیں، بعد میں غسل کر کے وہی کپڑے پہن لیے جائیں تو ایسی حالت میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر ان کپڑوں پر نجاست نہیں لگی، تو ان کپڑوں سے نماز درست ہے۔(١)(فتاویٰ محمودیہ:٥/٥١٦)

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی اعلیٰ افسر کے دربار میں کپڑوں کو گندگی لگا کر لے جائے اور یہ کہے کہ میرے کپڑوں کو تو خیر گندگی لگی ہوئی ہے اور ان سے بدبو آتی ہے اور تعفن بھی اٹھتا ہے، مگر میری نیت بالکل صاف ہے اور میں بڑی صاف نیتی سے یہ کپڑے پہن کر آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو یا تو پاگل قرار دیا جائے گا، یا بے ادب اور گستاخ، اس مثال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جب شریعت مطہرہ نے بارگاہ الٰہی کی حاضری (نماز) کے لیے بدن کا، کپڑوں کا اور جگہ کا پاک ہونا شرط ٹھہرایا ہے تو اگر کوئی شخص شریعت کے اس حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنی نیت کے صاف ہونے کا حوالہ دے تو اس کو بھی یا تو دیوانہ کہا جائے گا یا گستاخ۔

الغرض ناپاک کپڑوں میں آپ نے جو نماز پڑھی وہ نہیں ہوئی، اس کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔(وأشار باشتراطه طهارة الثوب إلى أنه لو حمل نجاسة مانعة فإن صلوٰته باطلة.(البحر الرائق: ١/٢٨١، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:٣/٣٣١-٣٣٢)

ناپاکی کی حالت میں پہنے ہوئے کپڑے سے نماز کا حکم:

سوال: ناپاکی کی حالت میں ہم پاک کپڑے پہنیں اور پاک ہونے کے بعد وہی کپڑے (بغیر دھوئے) پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اگر ان پر کوئی نجاست نہیں، تو ان میں نماز جائز ہے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:٣/٣٣٣)

(١) احتلام یا صحبت کی وجہ سے کپڑوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ وہی حصہ ناپاک ہوتا ہے جس میں ناپاکی لگتی ہے۔

ثم الشرط ... ما يتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه (هي) ستة (طهارة بدنه) ... (من حدث) ... (وخبث) ... (وثوبه)...الخ.(الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ١/٤٠٢، سعيد)

عن جابر بن سمرة قال: سمعت رجلاً سأل النبي صلى الله عليه وسلم أصلي في ثوبي الذي آتي فيه أهلي؟ قال: نعم، إلا أن فيه شيئاً تغسله.(مسند الإمام أحمد، حديث جابر بن سمرة السوائي (ح:٢٠٨٢٥)/مسند أبي يعلى الموصلي، حديث جابر بن سمرة السوائي (ح:٧٤٧٩)/الصحيح لابن حبان، ذكر الإباحة بأن قول أم حبيبة، الخ (ح:٢٣٣٣)انيس)

جماع کے بعد کپڑے نہیں بدلے اور نماز پڑھی، تو ہوئی یا نہیں:

سوال(۱) اگر کسی نے جماع کے بعد غسل کر کے کپڑے بالکل بدل دیئے یا صرف لنگی ہی بدلی اور کوئی کپڑا نہ بدلا تو نماز درست ہے یا نہ؟

ملازمین ہسپتال نماز کس طرح پڑھیں:

(۲) ایک آدمی ہسپتال کا ملازم ہے اور ہر وقت ناپاک دوائیں اور آدمیوں کو چھوتا ہے اور کپڑوں پر چھینٹیں بھی ہر وقت پڑتی رہتی ہیں اور وہ خشک ہو جاتی ہیں اور بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا چھونا مذہباً حرام ہے، تو نماز کیسے ادا کرے؟ غسل کر کے کپڑے بالکل بدلنا ہوگا یا اسی صورت میں ادا کرے؟

الجواب

(۱) جب کپڑا ناپاک بدل دیا اور غسل کر لیا تو نماز صحیح ہے۔(۱)

(۲) ناپاک کپڑا بدل کر دوسرا پاک کپڑا پہنکر نماز پڑھنی چاہیئے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۴۱)

ہسپتال کی یونیفارم میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص ہسپتال میں ملازم ہے وہ ہر وقت زخمیوں کو اٹھاتا ہے اور ان کو دوائیاں وغیرہ دیتا ہے، ان زخمیوں کی وجہ سے اس کے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں، کیا اس شخص کے لئے ان کپڑوں نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب

نماز پڑھنے کے لئے چند شرائط ہیں، جن میں کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے، اس لیے اگر ہسپتال کے ملازم کے کپڑے زخمیوں کے خون یا پیپ کے ذریعے ناپاک ہوئے ہوں تو یہ کپڑے تبدیل کر کے دوسرے کپڑوں میں نماز

(۱) جماع کے وقت جن کپڑوں پر ناپاکی لگتی ہے وہی ناپاک ہوتے ہیں، جسم کے تمام کپڑے ناپاک نہیں ہوتے۔ لہٰذا انہیں کپڑوں کو بدلنا ضروری ہے جس پر ناپاکی لگی ہوئی ہو۔ البتہ جماع کے بعد حکماً جسم تمام ناپاک ہو جاتا ہے اور غسل فرض ہے۔

(وفرض) الغسل ... عند (إيلاج حشفة) هی مافوق الختان (آدمی) ... (فی أحد سبيلی آدمی) حيّ (يجامع مثله) ...الخ . (الدرالمختارعلٰی صدر رد المحتار،أبحاث الغسل،مطلب فی تحرير الصاع ،الخ: ۱۴۹/۱)

الشرط الخ شرعًا ما يتوقف عليه الشیء ولايدخل فيه (هی) ستة (طهارة بدنه)أی جسده ... (من حدث)بنوعيه ... (وخبث) مانع كذلک (وثوبه) ... الخ.(الدرالمختارعلٰی صدر رد المحتار،باب شروط الصلاة: ۳۷۳/۱، ظفير)

پڑھے۔البتہ اگر دوسرے پاک کپڑے مہیا نہ ہو سکتے ہوں،تو بوجۂ مجبوری انہی کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: الشرط ... شرعًا مايتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه(هى)ستة (طهارة بدنه) ... وكذا ما يتحرك بحركته أويعد حاملاً له كصبى عليه نجس،الخ. (الدر المختار على صدر ردالمحتار،باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۲)(۱)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۴۷)

ناپاک کپڑوں میں وضو کرکے پاک کپڑوں میں نماز پڑھنا:

سوال: اگر کوئی شخص ناپاک کپڑوں میں وضو کرے اور پھر پاک کپڑے پہن کر نماز پڑھ لے،تو کیا یہ وضو اور نماز درست ہوئی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

درست ہے،بشرطیکہ کپڑوں کی نجاست بدن کو نہ لگے،مثلاً: ناپاک کپڑا خشک ہو۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۳۲)

دوران نماز ناپاک کپڑے کا بدن سے لگنا:

سوال: ایک شخص اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا ہے،اس کے قریب ایک کپڑا پڑا ہوا ہے جو ناپاک ہے،جب رکوع یا سجدہ میں جاتا ہے،تو وہ کپڑا اس کے جسم کے کسی حصے سے چھو جاتا ہے،ایسی صورت میں اس نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر ایک رکن کی مقدار تک اس کے بدن سے متصل نہیں رہتا،بلکہ چھو کر فوراً جدا ہو جاتا ہے،تو نماز درست ہے۔(۲)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۱۳)

---

(۱) (کوشش کرکے ناپاک حصہ کو دھولے اور نماز پڑھے۔انیس) وفي الهندية:تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذى يصلى عليه واجب.(الفتاوىٰ الهندية، الباب الثالث فى شروط الصلاة،الفصل الأول فى الطهارة: ۱/۵۸)

عن معاوية بن أبى سفيان أنه سأل أخته أم حبيبة زوج النبى صلى الله عليه وسلم هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى الثوب الذى يجامعهافيه؟ فقالت:نعم ، إذا لم ير فيه أذىٰ.(سنن أبى داؤد،باب الصلاة فى الثوب الذى يصيب أهله فيه (ح: ۳۶۶)/سنن ابن ماجة،باب الصلاة فى الثوب الذى يجامع فيه (ح: ۵۴۰)/سنن النسائى،باب المنى يصيب الثوب (ح:۲۹۴)انيس)

(۲) "(و)يفسدها(أداء ركن)حقيقة اتفاقًا (أوتمكنه)منه بسنة،وهو قدرثلاث تسبيحات (مع كشف عورة أونجاسة)مانعة أووقوع لزحمة فى صف نساء أوأمام إمام".(الدرالمختارعلى صدر ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاةومايكره فيها: ۱/۶۲۵ ،مطلب فى التشبه بأهل الكتاب: ۶۲۵،سعيد)

بارش سے بھیگے پاک کپڑوں میں نماز جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا بدن بھی پاک ہے اور کپڑے بھی پاک ہیں؛ مگر بوجہ بارش کے کپڑے بھیگ کر بدن کے ساتھ لپٹ گئے اور دیگر کپڑے موجود نہیں؛ تو کیا ان کپڑوں میں نماز ادا کرے گا یا قضا کرے گا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: میر احمد بن جمال الدین کوہالہ، راولپنڈی، ۲۴؍۴؍ جون ۱۹۷۰ء)

الجواب

نماز ادا کرے گا، کیونکہ کپڑے بھیگ جانے سے ناپاک نہیں ہوتے ہیں۔(۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۲۱/۲)

بھنگی کے دھوئے ہوئے کپڑوں میں نماز:

سوال: اگر بھنگی، بھنگن سے کپڑے دھولائے، تو ان میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

بھنگی یا بھنگن کے دھونے سے تو کپڑے ناپاک نہیں ہوتے۔ اس لیے ان میں نماز درست ہے۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۲/۳)

---

(۱) بارش کا پانی پاک ہوتا ہے اور جب تک وہ برستا رہتا ہے، جاری پانی کے حکم میں ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا﴾ (سورة الفرقان: ٤٨)

(طَهُوْرًا) بليغاً في طهارته. (مدارك التنزيل وحقائق التأويل، من تفسير سورة الفرقان: ٥٤١/٢)

المطر مادام يمطر فله حكم الجريان ولو أصاب العذرات على السطح ثم أصاب ثوباً لايتنجس. (الفتاویٰ الهندية، باب المياه: ١٥/١، انيس)

(۲) کپڑوں پر اگر پہلے سے نجاست نہیں تھی اور پاک پانی سے دوبارہ کپڑا دھلا ہے، تب تو ان کی پاکی میں کوئی اشکال نہیں، اگر نجاست تھی اور وہ مرئیہ بھی تو اس کے زوال اور بقا کو خود دیکھ لیا جائے، اگر غیر مرئیہ تھی، تب بھی چونکہ ہر دھوبی بھنگی یا بھنگن کم از کم تین مرتبہ تو ضرور ہی ہر کپڑے کو دھوتا اور نچوڑتا ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اس لئے وہ کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بھنگی یا بھنگن کے دھلے ہوئے کپڑوں میں اگر کسی جگہ نجاست کا یقین یا ظنِ غالب نہ ہو تو محض شک کی وجہ سے وہ کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے، ان کا استعمال درست ہوگا اور ان کپڑوں میں نماز درست ہو جائے گی، تاہم مسلمان سے کپڑے دھلانا بہتر ہے، کیوں کہ مسلمان دھوبی پاکی کا زیادہ اہتمام کرے گا۔ اگر وہ دھوبی قلیل پانی میں جو کہ نجس ہے، پاک یا ناپاک کپڑے دھوتے ہیں، یا نالیوں کے گندے پانی میں جس پر نجاست کا اثر ظاہر ہو، کپڑے دھوتے ہیں، تو وہ پاک نہیں ہوتے۔

"من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أم لا، فهو طاهر مالم يستيقن، وكذا الآبار والحياض التي يستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار، وكذلك السمن والجبن والأطعمة التي يتخذها أهل الشرك والبطالة، وكذلك الثياب التي ينسجها أهل الشرك والجهلة من أهل الإسلام، الخ". (الفتاویٰ التاتارخانية: ١٤٦/١، نوع في مسائل الشك، إدارة القرآن، كراچی، انيس)

رنگے ہوے کپڑے سے نماز پڑھنا:

سوال: آج کل کے اس ولایتی کچے رنگوں پر اگر کوئی کپڑا رنگوایا جائے تو اس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنے سے صحیح ہوسکتی ہے یا کہ نہیں؟ نیز اگر اس رنگ کو خوب جوش دے کر کپڑے کو دھویا جائے اور پھر اس کپڑے کے سوکھنے کے بعد دھویا جائے تو ایسے کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجو اب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ!

''ولایتی رنگ میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے، اس لیے یہ رنگ ناپاک ہے۔ ناپاک رنگ سے رنگا ہوا کپڑا پہن کر یا اوڑھ کر نماز پڑھنا درست نہیں۔ اگر رنگ پختہ ہے تو کپڑے کو رنگنے کے بعد پاک کرلیا جائے، پھر اس سے نماز درست ہوجائے گی اور جب تک رنگ کٹتا رہے گا؛ یعنی دھونے سے پانی صاف نہ آئے؛ اس وقت تک اس سے نماز دست نہ ہوگی''۔(۱)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ ۵/محرم/۱۳۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد الطیف۔ ٦/محرم/۱۳۵۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۱۵)

حالت نماز میں بیڑی، سگریٹ اور نسوار جیب میں رکھنا جائز نہیں:

سوال: مسجد میں بیڑی، سگریٹ یا نسوار بعض جیب سے نکال کر صحن میں رکھ دیتے ہیں، اس کا شرعا کیا حکم ہے؟ بدبودار چیزوں کا مسجد میں رکھنا کیسا ہے؟ یا جیب میں رکھ کر ایسی چیزوں کو نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

ایسی بدبودار چیزوں کو مسجد میں لانا یا نماز کی حالت جیب میں رکھنا جائز نہیں، البتہ نماز صحیح ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/رجب ۱۳۸۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۱۴)

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ: ۲۵۰، ادارہ اسلامیات، لاہور

''(قوله ولو شک، الخ) فی التاتارخانیة: من شک فی إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم یستیقن، ... و کذا ما یتخده أهل الشرک أو الجهلة من المسلمین کالسمن و الخبز و الأطعمة و الثیاب، آه ملخصًا'' (ردالمحتار، کتاب الطهارة، قبیل مطلب فی أبحاث الغسل: ۱/۱۵۱، سعید)

''الیقین لایزول بالشک''. (الأشباه و النظائر: ۱/۱۸۳، القاعدة الثالثة، إدارة القرآن و العلوم الإسلامیة)

جیب میں نسوار یا سگریٹ کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نسوار کی ڈبیہ یا تھیلی نیز سگریٹ کے جیب میں ہوتے ہوئے نماز پڑھنا جائز ہے، یا اس کو ہٹانا لازمی ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: لطیف اللہ چارسدہ)

الجواب

نسوار میں غالباً پاک پانی ڈالا جاتا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ نماز ادا کرنا ممنوع نہیں ہے، باقی سگریٹ کی تھیلی اور ڈبیہ پاک ہو تو اس سے نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔(۱) البتہ بدبو اور موذی اشیا کا مسجد میں لے جانا ممنوع ہے۔(۲)

وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۱۵)

جیب میں نسوار کے ساتھ نماز پڑھنا:

سوال: جیب میں نسوار یا سگریٹ رکھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز کے لئے مکان (جگہ) بدن اور کپڑوں کی پاکیزگی شرط ہے، اور نسوار فی ذاتہ ایک پاک چیز ہے اس میں نجاست کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اگر کسی کی جیب میں نسوار وغیرہ ہو تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذى يصلى عليه واجب هكذا فى الزاهدى فى باب الأنجاس. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول فى الطهارة: ۵۸/۱)(۳)(فتاویٰ حقانیہ: ۳/۲۷)

(۱) وفى الهندية: تطهير النجاسة من بدن المصلى وثوبه والمكان الذى يصلى عليه واجب هكذا فى الزاهدى فى باب الأنجاس. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول فى الطهارة: ۵۸/۱)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: (قوله وأكل نحو ثوم) أى كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح فى النهى عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العينى فى شرحه علىٰ صحيح البخارى قلت: علة النهى أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده عليه الصلاة والسلام، بل الكل سواء لرواية مساجدنا بالجمع، خلافاً لمن شذ ويلحق بما نص عليه فى الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أوغيره، الخ. (ردالمحتار هامش الدر المختار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب فى الغرس فى المسجد: ۴۸۹/۱)

عن سعيدبن المسيب أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من أكل من هذه الشجرة وفى رواية الخبيثة فلا يقربن مسجدنا يؤذينا بريح الثوم. قال محمد: إنما كره ذلک لريحه فإذا أمتّه طبخاً فلابأس به وهوقول أبى حنيفة والعامة رحمهم الله تعالىٰ. (موطأالإمام مالک برواية محمدبن الحسن الشيبانى، باب مايكره من أكل الثوم (ح: ۹۲۰)

عن أبى حنيفة عن الهيثم عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه وجد ريح الثوم، فقال: من أكل من هذه البقلة شيئاًفليقعد فى بيته ولا يؤذنابها. (كتاب الآثارلأبى يوسف، باب السهو (ح: ۲۵۹) انيس)

(۳) قال الحصكفى: (طهارة بدنة) أى جسده لدخول الأطراف فى الجسد دون البدن فليحفظ (من حدث) بنوعيه و قدمه لأنه أغلظ (وخبث) مانع كذلک (وثوبه). (الدرالمختار علىٰ صدررد المحتار، باب شروط الصلاة: ۴۰۲/۱)

ٹیشو پیپر جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا:

سوال: کوئی شخص اپنی جیب میں ٹیشو پیپر رکھ کر نماز پڑھے، تو کیا اس کی نماز ہوگی؟ اسی طرح اگر کوئی پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھے، تو کیا حکم ہے؟ (مستفتی: اظہر پونہ)

الجواب

اگر اس ٹیشو پیپر میں مقدار درہم یا اس سے کم پیشاب لگا ہو اور بھولے سے اس کے ساتھ نماز پڑھ لی، تو نماز کراہت تنزیہہ کے ساتھ ادا ہوگی۔ لیکن اگر دوران نماز یاد آئے، تو اس کو عمل قلیل کے ذریعہ جیب سے نکال دے، اور اگر مقدار درہم یا اس سے زائد پیشاب لگا ہوا ہے، تو نماز باطل ہوگی، اور پیشاب کی شیشی تو ظاہر ہے کہ مقدار درہم سے زیادہ ہے، اس میں پیشاب رہتا ہے، لہٰذا اس سے نماز درست نہ ہوگی۔

يؤيده قوله في الفتح: والصلٰوة مكروهة مع مالايمنع، حتى قيل لوعلم قليل النجاسة عليه في الصلاة يرفضها مالم يخف فوت الوقت أو الجماعة، آه، ومثله في النهاية والمحيط، كمافي البحر، فقد سوى بين الدرهم ومادونه ... نعم يدل علٰى تأكد إزالته علٰى مادونه، الخ. (١) والله أعلم وعلمه أتم

محمد شاکر خان قاسمی پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان: ٢/٧٥)

جانوروں کی کھال پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: ہمارے علاقے میں بھیڑ یا بکری کی کھال کو بہت سی بیماریوں کے لیے شفا کا ذریعہ بتایا جاتا ہے، یعنی جس وقت جانور سے نکالی جائے، اس وقت وہ کھال پہن لی جائے، کیا اس کھال میں ایک آدمی نماز پڑھ سکتا ہے؟ کیا اس کھال میں وہ شخص امامت کرسکتا ہے؟

الجواب

کھال اگر مذبوح جانور کی ہو، یا اس کی دباغت کرلی جائے، تو اس میں نماز جائز ہے۔ (١)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣/٣٢٨)

---

(١) رد المحتار: ١/٥٢١، باب الأنجاس، قبل مطلب في طهارة بوله صلى الله عليه وسلم. انيس

(٢) وكل إهاب دبغ فقدطهر وجازت الصلاة فيه، الخ. (الهداية، كتاب الطهارة: ١/٢٤)

عن ابن عباس قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أيما إهاب دبغ فقدطهر. (مسندالإمام أحمد، مسند عبدالله بن عباس بن عبدالمطلب (ح: ٣١٩٨)/سنن الدارمي، باب الاستمتاع بجلود الميتة (ح: ٢٠٢٨)/سنن ابن ماجة، باب لبس جلود الميتة إذا دبغت (ح: ٣٦٠٩)/سنن الترمذي، باب ماجاء في جلود الميتة إذا دبغت (ح: ١٧٢٨) انيس)

جوتوں سمیت نماز پڑھنا:

سوال: سعید بن یزید ازدی نے خبر دی کہا میں نے انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوتیاں پہن کر نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ابن بطال نے کہا کہ جوتے پاک ہوں تو ان میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ میں کہتا ہوں مستحب ہے، (۱) کیوں کہ ابوداؤد اور حاکم کی حدیث میں ہے کہ یہودیوں کے خلاف کرو، وہ جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے اور حضرت عمر نماز میں جوتے اتارنا مکروہ جانتے تھے۔ اس کے متعلق وضاحت فرمائیں۔

شوکانی نے کہا: صحیح اور قوی مذہب یہی ہے کہ جوتیاں پہن کر نماز پڑھنا مستحب ہے، (۲) اور جوتیوں میں اگر نجاست ہو تو زمین پر رگڑ دینے سے پاک ہو جاتی ہیں، خواہ کسی قسم کی نجاست ہو، خشک جرم دار ہو یا بے جرم۔ اس میں جرم دار سے کیا مراد ہے؟

الجواب

جوتوں میں نماز پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ پاک ہوں، (۳) تاہم اس میں چند امور قابل لحاظ ہیں:

اول: سجدے میں انگلیوں کا زمین سے لگنا ضروری ہے، (۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جس وضع کے جوتے (نعال، چپل) پہنے جاتے تھے وہ زمین پر انگلیوں کے لگنے سے مانع نہیں تھے۔ اگر کسی نے اسی وضع کے جوتے پہن رکھے ہوں تو ان کے اندر نماز پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں، لیکن اگر جوتے بند اور سخت ہوں جو انگلیوں کے زمین پر لگنے سے مانع ہوں تو ان کو پہن کر نماز پڑھنا محل اشکال ہے۔

دوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کا فرش پختہ نہیں تھا، بلکہ کچے فرش پر کنکریاں تھیں، اس

---

(۱) شرح صحيح البخارى لابن بطال، باب الصلاة فى النعال: ٤٩/٢. / فتح البارى لابن حجر، باب الصلاة فى الخفاف: ٤٩٤/١. انيس

(۲) نيل الأوطار، باب الصلاة فى النعلين والخفين: ١٥١/٢-١٥٣. انيس

(۳) عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: "بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بأصحابه إذ خلع نعليه فوضعهما عن يساره فلما رأى ذٰلك القوم، ألقوا نعالهم، فلما قضىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاته قال: "ما حملكم على إلقائكم نعالكم"؟ قالوا: "رأيناك ألقيت نعليك فألقينا نعالنا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن جبريل أتانى فأخبرنى أن فيهما قذراً، أوقال أذى، وقال: إذا جاء أحدكم المسجد فلينظر فإن رأى فى نعليه قذرًا فليمسحه وليصل بهما". (سنن أبى داؤد، باب الصلاة فى النعل (ح: ٦٥٠) / سنن الدارمى، باب الصلاة فى النعلين (ح: ١٤١٨)

(۴) (ومنها السجود) بجبهته وقدميه، ووضع أصبع واحدة منهما شرط. (الدرالمختار)

(قوله وقدميه) يجب إسقاطه، لأن وضع أصبع واحدة منهما يكفى كما ذكره بعد ح. وأفاد أنه لولم يضع شيئًا من القدمين لم يصح السجود الخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، بحث الركوع والسجود: ٤٤٧/١)

لیے وہ حضرات جوتے سمیت اس فرش پر چلتے تھے اور اس کو عرف میں بے ادبی نہیں سمجھا جاتا، جیسا کہ اب بھی جو مسجد زیر تعمیر ہو، اس کے کچے فرش پر جوتوں سمیت چلنے کا معمول ہے، برعکس اس کے آج کل مساجد کے فرش پختہ ہیں اور ان پر دری، قالین وغیرہ کا فرش رہتا ہے، اور ایسے فرش کو جوتوں سے روندنا عرفاً سوءِ ادب شمار کیا جاتا ہے، اسی کے ساتھ یہ اضافہ بھی کرلیا جائے کہ مدینہ طیبہ کی پاک گلیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خشک اور پاک ہوتی تھیں، ان پر چلنے سے جوتے آلودہ نجاست نہیں ہوتے تھے، اس کے برعکس آج کی گلیوں اور بازاروں میں جوتوں کا پاک رہنا ازبس مشکل ہے، اس لیے آج کل مسجد میں ایسے جوتے پہن کر آنا، انہی جوتوں سے قالین اور فرش کو روندتے ہوئے گزرنا اور پھر انہی آلودہ جوتوں میں نماز ادا کرنا یا اس کی اجازت دینا مشکل ہے۔

سوم: جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ جوتوں میں نماز پڑھنے کا حکم یہود کی مخالفت کے لیے دیا گیا تھا، (١) گویا جوتوں میں نماز پڑھنا بذات خود کوئی نیک کام نہیں، لیکن اپنے مقصد یعنی یہود کی مخالفت کی وجہ سے اس کو مستحب قرار دیا گیا۔ آج یہود کا جوتے اتارنا یا نہ اتارنا تو کسی کو معلوم بھی نہیں، لیکن نصرانیوں کا بوٹوں سمیت عبادت گاہوں کو روندنا سب کو معلوم ہے، پس جس طرح مخالفت یہود کی بنا پر یہ فعل مستحب تھا، آج انگریزوں کی موافقت وتقلید کی بنا پر یہ فعل مکروہ ہونا چاہیے۔

چہارم: علامہ شوکانی نے جوتوں میں نماز پڑھنے کو مستحب کہا ہے، حدیث شریف کے پیش نظر ہمارے نزدیک بھی مستحب ہے؛ بشرطیکہ مذکورہ بالا امور کو ملحوظ رکھا جائے، ورنہ یہی فعل مکروہ ہوگا، چنانچہ بعض اکابر (صحابہ وتابعین وائمۂ دین) نے ان شرائط کے بغیر مکروہ قرار دیا ہے۔ ان اقوال کی تفصیل شیخ کوثری کے مقالات (صفحہ: ١٧٠، ومابعد پر) دیکھ لی جائے۔ (٢)

---

(١) عن شداد بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خالفوا اليهود، فإنهم لايصلون فى نعالهم ولاخفافهم". (سنن أبى داؤد، باب الصلاة فى النعل (ح: ٦٥٢)

(٢) (قوله وصلاته فيهما) أى فى النعل والخف الطاهرين أفضل مخالفة لليهود، تاتارخانية. وفى الحديث: صلوا فى نعالكم ولاتشبهوا اليهود، رواه الطبرانى كما فى الجامع الصغير رامزاً لصحته، وأخذ منه جمع من الحنابلة أنه سنة، ولو كان يمشى بها فى الشوارع، لأن النبى صلى الله عليه وسلم وصحبه كانوا يمشون بها فى طرق المدينة ثم يصلون بها. قلت: لكن إذا خشى تلويث فرش المسجد بها ينبغى عدمه وإن كانت طاهرة وأما المسجد النبوى فقد كان مفروشًا بالحصا فى زمنه صلى الله عليه وسلم بخلافه فى زماننا، ولعل ذلك محمل ما فى عمدة المفتى من أن دخول المسجد متنعلا من سوء الأدب تأمل. (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها مطلب فى احكام المسجد: ٦٥٧/١. دارالفكر. انيس)

پنجم: جوتوں کو اگر نجاست لگ جائے وہ جسم والی ہو اور خشک ہو جائے تو رگڑنے سے پاک ہو جائیں گے، لیکن اگر نجاست جسم دار نہ ہو جیسے شراب اور پیشاب یا جسم والی تو ہو مگر خشک نہ ہو بلکہ تر ہو، صرف رگڑنے سے جوتے پاک نہیں ہوں گے، کیوں کہ اس صورت میں رگڑنے سے نجاست زائل نہیں ہوتی۔(۱)

اس لیے علامہ شوکانی کا یہ کہنا کہ رگڑنے سے ہر نجاست پاک ہو جاتی ہے، عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۳۲۸-۳۳۰)

☆☆☆

---

(۱) ومنها الحت والدلك، الخف إذا أصابته النجاسة إن كانت متجسدة كالعذرة والروث والمنى يطهر بالحت إذا يبست وإن كانت رطبة فى ظاهر الرواية لا يطهر إلاّ بالغسل، الخ. (الفتاوىٰ الهندية: ٤٤/١، الفصل الأوّل فى تطهير الأنجاس)

(ويطهر خف ونحوه) كنعل (تنجس بذى جرم) وهو كل مايرى بعدالجفاف ولومن غيرها كخمروبول أصابه تراب، به يفتىٰ. (الدرالمختار)

(قوله بذى جرم) أى وإن كان رطبًا على قول الثانى وعليه أكثرالمشائخ وهو الأصح المختاروعليه الفتوىٰ لعموم البلوىٰ ولإطلاق حديث أبى داؤد: إذا جاء أحدكم المسجد فلينظر فإن رأى فى نعله أذى أوقذرًا فليمسحه وليصل فيهما، كما فى البحر وغيره (قوله: هو كل مايرى بعدالجفاف) أى على ظاهرالخف كالعذرة والدم ومالا يرىٰ بعد الجفاف فليس بذى جرم ، بحر، ويأتى تمامه قريبًا، (قوله ولومن غيرها) أى لوكان الجرم المرئى من غيرالنجاسة (قوله كخمر وبول، الخ) أى بأن ابتل الخف بخمر فمشىٰ به على رمل أورماد فاستجسد فمسحه بالأرض حتى تناثر طهر، وهو الصحيح، بحرعن الزيلعى. (ردالمحتار، باب الأنجاس: ٣٠٩/١، دارالفكر)

صحیح قول کے مطابق جوتے میں اگر نجاست غیر مرئی ہو تو بھی رگڑنے اور خشک ہونے سے پاک ہو جائے گا۔انیس

نماز میں مکان کی پاکی کے مسائل

جس گھاس پر ماکول اللحم جانور نے بول براز کیا ہو، اس پر نماز درست ہے یا نہیں:

سوال: اگر گاؤ خر بوقت خرمن کوبی بر گیاہ مقطوعہ بول و براز کنندہ برآں گیاہ نماز جائز باشد یا نہ؟(۱)

الجواب

اس کی تطہیر کی صورت فقہانے یہ لکھی ہے کہ اس میں سے کچھ حصہ علیٰحدہ کر دیا جاوے تو اس صورت میں ہر دو حصے پاک سمجھے جاویں گے یعنی باقی رہا ہوا بھی اور وہ بھی جو علیحدہ کیا گیا۔(۲) درمختار میں ہے:

(كما لو بال حمر) خصها لتغليظ بولها اتفاقاً (علىٰ) نحو (حنطة تدوسها فقسم أو غسل بعضه أو ذهب بهبة أو أكل أو بيع كما مر (حيث يطهر الباقي) وكذا الذاهب لاحتمال وقوع النجس في كل طرف كمسئلة الثوب. (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/ ۱۳۱-۱۳۲)

جس میدان میں بکریاں بول و براز کرتی ہوں، وہاں نماز:

سوال: ایک میدان جس میں بکریاں چرتی ہیں، ظاہر ہے کہ بول و براز بھی کرتی ہوں گی، ایسے میدان میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

ھو المصوب

صورت مسئولہ میں اگر نجاست موجود نہیں ہے، تو اس جگہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، اور اگر نجاست موجود ہے، تو دوسری جگہ نماز پڑھیں۔(۴)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/ ۴۶)

(۱) ترجمہ: اگر جانور کھلیان میں پیداوار گاہنے کے وقت کٹے ہوئے گھاس پر پاخانہ پیشاب کر دیں تو کیا اس گھاس پر نماز جائز ہوگی یا نہ؟ انیس

(۲) اس صورت میں جبکہ معلوم نہ ہو کہ کونسا حصہ نجس ہے۔ انیس

(۳) الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب الأنجاس، قبل مطلب في حكم الصبغ و الاختضاب، الخ: ۱/ ۳۰۲، ظفير

(۴) كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي قبل أن يبنى المسجد في مرابض الغنم. (صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب أبواب الإبل والدواب والغنم ومرابضها، رقم الحديث: ۲۳۴) ==

پیال پر نماز:

سوال: ایام سرما میں اکثر پیال کا فرش بچھایا جاتا ہے اس پر نماز جائز ہے یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

اگر پاک ہو تو جائز ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۳۳-۱۳۴)

ہریالی پر نماز:

سوال: ہمارے مدرسہ میں دو نمازیں مدرسہ کے صحن میں پڑھی جاتی ہیں، ایک صاحب نے کہا کہ ہریالی پر نماز نہیں ہوتی، اس لیے کہ ناک اور پیشانی زمین کو نہیں لگتی، کیا یہ درست ہے؟ (عبدالاحد، بوتھ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

صحن اگر پاک ہو تو وہاں نماز پڑھنا درست ہے۔(۲) نماز کے درست ہونے کے لیے ایسا فرش کافی ہے، جس پر پیشانی اور ناک ٹک جائے، زمین کا لگنا ضروری نہیں۔(۳) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۷)

کھادوالی گھاس پر نماز پڑھنا:

سوال: میرے محلّہ کی مسجد شریف کے صحن میں جو مسجد سے ملحق (متصل) ہے؛ موجودہ انتظامیہ بجائے پختہ کرنے کے گڑیا گوبر کی کھاد ڈال کر گھاس لگا رہی ہے اور ظاہر ہے گھاس کو زندہ رکھنے کے لئے پانی برابر دیا جاتا رہے گا، کیا یہ جگہ کسی قسم کی نماز کے لئے موزوں ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس گھاس پر نماز دو صورتوں سے صحیح ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ کھاد بالکل مٹی بن جائے اور اس کا علیحدہ وجود قطعاً نظر نہ

== وقال ابن منذر: أجمع كل من يحفظ عنه العلم علىٰ إباحة الصلاة فى مرابض الغنم إلا الشافعى فإنه يقول: لا أكره الصلاة فى مرابض الغنم إذا كان سليمًا من أبعارها و أبوالها (عمدة القارى شرح البخارى: ٦٥٣/٢)

ثم نقل عن الملتقط أنها لاتكره فى مرابض الغنم إذا كان بعيدًا عن النجاسة. (ردالمحتار: ٤١٠/١)

(۱) ثم الشرط: لغةً، العلامة اللازمة وشرعًا مايتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه، (هى) ستة (طهارة بدنه) الخ (و ثوبه) الخ (ومكانه) الخ. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب شروط الصلاة: ٣٧٣/١، ظفير)

(۲) ”تطهير النجاسة من بدن المصلى وثوبه والمكان الذى يصلى عليه واجب“. (الفتاوىٰ الهندية: ٥٨/١، محشى)

(۳) ”لو وضع كفه بالأرض وسجد عليها يجوز على الصحيح ولوبلا عذر والوجه في ذلك أن السجود لايشترط أن يكون على الأرض بلاحائل“. (الكبيرى شرح منية المصلى، ص: ٢٨٥، محشى)

آئے، دوسری صورت یہ کہ گھاس اتنی گھنی اور بڑی ہو کہ اس میں سے کھاد تک نمازی کا کوئی عضو نہ پہنچے، کھاد سے نجس پانی جو گھاس کو لگا ہوگا وہ پانی جب گھاس پر سے خشک ہو جائے گا گھاس پاک ہو جائے گی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵/شوال ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۳/۴۴۰)

پاک چارپائی پر نماز جائز ہے:

سوال: تندرست آدمی کو چارپائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے جیسے تخت پر نماز پڑھنا جائز ہے چارپائی پر بھی جائز ہے۔ بکر کہتا ہے کہ آج تک نہ کسی کتاب میں دیکھا اور نہ علما کے اقوال سے ثابت ہے اور نہ بجز معذور کے کسی کو چارپائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

چارپائی پر نماز صحیح ہے اور چارپائی مثل تخت کے ہے، کیونکہ جب گھٹنے اول چارپائی پر رکھے جائیں گے تو آگے سے سجدہ کی جگہ کھینچ کر سخت ہو جاوے گی اور مثل تخت کے ہو جاوے گی، پھر سجدہ میں کچھ حرج نہ ہوگا۔ اور عادت چارپائی پر نماز پڑھنے کی اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ چارپائیوں کا اعتبار نہیں ہوتا، اکثر ناپاک ہوتی ہیں لیکن جبکہ چارپائی پاک ہو تو پھر کچھ حرج نہیں۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۰)

چماروں کی تیار کردہ چٹائی پر نماز جائز ہے یا نہیں:

سوال: فی زمانہ جو صف، بوریا و چٹائی وغیرہ یہاں کے چماران تیار کرتے ہیں؛ بلا پاک کئے؛ ان پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (و تطهر (أرض) ... (بيبسها) أى جفافها ولو بريح (وذهاب أثرها كلون) وريح (لـ)أجل (صلاة)عليها". (الدرالمختارعلى صدر ردالمحتار،باب الأنجاس: ۱/ ۳۱۱)

"وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض وقد جفت ولو بغير الشمس على الصحيح،طهرت وجازت الصلاة عليها،لقوله عليه السلام: " أيما أرض جفت فقد زكت،الخ". (مراقى الفلاح، باب الأنجاس،ص: ١٦٤)

عن أبى قلابة قال : إذا جفت الأرض فقد زكت. (مصنف ابن أبى شيبة، من قال:إذا كانت جافة فهو زكاتها (ح:٦٢٥) انيس)

(۲) لو سجد على الحشيش أوالتبن،الخ ، إن استقر جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز.(الفتاوىٰ الهندية: ٦٩/١،الفصل الأول فى فرائض الصلاة)

أما شرائط أركان الصلاة فمنها الطهارة بنوعيها من الحقيقية والحكمية والطهارة الحقيقية هى طهارة الثوب والبدن ومكان الصلاة عن النجاسة الحقيقية.(بدائع الصنائع،شرائط الأركان: ١١٤/١،ظفير)

الجواب ______________________

وہ بوریا اور صف پاک ہیں، نماز ان پر درست ہے کچھ وہم نہ کرنا چاہئے۔

لأن اليقين لايزول بالشک. فقط(١) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:٢/١٣٤)

جیل خانہ کی بُنی ہوئی جائے نماز کا استعمال درست ہے:

سوال: جیل خانہ سے خرید کردہ جائے نماز پر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں جس کو قیدی بُنتے ہیں؟

الجواب ______________________

جائز ہے۔(٢) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:٢/١٣٨)

جیل خانہ کی جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: مجھے پشاور سنٹرل جیل سے ایک دوست نے ایک جائے نماز بھیجی ہے، کیا میں اس پر نماز پڑھ سکتا ہوں، جبکہ وہاں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں؟

الجواب ______________________

نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز کا پاک ہونا ضروری ہے، چونکہ یہ پاکی یقینی ہوتی ہے جو شک سے زائل نہیں ہوتی، اس لیے جیل سے آیا ہوا جائے نماز پاک ہے اور اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: لو شک فی نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (تحت قوله ولو شک) فی التاتارخانية من شک فی إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم يستيقن الخ. (رد المحتار، كتاب الطهارة، قبيل مطلب فی أبحاث الغسل: ١/١٥١) (٣) (فتاویٰ حقانیہ:٣/٧٥)

---

(١) ولو شک فی نجاسة ماء أو ثوب الخ لم يعتبر. (الدر المختار)
(قوله ولو شک، الخ) فی التاتارخانية: من شک فی إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر الخ وكذا ما يتخذه أهل الشرک أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب آه ملخصًا. (رد المحتار، كتاب الطهارة، قبيل مطلب فی أبحاث الغسل: ١/١٤٠، ظفير)

(٢) اس لئے کہ پاک ہے۔ اليقين لايزول بالشک. (الأشباه والنظائر، ص: ٧٥)
غیر مسلم یا جاہل مسلمان کا بُنا ہوا کپڑا اور دوسری چیز پاک ہے۔ پھر یہ اصول میں ہے کہ کسی چیز کے ناپاک ہونے میں شک ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔
"ولو شک فی نجاسة ... الخ. (رد المحتار، كتاب الطهارة، قبيل مطلب فی أبحاث الغسل: ١/١٤٠، ظفير)

(٣) الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، مسائل الشک

مشکوک جائے نماز پر نماز پڑھنا:

سوال: ہمارے علاقے کے ممبر صوبائی اسمبلی نے علاقے کی مرکزی جامع مسجد کے لیے جو حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے، اس کے لیے کارپٹ، جائے نمازیں دی ہیں، اب وہ مسجد میں بچھادی گئی ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ان پر نماز نہیں پڑھتے، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ چند برس پہلے نہایت خستہ حال تھے، مگراب وہ کروڑوں کے مالک ہیں، جو ناجائز ذرائع سے کمائے گئے ہیں۔ اس لیے یہ کارپٹ بھی حرام پیسوں سے خریدے گئے ہیں، اور حرام پیسوں سے خریدے گئے کارپٹ پر نماز نہیں ہوسکتی، لہٰذا ہم بھی اس پر نماز نہیں پڑھیں گے، شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر حرام اور ناجائز پیسے سے مسجد کے لیے قالین خریدی گئی ہیں، تو ان پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۴۷-۳۴۸)

مصلّٰی کا کونہ ناپاک ہو تو نماز ہوجائے گی:

سوال: مصلی کا ایک کونہ ناپاک ہوگیا، تو کیا اس ناپاک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ یا دوسرے کونہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں، یا اس کونے کے ناپاک ہونے کی وجہ سے تمام مصلی کو ناپاک کہیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس صورت میں نماز ہوجائے گی، صرف دونوں پاؤں، دونوں ہاتھوں، گھٹنوں اور سجدہ کی جگہ پاک ہونا شرط ہے۔

في شروط الصلاة من التنوير: هي طهارة بدنه من حدث وخبث وثوبه ومكانه.

وفي الشرح: أي موضع قدميه أو إحداهما إن رفع الأخرى وموضع سجوده اتفاقًا في الأصح، لاموضع يديه وركبتيه على الظاهر إلا إذا سجد علىٰ كفه. (الدرالمختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ في شرح قول الشارح وكذا ما يتحرك بحركته: أي شيء متصل به يتحرك بحركته ... بخلاف مالم يتصل كبساط طرفه نجس و موضع الوقوف والجبهة طاهر فلايمنع مطلقًا.

(قوله ومكانه) فلا تمنع النجاسة في طرف البساط ولو صغيرًا في الأصح.

(قوله على الظاهر) أي ظاهر الرواية كما في البحر، لكن قال في منية المصلي: قال في العيون:

(۱) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذٰلك مالاً خبيثًا ومالاً سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله تعالىٰ لايقبل إلّا الطيب فيكره تلويث بيته بما لايقبله...الخ. (ردالمحتار: ١/٦٥٧، طبع سعيد، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها)

هـذه رواية شاذة،آه،وفی البحر :واختار أبو الليث أن صلاته تفسد وصححه فی العيون،آهـ.وفی النهر :وهو المناسب لإطلاق عامة المتون،وأيده بكلام الخانية.قلت:وصححه فی متن المواهب ونور الإيضاح والمنية وغيرها،فكان عليه المعول.وقال فی شرح المنية:وهو الصحيح،لأن اتصال العضو بالنجاسة بمنزلة حملها وإن كان وضع ذلک العضو ليس بفرض. (رد المحتار،باب شروط الصلاة: ۱/۳۷٤)فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۲۸ رشوال ۱۳۸۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۴۲۲)

ڈیکوریشن کی دریوں پر کپڑا اچھا کر نماز پڑھنا چاہئے:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں نماز کے لیے ڈیکوریشن سے جو دریاں آتی ہیں، وہ بہت گندی ہوتی ہیں اور اسی میں سب لوگ نماز پڑھتے ہیں، تو کیا اس پر نماز جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب

کرائے کی جو دریاں آتی ہیں، ان کا پاک ہونا معلوم نہیں۔ اس لیے ان پر کپڑا اچھائے بغیر نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۴۸)

رنگی ہوئی یا منقش جائے نماز پر نماز پڑھنا:

سوال: مصلے پر اگر مسجد وغیرہ کی تصویر ہو تو اس پر نماز جائز ہے یا نہیں۔ کیوں کہ ہر رنگ میں شراب ملی ہوئی ہوتی ہے؟

الجواب

نماز جائز ہے اور اگر رنگ میں شراب ملے ہونے کا احتمال ہے، تو اس کو پاک کرلے اور پھر نماز اس پر پڑھے۔(۲)
البتہ مصور یا منقش مصلے پر نماز پڑھنا علاوہ احتمال نجاست کے خود بھی بہتر نہیں۔ کیوں کہ قلب اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ مصلے کا سادہ ہونا بہتر ہے۔(فتاویٰ دار العلوم مسمی امداد المفتین:۲/۲۷۶)

(۱) تطهير النجاسة من بدن المصلی وثوبه والمكان الذی يصلّی عليه واجب.(الفتاویٰ الهندية: ۱/۵۸)

نوٹ: یہ حکم اطمینان قلب کے لیے ہے۔ ورنہ کرایہ کی دریوں کے ناپاک ہونے کا جب تک غالب گمان نہ ہو، وہ دریاں پاک رہتی ہیں۔ شریعت میں شک وشبہ کا کوئی اعتبار نہیں، اگر دریوں کی ناپاکی کا غالب گمان ہو تو وہ ناپاک ہیں۔

عن الحسن بن علی قال:حفظت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ”دع ما يريبک إلیٰ مالا يريبک فإن الصدق طمانية وإن الكذب ريبة“.(مسند الإمام أحمد،حديث الحسن بن علی (ح: ۱۷۲۷)/سنن الترمذی،باب (ح: ۲۵۱۸)/ مسند البزار (ح:۱۳۳٦)/مسند أبی يعلی الموصلی(ح:٦۷٦۲)/المستدرک للحاكم،كتاب الأحكام (ح: ۷۰٤٦)انيس)

(۲) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾.(سورة المائدة: ۹۰)

وہ مصلیٰ یا چادر جس پر خانہ کعبہ یا مسجد نبوی کا نقشہ ہو، اس پر بیٹھنا اور نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: مسلمان حرمین شریفین سے ایسے مصلے لاتے ہیں جو رنگ برنگ اور پھول پھال والے ہوتے ہیں اور ان پر بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی علیہ السلام کے گنبد کا نقشہ بھی رہتا ہے اور اپنی نمازوں میں مسجد میں امامت کی جگہ پر اور اب اسی طرح کی چادریں بنی ہوئی لاکر پوری صف میں بچھاتے ہیں جن پر لامحالہ لوگوں کے پیر پڑتے ہیں، ایسے مصلے اور ایسی چادروں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ ہمارے اسلاف رحمہم اللہ کا معمول کیا رہا؟ اکابرین کیا فرماتے ہیں؟

محمد یوسف باوا (لندن)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

حرمین شریفین سے مصلے جولائے جاتے ہیں جن پر پھول، بوٹے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر بیت اللہ شریف یا گنبدِ خضراء کا نقشہ اس پر صحیح اور صاف طور سے نمایاں ہو کہ اس کے دیکھتے ہی ان کی اصل صورت سامنے آجاتی ہو تو اس پر پیر رکھنا یا سجدہ کرنا دونوں ناجائز ہوگا۔ اس لیے کہ کعبۃ اللہ اور گنبدِ خضراء دونوں کا شعائر دینی سے ہونا مسلم اور ظاہر ہے اور تمام دینی شعائر کا احترام و تعظیم واجب ہے۔

كما أشار إليه قوله تعالىٰ: ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾. (سورة الحج: ۳۲)(۱)

و أيضًا من المسئلة مسلمة، أى تحريم الحرمات واجب كما فى المرقاة شرح المشكوٰة. (۲)

اور معظم و محترم چیز کو پیروں سے روندنا اس کی اہانت کو مستلزم ہونا اور ناجائز ہونا ظاہر ہے اور یہ دونوں نقشے اگرچہ عین کعبہ اور عین گنبدِ خضراء نہیں ہیں، لیکن ان کے عکاس و ترجمان اور ان پر دال ہیں۔ اس لیے ان کی اہانت اور توہین بھی ان دونوں کی اہانت اور توہین کو مستلزم ہوگی اور ناجائز ہوگی اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جب عینِ کعبۃ اللہ پر سجدہ کرنا درست نہیں، كما صرح به العلماء کہ کعبۃ اللہ مسجود لہ نہیں بلکہ صرف مسجود الیہ ہے اور وہ بھی بطور امر تعبدی اور غیر مدرک بالقیاس ہونے کے درجہ میں محض اللہ کے حکم سے کہ کعبہ کی جانب سجدہ کرو، کعبہ کی جانب سجدہ کیا

(۱) و معظم شعائر اللّٰه أربعة: القرآن، والكعبة، والنبى، والصلاة. (حجة اللّٰه البالغة، باب تعظيم شعائر اللّٰه: ۱/۱۳۳. انيس)

(۲) عن أبى سعيد عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أللّٰهم إن إبراهيم عليه الصلاة والسلام حرم مكة فجعلها حرامًا وإنى حرمت المدينة حرامًا بين مازميها أن لا يهراق فيها دم ولا يحمل فيها سلاح لقتال ولا يخبط فيها شجرة إلا لعلف. (الصحيح لمسلم، باب الترغيب فى سكن المدينة والصبر (ح: ۱۳۷٤)

قال التوربشتى صاحب شرح مسلم أول شراح المصابيح: قوله عليه الصلاة والسلام: "حرمت المدينة"، أراد بذلك تحريم التعظيم دون ماعداه من الأحكام المتعلقة بالحرم. (مرقاة المفاتيح، باب حرم المدينة: ۵/۱۸۷۵. انيس)

جاتا ہے، کعبہ کو سجدہ نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ اللہ کو سجدہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے کعبہ کو سجدہ کرنا شرک کہا گیا ہے۔(۱) تو گنبد خضراء کو یا گنبد خضراء پر سجدہ کرنا بدرجہ اولیٰ شرک اور ناجائز ہوگا۔

پس یہ نقشے جب ان دونوں کے ترجمان وعکاس ہیں، تو ان دونوں نقشوں پر بھی سجدہ کرنا ناجائز وحرام ہوگا۔ اگر یہ چیز شرک نہ ہو تو ایہام شرک اس سے ضرور ہوگا اور یہ ایہام شرک بھی ممنوع ہو جائے گا اور اگر وہ نقشے صاف اور نمایاں نہ ہوں یا غلط ہوں اور کسی ذی روح کی تصویر یا صلیب وغیرہ کسی کفر کے شعار کے نقوش نہ ہوں تو اس پر نماز پڑھنا بے تکلف جائز رہے گا، بشرطیکہ شاغل مصلی نہ بنے ورنہ مکروہ ہوگا، یہی حکم بعینہٖ اور اسی تفصیل کے ساتھ ان منقش چادروں کا بھی ہوگا کہ جن پر نماز پڑھی جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ١٦٢/١-١٦٤)

اونی کمبل پر نماز پڑھنا:

سوال: اون کے کپڑے مثلاً کمبل وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے ہاں ایک مولانا نے کہا ہے کہ اون پر سجدہ کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ حکم زمین پر سجدہ کرنے کا ہے۔

الجواب

اونی کمبل پر نماز پڑھنا درست ہے، پیشانی کو بوقت سجدہ خوب جما کر رکھے کہ کمبل کی تہہ مزید نہ دب سکے، سجدہ کی جگہ کا از جنس تراب ہونا شرط نہیں، البتہ افضل یہ کہ ہے سجدہ زمین پر کیا جائے یا ایسی چیز پر جو زمین سے پیدا ہوتی ہے۔(۲)

لکن الأفضل عندنا السجود علی الأرض أو علیٰ ما تنبته، الخ. (ردالمحتار: ٤٧٠/١) (٣)

نیز شامی میں ہے:

فصح علیٰ طنفسة وحصیر، الخ. (ردالمحتار: ٤٦٨/١)(٤) **فقط واللہ أعلم**

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی، ٧/٧/١٣٨٥ھ۔ الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہٰذا۔ (خیر الفتاویٰ: ٢٨٣/٢)

(۱) حتی لو سجد للکعبة نفسها کفر، قال الشامی: فإن المسجود له هو اللہ تعالیٰ والتوجه إلی الکعبة مأمور به کما تقدم کان السجود لنفس الکعبة کفرًا. (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة: ٢٨٦/١)

(٢) عن میمونة قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی علی الخمرة فیسجد، فیصیبنی ثوبه وأنا إلی جنبه وأنا حائض. (مسند الإمام أحمد، حدیث میمونة بنت الحارث (ح: ٢٦٨٠٨)/انیس)

(٣) فصل کیفیة الصلاة، بحث السجود، تحت قول الدر وصحح الحلبی ... : ٥٠٢/١، بیروت، انیس

(٤) فصل کیفیة الصلاة، بحث السجود، تحت قول الدر وأن یجد حجم الأرض: ٥٠٠/١، بیروت، انیس

ایسے پلاسٹک پر نماز جس کی نچلی جانب نجس ہو:

سوال: پلاسٹک اور نائلون کو ملا کر ایک کپڑا تیار کیا گیا ہے، جو دبیز بھی ہے اور اس میں پانی جذب نہیں ہوتا، کیا ایسا کپڑا اگر نیچے کی طرف سے ناپاک ہوجائے یا اس کو ناپاک یا مشتبہ جگہ بچھا کر اس کے اوپر نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

ہر ایسی چیز کہ اس میں ایک جانب لگی ہوئی نجاست دوسری طرف سرایت نہ کرے؛ اس کی پاک جانب پر نماز درست ہے، اسی طرح ناپاک یا مشتبہ زمین پر ایسا پلاسٹک بچھا کر نماز جائز ہے، بلکہ ایسے شفاف پلاسٹک پر بھی نماز درست ہے؛ جس کے اندر سے نیچے کی نجاست نظر آتی ہو، كما قالوا في الزجاج ،(١) البتہ اگر کپڑا اتنا باریک ہو کہ اس میں سے نجس زمین یا نجاست نظر آتی ہو یا نجاست کی بدبو محسوس ہو، تو اس پر نماز درست نہیں۔

قال في الشامية عن البدائع: وعلٰى هذا لو صلى علٰى حجر الرحى أو باب أو بساط غليظ أو مكعب أعلاه طاهر وباطنه نجس عند أبي يوسف لايجوز نظرًا إلٰى اتحاد المحل، فاستوى ظاهره وباطنه كالثوب الصفيق، وعند محمد يجوز؛ لأنه صلى في موضع طاهر كثوب طاهر تحته ثوب نجس، بخلاف الثوب الصفيق لأن الظاهر نفاذ الرطوبة إلى الوجه الآخر، آه. وظاهره ترجيح قول محمد وهو الأشبه ... وذكر في المنية وشرحها: إذا كانت النجاسة علٰى باطن اللبنة أو الآجرة و صلى علٰى ظاهرها جاز، وكذا الخشبة إن كانت غليظة بحيث يمكن أن تنشر بصفين فيما بين الوجه الذي فيه النجاسة والوجه الآخر وإلا فلا ، آه.

وذكر في الحلية أن مسألة اللبنة والآجرة على الاختلاف المار بينهما، وأنه في الخانية جزم بالجواز، وهو إشارة إلى اختياره وهو حسن متجه، وكذا مسألة الخشبة على الاختلاف، وأن الأشبه الجواز عليها مطلقًا، ثم أيده بأوجه فراجعه.

وأيضًا فيها تحت (قوله ومبسوط علٰى نجس، الخ) عن شرح المنية: وكذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقًا يشف ماتحته أو توجد منه رائحة النجاسة علٰى تقدير أن لها رائحة لاتجوز الصلوٰة عليه وإن كان غليظًا بحيث لا يكون كذلك جازت، آه. (رد المحتار: ٥٨٦/١، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، قبل مطلب في المشي في الصلاة) فقط والله تعالىٰ أعلم

١٧ / ربیع الاول ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۲۳-۴۲۴)

(١) وفي القنية: لو صلى على زجاج يصف ماتحته قالوا جميعاً يجوز، الخ. (ردالمحتار، باب شروط الصلاة، قبيل مطلب في ستر العورة: ٤٠٣/١. انيس)

پلاسٹک کا مصلی:

سوال: آج کل پلاسٹک کی جائے نماز کا رواج ہوگیا ہے خاص کر سفر میں ایسے مصلی استعمال کئے جاتے ہیں، اگر ایسا مصلی ایسی جگہ پر بچھا دیا جائے جہاں نجاست ہو تو کیا اس پر نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (عبدالقادر، کلکتہ)

الجواب

نماز کے لیے ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جو پاک بھی ہو اور صاف بھی اور طبیعت کو وہاں نماز ادا کرنے میں پورا انشراح ہو، اس سے نماز میں خشوع اور خضوع کی کیفیت باقی رہتی ہے جب قلب کو اطمینان نہ ہو تو عبادت بھی بے لطف ہو جاتی ہے۔ تاہم اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر نجاست خشک ہو تب تو اس مصلی پر نماز پڑھنا درست ہے، اگر مرطوب نجاست ہو اور نجاست کا اثر نیچے کی سطح سے اوپر تک نہیں پہنچ پائے اور اوپری سطح پر نجاست کی بو محسوس نہیں کی جائے، تو اس پر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ فقہا نے ایسے موٹے کپڑے پر نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے، جس کو مرطوب نجاست پر ڈال دیا جائے اور کپڑے کے اوپر بو محسوس نہ ہو۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب (کتاب الفتاویٰ: ۸۹/۲)

شیر، چیتے کی کھال پر نماز:

سوال: شیر اور چیتے کی کھال بہت قیمتی ہوا کرتی ہے، میں نے بعض ملکوں میں دیکھا ہے کہ لوگ جائے نماز کے طور پر بھی ان کا استعمال کرتے ہیں، جب کہ یہ جانور درندوں کے قبیل سے ہیں، کیا ان پر نماز پڑھنا صحیح ہے؟

(سید صادق حسین، ملک پیٹ)

الجواب

چیتا اور شیر ان جانوروں میں سے ہے کہ اگر ان کی کھال کو دباغت دے دی جائے، تو وہ پاک ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ان کا استعمال کرنا درست ہے اور نماز ادا ہو جائے گی۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"ولا بأس بجلود النمر والسباع كلها إذا دبغت أن يجعل منها مصلى أو منبر السرج". (۲)

(۱) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۱۲.

(وإن كانت النجاسة رطبة فألقى عليها لبدا أو ثنى ماليس ثخينًا أو كسبها بالتراب فلم يجد ريح النجاسة جازت صلاته. (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، باب شروط الصلاة وأركانها: ۲۰۸. انیس)

(۲) حاشية ابن عابدين مع الدر المختار: ۵۰۶/۹، كتاب الحظر والإباحة، أول فصل فى اللبس

البتہ چوں کہ لوگ درندہ کے چمڑوں پر از راہ تکبر بیٹھا کرتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سواری بنانے یعنی جانور پر زین بنانے سے منع کیا ہے۔(١)

اس سے خیال ہوتا ہے کہ ایسے چمڑوں پر بیٹھنا بھی کراہت سے خالی نہیں۔ لہٰذا درندہ کے چمڑوں کو جائے نماز بنانے سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:١٥٨/٢)

حلال جانور کی دباغت شدہ کھال کی جائے نماز پاک ہے:

سوال: کیا ہرن کی کھال کی بنی ہوئی جائے نماز پر ادائیگی نماز میں کوئی حرج ہے؟

الجواب

کوئی حرج نہیں، جانوروں کی کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے، اس پر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔(٢)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:٣٤٨/٣)

میز وغیرہ پر ناپاک روغن اور پالش لگایا گیا ہو، اس پر بغیر کپڑا ڈالے نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: آج کل میز وغیرہ سب پر جو روغن ہوتا ہے، اس پالش میں شراب کی آمیزش مسموع ہے، دریں صورت بلا بسط ثوب اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ایسی میز پر بلا بسطِ ثوب نماز پڑھنا خلافِ احتیاط ہے۔(٣)

١٢/ رمضان ١٣٤٧ھ۔ (امداد الاحکام:٢/ ٩٧-٩٨)

---

(١) مشكوة المصابيح، رقم الحديث: ٤٣٥٥-٤٣٥٧۔

عن أبي المليح بن أسامة عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن جلود السباع. (سنن أبي داؤد، باب في جلود النمور والسباع (ح:٤١٣٢)

عن أبي شيخ الهنائي أن معاوية قال لنفر من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن يفترش جلود السباع. (مصنف عبدالرزاق، باب جلود السباع (ح::٢١٦)انيس)

(٢) (كل إهاب) ... (دبغ) ... (وهو يحتملها طهر) فيصلى به ويتوضأ منه. (الدر المختار مع رد المحتار: ٢٠٣/١ كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة، انيس)

(٣) ولو مُوِّهَ الحديد بالماء النجس يُمَوَّهُ بالطاهر ثلاثًا فيطهر خلافًا لمحمد، فعنده لا يطهر أبدًا وهذا في الحمل في الصلاة، أما لو غسل ثلاثًا ثم قطع به نحو بطيخ أو وقع في ماء قليل لا ينجسه فالغسل يطهر ظاهره إجماعًا. (رد المحتار، باب الأنجاس، تحت قول الدر: مما يتشرب النجاسة: ٣٣٢/١. دار الفكر، انيس)

میت کے غسل کے لئے استعمال شدہ پاک تختہ پر نماز درست ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تختہ نماز پر ایک بچے کی میت کو غسل دیا گیا اب اس تختہ پر نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: منشی محمود مانسہرہ)

الجواب

واضح رہے کہ صحت صلوٰۃ کے لئے طہارت مکان شرط ہے، پس اگر یہ تختہ پاک ہو تو اس پر نماز پڑھنا درست ہوگا۔(١)
والظاهر هى الطهارة وإلا فلم يصح صلاة الجنازة،أيضًا، فافهم وتدبر وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:٢/٢١٥-٢١٦)

نماز غسل خانہ میں جائز ہے یا نہیں:

سوال: درحمام نماز جائز است یا نہ؟(٢)

الجواب

نماز درحمام مکروہ است۔(١) بدو وجہ: یکے آنکہ حمام جائے غسالہ است، ودیگر آنکہ آں خانہ شیاطین است۔(٤)
قد عقد الحديث العلامة نجم الدين الطرسوسى فى منظومته الفوائد،فقال:
نهى الرسول محمد خير البشر☆ عن الصلاة فى بقاع تعتبر☆معاطن الجمال ثم مقبره☆
مزبلة طريق ثم مجزره☆وفوق بيت الله والحمام☆والحمد لله على التمام☆(٥)فقط
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١٣٥)

(١) وفى الهندية:تطهير النجاسة من بدن المصلى وثوبه والمكان الذى يصلى عليه واجب هكذا فى الزاهدى فى باب الأنجاس.(الفتاوىٰ الهندية،الفصل الأول فى الطهارة: ١/٥٨)
(٢) غسل خانہ میں نماز جائز ہے یا نہیں؟انیس
(٣) وكذا تكره فى أماكن كفوق كعبة وفى طريق الخ ومغتسل وحمام. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة: ١/٣٥٢-٣٥٣،ظفير)قبل باب الأذان،قبيل مطلب تكره الصلاة فى الكنيسة)
عن أبى سعيد الخدرى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:الأرض كلها مسجد إلا الحمام والمقبرة.(السنن الماثورة للشافعى،باب ماجاء فى فضل النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ١٨٦)/سنن أبى داؤد،باب فى المواضع التى لا تجوز فيها الصلاة (ح:٤٩٢)انيس
(٤) خلاصۂ جواب: غسل خانہ میں نماز مکروہ ہے۔دو وجہ سے،ایک یہ کہ وہ غسل کردہ پانی کی جگہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ شیطان کا گھر ہے۔انیس
(٥) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار،كتاب الصلوٰة: ١/٣٥٢،ظفير) تحت قول الدر كفوق كعبة،كتاب الصلوٰة،قبل باب الأذان،قبيل مطلب تكره الصلاة فى الكنيسة) ==

طہارت خانہ کی چھت پر نماز:

سوال: ایک مسجد میں صحن بیت الخلا کی چھت سے متصل ہے، جب جمعہ وغیرہ کے موقع پر لوگ زیادہ ہوجاتے ہیں، تو طہارت خانہ کی چھت پر نماز ادا کرتے ہیں، ہماری مسجد کے ایک مصلی صاحب کا خیال ہے کہ طہارت خانہ کی چھت پر نماز درست نہیں ہوتی؟ (محمد اسحٰق، حیدرآباد)

الجواب

یہ بات درست نہیں کہ مسجد شرعی کے نیچے بیت الخلا یا طہارت خانہ بنایا جائے، یہ احترام مسجد کے خلاف ہے۔ البتہ اگر مسجد تو نہ ہو، لیکن مسجد سے متصل ہو اور بوقت ضرورت لوگ اس پر نماز پڑھ لیتے ہوں، تو یہ درست ہے۔ کیونکہ ناپاکی سطح زمین میں ہے اور نماز پڑھنے کی جگہ اور سطح زمین کے درمیان خلا اور چھت کا فاصلہ موجود ہے اور ایسے فاصلہ کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے۔

"وإذا صلى على حجر الرحى أو على باب أو على بساط غليظ أوعلى مكعب ظاهره طاهر وباطنه نجس يجوز عند محمد رحمه الله وبه كان يفتي الشيخ أبوبكر الإسكاف وهو الأشبه بالترجيح". (١)

مذکورہ صورت میں بھی نجاست اور نماز پڑھنے والے کے درمیان چھت حائل ہے، اس لئے نماز درست ہوجائے گی۔

(کتاب الفتاویٰ: ٢/ ١٥٨-١٥٩)

نالہ کے اوپر نماز:

سوال: ہماری مسجد کا حجرہ جس میں امام صاحب رہتے ہیں، وہ اور وضوخانہ اور استنجا خانہ یہ سب مسجد سے متصل نالہ کی زمین پر بنے ہیں اور اب مسجد کی زمین کے ساتھ حجرہ، وضوخانہ اور استنجا خانہ کے اوپر کا حصہ مسجد کی دوسری منزل میں شامل کیا گیا ہے تو دوسری منزل کے اس حصہ میں جہاں نیچے حجرہ وغیرہ نالے کی زمین پر ہے، اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نماز درست ہوگی یا نہیں؟

== عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى أن يصلى فى سبعة مواطن: فى المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق وفى الحمام وفى معاطن الإبل وفوق ظهر بيت الله. (سنن الترمذى، باب ماجاء فى كراهية ما يصلى إليه وفيه (ح: ٣٤٦)/انيس)

(١) الفتاوىٰ الهندية : ٦٢/١. (الفصل الثانى فى طهارة مايستر به العورة/وكذا فى بدائع الصنائع، فصل بيان مايقع به التطهير: ٨٣/١. انيس)

هو المصوب

وضوخانہ استنجا خانہ نالہ کی زمین ہے، اس کے اوپر کا حصہ مسجد میں شامل کر دینے سے وہ مسجد کے حکم میں ہوگا۔ اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۴۲/۲)

رنڈی (فاحشہ) کے بالاخانہ کے نیچے کے مکان میں نماز درست ہے یا نہیں:

سوال: ایک مکان سرکار جنید کا ہے، اس نے کسی وجہ سے ایک رنڈی کو دیدیا، جب چاہے ضبط کر لیتا ہے، اس کے نیچے دو کانیں ہیں ان کو کرایہ پر لے رکھا ہے، اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اس مکان مذکور میں نماز پڑھنا صحیح ہے نماز ہو جاتی ہے۔ (۱)

لیکن اولیٰ یہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھیں۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۴۰/۲)

کوئلہ کی کان میں نماز پڑھنے کے متعلق ایک استفتا:

سوال: جس جگہ ہم لوگ رہتے ہیں وہاں پر کھادہے، کوئلہ کی زمین کے اندر سے کوئلہ نکالا جاتا ہے، لہذا جو لوگ مسلمان غریب اس میں کام کرتے ہیں کوئلہ کاٹتے ہیں اور گاڑیوں میں بھرتے ہیں، وہاں پر پانی ملتا ہے، مگر اندھیرا سخت، قیامت کا نمونہ ہے، وہاں پر لوگ نماز پڑھتے ہیں، لیکن مسئلہ پوچھتے ہیں، کیونکہ جس جگہ وہ لوگ کام کرتے ہیں، جگہ بہت خراب ہے اور حالت یہ ہے کہ کپڑا جسم میں صرف فرض یعنی ستر ڈھانکنے کے لائق ہوتا ہے، بعض تو لنگوٹ باندھ کر کام کرتے ہیں، نیچے بھی پانی ہے، پانی کی جگہ سے کوئلہ ٹوکری میں بھر کے گاڑی میں لادتے ہیں، اس پر اوپر سے پانی مثال سوتوں کے ٹپکتا رہتا ہے، اور گرمی بھی بعض جگہ ایسی ہے کہ پسینہ کثیر ہر وقت جاری رہتا ہے، اسی حالت میں کوئلہ اٹھانا پڑتا ہے اور کان میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ جماعت ہو جاوے اگر کوشش کی جاوے تو مع امام کے چار پانچ پڑھتے ہیں جماعت کے ساتھ، مگر اکثر جگہ گیلی پائی جاتی ہے وہاں پر نماز چھوڑ دینا چاہئے یا کہ نہیں، اور عورت

(۱) اس مکان میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

(۲) فرض نماز مسجد میں جماعت سے ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

"(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) الخ، ولوفاتته ندب طلبها في مسجد آخر إلا المسجد الحرام ونحوه. (الدر المختار على صدر رد المحتار، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة: ۵۱۷/۱، ظفير)

ومرد دونوں مل کر کام کرتے ہیں اور دونوں مسلمان ہیں، کس صورت سے نماز پڑھیں۔ کیا حکم فرماتے ہیں اور یہاں پر کام کرنے کا وقت ۸/ بجے صبح سے ۸/ بجے رات تک ہے اور دوسرے وقت ۸/ بجے رات سے ۸/ بجے صبح تک کام ہوتا ہے، دو وقتہ کام ہوتا ہے، یعنی یہ کارخانہ چوبیس گھنٹہ چالو رہتا ہے۔ اتوار کی رخصت ملتی ہے، جو شخص اس ہفتہ دن میں کام پر جاویگا وہ اگلے ہفتہ رات کو کام پر جاوے گا، اول تو وہاں رات اور دن دونوں کی ایک صورت ہے، گھڑی کے ذریعہ سے وقت معلوم ہوتا ہے اور جس جگہ زمین کے اندر جاتے ہیں اس جگہ سے کام کرنے کی جگہ آدھ میل یا آدھ میل سے زیادہ دور جانا پڑتا ہے، بلکہ بعض جگہ ایک میل سے زائد دور جانا پڑتا ہے، اول وقت کو معلوم کرنے کی قلت ہے، دوسرے پانی کی سخت تکلیف ہے اور وہاں پر پانی بہتا رہتا ہے۔ نالی سے مگر اس میں لوگ شبہ اور کراہت کرتے ہیں، کیونکہ وہیں پر لوگ پاخانہ پیشاب کرتے ہیں، اور جگہ جگہ نالی کے سرے پر اکثر غلیظ پایا جاتا ہے، بہت سخت تکلیف ہے، اگر اوپر اٹھ کر نماز پڑھی جاوے تو وقت بہت سا برباد ہو جاتا ہے، اور جو کام ہم لوگ کر کے آتے ہیں وہ کوئی دوسرا لے لے گا، یعنی کوئلہ گرایا ہے، ہم گئے نماز پڑھنے تو دوسرے شخص نے آ کر لے لیا، ہماری محنت ضائع ہوگئی اور ہم نماز ہی کے لئے تین دفعہ گئے وقت ختم ہو گیا۔ دوسرے کا وقت آ گیا یعنی آٹھ بجے، اب ہم کو کل پھر صبح آٹھ بجے گاڑی ملے گی اور ہم کوئلہ کاٹ کر لائیں گے، ہم لوگ کیا کریں، سخت مجبور ہیں۔

اب حضور بتلا دیں کہ یہ لوگ نماز پڑھتے نہیں، اگر کہتے ہیں، تو سو سو اعتراض کرتے ہیں اور حیلہ وحجت کرتے ہیں، اور جو لوگ نماز کے شوقین ہیں وہ پانی کے ناپاک ہونے کے خیال سے اوپر سوکھی مٹی لے جاتے ہیں، اور تیمّم کر کے نماز پڑھتے ہیں، وہ وہ لوگ ہیں جو سرداروں میں سے ہیں، حضور کیا حکم دیتے ہیں کہ وہاں پر تیمّم جائز ہوگا یا کہ نہیں یا کہ اس پانی سے وضو جائز ہوگا، اور جگہ گیلی ہونے کی متعلق کیا حکم ہوتا ہے یا ایسی جگہ نماز چھوڑ دینے کا حکم ہے یا اوپر آ کر قضا پڑھنی چاہئے، اس لئے ہم نے تفصیل وار لکھا ہے، آدمی جب کھاد سے اوپر اٹھتا ہے تو ایک دم کالا بھوت ہو جاتا ہے، اور زمین کے نیچے ایک ہزار یا ڈیڑھ ہزار فٹ نیچے جا کر یہ سب کام ہوتا ہے، بعض جگہ کم ہے پانچ سو یا سات سو فٹ ہے جو حکم ہو وہی کیا جاوے؟

الجواب

جگہ کا گیلا ہونا نماز سے مانع نہیں، گیلی جگہ پر نماز درست ہو جاتی ہے، جب کہ زمین پر پیشانی جم جائے،(۱) اور جو پانی اس جگہ نالی سے بہتا ہے؛ وہ پاک ہے۔ جب تک پانی میں غلیظ ونجاست کی بو وغیرہ ظاہر نہ ہو۔ پس جو لوگ

(۱) ولو سجد على الحشيش أو التبن أو على القطن أو الطنفسة أو الثلج إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز وإن لم يستقر لا. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الأول فی فرائض الصلاة: ۱/ ۷۰. انیس)

کوئلہ کی کان میں کام کرتے ہیں، ان کو ایسی جگہ جہاں وہ کام کرتے ہیں نماز پڑھنا چاہئے اور وقت کو اور قبلہ کے رخ کو انداز سے معلوم کرنا چاہئے اور نماز کے وقت ستر کو اچھی طرح ڈھانک لینا چاہئے، پھر اگر سہولت ہو تو جماعت سے نماز پڑھیں اور اگر دشواری ہو تو الگ الگ ہی پڑھ لیں اور جب تک بہتے ہوئے پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، اس وقت تک اس کو ناپاک سمجھنا غلط ہے اور تیمّم جائز نہیں؛ بلکہ وضو کرنا واجب ہے۔(١) ہٰذا واللہ اعلم

٢٧/رمضان ١٣٤٧ھ۔ (امداد الاحکام:٢/٩٥-٩٧)

نجاست پر کپڑا بچھا کر نماز:

سوال: خشک پاخانہ کیسا ہے، خشک پاخانہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ نماز کی شرطوں میں ایک شرط جائے پاک بھی ہے، جو فرض عین ہے۔ (ممتاز الاسلام)

الجو اب ______________ حامداً و مصلیاً

پاخانہ خشک ہو کر بھی ناپاک ہی رہتا ہے، جب تک اس کی ماہیت نہ بدل جائے (٢) اس پر پاک کپڑا یا بوریا بچھا کر نماز درست ہے اور اس وقت نماز کی جگہ کپڑا یا بوریہ ہے جو پاک ہے، پاخانہ نہیں، لہذا نماز کی شرط مفقود نہیں۔(٣)

محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم۔٢٤/٢/١٣٥٣ھ۔صحیح: عبد اللطیف۔٢٤/ربیع ٢/١٣٥٣ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:٥/٥١٦)

ناپاک جگہ پر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا:

سوال: کسی ناپاک جگہ پر شیشہ کا تختہ بچھا کر اس پر نماز پڑھ لی تو درست ہے یا نہیں، جبکہ شیشہ کے نیچے کی ناپاکی نظر آتی ہو؟ بینوا توجروا۔

---

(١) وبتغير أحد أوصافه) من لون أو طعم أو ريح (ينجس) الكثير ولو جارياً إجماعاً.(الدر المختار: ١/١٨٥، كتاب الطهارة، باب المياه، سعيدية)

عن أبي أمامة الباهلي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الماء لا ينجسه شيء إلا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه.(سنن ابن ماجة، باب الحياض (ح: ٥٢١) انيس)

(٢) "السرقين إذا أحرق حتى صار رماداً، فعند محمد يحكم بطهارته، وعليه الفتوى، هكذا في الخلاصة، وكذا العذرة، هكذا في البحر الرائق". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول في تطهير الأنجاس: ١/٤٤، رشيدية، سعيد)

(٣) "بخلاف غير مضرب ومبسوط على نجس إن لم يظهر لون أو ريح". (الدر المختار)

قال في شرح المنية: وكذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقاً يشف ماتحته أو توجد منه رائحة النجاسة على تقدير أن لها رائحة لا تجوز الصلاة عليه، وإن كان غليظاً بحيث لا يكون كذلك، جازت". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، قبيل مطلب في المشي في الصلاة: ١/٦٢٦، سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

نماز ہو جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ:

وفی القنیة: لو صلی علیٰ زجاج یصف ماتحته قالوا جمیعًا یجوز، آھ. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ: ١/٣٧٤) **فقط والله تعالیٰ أعلم**

١٧/ربیع الاخر ١٣٩٧ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٣/٤٠٤)

فرش پر کپڑا بچھائے بغیر نماز پڑھنا:

سوال: فرش پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (مستفتی: عبداللہ، واڈیا کالج پونہ۔ ٩/رمضان ١٤٢٥ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

فرش پاک ہو تو کپڑا بچھائے بغیر بھی اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔(١)

" تطهیر النجاسة من بدن المصلی وثوبه والمکان الذی یصلی علیه واجب، الخ. (الفتاویٰ الهندیة: ١/٥٨) **والله أعلم وعمله أتم**

مفتی محمد شاکر خان قاسمی، پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان: ٢/١١٣-١١٤)

پختہ فرش اگر ناپاک ہو جائے، تو اس پر نماز کا حکم:

سوال: عیدگاہ کا پختہ فرش بنانا جائز ہے یا نہیں؛ جبکہ عیدگاہ کے صحن میں ایسا درخت موجود ہے؛ جو پورے صحن کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور تمام سال جانور بیٹ کرتے رہتے ہیں۔ جب فرش ہو جائے گا تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ پختہ اینٹ نجاست رقیقہ کو جذب کرتی ہے یا نہیں؟ جو ثواب مسجد کے پختہ فرش کا ہے وہی ثواب عیدگاہ کے فرش کا ہے یا نہیں؟

---

(١) **عن أبی سلمة قال: سألت أبا سعید الخدری فقال: جاء ت سحابة فمطرت حتی سال السقف وکان من جرید النخل فأقیمت الصلاة فرأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یسجد فی الماء والطین حتی رأیت أثر الطین فی جبهته. (الصحیح للبخاری، باب هل یصلی الإمام بمن حضر؟ (ح: ٦٦٩)/مسند الإمام أحمد، مسند أبی سعید الخدری (ح: ١١٥٨٠)/الصحیح لمسلم، باب استحباب صوم ستة أیام من شوال (ح: ١١٦٧)/السنن الکبریٰ للنسائی، متی یخرج المعتکف (ح: ٣٣٧٤)/مسند أبی یعلی الموصلی، من مسند أبی سعید (ح: ١١٥٨) انیس)**

الجو اب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

پختہ فرش بنانا بھی جائز ہے، متولی اور نمازیوں کی جیسی رائے ہو عمل کرلیا جائے۔ جن پرند، جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کی بیٹ کی وجہ سے فرش نجس نہیں ہوتا۔(١)

پختہ فرش پر رقیق نجاست گر کر جب خشک ہو جائے اور نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو وہ فرش نماز کے لیے پاک ہو جائے گا۔(٢) نجاست خشک ہونے کی وجہ سے فرش کو ناپاک نہیں کہا جائے گا۔ اگر نجاست کا اثر ظاہر ہو خواہ رقیق یا کثیف تو بغیر پاک کئے وہاں نماز درست نہیں ہوگی۔(٣) مسجد کے پختہ فرش پر جس طرح نماز کا ثواب ہے، اسی طرح عیدگاہ کے پختہ فرش پر بھی ثواب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ١١/١٠/١٣٨٥ھ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٥/٥١٨)

شطرنجی کا ایک کونہ ناپاک ہے تو دوسرے کونہ پر نماز درست ہے:

سوال: مکان کے دیوان خانے میں فرش (شطرنجی) بچھا رہتا ہے، اس کے ایک کونے پر بچہ نے پیشاب کیا ہو تو دوسرے کونے پر کپڑا اچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجو اب ــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں فرش کے دوسرے پاک کونے پر کپڑا بچھائے یا نہ بچھائے، نماز بلا حرج کے ادا ہو جائے گی۔(٤) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ١/٢٣١)

---

(١) (وخرء) كل طير لا يذرق في الهواء كبط أهلي (ودجاج) أما مايذرق فيه، فإن مأكولا فطاهر، الخ." (قوله: فإن مأكولاً كحمام عصفور (قوله: فطاهر) وقيل: معفوعنه لوقليلاً لعموم البلوى، والأول أشبه، وهوظاهر البدائع والخانية. حلية". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مبحث في بول الفأرة، الخ: ١/٣٢٠، سعيد)

(٢) "ومنها: الجفاف وزوال الأثر. الأرض تطهر باليبس وذهاب الأثر للصلوٰة... آه". (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع في النجاسة وأحكامها: ١/٤٤، رشيدية)

عن أبي جعفر، قال: زكاة الأرض يبسها. (في الرجل يطأ الموضع القذر يطأ بعده ماهو (ح: ٦٢٤)

عن أبي قلابة قال: جفوف الأرض طهورها وصلى الله على محمد وسلم كثيراً. (مصنف عبدالرزاق، باب تزئين المساجد والممر في المسجد (ح: ٥١٤٣) انيس)

(٣) وإزالتها إن كانت مرئيةً بإزالة عينها، وأثرها إن كانت شيئًا يزول أثره، آه. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع في النجاسة وأحكامها: ١/٤١، رشيدية) وكذا في منحة السلوك في شرح تحفة الملوك، فصل في إزالة النجاسة: ١/٨٠. انيس)

(٤) (قوله ومكانه) فلا تمنع النجاسة في طرف البساط ولوصغيرًا في الأصح. (ردالمحتار، باب شروط الصلاة: ١/٣٧٤)

نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہو تو نماز کا حکم:

سوال: اگر نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہے تو نماز ہوگی یا نہیں اور اگر اس پر کوئی باریک یا موٹا کپڑا اچھا دیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اگر قدمین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہے تو نماز درست نہیں ہوگی اور اصح قول کے مطابق رکبتین کی جگہ نجاست ہے تو بھی نماز درست نہ ہوگی، پھر اگر نجاست تر ہے اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ دوتہہ بنا سکتے ہیں، نیز نجاست کی تری اوپر کی طرف ظاہر نہیں ہوتی تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہے، ورنہ نہیں، اور اگر نجاست خشک ہے تو کپڑا ایسا ہونا چاہئے کہ نجاست نظر نہ آئے تو نماز درست ہے، ورنہ نہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

أنه يشترط طهارة موضع القدمين فتبطل الصلاة بنجس مانع تحت أحدهما أوبجمعه فيهما تقديرًا في الأصح...ومنها طهارة موضع اليدين والركبتين على الصحيح لافتراض السجود علىٰ سبعة أعظم واختاره الفقيه أبو الليث وأنكرماقيل من عدم افتراض طهارة موضعها ولأن رواية جوازالصلاة مع نجاسة موضع الكفين والركبتين شاذة،ومنها طهارة موضع الجبهة على الأصح من الروايتين عن أبي حنيفة وهوقولهما ليتحقق السجود عليها. (مراقی الفلاح: ٨٠، باب شروط الصلاة وأركانها،مكة المكرمة وهكذا في ردالمحتار: ٤٠٤/١،سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولوكانت النجاسة رطبة فألقى عليها ثوبًا وصلى إن كان ثوبًا يمكن أن يجعل من عرضه ثوبان كالنهالي يجوزعند محمد وإن كان لايمكن لايجوزإن كانت يابسة جازت إذاكان يصلح ساترًا كذا في الخلاصة. (الفتاویٰ الهندية: ٦٢/١/كذا في البحرالرائق: ٢٦٨/١،كوئٹة /وكذا في حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح: ٢٠٨،قديمي) **والله سبحانه تعالىٰ أعلم** (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ٢/١١٥-١١٦)

وضو کے پانی کو پونچھ کر رومال کو بوقتِ نماز آگے رکھنا کیسا ہے:

سوال: اگر کوئی آدمی وضو کرے اور اس کے بعد رومال سے اس کو پونچھ لیا اور اس گیلے رومال کو نماز پڑھنے کی حالت میں سامنے رکھا، تو اس طرح نماز کی حالت میں سامنے رکھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

وضو کے بعد جس رومال سے منہ ہاتھ وغیرہ پونچھے جاتے ہیں، اس کو بوقتِ نماز اپنے سامنے اس طرح ڈال دیا کہ اس پر سجدہ نہیں ہوتا ہے یا اس پر کھڑا نہیں ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اگر اس کو باقاعدہ مصلیٰ کی طرح بچھا کر اس پر نماز ادا کرتا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔

الأولٰی أن لایصلی علٰی مندیل الوضوء الذی یمسح به، الخ. (الکلام الجلیل لمولانا عبد الحیی اللکنوی: ٣٦) **فقط و اللّٰہ تعالٰی أعلم** (محمود الفتاویٰ: ١/٤٥٩)

غیر مسلم کے گھر میں فرش پر نماز پڑھنا:

سوال: کسی غیر مسلم کے گھر فرش پر نماز کا ٹائم ہو جانے کی صورت میں نماز ادا کر سکتے ہیں؟ جبکہ دور دور تک کوئی مسجد نہ ہو اور نماز قضا ہو جانے کا ڈر بھی ہو۔

الجواب ــــــــــــــــ

زمین خشک ہونے کے بعد نماز کے لیے پاک ہو جاتی ہے، (١) اور جگہ پاک ہو تو وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں، اس لیے غیر مسلم کے گھر کے خالی فرش پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر پاک کپڑا بچھا لیا جائے تو اور بھی اچھا ہے۔ (٢)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣/٣٣٧-٣٣٨) ☆

---

(١) الأرض تطهر بالیبس، إلخ. (الفتاویٰ الهندیة: ١/٤٤)

(٢) تطهیر النجاسة واجب من بدن المصلّی وثوبه والمکان الذی یصلّی علیه، الخ. (الهدایة: ١/٥٤)

☆ غیر مسلم کے گھر میں گوبر سے لیپی ہوئی جگہ پر نماز پڑھنا:

سوال: میری ملازمت سرکاری ہے، گاؤں گاؤں گھومنا پڑتا ہے، بعض جگہوں پر مسجد یا مسلمانوں کے گھر گوبر سے لیپے ہوئے ہوتے ہیں تو ایسی جگہ پر مصلی بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

گوبر سے لیپی ہوئی خشک جگہ پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جائز ہے نماز صحیح ہو جائے گی۔

قال ابن عابدین عن شرح المنیة: وکذا الثوب إذا فرش علی النجاسة الیابسة فإن کان رقیقًا یشف ماتحته أو توجد منه رائحة النجاسة علٰی تقدیر أن لها رائحة لایجوز الصلاة علیه وإن کان غلیظًا بحیث لایکون کذلک جازت. (ردالمحتار: ١/٥١٦) (کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة وما یکره فیها، قبیل مطلب فی المشی فی الصلاة. انیس) **فقط و اللّٰہ أعلم بالصواب** (فتاویٰ رحیمیہ: ١/٢٣٠-٢٣١)

گوبر سے لیپی ہوئی زمین پر نماز:

سوال: اگر کسی مکان میں گوبر مع مٹی کے لیپا گیا ہو، اول گوبر بعد میں مٹی، یا بالعکس یا صرف گوبر، ان صورتوں میں سے کسی صورت میں نماز اس پر ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (عبدالرزاق جالندھری، مقیم حجرہ نالہ)

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر اول گوبر سے زمین کو لیپا گیا ہے اور بعد میں مٹی سے اس طرح پر کہ گوبر بالکل چھپ گیا اور اس کی بو وغیرہ کچھ محسوس نہیں ہوتی تو اس پر نماز جائز ہے۔

"هكذا يفهم من الخانية حيث قال فيها: أراد أن يصلي علىٰ أرض عليها نجاسة، فكنسها بالتراب، نظر إن كان التراب قليلاً بحيث لو استشمّه يجد رائحة النجاسة، لايجوز، وإلا فيجوز، انتهىٰ". (نفع المفتی: ۶۹) (۱) **فقط والله سبحانه وتعالىٰ أعلم** (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۱۷-۵۱۸)

ناچ گانے والی جگہ پر نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایسی مخصوص جگہ جہاں پر اکثر ناچ گانا ہوتا ہے، اس جگہ پر نماز جنازہ وغیرہ پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: منصب دار مقام بولیا توال ضلع اٹک ...... ۲۳/ رمضان ۱۴۰۸ھ)

الجواب ــــــــــــــــــ

بنا بر حدیث تمام روئے زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے، (۲) سوائے بعض خاص مقامات کے جن کو حدیث نے مستثنیٰ کیا

---

(۱) نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوي، نوع منها طهارة المكان: ۸۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، کراچی)

قال في المنية: إذا أصابت الأرض بنجاسة، ففرشها بطين أوجص فصلى عليها جاز، ولو فرشها بالتراب ولم يطين إن كان التراب قليلاً بحيث لو استشمّه يجد رائحة النجاسة، لاتجوز، وإلا تجوز. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، قبيل مطلب في المشي في الصلاة: ۱/۶۲۶، سعيد)

(۲) عن حذيفة قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فضلنا على الناس بثلاث جعلت صفوفنا كصفوف الملائكة وجعلت لنا الأرض كلها مسجدًا وجعلت تربتها لنا طهورًا إذا لم نجد الماء". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة (ح: ۵۲۲)

(۳) عن ابن عمر قال: "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يصلى في سبعة مواطن: في المزبلة والمجزرة والمقبرة وقاعة الطريق وفي الحمام وفي معاطن الإبل وفوق ظهر بيت الله". (سنن الترمذي، باب ماجاء في كراهية ما يصلى إليه وفيه (ح: ۳۴۶) / وابن ماجة، باب المواضع التي تكره فيها الصلاة (ح: ۷۴۶)

ہے، (۳) اور یہ مسئولہ جگہ ان میں سے نہیں ہے۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۲۳-۲۲۴)

جن چٹائیوں پر رقص کیا گیا ہو، ان پر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے مسجد کی چٹائیاں بلا اجازت اٹھا کر قوالی کے لئے فرش بنایا اور ان پر حقہ وسگریٹ نوشی کی گئی اور کھینچا تانی سے ان کو خراب کیا گیا، اب ان چٹائیوں کا مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

(قاری غلام قادر شاہ، جمال ٹاؤن، والٹن روڈ، لاہور)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

مسجد کی چیز کو مسجد کے علاوہ دوسرے کاموں میں استعمال کرنا خصوصاً ایسے منکرات میں؛ جہاں حقہ اور سگریٹ نوشی بھی ہوتی ہو جرم اور گناہ ہے۔ شریعت میں اس پر ضمان مانقص واجب ہے، اگر چٹائیاں نجس ہو چکی ہوں؛ تو دھونا بھی ضروری ہے، اگر نجس نہ ہوں تو اسی طرح استعمال کر سکتے ہیں، مگر احتیاط دھو لینے میں ہے۔

علامہ ابن الحاج، مدخل: ۲/۱۵۴، میں فرماتے ہیں:

قالت الحنفية: الحصر التي يرقص عليها لا يصلى عليها حتى يغسل، آه. (۱) **فقط و اللّٰہ أعلم**

بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہ، خادم الافتاء جامعہ خیر المدارس، ملتان۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا۔ یکم محرم ۱۳۶۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۸۷-۲۸۸)

☆☆☆

(۱) المدخل لابن الحاج، توقير السلف المساجد: ۳/۹۹. انیس

نماز میں ستر عورت

نماز کے اندر ستر چھپانے میں سرین وران اور گھٹنا تین عضو ہیں یا دو:

سوال: مردوں کو ناف سے گھٹنے تک بدن چھپانا فرض اور نماز میں چوتھائی عضو برہنہ ہو جانا مفسدِ صلوٰۃ ہے، تو آیا گھٹنا علیٰحدہ اور سرین وفخذ وغیرہ علیٰحدہ عضو ہیں یا یہ سب مجموعہ ایک ہے؟

الجواب

سرین ایک عضو ہے۔(۱) اور فخذ ورکبہ ملا کر ایک عضو۔ فقط

(تتمہ اولیٰ صفحہ:۳۵)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۰۴)

---

(۱) لیکن سرین دو ہیں اور ہر ایک علیٰحدہ علیٰحدہ عضو ہیں اور حلقہ دبر (محل براز) الگ تیسرا عضو ہے۔ اسی طرح رانیں بھی دو ہیں اور ہر ایک ران مع اس کے گھٹنہ کے ایک عضو ہے۔ طحطاویؒ نے حاشیہ درمختار میں تفصیل کی ہے کہ مرد کے ستر کے آٹھ عضو ہیں:

ذکر اور اس کا ماحول، خصیتین اور ان کا ماحول، دو سرین، دو ران مع گھٹنہ اور ناف کے نیچے سے عانہ تک اور اس کے محاذی پہلو کا حصہ۔(ردالمحتار: ۱/۳۸۰/وکذا فی السعایة: ۲/۷۸، سعید)

(والعورة الغليظة والخفيفة سواء) أى فى حكم الانكشاف المانع وغير المانع .العورة الغليظة هى القبل والدبر،والخفيفة غيرهما من موضع العورة وفائدة كونهما على السواء،يظهر إذاانكشف قدرربع العضو تمنع سواء كانت من الخفيفة أو الغليظةومادونه،لايمنع فيهما وهذا هو الصحيح.(منحة السلوک شرح تحفة الملوک،فصل فى شروط الصلاة: ۱/۱۱۸)

(وهى ماتحت سرته إلى تحت ركبتيه)أى بينهما هو العورة،لقوله عليه الصلاة والسلام:عورة الرجل مابين السرة إلى الركبة.ويروىٰ ما دون سرته حتى يجاوز ركبتيه وكلمة إلى نحملها على كلمة مع عملاًبكلمة حتى، أو عملاً بقوله عليه الصلاة والسلام:"الركبة عورة"وبهذا تبين أن السرة ليست من العورة والركبة منها. (تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱/۹۵-۹۶)

عن عبدالله بن جعفربن أبى طالب قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:مابين السرة والركبة عورة.(المعجم الصغير للطبرانى،من اسمه محمد (ح:۱۰۳۳)صححه الألبانى فى الإرواء،ح:۲۷۱،ج:۱/ص:۳۰۲)

عن جرهد قال:جلس عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفخذى منكشفة فقال:"خمر عليک إزارک إن الفخذ عورة".(موطأالإمام مالک،ت:أبومصعب الزهرى،باب مايكره من الصدقة (ح:۲۱۲۲)انيس)

نماز میں ستر کا حصہ کھلنے پر ناظر و منظور کی نماز کا حکم:

سوال: زید ایک نمازی آدمی ہے، اس سے اگلی صف میں عمر نماز پڑھ رہا ہے، عمر کا حالتِ صلوٰۃ میں ستر کا حصہ کھل جاتا ہے، تو زید کی نگاہ حالت صلاۃ میں عمر کے ستر کے اس مخصوص جگہ پر اچانک پڑ گئی، یا وہ خود عمداً اپنی نگاہ ڈالتا ہے، تو صورت مذکورہ میں زید کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اور عمر کی نماز کا کیا حکم رہے گا؟

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

حالتِ نماز میں دوسرے نمازی یا غیر نمازی کے ستر پر نگاہ پڑ جانے سے، یا ڈالنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی؛ اگر چہ قصداً نگاہ ڈالنا گناہ ہے، رہا عمر جس کا ستر نماز میں کھل گیا تھا، اگر وہ کھلنا غیر اختیاری تھا اور تین تسبیحات پڑھ سکیں؛ اس سے کم وقت کے لیے کھلا رہا، تو اس کی نماز بھی فاسد نہیں ہوئی، ورنہ فاسد ہوگئی۔ (ردالمحتار: ۱/ ۳۰۰) (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ ۱۷ رشوال المکرّم ۱۴۰۹ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ۔

(محمود الفتاویٰ: ۴/ ۲۰۰-۲۰۱)

نماز کی حالت میں ستر نظر آنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس کا کرتا کمر تک تھا اور لنگی پھٹی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے اس کی ران کا کچھ حصہ نظر آ رہا تھا تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اگر ران کے چوتھائی حصہ سے کم نظر آ رہا تھا تو نماز ہوگئی، ورنہ نہیں۔

"قليل الانكشاف عفو؛ لأن فيه بلوىٰ و لابلوىٰ فى الكثير فلا يجعل عفوا الربع وما فوقه كثير ما دون الربع وهو الصحيح، هكذا فى المحيط". (الفتاویٰ الهندية: ۵۸/۱. **كذا فى الغياثية على الفتح:** ۲۲۶/۱) **فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۳/ ۵۶)

---

(۱) (ويمنع) حتى انعقادها (كشف ربع عضو) قدر أداء ركن بلاصنعه (من) عورة غليظة أو خفيفة. (الدر المختار) (قوله قدر أداء ركن) أى بسنيته، منية. قال شارحها: وذلك قدر ثلاث تسبيحات، آه. وكأنه قيده بذلك حملاً للركن على القصير منه للاحتياط وإلا فالقعود الأخير والقيام المشتمل على القراء ة المسنونة أكثر من ذلك، ثم ماذكره الشارح قول أبى يوسف، واعتبر محمد أداء الركن حقيقة، والأول المختار، للاحتياط كما فى شرح المنية واحترز عما إذا انكشف ربع عضو أقل من قدر أداء ركن فلايفسد إتفاقاً لأن الانكشاف الكثير فى الزمان القليل عفو كالانكشاف القليل فى الزمن الكثير وعما إذا أدىٰ مع الإنكشاف ركناً فإنها تفسد إتفاقاً، قال ح: واعلم ==

گریبان میں سے ستر دیکھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے گریبان میں سے اپنے ستر کو دیکھا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اس مسئلہ میں فقہا کے دو قول ہیں بعض فقہا کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن مکروہ تحریمی ہوگی، تاہم احتیاط پر عمل کرتے ہوئے نماز کے فاسد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ثم لم يذكر في ظاهر الرواية أن القميص الواحد إذا كان محلول الجيب والزر هل تجوز الصلاة فيه؟ ذكر ابن شجاع: فيمن صلى محلول الأزرار وليس عليه إزار: أنه إن كان بحيث لو نظر رأى عورة نفسه من زيقه لم تجز صلاته وإن كان بحيث لو نظر لم ير عورته جازت وروى عن محمد في غير رواية الأصول: إن كان بحال لو نظر إليه غيره يقع نظره عليه من غير تكلف فسدت صلاته وإن كان بحال لو نظر إليه غيره لا يقع بصره على عورته إلا بتكلف فصلاته تامة فكأنه شرط ستر العورة في حق غيره لا في حق نفسه وعن داؤد الطائي أنه قال: إن كان الرجل خفيف اللحية لم يجز لأنه يقع بصره على عورته إذا نظر من غير تكلف فيكون مكشوف العورة في حق نفسه وستر العورة عن نفسه وعن غيره شرط الجواز وإن كان كث اللحية جاز لأنه لا يقع بصره على عورته إلا بتكلف فلا يكون مكشوف العورة. (بدائع الصنائع: ۲۱۹/۱، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله ولا يضر نظرها من جيبه) لأنه يحل له مسها والنظر إليها ولكنه خلاف الأدب كما في النهر واختار البرهان الحلبي أن تلك الصلاة مكروهة وإن لم تفسد ومقابل الصحيح ما عن بعض المشائخ من اشتراط ستر عورته عن نفسه وفرع عليه أنها لو كانت لحيته كثيفة و ستر بها زيفه صحت وإلا فلا. (حاشية الطحاوي على الدر المختار: ۴۱/۱، وكذا في ردالمحتار: ۴۱۰/۱، سعيد وكذا في الجوهرة النيرة: ۵۴/۱، وكذا في درر الحكام في شرح غرر الاحكام: ۵۹/۱، وكذا في تبيين الحقائق: ۹۵/۱)

فتح باب العنایہ میں ہے:

وفي الخلاصة: لو صلى في قميص واحد محلول الجيب: إن كان بحال يقع بصره على

== أن هذا التفصيل في الانكشاف الحادث في أثناء الصلاة أما المقارن لابتدائها فإنه يمنع انعقادها مطلقاً اتفاقاً بعد أن يكون المكشوف ربع العضو. (ردالمحتار، شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة: ۴۰۸/۱، دار الفكر. انيس)

(۲) المصلي في سراويل إذا انكشف مابين سرته وعورته إن كان ربعاً فسدت صلاته لأن مابينهما عضو كامل، والمراد منه حول جميع البدن فإذا انكشف ربعه كان فاحشاً. (الفتاوىٰ الغياثية، ط: بولاق، كتاب الصلاة: ۲۱-۲۲. انيس)

عورته لاتجوز صلاته وكذا لو كان بحال يقع بصر غيره عليه من غير تكلف، كذا ذكره هشام عن محمد وعن أبي حنيفة وأبي يوسف: أن عورة الشخص ليست بعورة في حقه، قلت: وهذا ضعيف جدا للإجماع على بطلان من صلى صلاة في بيت وحده أو في ظلمة من غير ستر عورة إذا لم يكن من عذر. (فتح باب العناية: ١/ ٢٠٥) والله سبحانه وتعالىٰ أعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:٢/١١٦-١١٧)

کپڑے میں ستر پایا جانا ضروری ہے:

سوال: کپڑے کی غلظت میں شرط کیا ہے؟ اگر صورت بدن دیکھا جاوے اور لون بشرہ نہ دیکھا جاوے، تو نماز درست ہے یا نہیں؟ اگر رنگت کی وجہ سے نہ دیکھا جاوے یا پاجامہ بنانے کی وجہ سے نہ دیکھا جاوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

جب کہ رنگ بشرہ کا معلوم نہ ہو تو ستر ثابت ہے اور نماز صحیح ہے۔ (١) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١٤٤)

ناف سے لے کر گھٹنوں تک کپڑوں میں نماز:

سوال: میرے ایک چچا ہیں جنہوں نے مجھے آدھی آستین والی قمیص میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ آدھی آستین والی قمیص پہن کر نماز نہیں پڑھنی چاہیے، اس طرح نماز مکروہ ہو جاتی ہے، جب کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ مرد کو نماز پڑھتے وقت ناف سے لے کر گھٹنوں تک ڈھانپنا چاہیے۔

الجواب

آپ کے چچا نے جو مسئلہ بتایا ہے وہ صحیح ہے، اور جو مسئلہ آپ نے کتاب میں پڑھا ہے وہ بھی صحیح ہے، مگر اس کا مطلب آپ نہیں سمجھے، ناف سے گھٹنوں تک ڈھانپنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ (٢) اور کہنیاں یا سر کھلا ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔ (٣) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:٣/٣١٩)

(١) (وعادم ساتر) لايصف ماتحته. (الدر المختار)
(قوله لايصف ماتحته) بأن لايرى منه لون البشرة احترازاً عن الرقيق ونحو الزجاج. (رد المحتار، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة: ١/ ٣٨٠)

(٢) (و) الرابع (ستر عورته) ووجوبه عام ولو في الخلوة على الصحيح ... (وهي للرجل ما تحت سرّته إلىٰ ما تحت ركبته) الخ. (الدر المختار) وفي رد المحتار: وأما لو صلّى في الخلوة عرياناً ولو في بيت مظلم وله ثوب طاهر لايجوز إجماعاً كما في البحر. (رد المحتار، باب شروط الصلاة: ١/ ٤٠٤، مطلب في ستر العورة)

(٣) عن ابن عمر قال: مررت برسول الله صلى الله عليه وسلم وفي ازاري استرخاء فقال: يا عبد الله! ارفع إزارك، فرفعته، ثم قال: زد! فزدت فما زلت أتحرّاها بعد، فقال بعض القوم: إلى أين؟ قال: إلىٰ أنصاف الساقين. (مشكوٰة، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ط: قديمي (الصحيح لمسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء (ح: ٢٠٨٦) انيس)

صرف نیچے کے کپڑوں میں نماز:

سوال: انڈرویئر میں بلا عذر نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

هو المصوب

صرف انڈرویئر سے ستر پوشی نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے نماز فاسد ہوجائے گی۔(۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۵۶)

صرف بنڈی پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: کیا صرف واسکٹ جس کو بنڈی(۲) کہتے ہیں؛ پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ جب کہ پائجامہ باندھنے کی جگہ سے ناف تک کا حصہ کھلا ہوا ہے؛ جس کا ستر ضروری ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً

بدن کے جس حصہ کو چھپانا فرض ہے، اگر وہ چھپا رہے؛ تب بھی ایسا لباس پہن کر نماز پڑھنا؛ جس کو پہن کر آدمی معزز مجلس میں نہ جاسکتا ہو، مکروہ ہے۔(۳) چہ جائے کہ فرض ستر ہی ادا نہ ہو تو ایسی حالت میں نماز ہی نہ ہوگی۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۸۸/۹/۱۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۲۲)

---

(۱) (قوله:وهى من تحت سرته إلى تحت ركبته) أى ما بينهما فالسرة ليست بعورة والركبة عورة.(البحر الرائق، فصل فى شروط الصلاة: ١/٤٦٨)

(۲) ''بنڈی بغیر آستین والا چھوٹا کوٹ، ایک قسم کی صدری''۔(نور اللغات:۱/۶۵۵، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۳) (صلاته فى ثياب بذلة)يلبسها فى بيته.(الدر المختار)

وفى ردالمحتار:وفسرها فى شرح الوقاية بمايلبسه فى بيته ولايذهب بى إلى الأكابر،الخ.(كتاب الصلاة، الباب السابع فيمايفسد الصلاة ومايكره فيها: ١/٦٤٠ـ٦٤١،دارالفكر.انيس)

(وفى ثياب البذلة) وهى مايلبس فى البيت ولا يذهب بها إلى الكبراء.(شرح الوقاية)

(قوله وفى ثياب البذلة)أى تكره صلاته فى ثياب البذلة بكسر الباء الموحدة وسكون الذال المعجمة بمعنى الإبتذال والخدمة والكراهة تنزيهية كما فى البحر ووجه الكراهة أن فيه ترك الاهتمام بالصلاة التى هى أفضل العبادات وهذا إذا كان له غيرها وإلا فلا.(عمدة الرعاية،كتاب الصلاة،باب الحدث فى الصلاة: ١/١٥٩.مطبوعة الهند.انيس)

وتكره الصلاة فى الثيا ب البذلة.(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها،الفصل الثانى فيما يكره فى الصلاة وما لايكره: ١/١٠٧،رشيدية)

(۳) (و)الرابع (سترعورته).(تنوير الابصارمع الدرالمختار،كتاب الصلاة، با ب شروط الصلاة: ١/٤٠٤،سعيد)==

دھوتی باندھ کر نماز درست ہے:

سوال: دھوتی مثل اہل ہنود کے باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر کشف عورت نہ ہو تو نماز ہو جاتی ہے مگر یہ طریق اچھا نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۳)

دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا:

سوال: بعض لوگ دھوتی باندھ کر نماز پڑھتے ہیں اور نماز پڑھنے کے بعد وہ لوگ ٹانگ اٹھا کر اور دھوتی کمر میں باندھ کر چلے جاتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

الجوابــــــــــــ حامداً و مصلیاً

دھوتی اس طرح باندھی جائے کہ گھٹنے اور اوپر کا حصہ (رانیں) نہ کھلیں، اگر اس طرح نماز پڑھی جائے کہ گھٹنے یا رانیں کھلی رہیں تو نماز نہیں ہوگی (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۲۰/۱/۹۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۲۳)

جانگیا پر لنگی باندھ کر نماز پڑھے، تو درست ہے:

سوال: اگر کوئی شخص رومالی یا جانگیا باندھ کر اس کے اوپر دھوتی یا پاجامہ وغیرہ پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر رومالی و جانگیا باندھ کر اس کے اوپر گھٹنا یعنی نصف پاجامہ پہن لے اور اس کے اوپر تہبند باندھ کر نماز پڑھے تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

== ومنها ستر العورة، لقوله تعالىٰ: ﴿يَابَنِيْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾، قيل فى التأويل: الزينة ما يوارى العورة، والمسجد الصلاة، فقد أمر بمواراة العورة فى الصلاة" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى بيان شرائط الاركان: ۱/۵٤۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (و)الرابع (ستر عورته) الخ (وهى للرجل ماتحت سرته إلىٰ ماتحت ركبته) الخ. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ۱/ ۳۷٤_۳۷۵، ظفير)

(۲) (و)الرابع (ستر عورته)، ووجوبه عام ولو فى الخلوة على الصحيح". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ۱/٤۰٤، سعيد)

"ومنها ستر العورة..." الخ. (بدائع الصنائع، فصل فى بيان شرائط الاركان: ۱/۵٤۳، درالكتب العلمية)

الجواب

ان صورتوں میں جبکہ ستر عورت ہو جاوے نماز صحیح ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۴۳-۱۴۴)

کوٹ پتلون اور ٹائی پہنے ہوئے نماز پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ انگریزی لباس یعنی کوٹ، پتلون اور ٹائی پہننا ایک رسم عام بن گیا ہے، خاص کر افسر شاہی لوگوں کا یہ شیوہ ہے، ڈیوٹی کے دوران جب نماز کا وقت ہو جائے اور کپڑوں کو تبدیل کرنے کا موقع نہ ملے، کیا اسی لباس میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ڈاکٹر خالد حسین میڈیکل آفیسر میر علی وزیرستان......۲۸/۵/۱۹۷۲ء)

الجواب

نماز قضا ہونے سے یہ بہتر ہے کہ اسی غیر شرعی لباس میں نماز پڑھی جائے، خصوصاً جب کہ عذر بھی ہو۔(۲) فقط

(فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۱۷)

ایک ہی چادر اوڑھ کر نماز درست ہے:

سوال: مریض اگر بباعث سردی، رزائی یا چادر اوڑھ کر نماز پڑھے کہ سارا جسم مع منہ اور سر اُس ملبوس سے پوشیدہ ہو اور ستر اس کا مثل زانو یا فخذ یا سرین مکشوف غیر مستور ہو؛ مریض کی نظر سے اور جو شخص اس کے پاس ہو، اس کی نظر سے بھی پوشیدہ ہو، تو نماز اس مریض کی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

نماز اس مریض کی صحیح ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۴۳۲-۴۳۳)

---

(۱) (و) الرابع (ستر عورته) الخ، (وهی للرجل ماتحت سرته إلیٰ ماتحت رکبته) الخ. (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلوٰة، مطلب فی ستر العورة: ۱/۳۷۴، ظفیر)

(۲) قال الشیخ محمد أمین ابن عابدین: (قوله: والرابع ستر عورته) أی ولو بما لایحل لبسه کثوب حریر وإن أثم بلا عذر کالصلاة فی الأرض المغصوبة. (رد المحتار، باب شروط الصلاة، مطلب فی ستر العورة: ۱/۴۰۴. دار الفکر)

(۳) (والشرط سترها عن غیره) ولو حکما کمکان مظلم (لا) سترها (عن نفسه) به یفتیٰ فلو رآها من زیقه لم تفسد وإن کره. (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، مطلب فی ستر العورة: ۱/۳۸۰، ظفیر)

عن وائل بن حجر قال، قلت: لأنظرن إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کیف یصلی؟ قال: فنظرت إلیه، قام فکبر، ورفع یدیه حتی حاذتا أذنیه ثم وضع یده الیمنیٰ علی ظهر کفه الیسریٰ والرسغ والساعد، ==

تنہائی میں برہنہ ہوکر نماز پڑھنا:

سوال: وقت (اتنا) تنگ ہے کہ فرض ادا کرسکتا ہے، ایسی صورت میں کپڑا پاک کرنا ضروری ہے، اگر تنہائی کی جگہ میسر ہو تو ننگا پڑھ لے یا نہیں، اور اگر تنہائی میسر نہ ہو تو انہی کپڑوں سے نماز ادا کرے تو نماز ہو جائے گی یا قضا کرے؟

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

تنگی وقت کی وجہ سے ناپاک کپڑے سے نماز درست نہیں، اس کو پاک کرنا ضروری ہے۔(۱) تنہائی میں بھی برہنہ نماز جائز نہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۵/ ۶/ ۱۳۸۷ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۶/ ۶/ ۱۳۸۷ھ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید۔ ۱۸/ ۶/ ۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۵۱۹-۵۲۰)

معذور ننگا نماز پڑھ سکتا ہے:

سوال: ایک مسجد میں جمعہ کی نماز میں پیش امام صاحب نے تقریر میں کہا کہ نماز کسی بھی حالت میں معاف نہیں ہے، اگر آپ کے کپڑے نجس ہیں اور کپڑے نہیں مل رہے ہیں تو نجس کپڑے سے نماز پڑھ لیں، اور اگر آپ کے پاس اور کپڑے نہیں ہیں یا کپڑے نہیں مل رہے ہیں تو آپ ننگے ہی سر نماز پڑھ سکتے ہیں، براہ کرم کتابوں کے حوالہ سے جواب مطلع فرمائیں؟

== ثم قال: لما أراد أن يركع، رفع يديه مثلها ووضع يديه على ركبتيه، ثم رفع رأسه، فرفع يديه مثلها ثم سجد، فجعل كفيه حذاء أذنيه، ثم قعد فافترش رجله اليسرىٰ ووضع كفه اليسرىٰ على فخذه وركبته اليسرىٰ وجعل مرفقه الأيمن على فخذه اليمنىٰ ثم قبض بين أصابعه فحلق حلقة ثم رفع إصبعه فرأيته يحركها يدعوبها، ثم جئت بعد ذلك في زمان فيه برد فرأيت الناس عليهم الثياب تحرك أيديهم من تحت الثياب من البرد. (مسندالإمام أحمد، حديث وائل بن حجر (ح: ١٨٨٧٠)/ سنن الدارمي، باب صفة صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ١٣٩٧)/ الصحيح لابن خزيمة، باب وضع بطن كف اليمنىٰ على كف اليسرىٰ (ح: ٤٨٠)/ الصحيح لابن حبان، ذكر مايستحب للمصلي رفع اليدين عند إرادته (ح: ١٨٦٠)/ المعجم الكبير للطبراني، عن وائل بن حجر (ح: ٨٢) انيس)

(۱) ثم الشرط، الخ، وشرعاً مايتوقف عليه الشي ولايدخل فيه (هي) ستة: (طهارة بدنه) من حدث ... وخبث ... (و ثوبه). (تنوير الأبصار مع در المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٤٠٢/١، سعيد)

وأما طهارة ثوبه فلقوله تعالىٰ: (وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) [المدثر] (كنز الدقائق متن البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ٢٨١/١)

(۲) وأما لوصلى في الخلوة عريانا ولوفي بيت مظلم وله ثوب طاهر، لايجوز اجماعاً، كما في البحر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة: ٤٤٠/١، سعيد)

ھو المصوب ــــــــــــــــــــــــ

امام صاحب کی بات صحیح ہے، ننگے پڑھنے کی صورت میں چھپی جگہ بیٹھ کر پاؤں قبلہ کی جانب پھیلا کر اشارہ سے نماز پڑھے گا، یہ صورت کھڑے ہوکر پڑھنے سے افضل ہے۔حوالہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

وعادم ساتر يصلي قاعداً مؤمياً بركوع وسجود وهو أفضل من صلاته قائماً. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة: ٨٥/٢)

وجد ثوباً ربعه طاهر وصلى عارياً لم يجزوان كان أقل من ربعه طاهراً أو كله نجساً خير بين أن يصلي عارياً قاعداً بايماء وبين أن يصلي فيه قائماً بركوع وسجود وهو أفضل كذا في الكافي ولو لم يجد الا جلد ميتة غير مذبوح لا يجوز أن يستر به عورته. (الفتاویٰ الهندية: ١/ ٥٩-٦٠)

تحریر: ساجد علی۔تصویب: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/ ۴۲-۴۳)

زنانہ کے لئے نماز میں ستر عورت:

سوال: چہ می فرمایند علماء کرام درین مسئلہ کہ یک زن مسلمان واصیل کہ در یک لباس نماز ادا می کنند، و دران لباس ساق زن و صدرش از جہت کشادگی گریوان ظاہر می شود، ایں نماز زن دران لباس درست است یا نہ؟ بینوا توجروا۔(۱)

(المستفتی: باز محمد افغانی ۲۴/۱/ ۱۹۸۷ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

ماسوائے وجہ وقدمین وکفین ہر اندام مکمل یا ربع وے کہ برہنہ شود، نمازش فاسد شود۔

(كما في الهندية: ٦٠/١): **الربع وما فوقها كثير وما دون الربع قليل وهو الصحيح، هكذا في المحيط.** (٢) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/ ۲۲۰)☆

---

(۱) ترجمہ: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان عورت ایک ہی لباس میں نماز ادا کرتی ہے اور اس لباس میں اس عورت کی پنڈلی اور اس کا سینہ گریبان کے کھلے حصے سے ظاہر ہوتا ہے تو اس عورت کی نماز اس لباس میں درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔انیس

(۲) الفتاویٰ الهندية، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة: ٥٨/١۔

ترجمہ: چہرہ، دونوں ہتھیلی اور دونوں قدم کے علاوہ بدن کے کسی بھی عضو کا مکمل یا چوتھائی حصہ برہنہ ہو تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔انیس

☆ **(عورت کے لئے) نماز میں ستر عورت:**

سوال: نماز میں عورت کو اپنا کتنا حصۂ بدن چھپانا ضروری ہے؟ ==

عورت کی ہتھیلی کا اوپری حصہ ستر ہے یا نہیں، اس کی تحقیق:

سوال: قبل ازیں یہ لکھا گیا تھا کہ جب عورت پشت کف دست ہاتھ کی ہتھیلی کا اوپری حصہ کھول کر نماز پڑھ لے تو اس کا اعادہ کرنا پڑے گا یا نہیں اس کا جواب جناب عالی نے یہ تحریر فرمایا کہ نماز اس کی صحیح ہے اعادہ نہ کرے۔

اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ جب درمختار میں یہ لکھا ہے:

فظهر الكف عورة على المذهب. (الدر المختار: ۱/۴۰۵، مطلب فی ستر العورة)

تو جب نماز میں ستر عورت نہ ہوا تو نماز نہ ہوئی لہذا اس کا اعادہ ضروری ہوا، لہذا اس تردد کو رفع فرمائیے؟

الجواب

ظہر کف کا عورت ہونا چونکہ مختلف فیہ ہے۔(۱) میں نے سہولت وابتلاء عام کے لئے دوسرا قول لے لیا ہے۔

۲۱/جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ۔ (تتمہ ثانیہ، صفحہ:۲۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۱۹-۲۲۹)

عورت کے ہاتھ کہنیوں تک ڈھکے ہونا، نماز کے لیے ضروری ہے:

سوال: کچھ خواتین کہتی ہیں کہ! نماز پڑھنے کے لیے عورت کے ہاتھ کہنیوں تک لازمی ڈھکے ہونے چاہئیں اور کلائی تک ڈھکنا ضروری نہیں؟

الجواب

عورت کا سارا بدن ہاتھ گٹوں تک اور پاؤں ٹخنے تک پورا ستر ہے، کلائیوں کا کھولنا جائز نہیں۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۲۰)

==

الجواب

نماز میں عورت کو اپنے تمام جسم کا چھپانا فرض ہے، بجز چہرہ، دونوں ہتھیلیوں اور دونوں قدموں کے۔(وبدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها. (كنز الدقائق مع البحر: ۱/۲۶۹، الهندية: ۱/۵۸) (فتاویٰ شیخ الاسلام:۲۴)

(۱) فظهر الكف عورة على المذهب. (الدر المختار)

(قوله على المذهب) أى ظاهر الرواية، وفى مختلفات قاضى خان وغيرها أنه ليس بعورة أيده فى شرح المنية بثلاثة أوجه وقال فكان هو الأصح وإن كان غير ظاهر الرواية وكذا أيده فى الحلية وقال مشى عليه فى المحيط وشرح الجامع لقاضى خان، آه، واعتمده الشرنبلالى فى الإمداد. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل فى شروط الصلاة: ۱/۳۷۶) (فتاوىٰ قاضى خان، فصل فيما يفسد الصلاة: ۱/۱۶۲، ط: كلكته/المحيط البرهانى، الفصل الرابع فى فرائض الصلاة وغيرها: ۱/۲۷۹/درر الحكام شرح غرر الحكام، باب شروط الصلاة: ۱/۵۹. انيس)

(۲) وذراعها عورة كبطنها فى ظاهر الرواية عن أصحابنا الثلاثة. (الحلبى الكبير: ۲۱۰، الشرط الثالث)

آدھی آستین والی قمیص میں عورت کا نماز پڑھنا:

سوال: آدھی آستین کی قمیص جو کہنیوں سے اوپر ہو،لیکن گاڑھی اور بڑی چادر سے پورا جسم کلائی تک ڈھکا ہوا ہو، کیا ایسی صورت میں عورت کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر بدن کا کوئی حصہ نماز میں نہ کھلے تو نماز ہو جاتی ہے۔(۱)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۲۲۰/۳-۲۲۱)☆

بلاؤز پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: اگر کوئی عورت بلاؤز پہن کر نماز پڑھے تو کیا نماز درست ہوگی، جب کہ بلاؤز کی صورت یہ ہے کہ ناف سے اوپر ہی ہوا کرتا ہے اور جب رکوع وسجدہ میں جاتی ہے تو ساڑی ہٹ جاتی ہے اور بدن کا اچھا خاصا حصہ کھل جاتا ہے؟

هو المصوب ــــــــــــــــــــــــــــــ

بلاؤز پہن کر نماز پڑھنا(۲) درست نہیں ہے اور اس صورت میں نماز درست نہیں ہوگی۔(۳)

مروجہ بلاؤز پہننا درست نہیں ہے۔(۴)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۵۵/۲-۵۶)

---

(۱) قال أبو جعفر: أما المرأة فتواری فی صلاتها کل شیء منها إلا وجهها وکفيها وقدميها. قال أبوبکر: وذلک لأن جميع بدنها عورة لايحل للأجنبی النظر إليه منها إلا هذه الأشياء. (شرح مختصر الطحاوی، باب صفة الصلاة:۷۰۰/۱. انيس)

☆ **عورت کی کہنی کھلی رہ جائے، تو نماز کا حکم:**

سوال: اگر آستین کہنی سے اوپر ہو اور کھلی ہو، تو کیا نماز ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

عورت کے پہنچوں، ٹخنوں اور چہرے کے سوا کوئی عضو کھلا ہے، تو نماز نہیں ہوتی۔(وبدن المرأة الحرة کلّها عورة ... إلاّ وجهها وکفيها ... وقدميها. (الحلبی الکبير: ۲۱۰))(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۲۱/۳)

(۲) جبکہ اس بلاؤز پہننے کی صورت میں پیٹھ یا پیٹ کا چوتھائی حصہ کھل جاتا ہو۔انیس

(۳) (ويمنع) حتیٰ انعقادها (کشف ربع عضو) قدر أداء رکن بلا صنعه (من عورة) غليظة أو خفيفة علی المعتمد. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فی ستر العورة:۸۲/۲)

(۴) مروجہ بلاؤز جب کہ اس سے سینہ، پیٹ، پیٹھ اور بازو کا قابل ستر حصہ کھلا ہوا ہو، اگر بلاؤز کے علاوہ بھی کسی دوسرے کپڑے سے مذکورہ قابل ستر حصہ کو ڈھک دیا گیا ہو تو اس صورت میں نماز درست ہو جائے گی اور اس کا پہننا بھی درست ہوگا۔ کیوں کہ مانع قابل ستر حصہ کا کھلا رہنا ہے، جو کہ اب مستور ہے۔انیس

عورت کا جسم کھلا رہ گیا تو نماز ہوگی:

سوال: ساڑی پہن کر نماز کے دوران پیٹھ کا حصہ کھل جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(مستفتی: حافظ عبداللہ خاکسار مسجد پونہ-۲/رمضان ۱۴۲۵ھ)

الجواب

پیٹھ مستقل ایک عضو ہے، اسی طرح پیٹ بھی جن کا ڈھانپنا فرض ہے، اگر صرف پیٹھ کا چوتھائی حصہ کھل جائے تو نماز نہ ہوگی، چوتھائی سے کم کھل جائے تو نماز درست ہوگی اور اگر پیٹھ کا تھوڑا اور پیٹ کا تھوڑا حصہ مل کر پیٹ (جو پیٹھ کے مقابلہ میں چھوٹا ہوتا ہے) کے چوتھائی حصہ کے برابر کھلا رہ جائے تو نماز نہ ہوگی، یہ سب اس صورت میں ہے جب کہ ایک رکن کے ادا کرنے کی مقدار جسم کھلا رہے اور اگر فوراً ڈھانپ دیا تو نماز درست ہو جائے گی، چاہے جسم کھل جائے۔

"بدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها". (الفتاوىٰ الهندية: ۵۸/۱)(۱)

"انكشاف ما دون الربع معفوعنه اذا كان فى عضو واحد وإن كان فى عضوين أوأكثرو جمع وبلغ ربع أدنىٰ عضومنها يمنع جوازالصلاة". (الفتاوىٰ الهندية: ۵۸/۱)(۲)

"وان انكشف عورته فى الصلاة فسترها بلا مكث جازت صلاته إجماعاً وان أدىٰ ركناً مع الانكشاف فسد إجماعاً وإن لم يؤده لكن مكث قدرما يمكن الأداء تفسد عند أبى يوسف خلافاً لمحمد". (الفتاوىٰ الهندية: ۵۸/۱)(۳) والله أعلم وعلمه أتم

مفتی محمد شاکر خان قاسمی، پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان: ۱/۱۱۸-۱۱۹) ☆

(۱-۳) الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول فى الطهارة وستر العورة / حاشية الطحطاوى، فصل فى متعلقات الشروط وفروعها: ۲۴۲/۱ / وكذا فى ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ۴۰۸/۱، دارالفكر. انيس

☆ نماز میں اگر کوئی عضو کھلا رہ گیا:

سوال: نماز کے دوران اگر عورت کا کوئی عضو کھل گیا تو نماز کب فاسد ہوگی؟

الجواب

اگر نماز میں کسی عضو کا چوتھائی حصہ اتنی دیر کھلا رہے گا جتنی دیر میں وہ کوئی فریضہ نماز ادا کرتی تو نماز باطل ہو جائے گی حتی کہ اگر سر کے بالوں کا چوتھائی حصہ یا گردن یا بانہہ کا چوتھائی حصہ کھل جائے گا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ خواہ یہ کھلنا گھر میں ہو یا باہر، اندھیرے میں ہو یا روشنی میں کوئی دیکھے یا نہ دیکھے۔ ((ويمنع) حتى انعقادها (كشف ربع عضو) قدرأداء ركن بلا صنعه (من عورة) غليظة أوخفيفة على المعتمد. (الدرالمختار، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ۴۰۸/۱)

مکتوبات: ۸۶/۴۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام: ۲۵)

عورت کا کھلی جگہ نماز پڑھنا:

سوال: عورت اگر مسافر ہو تو وہ قصر کرے گی، لیکن اگر کہیں سیر و تفریح کے لئے گئی جہاں قصر کی نماز اس کے لئے لاگو نہیں، مگر نماز کا وقت ہوگیا۔ کیا وہ کھلی جگہ نماز ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجو اب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

شرعی سفر میں تو بہر حال وہ قصر کرے گی۔(۱) اگر سیر و تفریح کے لئے گئی ہے اور نماز کھلی جگہ میں پڑھے تب بھی اس کو پڑھنا درست ہے۔(۲) تمام بدن کو ڈھاک کر اس طرح کہ صرف ہاتھ اور قدم اور چہرہ کھلا رہے گا اس کی نماز درست ہے،(۳) اگر پیروں میں موزے ہوں اور ہاتھوں میں دستانے تب بھی نماز درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۲/۵-۶۴۳)

---

(۱) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾. (سورة النساء: ۱۰۱)

"يقول تعالىٰ: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾: أى سافرتم فى البلاد، كما قال تعالىٰ: ﴿عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرْضٰى وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ الآية. وقوله ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾: أى تخففوا فيها إما من كميتها بأن تجعل الرباعية ثنائية كما فهمه الجمهور من هذه الآية واستدلوا بها علىٰ قصر الصلوة فى السفر". (تفسير ابن كثير: ۷۲۳/۱، دار الفيحاء، دمشق)

"عن أنس بن مالك رضى اللّٰه تعالى عنه قال: صليت الظهر مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم بالمدينة أربعاً والعصر بذى الحليفة ركعتين".

"وخرج على بن أبى طالب رضى اللّٰه تعالى عنه، فقصر وهو يرى البيوت، فلما رجع قيل له: هذه الكوفة، قال: لا، حتى ندخلها". (صحيح البخارى، أبواب تقصير الصلوة، باب: يقصر إذا خرج من موضعه: ۱۴۸/۱، قديمى)

"من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدًا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلى الفرض الرباعى ركعتين ولو عاصيًا بسفره حتى يدخل موضع مقامه، آهـ". (تنوير الأبصار متن الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۰/۲-۱۲۴، سعيد)

(۲) عن أبى ذر رضى اللّٰه تعالى عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: جعلت لى الأرض طهورًا ومسجدًا.

"عن أبى سعيد الخدرى رضى اللّٰه تعالى عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم وقال موسى فى حديثه فى ما يحسب عمرو أن النبى صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم قال: "الأرض كلها مسجد إلا الحمام والمقبرة". (سنن أبى داؤد، كتاب الصلوة، باب فى المواضع التى لاتجوز فيها الصلوة: ۷۰/۱، دار الحديث، ملتان)

(۳) والرابع ستر عورته ... وللحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ۴۰۴/۱-۴۰۵، سعيد)

ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جس میں جسم یا بال نظر آتے ہوں:

سوال: عورتوں کو نماز میں کتنا جسم ڈھانپنا ضروری ہے؟ آیا اگر کوئی باریک کپڑے سے نماز پڑھے جس میں جسم یا بال نظر آتے ہوں، اگرچہ اکیلے میں ہو، تو کیا اس سے نماز یا طواف ادا ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ باریک کپڑے میں نماز نہیں ہوتی۔

الجواب

عورت کا منہ، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ پورا بدن ڈھکنا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔(۱) باریک کپڑا جس کے اندر سے بدن یا بال نظر آتے ہوں، اس میں نماز نہیں ہوتی۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۲۰/۳)

عورتوں کا نماز میں بالوں کو چھپانا:

سوال: عورتوں کا افراد خانہ کے سامنے باریک دوپٹہ یا رومال کی قسم کا چھوٹا کپڑا جس سے بال نہیں چھپتے؛ اوڑھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

اگر سر کے بال نہیں چھپتے تو نماز نہیں ہوتی۔ (۳) اگرچہ وہاں کوئی محرم نہ ہو، بلکہ سب محرم ہوں۔ فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند-۱۳۸۸/۶/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند-۱۳۸۸/۶/۲۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۱/۵)

جارجٹ کے دوپٹے کے ساتھ نماز پڑھنا:

سوال: جارجٹ کے دوپٹے کے بارے میں کیا حکم ہے، کیا اس سے نماز ہو سکتی ہے؟ کیوں کہ اس میں تو سب کچھ نظر آتا ہے، یا ململ کا دوپٹہ ہونا چاہیے؟ دوپٹے کے کپڑے کی صحیح مقدار اور کپڑے کی قسم ضرور بتائیں؟

---

(۱) وبدن المرأة الحرة كلها عورة ... إلاّ وجهها وكفيها ... وقدميها.(الحلبی الكبير : ۲۱۰)

(۲) إذا كان الثوب رقيقًا بحيث يصف ما تحته أی لون البشرة لا يحصل به ستر العورة. (الحلبی الكبير: ۲۱٤)

(۳) "(و)الرابع (سترعورته)ووجو به عام ولو فی الخلوة علی الصحيح،إلا لغرض صحيح ...(وللحرة) ... (جميع بدنها) حتی شعرها النازل فی الأصح (خلا الوجه والكفين) ... (و القدمين)". (الدر المختار، باب شروط الصلاة، مطلب فی ستر العورة: ۱/٤۰٤-٤۰۵، سعيد)

الجواب ______________

اگر کپڑا اتنا باریک ہو کہ اندر سے بدن، بال وغیرہ نظر آتے ہوں، تو اس سے نماز نہیں ہوتی، نماز کے لیے موٹا کپڑا اوڑھنا ضروری ہے۔ (١) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ٣٢٧/٣) ☆

مستورات کا باریک دوپٹہ اور آستین کا کلائیوں سے اوپر ہونے کی حالت میں نماز:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(١) باریک دوپٹہ جس میں بال نظر آتے ہوں اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(٢) نیز جب آستین کلائیوں سے اوپر ہوں نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔ (المستفتی: نامعلوم)

الجواب ______________

(١) زنانہ کے لئے اس میں (باریک دوپٹہ میں) نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے اور دوبارہ باقاعدہ واجب الاعادہ ہے، روایات حدیثیہ اور فقہیہ سے یہ ثابت ہے۔ (٢)

---

(١) وفی شرح شمس الأئمة السرخسی إذا كان الثوب رقيقًا بحيث يصف ما تحته أی لون البشرة لا يحصل به سترة العورة إذ لا ستر مع رؤية لون البشرة،الخ. (الحلبی الكبير: ٢١٤، شرائط الصلاة، الشرط الثالث، طبع سهيل اكيڈمی لاهور)

☆ **باریک دوپٹہ میں نماز:**

سوال: آج کل بہت باریک دوپٹہ چلے ہیں جس میں سر کے بال صاف نظر آتے ہیں، اس قسم کا دوپٹہ اوڑھ کر نماز درست ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب ______________ حامداً ومصلياً

عورت اگر ایسا باریک دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے گی تو نماز درست نہ ہوگی۔ (''(وعادم ساتر) لا يصف ما تحته. (الدر المختار) (قوله: لايصف ما تحته) بأن لايرى منه لون البشرة احترازًا عن الرقيق ونحو الزجاج''. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٤١٠/١، سعيد)

وحد الستر أن لا يرى ما تحته، حتى لو سترها بثوب دقيق يصف ما تحته، لايجوز''. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٤٦٧/١، رشيديه)

''والثوب الرقيق الذی يصف ما تحته، لاتجوز الصلاة فيه؛ لأنه مكشوف العورة معنى''. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٢٥٢/١، دار الكتب العلمية، بيروت) فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٥٢١/٥)

(٢) بدن الحرة عورة إلا وجهها و كفيها وقدميها كذا فی المتون، وشعر المرأة ما على رأسها عورة وأما المسترسل ففيه روايتان الأصح أنه عورة كذا فی الخلاصة: وهو الصحيح وبه أخذ الفقيه أبو الليث وعليه الفتوىٰ ... والثوب الرقيق الذی يصف ما تحته لا تجوز الصلاة فيه، كذا فی التبيين. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول فی الطهارة وستر العورة: ٥٨/١)

(۲) مرد کے لئے مکروہ ہے اور عورت کے لئے مفسد ہے۔

”والدليل على الأول كراهة الصلاة على وجه الولاية،والدليل على الثانی كون اليدين عورة إلّا الكفين“. (۱) فقط (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۱۸)

عورتوں کی نماز ساڑی میں جائز ہے یا نہیں:

سوال: عورتوں کی نماز ساڑی یعنی لہنگا پہن کر درست ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہاں کا رواج عورتوں کے لباس کا یہی ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے نماز ہوجاتی ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ ستر پورا ہو۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۳)

ساڑی پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: بہت سی عورتیں بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں تو وہ سب کہتی ہیں کہ ساڑی پہن کر کھڑے ہوکر نماز صحیح نہیں ہوتی ہے۔ چونکہ عورتیں ساڑیاں ٹخنوں سے اوپر پہنتی ہیں اور ان کے رکوع کرنے پر پنڈلیاں زیادہ کھل جاتی ہیں تو کیا نماز صحیح ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

ایسی ساڑی پہن کر ہرگز نماز نہ پڑھیں جس سے پنڈلیاں کھلی ہوں اور قیام صحیح ادا نہ ہو، (۳) فریضۂ قیام ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔ (۴) فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۲۳-۵۲۴) ☆

---

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله: وقيد الكراهة فى الخلاصة والمنية بأن يكون رافعاً كميه إلى المرفقين.(رد المحتارهامش الدرالمختار،باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها،مطلب مكروهات الصلاة: ۱/۴۷۳)

(۲) (و)الرابع (سترعورته)ووجوبه عام ولوفى الخلوة على الصحيح إلا لغرض صحيح. (الدرالمختار) (قوله ووجوبه عام) أى فى الصلاة وخارجها،الخ.(رد المحتار،باب شروط الصلاة: ۱/۳۷۴،ظفير)

(۳) قال ابن نجيم رحمه الله تعالى:”وكشف ربع ساقها يمنع وكذا الشعر ... لأن قليل الانكشاف عفوعندنا للضرورة ... والكثيرمفسد لعدمها، فاعتبرالربع،أقيم مقام الكل احتيا طاً؛لأن للربع شبهًابا لكل كما فى حلق ربع الرأس، فإنه يجب به الدم كما لو حلق كله“.(البحرالرائق،باب شروط الصلاة : ۱/۴۷۱،رشيديه)

(۴) ”من فرائضها)التى لا تصح بدونها (التحريمة)قائماً (وهى شرط) ... (ومنها القيام)..(فى فرض) ... (لقادرعليه).(الدرالمختار)

(قوله:وسنة فجرفى الأصح)أقول:لكن فى الحلية عند الكلام على صلوة التراويح:لو صلى التراويح ==

نماز کے دوران خواتین کی ٹانگوں کا باہم ملنا:

سوال: خواتین کے ستر اور جسم کے ڈھکنے کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے، تاہم چند کے ذہن میں یہ خیال ہے کہ نماز کی ادائیگی کے لئے لازم ہے کہ دونوں ٹانگیں برہنہ آپس میں نہ چھوئیں؛ جو کہ شلوار پاجامہ عزارہ میں ہی ممکن ہے، پھر جو خواتین مغرب یا مشرق میں سایہ قسم کا لباس یا ساڑی پیٹی پہنتی ہیں ان کے لئے بروقت نماز کا کیا حکم ہے؟

هو المصوب

ساڑی وپیٹی وغیرہ لباس جب پورے بدن کو ڈھک دے؛ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہے تو نماز درست ہے، بعض عورتوں کا جو خیال استفتاء میں درج ہے وہ صحیح نہیں ہے۔(۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/ ۵۵)

== قاعدًا بلاعذرٍ، قيل: لايجوز قياسا على سنة الفجر فإن كلا منهما سنة مؤكدة وسنة الفجر لاتجوز قاعدًا من غير عذر باجماعهم.(رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ۱/ ٤٤٤-٤٤٥، سعيد)

☆ ساڑھی میں نماز:

سوال: یہاں پر خواتین میں کرتہ اور پائجامہ پہننے کا رواج نہیں ہے اور وہ لہنگا پر ساڑھی باندھ لیتی ہیں، اور کسی قسم کا کپڑا اندر استعمال نہیں ہوتا ہے۔ تو کیا اس صورت میں ان کی نماز ادا ہو جائے گی یا پھر ان کو ساڑھی کے اندر پاجامہ یا اس قسم کا کپڑا پہننا پڑے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر لہنگا اور ساڑی اس طرح ہے کہ جسم نظر نہیں آتا تو ان کی نماز ادا ہو جائے گی اس کے اندر پاجامہ ہو یا نہ ہو، ورنہ انکشاف کی حالت میں نماز نہیں ہوگی، کیونکہ ستر عورت فرض ہے اور عورت کو چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں قدم کے سوا تمام بدن کو چھپانا نماز میں فرض ہے۔

’(و) الرابع (ستر عورته) ... (وهى للحرة) ... (جميع بدنها) ... (خلا الوجه) ... (والكفين والقدمين، آه. (الدر المختار، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ۱/ ٤٠٤-٤٠٥، سعيد)/”وبدن الحرة عورة الا وجهها و كفيها، لقوله تعالى: ﴿ولايبدين زينتهن الاما ظهرمنها﴾ [النور: ۳۱].

قال ابن عباس رضى الله تعالى عنهما: وجهها و كفيها“.(البحرالرائق، باب شروط الصلاة: ۱/ ٤٦٩، رشيدية) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۵۲۰)

(۱) وبهذا علم أن لبس السراويل فى الصلاة ليس بواجب؛ لأن الستر من أسفل ليس بلازم بل انما يلزم من جونبه وأعلاه ولذاقال فى منية المصلي: ومن صلى فى قميص ليس له غيره فلونظر إنسان من تحته رأى عورته فهذا ليس بشئ. (البحر الرائق، شروط الصلاة: ۱/ ٤٦٨)

کیا قدم کھول کر عورت کی نماز نہیں ہوتی:

سوال: ''کتاب صلوٰۃ الرحمٰن'' میں لکھا ہے کہ نماز کے اندر اگر عورت کے قدم کی چوتھائی کھل جائے تو نماز نہ ہوگی تو عورتوں کو موزے پہن کر نماز پڑھنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں لکھا ہے کہ معتمد یہ ہے کہ قدمین عورت کے عورت نہیں، اس کے کھلنے سے نماز میں خلل نہیں آتا اور یہ جو صلوٰۃ الرحمٰن میں لکھا ہے، یہ بھی ایک قول ہے اور مراد اس سے باطن قدم ہے نہ ظہر قدم۔ (کذا فی ردالمحتار: ۴۲۱/۱)(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۴۲/۲) ☆

☆☆☆

---

(۱) وللحرة ولو خنثیٰ جميع بدنها الخ خلاالوجه والكفين الخ والقدمين على المعتمد. (الدرالمختار) (قوله على المعتمد)أى من أقوال ثلاثة مصححة ثانيها عورة مطلقاً، ثالثها عورة خارج الصلوٰة لا فيها،أقول: ولم يتعرض لظهر القدم، وفى القهستانى عن الخلاصة:اختلفت الروايات فى بطن القدم آه وظاهره أنه لاخلاف فى ظاهره،ثم رأيت فى مقدمة المحقق ابن الهمام المسماة بزادالفقير قال بعد تصحيح أن انكشاف ربع القدم مانع ولو انكشف ظهر قدمها لم تفسد الخ ثم نقل عن الخلاصة:أن الخلاف إنما هو فى باطن القدم وأما ظاهره فليس بعورة بلاخلاف،الخ. (رد المحتار،باب شروط الصلوٰة،مطلب ستر العورة: ۳۷۶/۱-۳۷۷،ظفير)

☆ **کیا عورت پاؤں ڈھانکنے کیلئے موزے پہنے:**

سوال: عورت کو سارا بدن ڈھانکنا فرض ہے سوا منھ اور دونوں ہتھیلی کے اور دونوں پاؤں کے تو نماز میں ظہر ید و بطن رجل بھی ڈھانکنا چاہئے اس کے لیے موزے و دستانے پہننے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھوں کی ظہر و بطن نماز میں ڈھانکنا ضروری نہیں ہے۔((وهى أى العورة للرجل ما تحت سرته إلىٰ ما تحت ركبته) الخ (وللحرة) ولو خنثىٰ (جميع بدنها) الخ، (خلا الوجه والكفين)الخ (والقدمين) على المعتمد. (الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار،باب شروط الصلاة،مطلب فى ستر العورة: ۳۷۶/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۴۳/۲)

نیت کے مسائل

نماز میں نیت کے ضروری ہونے پر حدیث ''إنما الأعمال بالنیات'' سے استدلال:

سوال: غیر مقلد لوگوں نے ہمیں تنگ کیا ہوا ہے، کہتے ہیں کہ نماز کی نیت کرنا کہاں فرض ہے، یہ فرائض، واجبات اور سنن وغیرہ بدعت ہیں، اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں؟ (عتیق الرحمٰن، ۵/۷۷، آر، ساہیوال)

الجواب

حدیث ''إنما الأعمال بالنیات'' (۱) کی بنا پر تمام عبادات میں نیت ضروری ہے اور نیت دل کا فعل ہے، جب دل میں یہ استحضار ہو جائے کہ فلاں نماز اتنی رکعات اللہ کے لئے اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں تو یہ کافی ہے۔ زبان سے کہنا یہ ضروری نہیں، (۲) اگر غیر مقلد نیتِ قلبی کو بھی ضروری نہیں سمجھتے تو یہ حدیث صریح کے خلاف ہے اور اگر زبانی نیت کا انکار کرتے ہیں تو یہ ہمارے نزدیک بھی ضروری نہیں، غیر مقلدین نے سادہ لوح لوگوں کو واقعی تنگ کر رکھا ہے، ہمیں مسلسل ایسی شکایات موصول ہوتی رہتی ہیں، جو شبہ ہو؛ لکھ کر صاف کر لیا کریں۔

فرائض و واجبات و سنن والا سوال واضح نہیں کہ وہ کس چیز کا انکار کرتے ہیں، تفصیلاً لکھیں یا بہتر یہ ہے کہ کسی وقت دار الافتا میں تشریف لا کر حل کر لیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۲/۷/۱۳۹۶ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۶۳)

---

(۱) الصحيح للبخاري، كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ۱)/موطأ الإمام مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني، باب النوادر (ح: ۹۸۳)

(قوله: إنما الأعمال بالنية) أفردت النية لكونها مصدرًا، وقد تكلم العلماء على هذا الحديث في أوراق و ذكروا له معاني وإنما الذي عندي في معناه هو أن الأعمال أي: الأفعال الإختيارية لا توجد ولا يتحقق إلا بالنية وليس للفاعل من فعله إلا ما نوىٰ، أي: نيته على أن ما مصدرية، أي: الذي يرجع إليه من عمله نفعاً، أو ضررًا هي النية فإن العمل يحسب بحسبها خيرًا و شرًا، أو يجزي المرء بحسبها على العمل ثوابًا وعقابًا، وإذا تقرر المقدمتان ترتب عليهما قوله: فمن كانت هجرته ...الخ، أي: من كانت هجرته إلى الله وإلى رسوله أي قصدًا ونيةً فهجرته إلى الله وإلى رسوله أجرًا وثوابًا وقد أوضحت عن هذا المعنى في بعض التعليقات، ولعل المتأمل في مباني الألفاظ ونظمها يشهد بأن هذا المعنى هو معنى هذه الكلمات. (حاشية السندي على سنن ابن ماجة، باب النية: ۲/۵۵۶-۵۵۷ (ح: ۴۲۲۷) انيس)

(۲) ويكفيه أن ينوي بقلبه ولا يشترط أن يقول بلسانه ما نوى بقلبه كما في الصلاة لأن النية عمل القلب والذكر باللسان دليل عليها. (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية: ۵/۷۱. انيس)

نیت کی حیثیت:

سوال (۱) نماز میں اردو زبان میں جو نیت کی جاتی ہے شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے، بعض حضرات اس نیت کو سنت کے خلاف قرار دیتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟

(۲)　بعض سنتوں میں سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہہ کر نیت باندھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں کہتے ہیں، ان کی سنت نماز درست نہیں ہوتی، شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

هو المصوب

(۱)　زبان سے جو نیت کی جاتی ہے، اس کو متاخرین علما نے مستحسن قرار دیا ہے۔(۱) کیونکہ اس زمانہ میں انتشار بہت رہتا ہے، تا کہ اس کی وجہ سے دل کی بھی نیت ہو جائے۔ اصل نیت دل کی ہے؛ اس لئے متقدمین علما دل ہی سے نیت کرتے تھے، زبان سے بھی نیت کرنے کو خلاف سنت نہیں کہا جائے گا۔(۲)

(۲)　سنت کی نیت کر لینا کافی ہے، سنت کی نیت کہنا ضروری نہیں ہے۔(۳)

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۶۱)

نماز کی نیت کا حکم:

سوال:　ہمارے علاقہ میں چونکہ پشتو زبان بولی جاتی ہے اور اکثر نمازی پشتو میں ہی نیت کے الفاظ کہہ لیتے ہیں اور ایسے ہی بعض لوگ دل میں نیت کر لیتے ہیں، کیا شرعا دل میں نیت کرنا کافی ہے یا زبان سے بھی نیت کرنا ضروری ہے؟

الجواب

نیت نماز کے فرائض میں سے ہے، لیکن نیت کا دائرہ بنیادی طور پر دل تک محدود ہے۔ تاہم عوام الناس اس سے غافل رہتے ہیں۔

(۱)　أما الذكر باللسان فلا معتبر به و يحسن ذلک لاجتماع عزيمته. (الهداية على صدر فتح القدير: ۲۷۲/۱، باب شروط الصلاة التي تتقدمها)

محل التعيين هو القلب بالاتفاق ويندب عند الجمهور غير المالكية التلفظ بالنية... ولا يشترط الذكر باللسان وإنما يستحب للقلب الجمع بين نية القلب وتلفظ اللسان. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۷۷۳/۱، محل النية)

(۲)　وفي القنية: إنه بدعة إلا أنه لا يمكنه إقامتها في القلب إلا بإجرائها على اللسان فحينئذٍ يباح، ونقل عن بعضهم أن السنة الاقتصار على نية القلب فإن عبر عنه بلسانه جاز (البحر الرائق: ۴۸۳/۲، باب شروط الصلاة)

(۳)　وفي القنية: إذا أراد النفل أو السنة يقول: اللّٰهم إني أريد الصلاة فيسرها لي وتقبلها مني وفي الفرض: اللّٰهم إني أريد أن أصلي فرض الوقت أو فرض القضاء. (البحر الرائق: ۴۸۴/۲، باب شروط الصلاة)

لہذا ان کے لئے دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ ادا کرنا بہتر ہے؛ تاکہ زبان پر بولنے سے دل کے ارادے کا اظہار ہو سکے۔

ولا عبرة للذكر باللسان فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن، كذا في الكافي. ومن عجز عن إحضار القلب يكفيه اللسان، كذا في الزاهدي. (الفتاویٰ الهندية، باب شروط الصلاة: ٦٥/١)(١)

(فتاویٰ حقانیہ: ۷۳/۳)

زبان سے نیت ضروری نہیں:

سوال: میں نے ایک کتاب فقہ میں دیکھا تھا کہ ہر نماز کی نیت اول دل میں کرنی چاہئے اور بعدہ اس کو زبان سے ادا کرنا چاہئے۔ مجھے الفاظ نیت زبان سے ادا کرنے میں سخت دقت ہوتی ہے؛ اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب

اس صورت میں دل میں صرف یہ خیال کر لینا کافی ہے کہ مثلاً! یہ نماز ظہر کی ہے اور زبان سے الفاظ نیت ادا کر لینا بھی بہتر ہے اور اگر اس میں کچھ دقت ہو تو اس کو چھوڑ دیجئے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۴۷/۲-۱۴۸) ☆

(١) قال الحصكفي: (والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب لأنه كلام لا نية إلا إذا عجز عن إحضاره لهموم إصابته فيكفيه اللسان. مجتبىٰ. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ٤١٥/١) ومثله في البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ٢٧٧/١)

(٢) (و) الخامس (النية) بالإجماع (وهي الإرادة) المرجحة، الخ (والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) الخ (والتلفظ) عند الإرادة (بها مستحب) هو المختار. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ٣٨٥/١-٣٨٦، ظفير)

(و أن ينوي) بقلبه (أي صلاة يصلي) أي الشرط الخامس النية وهي أن بقلبه أي صلاة يصلي وأدناه أن يصير بحيث لو سئل امكنه أن يجيب من غير فكرة ذكره الزيلعي ثم النية في قصد كون الفعل لما شرع له يقع العبادات قصد كونها لله تعالىٰ قال الله تعالىٰ ﴿وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين قاله الحلبي ويشترط فيها أن يفصل بينها وبين التكبير بفاصل أجنبي وهو كل عمل لايليق في الصلاة مثل الأكل والشرب ونحو ذلك وأما إذا فصل بينهما بعمل يليق في الصلاة مثل الوضوء والمشي إلى المسجد فلايضره حتى لو نوى ثم توضأ أو مشى إلى المسجد فكبر ولم تحضره النية جاز لعدم الفصل بينهما بعمل لايليق في الصلاة، الخ. (إسعاف المولىٰ القدير شرح زاد الفقير، كتاب الصلاة، شروط الصلاة: ٥٢، مخطوطة مكتبة جامعة الملك سعود، ط: دار الكتب المصرية. انيس)

☆ کیا زبان سے نیت شرط ہے:

سوال: زبان سے نیت کرنا نماز کی صحت کیلئے ضروری ہے، یا صرف دل میں نیت کر لینا کافی ہے؟

الجواب

نیت قلبی صحت نماز کیلئے کافی ہے۔ (والمستحب في النية أن ينوي ويقصد بالقلب ويتكلم باللسان بأن يقول: أصلي صلاة، الخ، ولو نوىٰ بالقلب ولم يتكلم باللسان جاز بلاخلاف بين الأئمة لأن النية عمل القلب لاعمل اللسان و استحباب ضمه إليه لما ذكرنا. (غنية المستملي: ٢٥١-٢٥٢. ظفير)) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۴۷/۲)

نماز میں زبان سے نیت کی شرعی حیثیت:

سوال: التلفظ بالنّيّة فی الصلاة کے مسئلہ میں ہمارے فقہا نے متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں:

إنّه مستحبّ وقيل سنّة وقيل بدعة ثم جعل بعضهم بدعة حسنة وبعضهم بدعة سيئة.

تقریباً ہمارے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں عام شارحین ومحققین کا میلان "فلا عبرة به" کا معلوم ہوتا ہے، مثل محقق ابن الہمام وغیرہ، مولانا عبدالحی لکھنوی اور ملا علی قاری نے بھی عدم ثبوت کی تصریح فرمائی ہے، بلکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی بھی عہد رسالت اورزمان مشهود له بالخير تک اس کے ثبوت کا قائل نہیں۔ مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں لکھا ہے:

وكذلك استحسن العلماء بل بعضهم فی نيّة الصلاة النطق باللسان مع إرادة قلبية والحال أنه لم يثبت عن النبی صلّى الله عليه وسلّم ولا عن أصحابه الكرام ولا عن التابعين العظام فی النيّة النطق باللسان لا فی رواية صحيحة ولا فی رواية ضعيفة بل كانوا يكبرون للتحريمة عقب القيام فيكون النطق بدعةً وقالوا إنّ ذلک بدعة حسنة،ويقول هٰذا الفقير:إنّ هٰذه البدعة رافعة للفرض فضلاً عن السنّة فإنّ أكثر الناس يكتفون علىٰ هذا التقدير بالنطق باللسان يعنی من غير استحضار النيّة بالجنان ومن غير مبالاة بالغفلة القلبية عن هٰذا الشأن فحينئذ يكون فرض من فرائض الصلاة وهو النية القلبية متروكاً بالكلية ويفضی إلىٰ فساد الصلاة. (المكتوب السادس والثمانون والمأة من مكتوبات الإمام الربانی:٢/١٦٠)

جب سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا؛ بلکہ ثبوت عدم کی وضاحت ملتی ہے اور احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح ہے کہ!"ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنّة". (الجامع الصغير، للسيوطی: ٢/٧٤١) (١) تو اس کو بدعت کہنے سے کیا چیز مانع ہے؟ نیز اس میں سنیت، استحباب، کراہت اور بدعت وغیرہ کے سب اقوال کی موجودگی میں جب سنت ہونے کی نفی تصریح فقہا سے ثابت ہے اور یہ عمل دائر بين الجائز والبدعة ہے، تو کیا بدعت کے قول کو ترجیح نہ ہوگی۔ كما صرّح به الفقهاء رحمهم الله تعالىٰ، نیز استحباب اگر اجتماع عزیمت کی وجہ سے ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے، تو مجدد الف ثانی کے قول کے بموجب اس سے اجتماع عزیمت تو کیا ہوتا انتفاء جزء اعظم لازم آرہا ہے، یعنی عموماً ارادہ قلبیہ یا اس جانب دھیان وفکر باقی ہی نہیں رہتا اور اگر استحباب کی دلیل استحسان

---

(١) مسند الإمام أحمد، حديث عضيف بن الحارث (ح: ١٦٩٧٠)/ البدع لابن وضاح، باب تغير البدع (ح: ٩٠)/ الإبانة الكبرىٰ، لابن بطة، باب ما أمر من التمسک بالسنة والجماعة (ح: ٢٤٤) انيس)

علما ہے، تو وہ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہونا چاہیے، نیز بصورت جواز اگر اس کو کوئی ضروری سمجھے تو کیا حکم ہے؟ **بینوا بالدلیل والبرهان آجرکم الرحمن.**

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

بدعت شرعیہ اس لیے نہیں کہ اس کو مقصود نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ذریعہ مقصود سمجھا جاتا ہے، **وهو إحضار القلب** اور جس امر کو محض ذریعہ کے درجہ میں رکھا جائے، اس پر بدعت کی تعریف صادق نہیں آتی۔ **کالمدارس العربيّة وما فيها من الأمور المحدثة،** البتہ اس کو مقصود اور ضروری سمجھنا بلاشبہ بدعت ہے، باقی رہی یہ بحث کہ یہ معین احضار قلب ہے یا کہ مغفل قلب ہے، اس میں قول اوّل راجح معلوم ہوتا ہے۔ ؎

ذکر آرد فکر را در اہتزاز ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

علاوہ ازیں صحت صلوٰۃ کے لیے اتنا استحضار کافی ہے کہ کسی کے اچانک دریافت کرنے پر فوراً بتا سکے کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ / جمادی الاخریٰ ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۴/۳-۱۵) ☆

---

(۱) والمستحب في النية أن ينوى بالقلب ويتكلم باللسان وهذا هو المختار، ولو نوىٰ بالقلب ولم يتكلم جاز. (منية المصلى متن شرح الحلبى الكبرى: ٢٥٤-٢٥٥. مطبع سنده. انيس)

☆ نیت دل سے ضروری ہے یا زبان سے:

سوال: منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ! نماز کی نیت کے الفاظ زبان سے کہنے مستحب ہیں اور دل سے نیت فرض ہے۔(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ زبان سے نیت کرنی بدعت ہے۔

الجواب ـــــــــــــــ

صحیح یہ ہے کہ زبان سے الفاظ نیت کہنے میں کچھ حرج نہیں؛ بلکہ مستحب ہے۔ لیکن ضرور ہے کہ دل میں بھی نیت کرے۔ حنفیہ کا محقق مذہب یہی ہے۔ ((و) الخامس (النية) بالإجماع (وهى الإرادة) ... (لا) ... (العلم) ... (والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) ... (والتلفظ) ... (بها مستحب) هو المختار ... بل قيل بدعة. (الدر المختار)

(قوله بل قيل بدعة): نقله فى الفتح. وقال فى الحلية: ولعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة... فلا جرم أنه ذهب فى المبسوط والهداية والكافى إلىٰ أنه إن فعله ليجمع عزيمة قلبه فحسن. (ردالمحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ٣٨٥/١، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۴۸/۲)

زبان سے نیت کرنا کیسا ہے:

سوال: زبان سے نماز کی نیت کرنا شرعاً کہاں سے ثابت ہے؟ ==

زبان سے نیت:

سوال: کیا نماز کی نیت زبان سے ادا کرنا بدعت ہے؟ اگر بدعت ہے تو جس نے زبان سے نیت کی تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بدعت فرماتے ہیں، صحیح مسلک کیا ہے؟ اگر حنفی مذہب میں بدعت ہے تو فقہ کی دوسری کتابوں میں زبان سے نیت کرنا کیوں سکھلایا جاتا ہے؟

الجو اب ـــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں اور بدعت ممنوعہ بھی نہیں، ادا کرلے گا تو گنہگار نہیں ہوگا، نہیں ادا

==

الجواب ـــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

نماز میں نیت دل سے کرنا صحت نماز کے لئے کافی ہے، زبان سے نیت ضروری نہیں ہے۔ (زبان سے نیت کے الفاظ کوادا کرنا کتاب وسنت، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے ثابت نہیں ہے، البتہ چونکہ بسا اوقات نماز پڑھنے والے کا دل و دماغ حاضر نہیں رہتا ہے، دل و دماغ کو حاضر کرنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ الفاظ زبان سے کہے جائیں، اس لئے علماء کرام نے نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ [مجاهد]

(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة)فلاعبرة للذكر باللسان إن خالف القلب لأنه كلام لا نية ... (و هو)أى عمل القلب (أن يعلم)عند الإرادة(بداهة)بلا تأمل(أيّ صلاة يصلّى) ... (والتلفظ)عند الإرادة(بها مستحب) هو المختار ... (وقيل سنة) يعني أحبه السلف أوسنه علماؤنا،إذ لم ينقل عن المصطفٰى ولا الصحابة ولا التابعين،بل قيل بدعة.(الدر المختار)

(قوله بل قيل بدعة) ... وقال في الحلية:ولعلّ الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة،لأن الإنسان قد يغلب عليه تفرق خاطره،وقد استفاض ظهور العمل به في كثير من الأعصار في عامة الأمصار،فلا جرم أنه ذهب في المبسوط والهداية والكافي إلٰى أنه إن فعله ليجمع عزيمة قلبه فحسن، فيندفع ماقيل إنه يكره، آهـ .(رد المحتار: ٩٢/٢،باب شروط الصلاة،بحث النية) فقط واللّٰه تعالٰى أعلم

محمد عثمان غنی۔ ٢٢/٢/ ١٣٧٠ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ١٢٤/٢)

کیا نیت زبان سے ضروری ہے:

سوال: نماز کی نیت زبان سے ضروری ہے یا صرف ارادہ کافی ہے۔ نماز کے قبل ”اِنِّیْ وَجَّھْتُ“ کا نہیں پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

نماز کی نیت زبان سے ضروری نہیں ہے۔ لیکن زبان سے ادا کر لینے میں غفلت کی امید کم ہے۔ اس لئے یہ مناسب ہے۔ ((و) الخامس(النية) بالإجماع (وهى الإرادة) المرجحة لأحد المتساويين ...(والتلفظ)عند الإرادة(بها مستحب) هو المختار. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار،باب شروط الصلاة،بحث النية: ٩٠/٢ـ ٩٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس۔ ١٤/٥/ ١٣٥٣ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ٣١٨/٢)

کرے گا؛ تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ نیت تو مراد قلبی کا نام ہے؛ وہ ادائے نماز کے لیے کافی۔ لوگوں کے قلوب پر عامۃً افکار کا ہجوم رہتا ہے اور وہ پوری یکسوئی کے ساتھ قلب کو حاضر نہیں کر پاتے۔ اس لیے زبان سے بھی الفاظ ادا کرائے جاتے ہیں، تاکہ حضور قلب میں جس قدر کمی ہے وہ الفاظ کے ذریعہ سے پوری ہوجائے، اگر کوئی شخص احضار قلب پر قادر نہ ہو، تو اس کے لیے الفاظ کا ادا کرلینا بھی کافی ہے۔

"وتشترط: أی النية وهی الإرادة الجازمة لتتميز العبادة عن العادة، ويتحقق الإخلاص فيها للّٰه سبحانه وتعالٰی". (مراقی الفلاح)

قال الطحطاوی: "(قوله: وهی الإرادة الجازمة) أی لغة: لأنها فسرت لغة بالعزم هی الإرادة الجازمة القاطعة، وفی الشرع: قصد الطاعة والتقرب إلی اللّٰه تعالٰی فی إيجاد فعل، كما فی التلويح، وهو يعم فعل الجوارح وفعل القلب سواء كان إيجادًا أو كفًا". (حاشية الطحطاوی، كتاب الصلٰوة، باب شروط الصلاة وأركانها: ۲۱۵/۱، قديمی)

فقہا کے کلام میں تلفظ باللسان کے متعلق سنت، مستحب، مکروہ، بدعت، مباح سب الفاظ موجود ہیں، صاحب بحر نے ان سب کو نقل کرکے لکھا ہے۔

لم ينقل عن الأئمة الأربعة أيضًا، فتحرز من هذا أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة، وقد استفاض ظهور العمل بذلک فی كثير من الأعصار فی عامة الأمصار". (البحر الرائق: ۲۶۷/۱)(۱)

متن تنویر میں ہے:

"والتلفظ بها مستحب، وقيل: سنة. (۲)

درمختار میں قول مستحب کے متعلق لکھا ہے:

"هو المختار". (۳)

تیسرا قول: **"قيل: بدعة"** کا ہے، اس پر شامی نے حلیہ سے نقل کیا ہے:

"لعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة؛ لأن الإنسان قد تغلب عليه تفرق خاطره". (ردالمحتار: ۳۸۶/۱)(۴) **فقط واللّٰه أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳۸۹/۶/۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۸-۵۱۰)

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلٰوة، باب شروط الصلاة: ۴۸۴/۱، رشيدية

(۲-۳) تنوير الأبصار متن الدر المختار علٰی صدر رد المحتار، كتاب الصلٰوة، باب شروط الصلاة: ۴۱۵/۱، سعيد

(۴) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۱۶/۱، سعيد

دل کی نیت معتبر ہے یا زبان کا تلفظ:

سوال: نماز پڑھنے سے پہلے نیت کچھ اور تھی اور عین نماز سے پہلے زبان سے کچھ اور نکل جائے تو کس نیت کا اعتبار ہوگا؟　(محمد واصل، مرادنگر)

الجواب

نیت کا تعلق اصل میں دل سے ہے نہ کہ زبان سے، زبان سے محض اس لئے نیت کے الفاظ دہرانے کی اجازت دی گئی ہے کہ استحضار قلبی میں اضافہ ہوجائے۔ لہذا اگر دل میں کسی اور نماز کی نیت تھی اور زبان سے کچھ اور نکل گیا ہو تو دل کی نیت کا ہی اعتبار رہوگا اور اس کے مطابق اس کی نماز ادا ہوجائے گی۔

"(والمعتبر فيها عمل القلب...)فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب". (١) (کتاب الفتاویٰ:٢/١٦١)

کیا زبان سے نیت بدعت ہے:

سوال: آیا تلفظ بہ نیت نماز بدعت است؟ وبسم اللہ درمیان فاتحہ وسورہ خواندن ممنوع است؟ بیان فرمایند۔ (٢)

الجواب

تلفظ بہ نیت نماز بدعت نیست، (٣) وبسم اللہ مابین فاتحہ وسورہ ممنوع نیست۔ (٤) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:٢/١٤٧) ☆

(١)　الدر المختار على صدر رد المحتار:٢/٥١، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث النية.

(٢)　ترجمہ سوال: کیا نماز کی نیت زبان سے کرنا بدعت ہے؟ اور سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا ممنوع ہے؟ واضح فرماویں۔ انیس

(٣)　(والتلفظ) عند الإرادة (بها مستحب) هو المختار ... (وقيل سنة) يعني أحبه السلف أوسنّه علماء نا إذ لم ينقل عن المصطفىٰ. صلى الله عليه وسلم. ولا الصحابة ولا التابعين، بل قيل بدعة. (الدر المختار)

(قوله بل قيل بدعة): نقله في الفتح، وقال في الحلية: ولعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة. (رد المحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ١/٣٨٦، ظفير)

(٤)　(و)...(سمّى)... (سرًا في) أول (كل ركعة) ولو جهريةً (لا) تسن (بين الفاتحة والسورة مطلقاً) ولو سريةً، ولا تكره اتفاقاً. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، فصل في تأليف الصلاة، مطلب لفظة الفتوىٰ آكد: ١/٤٥٧، ظفير)

ترجمہ جواب:　زبان سے نماز کی نیت کرنا بدعت نہیں ہے اور سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا منع نہیں ہے۔ انیس

☆　**زبان سے نیت کیا بدعت ہے:**

سوال: زید کہتا ہے کہ زبان سے نیت نماز کرنا بدعت ہے، عمر کہتا ہے کہ سنت ہے۔

الجواب

اصل نیت دل سے ہے، اور زبان سے کہنے کو بھی فقہاء کرام نے مستحب لکھا ہے۔ درمختار میں ہے: "(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) ... (والتلفظ)...(بها مستحب) هو المختار. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ١/٣٨٥، ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم:٢/١٤٨-١٤٩)

زبان سے نیت کو لازم قرار دینا بدعت ہے:

سوال: ہمارے دیار میں یہ عام رواج ہے کہ نماز جنازہ اور عیدین کی نماز شروع ہونے سے قبل ایک آدمی زور زور سے ان کی نیتیں فارسی زبان میں کہتا جاتا ہے اور لوگ اس سے تلقین یا تعلیم پاتے ہوئے آہستہ آہستہ وہی الفاظ کہتے ہیں اور اسی نیت سے اپنی نماز شروع کرتے ہیں، اس کی وجہ سے تقریباً اکثر عوام ان کی نیات خود نہیں کرتے ہیں، کہ وقت پر وہ بتایا جائیگا، اگر کوئی امام اس طرح سے نیت کو بآواز بلند نہ کہے اور اس تلقین سے منع کرے تو اس کو مطعون وجاہل کہا جاتا ہے، حتی کہ کہا جاتا ہے کہ جنازہ کی نماز اس نے پڑھائی ہی نہیں، ایسی صورت میں اس رواج یا فتہ عمل کے متعلق کیا کہا جاوے؟ اور شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ ہمارے دیار میں بہت ہی رواج پاچکا ہے، اسی پر جنازہ کی نماز کی صحت کو موقوف سمجھا جاتا ہے، اگر یہ مسئلہ احسن الفتاویٰ میں آجائے تو مناسب ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصَّواب

قلب کی نیت بالاتفاق کافی ہے اور اگر زبان سے بھی نیت کرنا چاہے تو اتنے مختصر الفاظ کافی ہیں کہ: ''نماز جنازہ یا نماز عید امام کے ساتھ پڑھتا ہوں'' لمبی چوڑی نیت جو مشہور ہے؛ اس کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے۔(۱) لہٰذا آپ کے ہاں مروّج طریقہ کو ضروری سمجھنا اور صحت نماز کو اس پر موقوف قرار دینا بلاشبہ بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ / جمادی الآخرہ ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۱۳-۱۴)

زبان سے نیت کے بارے میں حضرت مجددؒ کے قول کی تحقیق اور نیت الفاظ کے ذریعہ ادا کرنا:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ ۱۰۸ فصل نماز کی شرطوں کے بیان میں مسئلہ ذیل درج ہے:

مسئلہ: اگر زبان سے نیت کہنا چاہے تو اتنا کہنا کافی ہے کہ! نیت کرتی ہوں میں آج کے ظہر کے فرض کی اللہ

(۱) (والشرط أن يعلم بقلبه أى صلاة يصلى، أما الذكر باللسان فلا معتبر به ويحسن ذلك لاجتماع عزيمته) وإنما أراد الشرط فى اعتبارها علمه أى الصلاة هى أى التمييز فحاصل كلامه النية الإرادة للفعل وشرطها التعيين فى الفرائض (قوله ويحسن ذلك، الخ) قال بعض الحفاظ: لم يثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بطريق صحيح ولاضعيف أنه كان يقول عند الافتتاح أصلى كذا ولا عن أحد من الصحابة والتابعين بل المنقول أنه كان صلى الله عليه وسلم إذا قام كبر، وهذه بدعة، آه.

وقد يفهم من قول المصنف لاجتماع عزيمته أنه لايحسن لغيرهذا القصد وهذا لأن الإنسان قد يغلب عليه تفرق خاطره فإذا ذكره بلسانه كان عوناً على جمعه ثم رأيته فى التجنيس قال: والنية بالقلب لأنه علمه، والتكلم لا معتبر به ومن اختاره اختاره لتجتمع عزيمته. (فتح القدير، باب شروط الصلاة التى تتقدمها: ۲٦٧/۱. انيس)

أکبر ،الخ. اس سے معلوم ہوا کہ زبان سے اگر نیت کرے تو کچھ حرج نہیں ہے؛ مگر مکتوبات مجد دالف ثانی علیہ الرحمۃ میں تحریر ہے۔ جلد اول مکتوب صد و ہشتاد و ششم نقل بلفظہ:

وہم چنیں است آنچہ علما در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ با وجود ارادۂ قلب بزبان نیز باید گفت وحالانکہ ازاں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نشدہ است نہ بروایت صحیح ونہ بروایت ضعیف ونہ از اصحاب کرام وتابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت می گفتند تکبیر تحریمہ می فرمودند پس نیت بزبان بدعت باشد وایں بدعت را حسنہ گفتہ اند وایں فقیر می داند کہ ایں چہ جائے رفع سنت کہ رفع فرض می نماید چہ در تجویز آن اکثر مردم بزبان اکتفا می نمایند واز غفلت قلبی باک ندارند پس دریں ضمن فرض از فرائض نماز کہ نیت قلبی باشد متروک می گردد وبفساد نماز می رساند۔ وجہ تطبیق ارقام فرمائی جاوے؟

ترجمہ عبارتِ فارسی: اور ایسا ہی ہے یہ مسئلہ جو علماء کرام نماز کی نیت میں اچھا سمجھتے ہیں کہ دل کے ارادے کے باجود جو زبان سے بھی کہنا چاہیے؟ حالانکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے نہ کسی صحیح روایت سے اور نہ ہی کسی ضعیف روایت سے اور نہ صحابہ کرام اور تابعین عظام سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو، بلکہ جب اقامت کہتے تھے تکبیر تحریمہ کر لیتے تھے، لہذا زبان سے نیت بدعت ہے اور اس بدعت کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ اور یہ فقیر (مجدد الف ثانیؒ) خیال کرتا ہے کہ یہ صورت رفعِ سنت کے علاوہ ختم فرض کا ذریعہ ہو رہی ہے، کیونکہ اس کے جواز کی صورت میں اکثر لوگ صرف زبان ہی پر اکتفا کریں گے اور دلی غفلت سے خوف نہ کریں گے (یعنی دل میں نیت کا خیال نہ رکھ سکیں گے)، چنانچہ اس ضمن میں فرائض نماز میں سے ایک فرض جو دل کی نیت ہے؛ متروک ہوگی؛ جو نماز کے فساد کی وجہ بنی گی۔

الجواب

یہ حضرت مجددؒ کی خاص رائے ہے، چنانچہ جملہ ''ایں فقیر می داند'' اس میں صریح ہے؛ دوسرے سب کے لئے منع فرماتے بھی نہیں؛ بلکہ خاص ان کے لئے جو اس پر کفایت کر کے قلب سے بالکل ارادہ ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ اخیر کی عبارت اس میں صریح ہے پس ''قول فقہا'' و''قولِ مجدد صاحب'' میں کوئی تعارض نہ رہا۔(١)

۱۱ر شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ۔ (تتمہ ثالثہ، صفحہ: ٦١) (امداد الفتاویٰ جدید: ١/١٩٤-١٩٥)

(١) یعنی درحقیقت نیت ''ارادۂ قلب'' کا نام ہے جس پر نماز کی صحت موقوف ہے؛ جیسا کہ حضرت مجددؒ نے لکھا ہے؛ لیکن اگر نیت قلبی کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہہ لے تو فقہا نے اس کو مستحب کہا ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہ رہا۔ البتہ اگر صرف زبان سے نیت کہہ لئے اور دل میں کوئی نیت اور ارادہ نہیں ہے تو یہ زبانی نیت کافی نہیں ہے اور اس شخص کی نماز نہ ہوگی۔ سعید احمد

نیت کے الفاظ دل کو متوجہ کرنے کے لیے زبان سے ادا کئے جاتے ہیں:

سوال: کیا زبان سے نماز کی نیت کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

الجواب

زبان سے نماز کی نیت کے الفاظ کا کہنا نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور نہ ائمہ متقدمین سے، اس لیے اصل نیت دل ہی کی ہے،(١) مگر لوگوں پر وساوس وخیالات اور افکار کا غلبہ رہتا ہے، جس کی وجہ سے نیت کے وقت دل متوجہ نہیں ہوتا، دل کو متوجہ کرنے کے لیے متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ نیت کے الفاظ زبان سے بھی ادا کر لینا بہتر ہے، تا کہ زبان کے ساتھ کہنے سے دل بھی متوجہ ہو جائے۔(٢) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ٣/٣٤٠)

نماز کی نیت عربی میں ضروری ہے یا نہیں:

سوال: نماز کی نیت عربی زبان میں کرنا ضروری ہے یا اردو فارسی وغیرہ میں بھی کر سکتا ہے؟

الجواب

نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں، زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں، اگر کہے بہتر ہے،(٣) اور زبان سے کسی زبان میں اردو فارسی وغیرہ میں کہہ لیوے تو کچھ حرج نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٢/١٤٩) ☆

(١) والحق أنهم إنما ذكروا العلم بالقلب لإفادة أن النية إنّما هى عمل القلب وأنه لايعتبر باللسان، الخ. (البحر الرائق: ٢٩٢/١، باب شروط الصلاة)

(٢) ونقل عن بعضهم أن السنّة الاقتصار علٰى نية القلب، فإن عبر عنه بلسانه جاز ونقل فى شرح المنية عن بعضهم الكراهة، الخ. (البحر الرائق: ٢٩٣/١، باب شروط الصلاة)

وفى الأصل: النيّة أن يقصد بقلبه فإن قصد بقلبه وذكر بلسانه فهو أفضل عندنا. (خلاصة الفتاوىٰ: ٧٩/١)

(٣) النية إرادة الدخول فى الصلاة و الشرط أن يعلم بقلبه أىّ صلاة يصلى الخ ولاعبرة للذكر باللسان فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن، كذا فى الكافى. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الثالث، الفصل الرابع: ٦١/١، ظفير)

☆ **نیت عربی میں یا اردو میں:**

سوال: ایک عالم دین نے کہا کہ نماز کی نیت عربی میں باندھنا چاہئے، اردو میں نیت نماز باندھنا بدعت ہے؟
(محمد عبدالواحد)

الجواب

نیت دل کے ارادہ کا نام ہے، نہ کہ زبان کے بول کا، زبان سے جو الفاظ کہے جاتے ہیں، وہ تو محض نیت کو نقل کرنا ہے، اور اس سے ذہنی استحضار مقصود ہے، اس لئے اول تو عربی یا اردو میں نیت کے الفاظ کہنا واجب یا مستحب نہیں، دوسرے چونکہ یہ کلمات نماز شروع کرنے سے پہلے کہے جاتے ہیں، اس لئے اس کو اردو میں بھی کہا جا سکتا ہے، اور عربی میں بھی۔ (کتاب الفتاویٰ: ٢/١٦١)

اردو زبان میں نیت:

سوال: یہاں پالونچہ جامع مسجد میں ایک عالم صاحب نے جمعہ کی تقریر کے دوران کہا کہ عربی زبان کی بجائے اردو زبان میں نماز کی نیت کرنا بدعت ہے، نیت تو عربی ہی میں ہونی چاہئے۔ (محمد بشیر، پالونچہ)

الجواب

نیت دل کے ارادے کا نام ہے، نہ کہ زبان کے بول کا، زبان سے جو کچھ ہم کہتے ہیں؛ وہ اصل میں نیت نہیں، بلکہ نیت کی نقل ہے، نیت نماز سے پہلے کا فعل ہے نہ کہ نماز کے اندر کا،(۱) نماز کے اندر جو اذکار ہیں؛ انہیں عربی ہی میں کہنا چاہئے، نماز کے شروع ہونے سے پہلے جو اذکار کہے جاتے ہیں، ان کو عربی زبان میں کہنا ضروری نہیں، اردو میں بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے اردو اور عربی میں نیت کرنے کے درمیان کوئی فرق نہیں، نہ اردو میں نیت کرنا بدعت ہے اور نہ عربی میں نیت کرنا سنت ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۶۲) ☆

نماز کی نیت کا طریقہ:

سوال: سنت مؤکدہ کی نیت ایک شخص اس طرح کرتا ہے کہ نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز سنت، رسول اللہ کے واسطے، دوسرا کہتا ہے اللہ کے واسطے، دونوں میں کون صحیح ہے؟

(۱) النية إرادة الدخول فی الصلاة والشرط أن يعلم بقلبه أیّ صلاة يصلی ... ولا عبرة للذکر باللسان فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن، کذا فی الکافی. (الفتاویٰ الهندية: ٦٥/١)

وقيل نسخت أن يتكلم بلسانه لما ينوی بقلبه، والمختار أنه يستحب. (قنية المنية لتتميم الغنية، باب النية والدخول فی الصلاة: ١٣، مطبع کلکتة. انيس)

(الخامس) أی الشرط الخامس (النية وهی إرادة الصلاة بقلبه) وهی أن يعلم أی صلاة يصلی وأدناه مالو سئل لأمكنه أن يجيب علی البديهة وإن لم يقدر علی لايجيب إلا بتأمل، لم تجز صلاته وهذا هو الأصل ولاعبرة للذکر باللسان لأنه كلام لا نية فإن فعله لتجتمع عزيمته فهو حسن. (منحة السلوک شرح تحفة الملوک، فصل فی شروط الصلاة: ١٢١/١. انيس)

☆ نیت نماز کے الفاظ خواہ کسی زبان میں کہے، جائز ہے:

سوال: ہمارے گاؤں کے لوگ نیت نماز ایسے کرتے ہیں ''چار رکعت نماز ظہر، فرض اس امام کے پیچھے منہ کعبہ شریف'' یہ کہہ کر نماز شروع کر دیتے ہیں، یہ نیت نماز درست ہے یا صرف عربی میں جو الفاظ ہیں ان کا کہنا ہی جائز ہے؟

الجواب

نیت دل سے ہوتی ہے، یعنی دل میں یہ دھیان جما لینا کہ فلاں وقت کی نماز پڑھ رہا ہوں، زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، تاہم اگر زبان سے کہہ لے خواہ کسی زبان سے کہے، جائز ہے۔ (حوالہ بالا نمبر:۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۴۲)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ہر عبادت اللہ کے لئے ہوتی ہے، غیر اللہ کی عبادت مشرکانہ فعل ہے، اس شخص کو فرض، واجب، سنت، نفل ہر نماز کی نیت اللہ کے لئے کرنی چاہئے، سنت نماز میں نیت اس طرح کرے کہ نیت کرتا ہوں چار رکعت سنت کی اللہ کے واسطے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۱/۷/۳۷ ۱۳ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۲۳۔۱۲۴)

نماز کی نیت میں سنت رسول کہنا ضروری ہے یا نہیں:

سوال: ہم لوگوں کے یہاں نیت کے بارے میں کچھ اختلاف چل رہا ہے وہ یہ کہ لوگ اس طرح نیت کرتے ہیں کہ: ''نیت کرتا ہوں واسطے نماز فرض، فرض پڑھتا ہوں واسطے اللہ کے چار رکعت اللہ اکبر''، اور سنت کی بھی اسی طرح کرتے ہیں اور ''منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر''، میں نے ان سے اس طرح کہہ دیا کہ نیت صرف اس طرح کیا کرو کہ ''نیت کرتا ہوں اس نماز کی واسطے اللہ کے چار رکعت نماز فرض، جو وقت ہو، اس کا نام بھی لیوے'' تو اس پر سوال یہ ہوا کہ سنت رسول کو اس بات پر بھول ہوا کہ ہم رسول کا نام چھوڑ رہے ہیں اور اس بارے میں اب حدیث مانگتے ہیں۔ حاصل یہ کہ سنت رسول کہنا ضروری ہے یا نہیں؟ طریقۂ رسول کہنا ضروری ہے؟ اگر دونوں نہ کہے تو نماز ہو جائے گی، سنت میں سنت رسول کہتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے اور چار اماموں کے نزدیک کوئی اختلاف ہے یا نہیں؟ اس کا جواب حدیث سے چاہتے ہیں، کیوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے کبھی عالم نہیں تھے اب نئے طریقے نکل رہے ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جس طرح وہ لوگ نیت کرتے ہیں اس طرح بھی درست ہے اور جس طرح آپ نے نیت بتائی ہے وہ بھی ٹھیک

(۱) ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورة الأنعام: ١٦٣)

(وذكر المتأخرون أن التراويح وسائر السنن تتأدى بمطلق النية وهو اختيار صاحب الهداية ومن تابعه ،قال الشيخ كمال الدين بن همام: وتحقيق الوجه فيه أن معنى السنية كون النافلة مواظباً عليها من النبي صلى الله عليه وسلم بعد الفريضة المعينة وقبلها فإذا وقع المصلى النافلة فى ذلك المحل صدق عليه أنه فعل النفل المسمىٰ سنة ، فالحاصل أن نفس السنة تحصل بنفس الفعل على الوجه الذى فعله عليه السلام وهو إنما كان يفعل على ماسمعت فإنه عليه السلام لم يكن ينوى السنة بل الصلاة لله تعالىٰ فعلم أن وصف السنة ثبت بعد فعله على ذلك الوجه تسمية منا لفعله المخصوص لا أنه وصف يتوقف حصوله على نية،انتهىٰ،وهذا فى السنة الثابتة بفعله وكذا فى السنة الثابتة بقوله كقوله عليه السلام ما من عبد مسلم يصلى لله تعالىٰ فى كل يوم ثنتى عشرة ركعة من غير الفريضة إلا بنى الله له بيتاً فى الجنة ونحوه من الأحاديث،الخ.(الحلبى الكبير شرح منية المصلى،شروط الصلاة،الشرط السادس النية:٢٤٨.انيس)

ہے۔ ناواقف لوگوں سے اس قسم کے مسائل میں نہیں الجھنا چاہئے، اتنا خیال رہے کہ جو جماعت کے ساتھ نماز ہو تو مقتدی کو یہ بھی نیت کرنی چاہئے کہ پیچھے اس امام کے، اور نیت اصل میں دل سے ہوتی ہے، اگر زبان سے کچھ بھی نہ کہا اور صرف دل میں ارادہ کر کے اللہ اکبر کہہ دیا تب بھی درست ہے۔(۱) سنت نام حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کا ہے، جب سنت کہا تو گویا طریقہ بھی کہہ دیا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۵-۵۰۶)

مروجہ طریق پر نیت کرنے کا حکم:

سوال: تکبیر تحریمہ سے قبل نماز کی نیت باندھنا، بایں الفاظ کہ دو رکعت یا چار رکعت فرض وقتِ ظہر یا عصر وغیرہ پیچھے اس امام کے اللہ اکبر، کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح نیت باندھنے کا صحابہ کرام کو حکم دیا ہے اور کیا صحابۂ کرام علیہم الرضوان، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پیچھے اس طرح نیت باندھا کرتے تھے؟

الجواب

دل سے نیت کرنا فرض ہے، زبان سے مروجہ طریق کے مطابق نیت کرنا نہ فرض ہے اور نہ ہی واجب، البتہ متأخرین نے دونوں کو حاضر کرنے اور جمع کرنے کی بنا پر مستحب قرار دیا ہے۔(۳) لہٰذا اس مسئلہ میں بحث ومنازعت غیر مناسب ہے، جو زبان سے نیت کرے اس پر بھی نکیر نہ کی جائے اور جو دل سے نیت کرے وہ بھی سنت کا عامل ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۸/۴/۱۳۸۴ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۴۲-۲۴۳)

(۱) "(النية)...(وهي الإرادة) ... (لا) مطلق (العلم)...(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة)... (وهو)... (أن يعلم) ... (بداهة)...(أيّ صلاة يصلي)...(و التلفظ)...(بها مستحب)...(وكفى مطلق نية الصلاة)...(لنفل وسنة)...(وتراويح) على المعتمد، إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع، والتعيين أحوط...(وينوي) المتقدي (المتابعة)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ١/ ٤١٤-٤٢٠، سعيد)

(۲) "الطريقة المسلوكة في الدين من غير لزوم على سبيل المواظبة، وهي المؤكدة إن كان النبي صلى الله عليه وسلم تركها أحيانا". (مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء: ٦٤، قديمي)

"السنة تطلق على قول الرسول وفعله وسكوته". (نور الأنوار، باب أقسام السنة: ١٧٥، سعيد)

(۳) درمختار شروط صلاۃ میں ہے: (و) الخامس (النيّة). إلى قوله. (والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب؛ لأنه كلام لا نية إلا إذا عجز عن إحضاره لهموم أصابته فيكفيه اللسان. مجتبى. (وهو) أي عمل القلب (أن يعلم) عند الإرادة (بداهة) بلا تأمل (أيّ صلاة يصلي) فلو لم يعلم إلا بتأمل لم يجز (واللفظ) عند الإرادة (بها مستحب) هو المختار، وتكون بلفظ الماضي ولو فارسيًا؛ لأنه الأغلب في الإنشاءات، وتصح بالحال. قهستاني. (وقيل سنة) يعني أحبه السلف أو سنه علماؤنا إذ لم ينقل عن المصطفى ولا الصحابة ولا التابعين، بل قيل بدعة. (الدر المختار على صدر رد المحتار: ١/ ٣٠٥) ==

نماز اور روزہ کی نیت:

سوال: کیا روزہ اور نماز کی نیت کرنا ضروری ہے اور اگر بھول جائے تو کس وقت تک نیت کی جاسکتی ہے؟

(محمد واصل، مرادنگر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اللہ تعالیٰ نے اخلاص کے ساتھ عبادت کا حکم دیا ہے۔

﴿وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (۱)

اور بغیر نیت کے اخلاص حاصل ہی نہیں ہوسکتا۔

"والإخلاص لايحصل بدون النية". (۲)

اس لئے نہ صرف نماز وروزہ بلکہ تمام عبادات میں نیت شرط ہے، نماز کی نیت تکبیر تحریمہ سے پہلے پہلے کرلینا ضروری ہے، روزہ کے سلسلہ میں تفصیل ہے کہ اگر نذر یا قضا کا روزہ ہو تو اس کی نیت صبح صادق سے پہلے پہلے واجب ہے، لیکن رمضان المبارک کا روزہ اور نفل روزہ میں سورج ڈھلنے سے پہلے تک روزہ کی نیت کی جاسکتی ہے۔

"وإنما تجوز النية قبل الزوال إذا لم يوجد قبل ذلک بعد طلوع الفجر ما ينافی الصوم". (۳)

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل اور فرض روزہ کی نیت کرنا صبح میں بھی ثابت ہے۔ (۴) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۱۱۶-۱۱۷)

== (قوله بل قيل بدعة) نقله فی الفتح، وقال فی الحلية: ولعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة؛ لأن الإنسان قد يغلب عليه تفرق خاطره، وقد استفاض ظهور العمل به فی كثير من الأعصار فی عامة الأمصار فلا جرم أنه ذهب فی المبسوط والهداية والكافی إلٰی أنه إن فعله ليجمع عزيمة قلبه فحسن، فيندفع ماقيل إنه يكره. (ردالمحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ۱/۳۰۶) فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ، مرتب خیر الفتاویٰ)

(۱) سورة البينة: ۵۔

(۲) بدائع الصنائع، فصل فی شرائط أركان الصلاة: ۱/۳۲۹۔

(۳) الفتاوی الهندية، الباب الأول فی تفسيره وتقسيمه وسببه ووقته: ۱/۱۹۶۔

(۴) نفل روزہ میں سورج ڈھلنے سے پہلے نیت کی اجازت صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۵۴، باب جواز صوم نافلة بنيته من النهار قبل الزوال، الخ / سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۴۵۵، باب في الرخصة في ذلک، كتاب الصوم، اسی طرح الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۷۳۳، سے معلوم ہوتی ہے۔

جب کہ فرض روزوں کے لیے اس کی اجازت، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۳۵، باب من أكل في عاشوراء فكيف بقية يومه، اور صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۰۰۷، باب: صيام يوم عاشوراء، میں مذکور ہے۔ محشی

امام کی اجازت مقتدی کیلئے شرط نہیں:

سوال: زید امام مسجد ہے، بکر سے کہتا ہے کہ تم ہمارے پیچھے نماز نہ پڑھنا، آیا بکر زید کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا جب زید حکم دیوے اس وقت پڑھ سکتا ہے؟

الجواب

زید کے پیچھے بکر نماز پڑھ سکتا ہے اور نماز صحیح ہے، زید کی اجازت اور حکم کی ضرورت نہیں ہے، بکر ہر حال میں اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور زید کا یہ کہنا بیجا اور خلاف شریعت تھا۔(١) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۸)

نیتِ امامت:

سوال: اگر امام نیتِ اقتدا یعنی نماز مقتدیوں کی نہ کرے، تو نماز ہوگی یا نہیں، اور کس کی نیت کرنا اس پر چاہئے؟

الجواب

اگر امامت کی نیت نہ کرے گا تو امامت کا ثواب نہ ملے گا پس حصولِ ثواب امامت کے لئے تو امامت کی نیت ضروری ہے۔ رہا صحتِ صلوٰۃ مقتدی کے لئے پس اگر مقتدی مرد ہے تو ضروری نہیں اور اگر عورت ہو تو اگر وہ کسی مرد کے محاذی ہے تب اس کی صحتِ نماز کے لئے نیتِ امامت ضروری ہے اور اگر محاذی نہیں تو اس میں اختلاف ہے اور جنازہ میں بالاجماع اور جمعہ اور عیدین میں بنابر قولِ صحیح نیت اس کے اقتدا کی (٢) شرط نہیں۔

(والإمام ينوي صلاته فقط) و (لا) يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدي) بل لنيل الثواب ... (لو أم رجالاً) ... (وإن أم نساءً، فإن اقتدت به) المرأة (محاذية لرجل في غير صلاة جنازة، فلابد) لصحة صلاتها (من نية إمامتها) ... (وإن لم تقتد محاذية اختلف فيه) فقيل يشترط وقيل لا كجنازة إجماعًا، وكجمعة وعيد على الأصح. خلاصة وأشباه. (الدر المختار) (٣) **والله أعلم**

(امداد: ١/١٠٢) (امداد الفتاویٰ جدید: ١/٢٠١_٢٠٢)

مقتدی عورت کیلئے کیا امامت کی نیت ضروری ہے:

سوال: ایک عورت جماعت میں شریک ہوکر نماز پڑھے، تو امام کو نیت امامت عورت ضروری ہے یا نہیں؟

---

(١) (والإمام ينوي صلاته فقط) و (لا) يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدي). (الدر المختار على صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية، قبل مطلب إذا اجتمعت الإشارة والتسمية: ١/٣٩٤، ظفير)

(٢) یعنی! عورت کے اقتدا کی۔ سعید احمد

(٣) الدر المختار على صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ١/٤٢٤_٤٢٥، انيس

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر محاذی مرد کے نہ کھڑی ہو تو امام کو اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/۱۴۹)

امام کی اقتدا کی نیت ضروری ہے:

سوال: مقتدیوں کے لیے امام کی نیت کرنا کیسا ہے؟ بغیر امام کی نیت کے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر کوئی شخص کسی امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہے، تو اس کے لیے بوقتِ نیت یہ ضروری ہے کہ امام کی متابعت و اقتدا کی نیت کرے۔

(وينوي)المقتدي(المتابعة)،الخ. (الدرالمختار،باب شروط الصلاة: ۳۰۹/۱)فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

(محمود الفتاویٰ:۴/۲۰۱)

نماز باجماعت میں اقتدا و امامت کی نیت دل میں کافی ہے:

سوال: مقتدی حضرات باجماعت نماز میں یہ کہتے ہیں کہ پیچھے اس امام صاحب کے، لیکن امام صاحب جب مقتدیوں کے آگے مصلیٰ پر ہوتے ہیں، کیا ان کو بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ آگے ان مقتدیوں کے؟ اس بارے میں تفصیل سے بتائیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

زبان سے کہنے کی ضرورت تو مقتدیوں کو بھی نہیں، صرف یہ نیت کرنا کافی ہے کہ میں اکیلے نماز نہیں پڑھ رہا، امام کے ساتھ پڑھ رہا ہوں۔(۲) امام کو بھی یہ نیت کرنی چاہیے کہ میں اکیلا نماز نہیں پڑھ رہا، بلکہ لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہوں۔(۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۴۰)

---

(۱) (وإن أمّ نساءً،فإن اقتدت به) المرأة (محاذيةً لرجل في غير صلاة جنازة، فلابد) لصحة صلاتها (من نية إمامتها)لئلايلزم الفساد بالمحاذاة بلا التزام (وإن لم تقتد محاذية اختلف فيه)فقيل يشترط وقيل لا. (الدر المختار علیٰ صدرر د المحتار،باب شروط الصلاة، بحث النية،قبيل مطلب إذا اجتمعت الإشارة والتسمية: ۳۹٤/۱،ظفير)

(۲) ومن اقتدیٰ بإمام ينوی صلا ته ولم يدرأنها الظهر أو الجمعة أجزأه أيهما كان؛لأنه بنی صلاته علی صلاة الإمام وذلک معلوم عند الإمام فالعلم فی حق الأصل يغنی عنه فی حق التبع والبناء والأصل فی حديث علی وأبی موسیٰ رضی اللّٰه عنهما فإنهما قدما من اليمن علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فقال:بم أهللتما فقالا:بإهلال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ،فجوزهما ذلک لهما،الخ.(المبسوط للسرخسی،کتاب الصلاة: ۲۰۷/۱.انیس)

(۳) یعنی بہتر ہے، البتہ مطلق نماز یا امامت کی نیت کافی ہے، علیحدہ علیحدہ نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

وهل يحتاج إلی نية الإمامة؟أما نية إمامة الرجال فلايحتاج إليهاويصح اقتداؤهم به بدون نية إمامتهم.(بدائع الصنائع،فصل فی شروط الصلاة: ۱۲۷/۱.انیس)

امام ومقتدی کی نیت میں فرق:

سوال: جو شخص امام ہو، اس کے لیے کیا نیت ہونی چاہئے، نیت مقتدی سے کیا فرق ہے؟ (محمد بشیر رنگونی)

الجواب ـــــــــــــ حامداً و مصلیاً

امام صرف اپنی نماز کی نیت کرے اور امامت کی نیت نہ کرے، تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، البتہ تحصیل ثواب جماعت کے لیے امامت کی نیت بھی ضروری ہے، اور صورت استخلاف میں بلا نیت امامت، امامت درست نہیں اور مقتدی کو صحت اقتدا کے لیے متابعت بھی ضرور ہے۔

"(والإمام ينوى صلاته فقط) و (لا) يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدى) بل لنيل الثواب. (الدر المختار)

قال الشامي: والحاصل ماقاله في الأشباه من أنه لايصح الاقتداء إلا بنيته، وتصح الإمامة بدون نيتها... آه، لكن يستثنى من كانت إمامته بطريق الاستخلاف، فإنه لايصير إمامًا ما لم ينو الإمامة بالاتفاق". (ردالمحتار: ٤٤٠/١)(١) والله سبحانه وتعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۷-۵۰۸)

زید کی اقتدا کی نیت کی، بعد کو معلوم ہوا کہ عمر ہے تو نماز ہوئی:

سوال: عالمگیری میں ہے: نیت اقتدا میں یہ ضروری نہیں کہ امام کون ہے، زید ہے، عمرو ہے۔ اگر یہ نیت کی کہ اس امام کے پیچھے اور اس کی نیت میں وہ زید ہے، بعد کو معلوم ہوا کہ وہ عمرو ہے تو اقتدا صحیح ہے اور اگر اس شخص کی نیت نہ کی بلکہ یہ کہا، زید کی اقتدا کرتا ہوں، بعد کو معلوم ہوا کہ عمرو ہے تو صحیح نہیں، (۲) عالمگیری کا یہ مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

(المستفتی: نظیر الدین امیر الدین، املیزہ، ضلع مشرقی خاندیس)

الجواب ـــــــــــــ

جب اس شخص کی اقتدا کی نیت کی جو نماز پڑھا رہا ہے تو نماز ہو جائے گی، خواہ مقتدی کو یہ علم ہو کہ وہ کون ہے یا نہ ہو،

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث في النية، قبل مطلب إذا اجتمعت الإشارة والتسمية: ٤٢٤/١، سعيد)

"(قوله: ناوياً الإمامة) قيد به لما في الدراية: اتفقت الروايات علىٰ أن الخليفة لايكون إمامًا مالم ينو الإمامة، و مقتضاه أن لايكفي قيامه مقام الأول بدون النية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف: ٦٠٢/١، سعيد)

(٢) ولو نوى الاقتدىٰ بالإمام ولم يخطر بباله أنه زيد أوعمرو أويرى أنه زيد فإذا هو عمرو صح اقتداء ه، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الرابع في النية: ٦٧/١. انيس)

یا اس کو وہ خود زید سمجھ رہا تھا، حالانکہ وہ عمرو تھا، ان سب صورتوں میں نماز ہو جاوے گی، لیکن اگر مقتدی نے امامت کرنے والے شخص کی اقتدا کی نیت نہ کی، بلکہ پہلے سے یہ نیت کی کہ زید کی اقتدا کرتا ہوں اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عمرو تھا تو زید کی نیت کرنے والے کی نماز نہ ہوگی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ (کفایت المفتی: ۱۴۵/۳)

مقتدی نماز کی نیت کس طرح کرے:

سوال: یہاں مسجدوں میں نماز کے لئے لوگ اس طرح بھی نیت کرتے ہیں کہ جو نیت امام کی وہی نیت ہماری پیچھے اس امام کے اللہ اکبر، اس طرح سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اس طرح نیت کرنے سے نماز درست ہو جائے گی۔

(وإن نوى) أن يصلي (صلاة الإمام ولم ينو الاقتداء به لايجزيه) لشرطية نية الاقتداء في صحته ... قال صاحب الخلاصة وأستاذنا ظهير الدين يقول: ينبغي أن يزيد علىٰ هذا ويقول واقتديت به، انتهىٰ. (الكبيرى: ۲۵۱-۲۵۲) اسی طرح یہ مسئلہ درمختار اور شامی (۳۹۱/۱) میں لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔ ۱۴۰۳/۱۱/۲۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۵۱-۴۵۲)

تعداد رکعات کی نیت کرنا:

سوال: نماز میں تعداد رکعات کی نیت کرنا شرط ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ

نہیں۔(۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولايشترط نية عدد الركعات، هكذا في شرح الوقاية". انتهىٰ (۲) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۰۲) ☆

---

(۱) ولو اقتدى بالإمام ولم يخطر بباله أ زيد هو أم عمرو وهو يظن أنه زيد فإذا هو عمرو جاز ولو نوىٰ الاقتداء بزيد فإذا هو عمرو لا يجوز؛ لأنه نوى الاقتداء بالغائب. (تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱۰۰/۱، انیس)

(۲) یعنی فرض نماز میں نماز کی تعیین کی نیت شرط ہے، تعداد رکعات کے تعیین کی نیت شرط نہیں ہے۔ انیس

(۲) الفتاوىٰ الهندية، الفصل الرابع في النية: ۶۶/۱، وللفرض شرط تعيينه لا نية عدد ركعاته. (شرح الوقاية مع عمدة الرعاية، باب شروط الصلاة: ۱۳۰، مطبع يوسفى لكهنو. انیس)

ونية عدد الركعات والسجدات ليست بشرط عندنا. (البناية شرح الهداية، تعريف النية: ۱۴۲/۱. انیس) ==

نماز کی نیت میں استقبال قبلہ کی نیت کرنا ضروری نہیں:

سوال: کیا نماز کی نیت کرتے ہوئے ''منہ طرف کعبہ شریف کے'' کہنا ضروری ہے؟

الجواب

استقبال قبلہ ضروری ہے، استقبال قبلہ کی نیت ضروری نہیں اور زبان سے نیت کا تلفظ بھی ضروری نہیں۔

و نية القبلة ليست بشرط والتوجه إليها يغنيه عن النية هو الأصح، آه. (مراقی الفلاح)

(قوله: و نية القبلة ليست بشرط) لأنها من الوسائل وهي لاتحتاج إلىٰ نية كالوضوء فالشرط حصولها لا تحصيلها، آه. (حاشية الطحطاوي: ١١٥، باب شروط الصلاة وأركانها)(١) **فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ (خیر الفتاویٰ: ٢/٢٦٨)

نماز میں نیت کرتے وقت بجائے عصر کے مغرب کی نیت کر لی، تو نماز ہو جائے گی یا نہیں:

سوال: نماز میں دل سے نیت کرتے وقت سہواً دل ہی میں بجائے وقت عصر کے وقت مغرب ذہن میں آگیا اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھ لی، پھر معاً خیال آیا کہ میں نے غلطی کی، تو وہ نیت توڑ کر پھر سے نیت کرے، یا نماز پڑھ لے؟

الجواب

اس صورت میں نیت درست نہیں ہوئی، جب کہ نیت ہی میں غلطی ہے، پس دوبارہ صحیح نیت سے تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز شروع کرنا لازم ہے۔ (٢) واللہ تعالیٰ اعلم

٨/محرم ١٣٢٦ھ۔ (امداد الاحکام: ٢/٩٥)

== ☆ نیت کے لیے نماز کا تعین کر لینا کافی ہے، رکعتیں گننا ضروری نہیں:

سوال: ہر نماز کو پڑھنے سے پہلے جتنی رکعتیں ہم پڑھ رہے ہیں، ان کی تعداد اور نماز کی نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری ہیں، یا صرف دل میں نیت کر لینا کافی ہے؟

الجواب

نیت تو دل ہی سے ہوتی ہے، اگر دل کی نیت کا استحضار کرنے کے لیے زبان سے بھی کہہ لے کہ فلاں نماز پڑھتا ہوں تو جائز ہے، رکعتوں کی تعداد گننے کی ضرورت نہیں۔ (**(وللفرض شرط تعيينه كالعصر مثلاً) لأن الفروض متزاحمة فلابد من تعيين ما يريد أداءه حتى تبرأ ذمته ولأن فرضاً من الفروض لا يتأدىٰ بنية فرض آخر فوجب التعيين ويكفيه أن ينوي ظهر الوقت مثلاً أو فرض الوقت والوقت باقٍ لوجود التعيين.** (تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ١/٩٩. انيس)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣/٣٤١)

(١) كذا في البدائع، فصل في شرائط أركان الصلاة: ١/١١٨/ و كذا في العناية شرح الهداية، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ١/٢٧٠. انيس

(٢) حوالہ بالا: ''وللفرض شرط، الخ. (تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ١/٩٩. انيس)

نیت میں غلطی کا حکم:

سوال: اگر نماز کی نیت کرتے وقت ظہر کی بجائے عصر یا عشاوغیرہ کا لفظ زبان سے نکل گیا، یا چار رکعت کی بجائے دو رکعت کہہ گیا اور قصر کی نیت کرنی تھی، لیکن پوری نماز (چار رکعات) کے الفاظ زبان سے نکل گئے، یا چار رکعات کی بجائے قصر کی نیت کر لی، اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ دل میں صحیح وقت، تعداد رکعات اور قصر یا پوری نماز کی نیت تھی، صرف زبان سے الفاظ ان کے خلاف نکل گئے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے بھی یہی الفاظ نکلے اور دل میں بھی یہی خیال اور نیت تھی، تو کیا ایسی صورت میں نماز شروع کرنے کے بعد نیت کی تصحیح کر سکتے ہیں یا نیت توڑ کر دوبارہ صحیح نیت کی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

نیت صرف ارادہ سے ہوجاتی ہے، زبان سے الفاظ کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ زبان سے قلبی نیت کے خلاف بھی ہوجائے تو بھی نماز ہوجائے گی، نیت قلب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی کے سوال کرنے پر فوراً بتا سکے کہ کیا پڑھنا چاہتا ہے، قلبی نیت میں بھی نفل، سنت اور تراویح میں کسی قسم کی تعیین کی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے، البتہ فرض اور واجب میں صرف اتنی تعیین ضروری ہے کہ ظہر کے فرض ہیں یا عصر کے اور واجب میں یہ کہ وتر ہیں یا نذر، ان میں بھی دن اور تعداد رکعات کی نیت ضروری نہیں، بلکہ اس میں قلبی نیت کی غلطی بھی مضر نہیں۔

قال فی الدر: (والمعتبر فیها عمل القلب اللازم للإرادة) فلا عبرة للذکر باللسان إن خالف القلب لأنه کلام لا نیّة إلّا إذا عجز عن إحضاره لهموم أصابته فیکفیه اللسان. مجتبی. (وهو) أی عمل القلب (أن یعلم) عند الإرادة (بداهةً) بلا تأمل (أیّ صلاة یصلّی) فلو لم یعلم إلّا بتأمل لم یجز.

وفی الشامیة: (قوله إن خالف القلب) فلو قصد الظهر وتلفّظ بالعصر سهوًا أجزأه کما فی الزاهدی. قهستانی، آهـ.

(قوله أن یعلم عند الإرادة، الخ) قال الزیلعی: وأدناه أن یصیر بحیث لو سئل عنها أمکنه أن یجیب من غیر فکر، آهـ. (رد المحتار: ۱/ ۳۸٦) (۱)

وفی التنویر: وکفی مطلق نیة الصلاة لنفل وسنّة وتراویح ولابد من التعیین عند النیّة لفرض ولو قضاء وواجب دون عدد رکعاته.

وفی الشرح: لحصولها ضمناً فلا یضر الخطأ فی عددها. (الدرالمختار: ۱/ ۳۹۰) (۱) **فقط والله تعالیٰ أعلم**

۱۳/ ربیع الآخر ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۱٦) ☆

---

(۱) کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث النیة: ۱/ ٤۱٥، دارالفکر بیروت. انیس

(۲) کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فی حضور القلب والخشوع: ۱/ ٤۲۰، دارالفکر۔انیس ==

نیت میں ایک نماز کی جگہ دوسری نماز کا نام لیا، یا تعداد رکعت میں غلطی کی:

سوال: اگر ظہر کی فرض نماز شروع کرتے وقت دل میں تو نیت فرض ظہر ہی کی تھی، مگر زبان سے بجائے ظہر کے عصر کہہ دیا، یا بجائے فرض کے نفل کہہ دیا، بجائے چار رکعت تین رکعت کہہ دیا، تو ان صورتوں میں نماز ہوگی یا نہیں؟

== ☆ نماز شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ غلط نیت کی ہے تو کیا نماز میں نیت درست کرسکتا ہے:

سوال: نماز شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ بجائے عصر کے ظہر کے فرض کی یا اسی طرح سنت کی نیت کی ہے تو اب نماز توڑ کر پھر تکبیر تحریمہ کہے یا نماز میں ہی نیت بدل دے، اگر نماز میں ہی نیت بدل سکتا ہو تو کب تک بدلنے کا اختیار ہے رکوع کے بعد بھی بدل دے۔ اگر نماز میں ہی نیت بدل سکتا ہو تو کب تک بدلنے کا اختیار ہے رکوع کے بعد بھی بدل سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ (حیدرآباد)

الجواب

بلا نیت ہی نماز شروع کردی پھر یاد آیا کہ نیت نہیں کی ہے یا غلط نیت کی مثلاً عصر کی جگہ ظہر کی نیت کرلی تو اب نیت کا وقت جاتا رہا۔ نماز شروع کرنے کے بعد نیت کا اعتبار نہیں از سر نو نیت کرنے کے بعد تکبیر تحریمہ کہے۔

(ولا عبرة بنية متأخرة عنها) على المذهب. (الدر المختار)

(قوله ولا عبرة بنية متأخرة) لأن الجزء الخالي عن النية لا يقع عبادة فلا ينبني الباقي عليه. (رد المحتار، باب شروط الصلاة، مطلب في حضور القلب والخشوع: ۲۸۷/۱) فقط والله أعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۳۰۳/۴)

نیت کی غلطی سجدۂ سہو سے درست نہیں ہوتی:

سوال: ظہر یا عصر یا مغرب کی نماز جماعت سے یا علیحدہ پڑھتے وقت بھولے سے نیت نماز عشا کی کرلی، رکوع میں جاتے وقت یا سجدے میں خیال آیا کہ اس نے غلطی کی، تو کیا نیت توڑ کر دوبارہ نیت کی جائے گی یا سجدۂ سہو کیا جائے گا؟ مگر جماعت کے ساتھ تو سجدۂ سہو بھی نہیں کرسکتے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب

نیت اصل میں دل کے قصد وارادے کا نام ہے، (فالنية هي الإرادة للفعل وشرطها التعيين للفرائض، كذا في فتح القدير... إلخ. (البحر الرائق، فصل في شروط الصلاة: ۲۹۲/۱) / فتح القدير شرح الهداية، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ۲۶۶/۱. انیس)

اور زبان سے محض اس قصد کی ترجمانی کی جاتی ہے، پس اگر دل میں دھیان؛ مثلاً! ظہر کی نماز کا تھا، مگر زبان سے عصر یا عشا کا لفظ نکل گیا تو نماز صحیح ہے اور اگر دل میں دھیان ہی نہیں تھا تو نماز کی نیت باندھ کر نماز نئے سرے سے شروع کردے، نیت کی غلطی سجدۂ سہو سے درست نہیں ہوگی۔ (وقد علم مما قدمنا من أنه لا معتبر باللسان أنه لو نوى الظهر وتلفظ بالعصر فإنّه يكون شارعًا في الظهر كما صرحوا به. (البحر الرائق: ۲۹۸/۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۰/۳-۳۴۱)

الجو اب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ان سب صورتوں میں نماز درست ہوگئی۔(ردالمحتار: ۲۷۸/۱ ۔ ۲۸۱)(۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۰۶/۵ ۔ ۵۰۷)

دل میں ارادہ کرنے کے بعد اگر زبان سے غلط نیت نکل گئی، تو بھی نماز صحیح ہے:

سوال: بعض دفعہ ہم لوگ جلدی میں غلط نیت کر لیتے ہیں، جیسے کہ ہمیں پڑھنی تو چار سنتیں ہیں، لیکن ہم نے دو سنت کی نیت کر لی، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجو ابــــــــــــــــــــــــــــ

نیت اصل میں زبان سے نہیں ہوتی، بلکہ یہ دل کا فعل ہے، (۲) پس اگر دل میں ارادہ چار رکعت کا تھا اور زبان سے دو کا لفظ نکل گیا تو نیت صحیح ہے، (۳) اور سنتوں میں تو مطلق نماز کی نیت بھی کافی ہے، اگر چار کی جگہ دو کا یا دو کی جگہ چار کا لفظ کہہ دیا؛ یا رکعتوں کا ذکر ہی نہیں کیا، تب بھی سنتوں کی نیت صحیح ہوگئی۔ (۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۱/۳ ۔ ۳۴۲)

---

(۱) "(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) ، فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب؛لأنه كلام لانية". (الدرالمختار)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ عنه: "(قوله:إن خالف القلب) فلوقصد الظهروتلفظ بالعصرسهوًا أجزأه كما في الزاهدى،قهستاني". (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،بحث النية: ٤١٥/١ ،سعيد)

(ويقصد)المقتدى والإمام (صلاته)وأدناه أن يجيب عنها فى الحال وفيه إشارة إلى أنه لوقصد الظهر وتلفظ بالعصر سهواً أجزأه، كمافى القنية. (جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة،فصل شروط الصلاة: ٦١/١ .ط:نول كشورلكهنو/قنية المنية لتتميم الغنية،فصل فى النية: ١٤ ،مخطوطة مكتبة جامعة الملك سعود. انيس)

ولايشترط نية عدد الركعات،هكذا فى شرح الوقاية ... لو عزم على الظهروجرى علىٰ لسانه العصر يجزيه، كذا فى شرح مقدمة أبى الليث،وهكذا فى القنية. رجل افتتح المكتوبة فظن أنها تطوع فصلى علىٰ نية التطوع حتى فرغ،فالصلاة هى المكتوبة،ولوكان الأمر بالعكس،فالجواب بالعكس،هكذا فى فتاوىٰ قاضيخان". (الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الفصل الرابع فى النية: ٦٦/١ .رشيدية)

(۲) والشرط أن يعلم بقلبه أىّ صلاة يصلى وأدناها ما لو سئل لأمكنه أن يجيب على البديهة وإن لم يقدرعلىٰ أن يجيب إلاَّ بتأمل لم تجز صلاته إلخ. (الفتاوىٰ الهندية: ٦٥/١ ،الفصل الرابع فى النية)

(۳) وقيد بنية التعيين لأن نية عدد الركعات ليست بشرط فى الفرض والواجب،لأن قصد التعيين مغنٍ عنه ولونوى الظهرثلاثاً والفجرأربعًا جاز...الخ. (البحر الرائق: ٢٩٨/١ ،فصل فى شروط الصلاة)

(۴) ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح هوالصحيح،كذا فى التبيين. (الفتاوىٰ الهندية: ٦٥/١ ،الفصل الرابع فى النية/تبيين الحقائق،باب شروط الصلاة: ٩٩/١ . انيس)

کیا وتر کی نیت سے تراویح کی نماز درست ہوگی:

سوال: سنت تراویح کی نیت سہواً کر کے وتر پڑھنے سے وتر ادا ہو جائے گا، بموجب درمختار: ۱/۳۸۷، ۳۸۸۔ (۱) میں اکثر وتر کی نیت کر لیتا ہوں یہ سمجھ کر کہ امام بیس رکعت تراویح پڑھا کر اب وتر پڑھا رہے ہیں، جب امام قرأت شروع کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ امام تراویح پڑھا رہے ہیں۔ میری نماز فاسد نہیں ہوتی ہے کیا؟ چاہئے یہ تھا کہ نیت توڑ کر سنت تراویح کی نیت کرتے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اعلی کے تابع ہو کر ادنیٰ کا ادا ہو جانا مصرّح ہے، آپ کی تراویح اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے، لیکن آپ کو اس قدر بے خبر نہ رہنا چاہئے کہ تراویح اور وتر کا پتہ نہ چلے۔ (۲) فقط واللہ تعالی اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۹۲/۷/۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۱۰)

وتر کی نیت میں وقت عشا کہنے کی ضرورت نہیں:

سوال: وتر کی نیت کس طرح کی جاتی ہے؟ کیا نیت میں وقت نماز عشا کہا جاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــ

وقت عشا کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ یہ نیت کرنا ضروری ہے کہ میں آج کے وتر پڑھ رہا ہوں۔ (۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۴۱)

---

(۱) اس طرح کا جزئیہ درمختار میں تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملا۔

(۲) "ولو علم ولم یمیز الفرض من غیرہ، إن نوی الفرض فی الکل، جاز". (الدرالمختار)

("قوله ولو علم الخ): أی علم فرضیة الخمس، لکنه لایمیز الفرض من السنة والواجب". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فی حضور القلب والخشوع: ۱/۴۱۸، سعید)

(۳) وفی الوتر ینوی صلاة الوتر، کذا فی الزاهدی. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۶۶، الفصل الرابع فی النیة)

واعلم أن النیة لا تتأدی باللسان لأنها إرادة والإرادة عمل القلب لا عمل اللسان لأن عمل اللسان یسمی کلاماً لا إرادة إلا أن الذکر باللسان مع عمل القلب سنة فالأولیٰ أن یشغل قلبه بالنیة ولسانه بالذکر ویده بالرفع وأما إذا کانت الصلاة نفلاً فإنه یکفیه مطلق نیة الصلاة واختلفوا فی التراویح والأصح أنه لاتجوز إلا بنیة التراویح وقال المتأخرون تجوز التراویح والسنن بنیة الصلاة المطلقة إلا أن الاختیار فی التراویح أن ینوی التراویح أو قیام اللیل وفی السنة أن ینوی السنة وفی الوتر أن ینوی الوتر وکذا فی صلاة العیدین. (الجوهرة النیرة، باب شروط صحة الصلاة: ۱/۴۸. انیس)

نماز میں یاد نہیں رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی:

سوال: ایک شخص کو حالت نماز میں یہ یاد نہیں رہا کہ اس نے کس وقت کی نماز کی اور کتنی رکعات کی نیت کی تھی؟ نہ زبان سے کہنا یاد ہے اور نہ دل میں نیت کرنا یاد ہے، یوں ہی غفلت کی حالت میں نماز شروع کر دی تھی، تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملھم الصّواب

اگر کسی نماز کی نیت تو کی ہو؛ مگر یہ یاد نہ رہا ہو کہ کس نماز کی نیت کی تھی، تو دو رکعت پوری کر لے اور یہ نماز نفل ہو جائے گی اور اگر نیت کی ہی نہیں تھی تو نماز میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا۔ لہٰذا از سر نو نیت کر کے نماز شروع کرے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶/ ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۶/۳)

مقتدی نے نیت میں غلط وقت کا نام لیا تو کیا ہوگا:

سوال: امام کے ساتھ نماز باجماعت میں بھی اگر وقت پکارنے میں غلطی کر بیٹھے، یعنی وقت ظہر کا ہے اور جماعت میں شامل پہلی رکعت میں رکوع سے قبل ہو گیا ہے، لیکن وقت ظہر کے بجائے وقت عصر کہہ کر جماعت میں شامل ہوا، اس صورت میں اب یہ نمازی کیا کرے گا؟ اس کی یہ نماز ہو گئی یا اسے دوبارہ پڑھنی ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــ

نیت دل کا فعل ہے، (۲) اگر دل میں ارادہ ظہر کی نماز پڑھنے کا تھا، مگر غلطی سے ظہر کی جگہ عصر کا وقت زبان سے نکل گیا، تو نماز صحیح ہو گئی۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۹/۳)

نماز شروع کرنے کے بعد نیت میں تبدیلی:

سوال: اگر نفل نماز پڑھ رہے ہوں، لیکن رکوع میں جانے سے پہلے نفل کی نیت ختم کر کے فجر کی قضا کی نیت کر لے، تو کیا نیت تبدیل کر سکتے ہیں؟ اور یہ فجر کی قضاء ہوگی، یا نفل؟　　(س، ج، سنتوش نگر)

---

(۱) ویکفی مطلق النیة للنفل والسنة والتراویح علی الأصح وللفرض شرط تعیینه کالعصر مثلاً. (ملتقی الأبحر، باب شروط الصلاة: ۱۲۸/۱. انیس)

(۲) والشرط أن یعلم بقلبه أی صلاة یصلی، الخ. (البحر الرائق: ۲۹۲/۱)

(۳) وفی القنیة: عزم علیٰ صلاة الظهر وجریٰ علیٰ لسانه نویت صلاة العصر یجزئه الخ. (البحر الرائق: ۲۹۳/۱)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

روزہ کے سوا تمام افعال میں یہ بات ضروری ہے کہ اس فعل کے کرنے سے پہلے ہی نیت کرلی جائے، اس لئے کہ فعل کے آغاز کا وقت ہی اصل میں نیت کا محل ہے اور اسی وقت کی نیت معتبر ہوگی، جب آپ نماز ایک نیت سے شروع کرچکے، تو اب نیت کرنے کا کوئی موقع ومحل باقی نہیں رہا۔ لہذا اب بعد میں قضاء فجر کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے یہ نفل نماز ہی شمار ہوگی۔ ہاں، اگر قضاء فجر کا خیال آنے کے بعد آپ نے دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر قضاء فجر شروع کی اور ازسرنو نماز ادا کی تو اب یہ فجر کی قضا ہوگی، لیکن چونکہ آپ نفل نماز شروع کرچکے تھے اور نفل عبادت بھی شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتی ہے، لہذا آپ پر نفل کی ان دو رکعتوں کی بھی قضا کرنی واجب ہوگی۔(١) نیز یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ نفل شروع کرکے بلا عذر توڑنا جائز نہیں ہے۔

"إن القطع يكون حرامًا ومباحًا ومستحبًا وواجبًا، فالحرام بغير عذر". (٢) (کتاب الفتاویٰ:٢/١٦٥-١٦٦)

نماز کے اندر دوسری نماز کی نیت کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص بوقت ظہر بھول کر بجائے سنت مؤکدہ کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے، درمیان ہی میں یاد آنے پر پھر سنتوں کی نیت دل میں کرلے، تو یہ سنت ادا ہوں گی یا فرض یا نماز ازسرنو ادا کی جائے گی، شرعاً کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص ظہر کے فرض پڑھتا ہو اور بھول کر بجائے فرض کے سنت کہہ گیا ہو درمیان میں یاد آنے پر ارادہ بدل لے کہ مجھے فرض ادا کرنے ہیں، تو یہ فرض ادا ہوجائیں گے یا نہیں؟ یا ازسرنو فرض پڑھنا پڑیں گے جب کہ ظہر کی سنت پہلے ادا کرچکا ہو۔ اسی طرح کوئی شخص وتر پڑھتا ہو نیت کرتے وقت بجائے وتر کے سنت کہہ گیا ہو اور دعاء قنوت کے وقت یاد آیا تو اس نے وتروں کا ارادہ دل میں کرلیا تو یہ وتر ہوگئے یا دوبارہ ادا کریں خواہ وتر تنہا پڑھ رہے ہوں یا جماعت کے ساتھ تراویح کے بعد۔ شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اس صورت میں فرض صحیح ہوگئے، سنت بعد میں پڑھے، مگر نیت میں دل کا اعتبار ہے، زبان کا اعتبار نہیں، اس لیے اگر دل میں سنت مؤکدہ پڑھنے کا قصد تھا، مگر زبان سے لفظ فرض کہا، تو سنت ہوگی، فرض نہیں ہوئے، (١) سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

٧/ذیقعدہ ١٣٩٩ھ۔ (احسن الفتاویٰ:٣/١٧) ☆

---

(١) "واتفق أصحابنا رحمهم الله أن الشروع في التطوع بمطلق النية لايلزمه أكثر من ركعتين". (الفتاوى الهندية: ١/١١٣، باب في النوافل، محشى)

(٢) ردالمحتار: ٢/٤٤١. باب إدارك الفريضة.　　==

امام سے پہلے نماز شروع کردی پھر امام کی تکبیر کے بعد دوبارہ تحریمہ کہی، تو نماز کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے امام سے پہلے نماز کی نیت باندھ لی، یہ شخص قیام میں کھڑا ہوگیا، مگر امام نے اللہ اکبر کہا تو اس نے فوراً سوچا کہ میں نے امام صاحب سے پہلے نیت کر لی ہے، اب اس نے ہاتھ باندھے ہوئے صرف ایک بار اللہ اکبر کہہ دیا اور نماز امام کے ساتھ پوری کر لی، تو کیا اس شخص کی شرعاً نماز درست ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بہ نیتِ اقتدا تکبیر تحریمہ کہنے سے اقتدا صحیح ہوگئی اور پہلی نماز ختم ہوگئی، پس شخص مذکور کی نماز درست ہے۔

ففي الدر المختار: يفسدها انتقاله من صلاة إلٰى مغايرتها ولو من وجه حتٰى لو كان منفردًا فكبر ينوي الاقتداء أو عكسه صار مستأنفاً، آه. (ردالمحتار: ۴۱۹/۱)(۱) فقط والله أعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۲۷ محرم ۱۴۰۲ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۵۱/۲)

==(۱) والشرط أن يعلم بقلبه أى صلاة يصلى أما الذكر باللسان فلا معتبر به، الخ. (الهداية على صدر العناية، باب شروط الصلاة التى تتقدمها: ۲۶۶/۱. انيس)

☆ **سوال متعلق بالا:**

سوال: جناب کا تحریر کردہ فتویٰ صادر ہوا، شکریہ! فتویٰ ہذا میں یہ امر مبہم رہ گیا کہ آپ نے فرمایا کہ ''نیت میں دل کا اعتبار ہے، زبان کا اعتبار نہیں، اس لیے اگر دل میں سنت پڑھنے کا قصد تھا، مگر زبان سے لفظ فرض کہا تو سنت ہوئی فرض نہیں ہوئے، سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے''۔

لیکن فتاویٰ دار العلوم ص: ۲۰۸، ج: ۴ میں مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ!

سوال: ''بجائے سنتوں کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے اور یاد آنے پر دل ہی دل میں سنتوں کی نیت کر لی، تو نماز صحیح ہوئی کہ نہیں؟

جواب: نیت توڑ کر پھر سے سنتوں کی نیت باندھ لے اور دوبارہ تکبیر بہ نیت سنت کہے۔

رجل افتتح المكتوبة فظن أنها تطوع فصلى علٰى نيّة التطوع حتى فرغ فالصلاة هى المكتوبة ولو كان الأمر بالعكس فالجواب بالعكس الخ والنية بدون التكبير ليس بمخرج. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل السابع فى النيّة: ۶۴/۱-۶۵)

الجواب باسم ملهم الصّواب

اگر نماز سے قبل زبان وقلب میں اختلاف پایا جائے، تو قلب کی نیت کا اعتبار ہے، زبان کی غلطی معتبر نہیں، اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد دل سے نیت بدلے، تو یہ معتبر نہیں، عزیز الفتاویٰ کی تحریر کا یہی مطلب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۷/۳)

حاشیہ صفحہ هذا:

(۱) الدر المختار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، قبل مطلب فى تشبه باهل الكتاب: ۶۲۳/۱، دار الفكر. انيس

امام کی تکبیر کے بعد نیت باندھنے والے کی نماز صحیح ہے:

سوال: میں جماعت میں اس طرح شریک ہوا کہ امام نے تکبیر کہہ کر نیت باندھ لی اور میری صف میں مجھ سے پہلے کچھ نمازی ایسے ہیں جنہوں نے ابھی نیت نہیں باندھی ہے اور میں نے ان سے پہلے نیت باندھ لی، تو کیا میرا یہ فعل درست ہے؟

الجواب

آپ نے امام کی تکبیر کے بعد نیت باندھی ہے، تو آپ کی نماز صحیح ہے، دوسروں نے باندھی ہو یا نہ باندھی ہو، اس سے کوئی غرض نہیں۔(١) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ٣٤١/٣)

سابقہ نیت سے نماز کا اعادہ کرنا:

سوال: اگر کسی وجہ سے اقتدا صحیح نہیں ہوئی، اب مقتدی اسی سابقہ نیت سے اپنی نماز پوری کرتا ہے، تو کیا اس کی نماز ادا ہو جائے گی؟

الجواب

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ادا نہ ہوگی اور امام صاحب وامام یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ادا ہو جائے گی۔

برجندی شرح نقایہ میں بیان کرتے ہیں:

واعلم أن فی كل موضع لایصح الاقتداء لایصیر المقتدی شارعًا فی صلٰوۃ نفسه فی روایة باب الحدث حتی لوقهقه لاینقض طهارته وفی روایة باب الأذان یصیر شارعًا، قیل ماذکر فی الحدث قول محمد وماذکر فی باب الأذان قولهما، کذا فی الظهیریة. انتهٰی(٢)

ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ٢١٣)

فاسد نماز میں فرض کی نیت کی جاتی ہے، دہرانے کی نہیں:

سوال: نماز دہرانے کا کیا طریقہ ہے؟ نمازی نے یہ محسوس کیا کہ غلطی ہوگئی ہے، نماز دہرائی جائے، تو اگر وہ دوسری تیسری رکعت پڑھ رہا ہے اور نماز چار رکعت کی ہے، اس صورت میں وہ کیا کرے جو نماز اس نے غلط پڑھی ہے جب دوبارہ پڑھے، تو نیت میں اس کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ میں یہ نماز دوبارہ دہرا رہا ہوں؟

---

(١) إذا انتظر تكبير الإمام ثم كبّر بعد ما كبّر الإمام يصح شروع فی صلاة الإمام، الخ. (خلاصة الفتاویٰ: ٨٠/١)

(٢) عبارة الخلاصة: وفی كل موضع لایصح الاقتداء هل یصیر شارعًا فی صلاة نفسه؟ عند محمد: لا، وعندهما یصیر شارعاً، آه. (ردالمحتار، باب الإمامة: ٥٨٣/١، دارالفكر بیروت. انیس)

الجواب

نماز میں اگر ایسی غلطی ہو جائے جس سے نماز فاسد ہو جائے، تب اسے دہرانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور جب پہلی نماز فاسد ہوگئی تو فرض اس کے ذمہ ہوگا، (١) اسی کی نیت کرنی چاہیے، دوبارہ دہرانے کی نیت خود ہی ہو جائے گی۔ (٢)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۹/۳-۳۴۰)

نماز کی نیت میں "اقتدیت بالقرآن" کہنے کا حکم:

سوال: یہ نیت امام کی جائز ہے یا ناجائز۔

"نویت أن أصلی لله تعالٰی رکعتی صلوٰۃ الفجر فرض اللّٰہ تعالٰی أنا إمام لمن حضر و لمن لم یحضر اقتدیت بالقرآن متوجهًا إلٰی جهة الکعبة الشریفة اللّٰہ أکبر"

یعنی اقتدا کیا قرآن پر اور پڑھا نماز پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، آیا یہ نیت جائز ہے یا نہیں اور یہ نیت امام کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

اس شخص سے دریافت کیا جاوے کہ قرآن کے ساتھ اقتدا کرنے سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے سے کیا مراد ہے؟ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ **بالمعنی المتعارف** قرآن کا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کر رہا ہوں اور یہ دونوں مجھ کو نماز پڑھا رہے ہیں، تب تو اس کا فساد اور بطلان ظاہر ہے قرآن تو امام بن ہی نہیں سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالفعل اس کو نماز نہیں پڑھا رہے ہیں، پس اس صورت میں خود اس شخص ہی کی نماز نہ ہوگی۔

لأن الانفراد فی موضع الاقتداء مفسد کعکسه. (ردالمحتار: ۱/۵۹٦، فروع اقتداء متنفل بمتنفل) **و لأنه نویٰ الاقتداء بمعدوم و هو لایجوز.** (٣)

جب اس کی نماز نہ ہوگی، تو اوروں کی بھی اس کے پیچھے نہ ہوگی اور اگر اس شخص کا یہ مطلب ہے کہ میں حسبِ تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحسبِ امر قرآن نماز پڑھتا ہوں، تو یہ مطلب صحیح ہے، لیکن اس کو نماز کی اقتدا کہنا یہ ایک اصطلاح مخترع ہے، اس صورت میں نماز ہو جائے گی، لیکن ایسے الفاظ سے خواہ مخواہ شورش ہوتی ہے، چھوڑ دینا ان کا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

١٧/ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ۔ (امداد، صفحہ: ۳۷/جلد: ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۹۳-۱۹۴)

---

(١) أما بیان مایفسد الصلاة فالمفسد لها أنواع منها: الحدث العمد قبل تمام أرکانها بلا خلاف حتّٰی یمتنع علیه البناء. (بدائع الصنائع: ۱/۲۲۰، فصل بیان مایفسد الصلاة)

(٢) والشرط أن یعلم بقلبه أیّ صلاة یصلی. الخ. (البحر الرائق: ۱/۲۹۲)

(٣) (وفی المجتبیٰ: نوی أن لا یصلی إلا خلف من هو علی مذهبه فإذا هو غیره لم یجز) وجهه أنه لما نوی الاقتداء بإمام مذهبه فإذا هو غیره فقد نوی الاقتداء بمعدوم. (ردالمحتار: ۱/٤٢٦، مطلب فی ستر العورة)

علم کے اعتبار سے نمازی کی اقسام اور عبارت عالمگیری میں ''فیه'' ضمیر کا مرجع:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاویٰ عالمگیری کی درج ذیل عبارت کے متعلق ایک استفسار ہے۔

''المصلون ستة: من علم الفرائض منها والسنن وعلم معنى الفرائض أنه مايستحق الثواب بفعله والعقاب بتركه والسنة مايستحق الثواب بفعلها ولايعاقب بتركها فنوى الظهر والفجر أجزأته وأغنت نية الظهر عن نية الفرض والثاني من يعلم ذلك وينوى الفرض فرضاً ولكن لايعلم ما فيه من الفرائض والسنن يجزيه كذا في القنية''. (۱)

اس عبارت میں ''ما فيه'' میں ''ہ'' ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ ما في الوقت يا ما في الفرض؟ بينوا توجروا.

(المستفتی: محمد صادق ناظم مجلس منتظمہ اشاعت فتاویٰ عالمگیری سہگل جہلم...... ۱۷/۵/۱۹۷۷ء)

الجواب

ضمیر ''مافیه'' میں نماز فرض کو راجح ہے، یعنی اتنا جانتا ہوں کہ یہ نماز فرض ہے، لیکن اس نماز میں جتنے فرائض اور واجبات وغیرہا ہیں ان سے ناواقف ہو۔ وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۱۸-۲۱۹)

سنتوں اور نفلوں میں وقت کا ذکر کرنا ضروری نہیں:

سوال: سنن ونوافل میں نیت کرتے وقت، اس وقت کا بھی نام لے، یا نہیں؟

الجواب

ذکرِ وقت کی حاجت نہیں۔ (۲)

(بدست خاص، ص: ۳۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۲)

فرض نماز اور سنت کی نیت کس طرح کی جائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) نماز کی نیت کس طرح کرنی چاہئے، صرف قلب سے یا صرف قلب وزبان دونوں سے؟

(۲) سنت نماز میں سنت رسول اللہ کہنا کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: صفدر حسین اینڈ برادرز سعودی عرب...... ۳۰/۱/۱۹۸۶ء)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الرابع في النية: ٦٧/١. انيس

(۲) واحترز به عن النفل فإنه يصح بمطلق النية حتى التراويح على المعتمد كما مر في بحث النية. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، بحث شروط التحريمة، مطلب قد يطلق الفرض على ما يقابل الركن: ٤٥٢/١، دارالفكر. انيس)

الجواب

(۱) نیت قلب کے ارادہ کا نام ہے خواہ زبان سے تلفظ کیا جائے یا نہیں، البتہ زبان سے تلفظ مستحب ہے، اس سے ارادہ قلبی کی تائید اور تقویت ہوتی ہے اور سنت ثابتہ سے متصادم بھی نہیں ہے۔(۱)

(۲) سنت یا سنت رسول اللہ کہنا ایک حکم رکھتا ہے، ایک مجمل ہے اور دوسرا مفصل۔(۲) **وهو الموفق**

(فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۱۹-۲۲۰)

سنتوں کی نیت کس طرح کرے:

سوال: سنتوں کی نیت بعبارت ذیل کرنا کیسا ہے۔ امام مسجد منع کرتے ہیں۔

''نیت کرتا ہوں نماز کی واسطے اللہ تعالیٰ کے دو رکعت نماز سنت رسول اللہ وقت فجر منہ میرا طرف کعبہ کے، اللہ اکبر'' اور امام مذکور بعبارت ذیل نیت کرنا بتلاتے ہیں۔ ''نیت کرتا ہوں نماز کی، واسطے اللہ تعالیٰ کے دو رکت سنت منہ میرا طرف کعبہ کے، اللہ اکبر'' اور نماز جمعہ کی نیت اس طرح بتلاتے ہیں۔ ''دو رکعت نماز فرض وقت ظہر واسطے جمعہ کے، الخ؟

الجواب

اصل اس معاملہ میں یہ ہے کہ نیت درحقیقت ایک فعل قلب ہے، جو دل ہی سے تعلق رکھتا ہے، اسی لئے اگر کوئی دل میں نیت نماز کرے اور زبان سے کچھ بھی نہ کہے۔ تب بھی نماز ہو جاتی ہے اور اگر دل سے نیت نہ کی اور زبان پر عبارت مندرجہ سوال سے بھی زیادہ مفصل عبارت پڑھ دی، تب بھی نماز نہ ہوگی۔ **صرح به فى عامة كتب الفقه.** (۳)

البتہ عوام کیلئے بہتر یہ ہے کہ دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی مختصر الفاظ کہہ لے۔ **صرح به فى الهداية.** (۴)

لیکن لمبی عبارتیں نیت کے وقت پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی لئے بہتر اور افضل طریقہ نیت کا یہ ہے کہ دل سے نیت کرے کہ میں دو رکعتیں سنت فجر پڑھتا ہوں اور زبان سے اس قدر کہہ لے سنت فجر۔ ایسے ہی فرض فجر۔

(۱) قال العلامة إبراهيم الحلبي: و المستحب فى النية أن ينوى يقصد بالقلب ويتكلم باللسان بأن يقول أصلى صلاة... ولو نوى بالقلب ولم يتكلم باللسان جاز بلاخلاف بين الأئمة؛لأن النية عمل القلب لا عمل اللسان واستحباب ضمه لما ذكرنا.(غنية المستملى شرح منية المصلى: ٢٥١-٢٥٢)

(۲) فى ردالمحتار: إن كان مما واظب عليه الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة.(رد المحتارهامش الدر المختار، مطلب فى السنة وتعريفها: ٧٦/١)

(۳) كذا فى الجوهرة النيرة، باب شروط صحة الصلاة: ٤٨/١. انيس

(۴) و النية هى الإرادة و الشرط أن يعلم بقلبه أىّ صلاة يصلى أما الذكرباللسان فلامعتبربه ويحسن ذلك لإجماع عزيمته .(الهداية، باب شروط الصلاة التى تنفذها: ٩٦/١، انيس)

وہ طویل عبارتیں جو سوال میں درج ہیں۔ دونوں خلاف اولیٰ ہیں اور سنت کے ساتھ لفظ رسول کا بڑھانا بہتر تو نہیں، لیکن اگر کوئی بڑھا جائے تو کوئی ناجائز بھی نہیں۔ کیوں کہ غرض اس جملے سے باتفاق یہ ہوتی ہے کہ یہ سنتیں نص قرآن سے اگر چہ ثابت نہیں، مگر طریقۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس لئے پڑھتا ہوں اور اس میں کچھ حرج نہیں اور منع کرنے والوں نے شاید اس خطرے سے منع کیا ہوگا کہ لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ فرض تو ہم لوگ اللہ کے لئے پڑھتے ہیں اور سنتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور یہ کھلا شرک ہے، کیوں کہ نمازیں دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ صرف اتنا ہی ہے کہ فرض کا ثبوت نص قطعی غیر متعارض فیہ سے ہے اور سنتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے۔

(فتاویٰ دار العلوم مسمی امداد المفتین: ۲/۳۱۰-۳۱۱)

سنت کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں: کوئی شخص اگر اس طرح نماز کی نیت کرتا ہے تو صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے، تو عربی میں کس طرح نیت کرنی چاہیے؟ زید کہتا ہے اگر اس طرح نیت کرے تو شرک لازم آتی ہے اور زید عالم بھی ہے۔

صبح کی دو رکعت سنت نماز کی نیت یہ ہے:

"نَوَيْتُ أَنْ أُصَلِّيَ لِلّٰهِ تَعَالٰى رَكْعَتَيْنِ صَلاَةَ الفجرِ سنّةَ رسولِ اللّٰه تعالٰى متوجِّهاً إلٰى جِهةِ الكعبةِ الشَّريفَةِ اللّٰه أكبر".

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

نیت کے لیے اتنے طویل الفاظ کی ضرورت نہیں، دل کی نیت کافی ہے، زبان سے نیت کرنا چاہے تو فرض نماز کے لیے صرف اتنے الفاظ کافی ہیں کہ ظہر یا عصر کے فرض پڑھتا ہوں، نہ رکعات کی تعیین ضروری نہ دن کی اور نہ وقتی فرض کہنے کی ضرورت اور واجب میں صرف وتر یا نذر کی نیت کافی ہے، سنت اور نفل کی نیت میں سنت یا نفل کہنے کی بھی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے،(۱) مع ہذا اگر کسی نے نیت میں سنت رسول اللہ کے الفاظ کہہ دیئے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کو شرک بتانا جہالت ہے، اس لیے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ نماز سنت سے ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵/ محرم ۱۳۹۳ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۱۸)

(۱) ثم إن كانت الصلاة نفلاً يكفي مطلق النية وكذا إن كانت سنة في الصحيح وإن كانت فرضاً فلا بد من تعيين الفرض كالظهر مثلاً لاختلاف الفروض وإن كان مقتدياً ينوي الصلاة ومتابعته. (الهداية، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ٤٦/١. انيس)

نماز جمعہ میں فرض اور سنتوں کی نیت:

سوال: نمازِ جمعہ کی فرض اور سنت دونوں کی نیت جمعہ کی کرے یا صرف فرض کی، جمعہ کی کرے؟ اور سنت کی نیت، ظہر کی کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فرض اور سنت دونوں میں فرض جمعہ اور سنت جمعہ ہی کی نیت ہوتی ہے، مگر سنتوں میں مطلق نماز کی نیت کر لینا کافی ہے، اس کے لیے وقت کے تعین کی ضرورت نہیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۷/۳) ☆

قضا نماز کو ادا کی نیت سے پڑھنا:

سوال: اگر ظہر کا وقت جاتا رہا اور عصر کا وقت آ گیا، تو اس قضا شدہ نماز ظہر کو اگر بہ نیت ادا پڑھے اور نیت قضاء کی نہ کرے، حالانکہ نماز قضا ہی پڑھی ہے، تو وہ نماز ادا ہو گئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

[نماز] ادا ہو جاتی ہے۔ فقط

(بدست خاص، ص: ۴۰) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۷۶) ☆☆

---

(۱) ویکفیہ مطلق النیۃ للنفل والسنۃ والتراویح ھو الصحیح، کذا فی التبیین. (الفتاویٰ الھندیۃ: ۶۵/۱)

☆ **جمعہ کی سنتوں کی نیت کس طرح کرے:**

سوال: جمعہ میں اول کی چار رکعت اور بعد جمعہ چھ رکعت کی نیت کس طرح کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

چار رکعت سنت پڑھتا ہوں۔ فقط

(بدست خاص، ص: ۳۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۲)

☆☆ **قضا نماز بنیت ادا پڑھ لی:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کسی شخص نے قضا نماز بنیت ادا پڑھ لی ہو تو نماز ہو گی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

نماز ہو جائے گی۔ "ویستعمل أحد هما مکان الآخر مجازًا حتیٰ یجوز الأداء بنیۃ القضاء وبالعکس، الخ، یجوز القضاء بنیۃ الأداء بأن یقول نویت أن أؤدی ظهر الأمس، الخ. (نور الأنوار: ۳۳) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللّٰہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۴۵/۱)

ادا نماز کو قضا کی نیت سے پڑھنا:

سوال: اگر وقت نماز کا تھا مگر مصلی نے اس ادا نماز کو بہ نیت قضاء ادا کیا، حالانکہ ادا ہی پڑھی ہے تو نمازِ ادا، ادا ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

درست ہے۔(۱)

(بدست خاص، ص:۴۰) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷٦)

تحریمہ سے پہلے نیت میں ''اِنِّیْ وَجَّھْتُ'' پڑھنے کے جواز پر شبہ کا جواب:

سوال: بعض رسائل میں احادیث صحیحہ لکھی ہیں کہ نیت کے بعد توجیہ یعنی ''اِنِّیْ وَجَّھْتُ، الخ'' ہاتھ باندھنے اور تحریمہ کے پہلے ثابت ہے؛ ہمارے امام صاحب منع فرماتے ہیں، اس کی وجہ اگر مناسب ہو، ارقام فرمائی جاوے؟

الجواب

تحریمہ کے قبل توجیہ کی کوئی حدیث ذہن میں حاضر نہیں، اگر ایسا ہے تو امام صاحب کے قول کی وجہ ظاہر ہے کہ بدوں دلیل کے کیسے قائل ہو جاوے اور اگر کوئی حدیث ہو تو نقل کی جاوے۔ البتہ بعد تحریمہ کے منقول ہے، چنانچہ مسلم میں روایت ہے، امام صاحب اس کو نوافل پر محمول فرماتے ہیں، چنانچہ نسائی کی روایت میں اس کی تصریح ہے، یہ دونوں حدیثیں ''مشکوۃ، باب مایقرء بعد التکبیر'' میں ہیں۔(۲)

(تتمہ خامسہ، صفحہ:۳۷۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۲۵-۲۲٦)

---

(۱) وإذا كان الرجل شاكاً فی وقت الظهر هل هو باقی ينوی ظهر الوقت فإذا الوقت قد خرج يجوز، بناءً على أن القضاء يجوز بنية الأداء والأداء بنية القضاء وهو المختار. (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، الفصل الرابع فی كيفية النية: ۱/۲۸۹. انيس)

(۲) عن علی بن أبی طالب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه كان إذا قام إلى الصلاة قال: وجهت وجهی للذی فطر السماوات والأرض حنيفاً، الخ. (الصحيح لمسلم، باب مايقال بين التكبير والقراءة (ح: ۷۷۱)/سنن النسائی، نوع آخر من الدعاء بين التكبير والقراءة (ح: ۸۹٦)

عن أبی رافع قال: وقع إلي كتاب فيه استفتاح رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا كبر قال: إني وجهت وجهي للذی فطر السماوات والأرض حنيفاً وما أنا من المشركين إن صلاتی ونسكی ومحياي ومماتی لله رب العالمين لا شريک له، وبذلک أمرت وأنا أول المسلمين، اللهم أنت الملک لا إله إلا أنت سبحانک وبحمدک أنت ربي وأنا عبدک لا شريک لک، ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جميعاً فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت لبيک وسعديک والخير فی يديک لا ملجأ ولا منجا منک إلا إليک استغفرلک وأتوب إليک، ثم يقرأ. (المعجم الكبير للطبرانی، عبدالرحمن بن الحارث بن هشام عن أبی رافع (ح: ۹۲۸)/معجم ابن الأعرابی، باب ی (ح: ٦٤١) انيس)

نماز کی نیت کا وقت:

سوال: مقتدی کب نیت کرے؟ اقامت سے پہلے، یا اقامت کے درمیان؟ یا اقامت کے بعد؟ جس جگہ پر نماز پڑھ رہا ہو کیا وہیں اقامت کہنا ضروری ہے، جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو کیا نماز کے لئے آتے ہوئے چلنے کی حالت میں بھی نیت کی جا سکتی ہے، اگر نیت کے بعد گفتگو کر لی ہو تو کیا دوبارہ نیت کرنی پڑے گی؟ (اختر پاشا، محبوب نگر)

الجواب

نیت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ وہ عبادت سے پہلے بھی ہو اور اس سے متصل بھی، نماز سے متصل ہونے کی فقہا نے دو صورتیں کی ہیں، ایک یہ کہ حقیقی طور پر متصل ہو، اور اس کی صورت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے نیت کرے، یہ صورت بہتر ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ حقیقتاً تو نیت عبادت سے متصل نہ ہو، لیکن حکماً متصل ہو، حکماً متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نیت اور نماز کے درمیان کسی ایسے کام میں نہ لگا ہو جو نماز سے گریز کو بتاتا ہو، چنانچہ وضو اور تیمّم کے وقت ہی نماز کی نیت کی ہو، پھر نماز پڑھنے گیا اور درمیان میں کسی ایسے کام میں مشغول نہیں ہوا تو اس کی نیت ابھی باقی ہے، اگر ایک جگہ نیت کر کے نماز کی جگہ جانے کے بعد بھی وہ نیت باقی رہتی ہے، تو چلتے ہوئے جو نیت کی جائے: ظاہر ہے وہ بدرجۂ اولیٰ کافی ہوگی، البتہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ نیت کا تعلق قلب سے ہے، نیت کے لئے ایسا قلبی استحضار ضروری ہے کہ اگر نماز شروع کرتے وقت اس سے پوچھا جائے کہ تم کونسی نماز پڑھ رہے ہو، تو وہ ادنیٰ غور و تامل کے بغیر بتا سکے کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں، یہ تمام تفصیلات علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اپنی مشہور کتاب ''**الأشباہ و النظائر**'' میں نیت کی بحث میں لکھی ہے۔(۱)

جہاں تک نیت کے بعد گفتگو کی بات ہے، تو اگر نیت کے بعد نماز کی طرف جاتے ہوئے یا نماز کا انتظار کرتے ہوئے کچھ گفتگو کر لی جائے، تو دوبارہ نیت ضروری نہیں، اور اگر نیت کے بعد طویل گفتگو یا مباحثہ میں لگ گیا ہو جو بظاہر نماز سے اعراض اور گریز کو ظاہر کرتا ہو، تو دوبارہ نیت کرنی ہوگی۔

(۱) دیکھئے: الأشباہ والنظائر مع حاشیۃ الرافعی: ص: ۲۱، ط: دھلی

الأصل عندنا أن المنوی أن یکون من العبادات أو لا، فإن کان عبادۃ فإن کان وقتها ظرفاً للمؤدی بمعنی أنه یسعه وغیرہ فلابد من التعیین کالصلاۃ کأن ینوی الظهر فإن قرنه بالیوم کظهر الیوم صح وإن خرج الوقت أو بالوقت ولم یکن خرج الوقت. فإن خرج ونسیه لا یجزیه فی الصحیح وفرض الوقت کظهر الوقت إلا فی الجمعة فإنها بدل لا أصل إلا أن یکون اعتقادہ أنها فرض الوقت فإن نوی الظهر لا غیر اختلف فیه. والأصح الجواز قالوا وعلامة التعیین للصلاۃ أن تکون بحیث لو سئل أی صلاۃ تصلی یمکنه أن یجیب بلاتأمل، الخ. (الأشباہ والنظائر، الثالث فی بیان تعیین المنوی وعدمه: ۲۵. انیس)

مقتدی کے لیے بہتر ہے کہ جس وقت امام نماز شروع کرے اس وقت اقتداء کی نیت کرے، تاہم امام کے نماز شروع کرنے سے پہلے اور نماز کے لئے کھڑے ہونے کے بعد بھی اقتداء کی نیت کرلے تو کافی ہے۔

”والأفضل أن ینوی الاقتداء عند افتتاح الإمام فإن نوی حین وقف عالمًا بأنه لم یشرع جاز“.(۱)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۶۳-۱۶۴)

تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کرنے سے نماز نہ ہوگی:

سوال: زید نے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ ناف پر باندھ لئے اور ہاتھ باندھ کر پھر زبان سے پوری نیت کرکے تعوذ و تسمیہ وفاتحہ وقراءت پڑھ کر نماز تمام کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو بھی لازم آئے گا یا نہیں؟ اور تکبیر اولیٰ باطل ہوگئی یا وہی کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ________ باسم ملهم الصّواب

تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے پہلے نیت ضروری ہے۔ اس لیے زید کی نماز نہیں ہوئی، اور اگر تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے قبل دل میں نماز کی نیت کرلی تھی، تو اگرچہ نیت قلبی کی وجہ سے نماز کی ابتدا صحیح ہوگئی، مگر بعد میں نیت کے الفاظ کہنے سے نماز فاسد ہوگئی۔

قال فی الدر المختار: (ولا عبرة بنیّة متأخرة عنها) علی المذهب.

وقال فی رد المحتار: لأنّ الجزء الخالی عن النیّة لایقع عبادة فلا ینبنی الباقی علیه، وفی الصّوم جوزت للضرورة، بهنسی. حتی لو نوی عند (۲) قوله الله قبل أکبر لایجوز؛ لأنّ الشروع یصحّ بقوله اللّٰهُ فکأنّه نویٰ بعد التکبیر. حلیة عن البدائع. (ردالمحتار: ۱/۳۸۷، باب شروط الصلاة، مطلب فی حضور القلب والخشوع)

قلت: هذا الفرع مبنی علیٰ غیر الظاهر من المذهب لما قرر الشارح والمحشی فی بیان تألیف الصّلاة: أنّ المذهب أنه لایصیر شارعًا باللّٰه فقط. ونص الشارح:

”ولا یصیر شارعًا بالمبتدأ فقط کاللّٰه ولا بأکبر فقط هو المختار، فلو قال اللّٰه مع الإمام وأکبر قبله أو أدرک الإمام راکعًا فقال اللّٰه قائمًا وأکبر راکعًا لم یصحّ فی الأصح“. (ردالمحتار: ۱/٤٤٨، فصل فی تالیف الصلاة) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۳/ ذی قعدہ ۱۳۸٦ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۱۳)

(۱) الأشباه والنظائر، السابع فی وقتها: ۳۷۔

(۲) لعله عقب، آه. منه

امام سے پہلے مقتدی نیت کر لے:

سوال: باجماعت نماز میں کیا مقتدی امام سے پہلے نیت کرسکتا ہے، یا امام کے تکبیر کہنے کے بعد ہی مقتدی کو نیت کر کے رکعت باندھنا چاہئے؟ (محمد خلیل الرحمان، مدینہ مسجد، محبوب نگر)

الجواب

نیت نماز شروع کرنے سے پہلے کا عمل ہے، اس لئے اگر مقتدی کی نیت امام سے پہلے ہو جائے تو کچھ حرج نہیں، جو افعال نماز میں کئے جاتے ہیں، ان میں مقتدی کا عمل امام سے پہلے نہ ہونا چاہئے ؛ جیسے امام کے تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی مقتدی نے تکبیر تحریمہ کہہ دیا تو یہ درست نہیں، نہ اقتدا صحیح ہوگی اور نہ مقتدی کی نماز، نیت چونکہ نماز سے باہر اور نماز سے پہلے کا فعل ہے، اس لئے نیت میں اگر مقتدی امام پر سبقت کر جائے تو کوئی قباحت نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے مقتدی امام سے پہلے وضو کرلے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر گھر سے چلتے ہوئے نماز میں شرکت کا ارادہ کرلیا تھا، تو یہی نیت ہوگی اور یہ نماز کے لئے کافی ہوگی۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۶۶)

امام رکوع میں ہو تو نیت:

سوال: کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا، اور امام صاحب باجماعت رکوع میں ہوں تو کیا ایسے شخص کو نیت کر کے جماعت میں شامل ہونا چاہئے، یا وقت کم ہونے کی وجہ سے نیت کرنا ضروری نہیں؟ (محمد عبدالعظیم صدیقی، ظہیر آباد)

الجواب

نماز کے لئے نیت کا پایا جانا شرط ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إنّما الأعمال بالنّيات". (۲)

البتہ نیت دل کا فعل ہے نہ کہ زبان کا، جب ایک شخص وضو کر کے مسجد میں آتا ہے، تو اسی ارادہ سے آتا ہے کہ اسے نماز ادا کرنی ہے، یہی نیت ہے، اس لئے اس صورت میں نیت پائی جاتی ہے؛ بشرطیکہ درمیان میں کسی غیر متعلق کام میں مشغول نہ ہوا ہو، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں، بلکہ اگر زبان سے نیت کرنے کی صورت میں اس رکعت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو چاہئے کہ زبان سے نیت کے کلمات کہے بغیر امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔

---

(۱) دیکھئے: ردالمحتار : ۲/۹۳۔

(۲) دیکھئے: صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱، باب كيف كان بدأ الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. محشی

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''النية إرادة الدخول في الصلاة والشرط أن يعلم بقلبه''. (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۱۶۲/۲-۱۶۳)

اگر نیت میں اطمینان نہ ہو:

سوال: ایک صاحب نماز میں نیت کرتے ہیں، لیکن ان کو اپنی نیت کے بارے میں اطمینان ہی نہیں ہوتا اور مستقل شک کی کیفیت رہتی ہے، ایسے شخص کے لئے نیت کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ (عبداللہ، سکندر آباد)

الجواب

ایسے شخص کو چاہئے کہ نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرلے، خواہ عربی میں ہو یا اردو میں، مثلاً: یوں کہہ لے ''میں دو رکعت فریضۂ فجر کی نیت کرتا ہوں'' یہ اس کے لئے کافی ہے۔

''...من عجز عن إحضار القلب في النية يكفيه، الخ''. (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۱۶۴/۲-۱۶۵)

☆☆☆

(۱) الفتاویٰ الهندية: ۶۵/۱، الفصل الرابع فی النية.

(۲) البحر الرائق: ۴۸۴/۱، مکتبه زکریا، دیوبند

استقبالِ قبلہ کے مسائل

غیر اللہ یعنی کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا جواز:

از غلام علی شاہ صاحب، حضرت سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سوال: قبر اور تصویر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے، تو شرع میں یہ حکم کس واسطے ہوا کہ کعبہ شریف کی دیوار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا چاہئے، اس واسطے کہ اس طور سے نماز پڑھنے میں بھی قبر کی طرف نماز پڑھنے کی مشابہت پائی جاتی ہے اور یہ مسلم ہے کہ حجر اسود کو انبیا علیہم السلام نے بوسہ دیا تو حجر اسود کی نسبت انبیا علیہم السلام کے ساتھ ہے اور مقام ابراہیم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسبت ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انوار رحلت کا اثر مقام ابراہیم میں ہو، اور کعبہ شریف کی دیوار کی طرف انبیا علیہم السلام اور ملائکہ علیہم السلام نے طواف کیا ہے اور اس وجہ سے وہ محل درود و برکات ہے، تو اس واسطے نماز میں اس کی طرف منہ کرنے کا حکم صادر ہوا۔ لیکن ہمارا خدشہ باقی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے سامنے سجدہ کرنا کس واسطے جائز ہوا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اصل حقیقت یہ ہے کہ کعبہ شریف قبلہ ہے، اس واسطے کہ بیت اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب ہے، اس امر کا لحاظ نہیں کہ کس نے بنایا اور یہ بھی لحاظ نہیں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نے اس کا طواف کیا اور اسی وجہ سے شرعاً یہ حکم ہے کہ اگر کعبہ شریف کی دیوار منہدم ہو جائے ۔ (نعوذ باللہ من ذلک) جیسا کہ حجاج کے وقت میں وقوع میں آیا، یا حجر اسود وہاں سے دور کر دیا جائے، جیسا کہ قرامطہ کے وقت میں آیا، یا مقام ابراہیم دور کر دیا جائے، تو کعبہ کی فضا کے بارے میں قبلہ کا حکم برقرار رہے گا۔ کعبہ شریف کا قبلہ ہونا اس کی اینٹ اور لکڑی اور پتھر پر موقوف نہیں ۔ (۱) تو معلوم ہوا کہ کعبہ شریف کی دیوار، مقام ابراہیم اور حجر اسود کی طرف جو نماز پڑھنے کا حکم ہے، تو اس میں کچھ یہ لحاظ نہیں کہ کسی نبی

---

(۱) وعندنا أن القبلة هى الكعبة والكعبة هى العرصة والهواء إلى عنان السماء ولا معتبر بالبناء لأنه ينقل. (العناية شرح الهداية، باب الصلاة فى الكعبة: ۱/۱۵۲)

البيت الحرام سميت كعبة لتربعها أو لنُتُوئِهَا ومنه الكاعب لمن ارتفع نهدها. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب الصلاة فى الكعبة: ۴۱۷) / وكذا فى المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير، مادة: ک ع ب: ۲/۵۳۴. انيس)

کا وہاں پر قدم پڑا، اور انبیا علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیاء کرام نے اس کا طواف کیا اور انبیا علیہم السلام نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ بلکہ صرف یہی لحاظ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کعبہ شریف کی نسبت ہے، تو اس واسطے کعبہ شریف اور مقام ابراہیم اور حجر اسود کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں شرک کا گمان نہیں ہوسکتا۔ بخلاف قبور انبیاء علیہم السلام اور قبور اولیاء کرام اور بخلاف بزرگوں کی تصویروں کے، صاف ظاہر ہے کہ ان چیزوں کی نسبت ان بزرگوں کے ساتھ ہے جن کی وہ قبر یا تصویر ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جو لوگ ان چیزوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بہتر جانتے ہیں، ان کا خیال یہی ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی نسبت بزرگوں کے ساتھ ہے، اس واسطے یہ چیزیں متبرک ہیں اور ان کے سامنے منہ کر کے نماز پڑھنا بہتر ہے، تو کعبہ شریف اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کی طرف منہ کر کے جو نماز پڑھی جاتی ہے اور قبور انبیاء کرام اور اولیاء کرام یا بزرگوں کی تصویروں کی طرف جو بعض لوگ منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے، وہ اب ظاہر ہوا۔ مقام ابراہیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کے سوا اور کسی دوسرے امر کا لحاظ نہیں اور کسی کو امام بنانا دوسری چیز ہے اور کسی کو سجدہ کرنا دوسری چیز ہے اور یہ بھی صرف مستحب ہے کہ مقام ابراہیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے؛ واجب نہیں۔ حتی کہ مسجد حرام میں کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے جس جگہ چاہے نماز پڑھ لے؛ نماز درست ہو جائے گی، جیسا کہ کعبہ شریف کے حق میں ثابت ہے کہ بیت اللہ ہے، (۱) اسی طرح حجر اسود کے حق میں بھی وارد ہے۔

"الحجر الأسود يمين الله فى الأرض". (۲)

(ترجمہ): یعنی حجر اسود گویا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے زمین میں۔

تو حجر اسود کو چومنا گویا بمنزلۂ خدا کی دست بوسی ہے، اس کی عظمت بھی اسی وجہ سے ہے کہ اس کی نسبت خدا کے ہاتھ سے ہے، تو کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ معلوم ہوئی۔ البتہ اس نسبت کی ثبوت کے لئے نص صریح متواتر چاہئے اور کعبہ شریف اور بیت المقدس کے بارے میں اس نسبت کے ثبوت کے لئے نص صریح متواتر ہے۔ لیکن کعبہ شریف اور بیت المقدس کے سوا اور کسی دوسری چیز کے بارے میں کوئی نص صریح متواتر نہیں؛ جس سے یہ نسبت ثابت ہو۔

---

(۱) (الكعبة): بيت الله عز وجل، يقال: سمى بذلك لتربعه و كل بيت مربع: كعبة. (شمس العلوم ودواء كلام العرب من الكلوم، الكعبة: ۵۸۵۱/۹. انيس)

(۲) ابن عباس يقول: الركن - يعنى الحجر - يمين الله فى الأرض يصافح بها خلقه مصافحة الرجل أخاه، يشهد لمن يستلمه بالبر والوفاء والذى نفس ابن عباس بيده ما حاذى به عبد مسلم يسأل الله تعالىٰ خيرًا إلا أعطاه إياه. (مصنف عبدالرزاق، باب الركن من الجنة، عن ابن عباس رضى الله عنهما قوله (ح: ۸۹۱۹)/أخبار مكة للأزرقى، ماجاء فى فضل الركن الأسود: ۳۲۳/۱. انيس)

اوراسی خیال سے بنی اسرائیل نے کہا:

﴿اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهاً كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾(۱)

(ترجمہ) یعنی اے موسیٰ! بنائیے ہمارے لئے معبود جیسا کہ ان کافروں کے لئے معبود ہیں۔

اوراب کوئی ایسی چیز جہاں میں نہیں؛ جس کی نسبت بلا واسطہ حضرت حق کے ساتھ ہو، سوا فضاء حجر معلق کے اور یہ منسوخ ہے اور سوا فضاء کعبہ شریف کے یہ برقرار ہے اور باقی جن چیزوں کی طرف سجدہ کرنا بعض اشخاص بہتر جانتے ہیں اور وہ چیزیں تصاویر اور معابد اسلاف کے قبیل سے ہیں تو ان چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی طرف ہے، بہر کیف دونوں صورتوں میں بہت فرق ہے، ذرا غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔

اورتفسیر فتح العزیز میں پارہ الم کے آخر میں یہ جو آیت ہے:

﴿وَعَهِدْنَا إِلٰى اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمٰعِيلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ﴾(سورۃ البقرۃ:۱۲۵)

اس آیت کی تفسیر میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔(۲)

اورشروع پارہ سیقول میں جو آیت ہے۔

﴿قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾(سورۃ البقرۃ:۱۴۲)

اس آیت کی تفسیر میں بھی تفسیر فتح العزیز میں یہ مسئلہ مذکور ہے، اس کو دیکھنا چاہئے، تاکہ اسرار عجیبہ ظاہر ہوں۔(۳)

اس قدر خیال کرنا یہ اشکال دفع کرنے کے لئے کافی اور شافی ہے کہ انبیا علیہم السلام نے کعبہ شریف کی طرف منہ

---

(۱) سورۃ الأعراف:۱۳۸۔ انیس

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے! جواہر عزیزی اردو ترجمہ تفسیر عزیزی، جزء اول: ۲۹۰-۳۲۰، مطبوعہ اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور۔ انیس

فمعنى الآية: وأمرنا إبراهيم وإسماعيل بتطهير بيتي للطائفين. "والتطهير" الذى أمرهما به فى البيت هو تطهيره من الأصنام وعبادة الأصنام فيه ومن الشرك بالله.(تفسير الطبرى، تفسير سورة البقرة:۱۲۵-:۳۸/۲. انيس)

(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے! جواہر عزیزی اردو ترجمہ تفسیر عزیزی، جزء دوم: ۴۳۵-۴۵۶، مطبوعہ اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور۔ انیس

ومن جهة أخرىٰ أن اليهود زعمت أن الأرض المقدسة أولىٰ بالتوجه إليها لأنها مواطن الأنبياء عليهم السلام وقد شرفها تعالىٰ وعظمها فلاوجه للتولى عنها فأبطل الله قولهم ذلك بأن المواطن من المشرق والمغرب لله تعالىٰ يخص منها مايشاء فى كل زمان على حسب مايعلم من المصلحة فيه للعباد إذ كانت المواطن بأنفسها لا تستحق التفضيل وإنما توصف بذلك على حسب ما يوجب الله تعالىٰ تعظيمها لتفضيل الأعمال فيها.(أحكام القرآن للجصاص، ت: قمحاوى، سورة البقرة: ١٠٦/١. انيس)

کر کے نماز پڑھی ہے اور حجر اسود کو بوسہ دیا ہے، تو ان کے نزدیک ان دونوں چیزوں کی عظمت کس درجہ سے ثابت تھی، اگر یہ وجہ تھی کہ نبی کو یہ خیال ہوا کہ ہمارے سابق نبی نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور حجر اسود کو بوسہ دیا تو یہ لازم آئے گا کہ انبیاء کرام میں تسلسل ہو اور کعبہ شریف قدیم ہو اور حادث نہ ہو اور اگر انبیاء کرام کو صرف یہ خیال ہوا کہ کعبہ شریف اور حجر اسود کی نسبت خدا کے ساتھ ہے، اس وجہ سے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حجر اسود کو چومنے کا حکم ہے، تو اب بھی وہی علت موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ کعبہ شریف اور حجر اسود کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، اس واسطے کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کا حکم ہے اور کوئی دوسری وجہ نہیں اور قبور انبیا علیہم السلام اور قبور اور تصاویر اولیاء کرام کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں، اس واسطے ان چیزوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا نہیں چاہئے۔(۱) والسلام مع الاکرام

(فتاویٰ عزیزی: ۴۷۷-۴۷۹)

بیت المقدس کو ''قبلۂ اول'' کہنے کی وجہ:

سوال: بیت المقدس کو قبلہ اول کیوں کہتے ہیں؟ جب کہ مکہ کی زندگی میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔(مدینہ میں صرف چند ماہ کے لئے بیت المقدس کو عارضی قبلہ بنایا گیا تھا) بعد میں پھر بیت اللہ شریف کی طرف منھ کر کے نماز پڑھی ہے اور قیامت تک یہ قبلہ رہے گا اور یہ بیت اللہ بیت المقدس سے بنا بھی پہلے اور اس میں نیکی (عبادت) کا ثواب ایک لاکھ ہے، دوسری جگہ کا کم ہے؟

الجواب ——————— وباللہ التوفیق

اس امت میں بھی شروع میں بیت المقدس ہی قبلہ تھا، مگر ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں بین الرکنین نماز پڑھنے سے بیت المقدس و بیت اللہ دونوں کی مواجہت حاصل ہو جاتی تھی، مگر بعد ہجرت، مدینہ منورہ جانے کے بعد یہ صورت ممکن

---

(۱) عن عثمان بن طلحة أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إنی نسیت أن آمرک أن تخمر القرنین فإنہ لیس ینبغی أن یکون فی البیت شیء یشغل المصلی. (سنن أبی داؤد، باب فی دخول الکعبة (ح: ۲۰۳۰)

وفی روایة: أنہ لا ینبغی أن یکون فی البیت شیء یلھی المصلین. (مسندالإمام أحمد، حدیث أم عثمان بنت سفیان وھی أم بنی شیبة (ح: ۱۶۶۳۶)

عن أنس بن مالک، کان قرام لعائشة سترت بہ جانب بیتھا فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أمیطی عنا قرامک ھذا فإنہ لا تزال تصاویرہ تعرض فی صلاتی. (الصحیح للبخاری، باب إن صلی فی ثوب مصلب، الخ (ح: ۳۷۴)

وقد یستدل بحدیث عائشة ھذا علی کراھة الصلاة إلی التصاویر المنصوبة فإن فی ذلک مشابھة للنصاریٰ وعباد الأصنام المصلین لھا ولایترک فی المسجد صورة فی بناء. (فتح الباری لابن رجب، باب إن صلی فی ثوب مصلب أو تصاویر ھل تفسد، الخ: ۴۲۹/۲. انیس)

نہ رہی اور پھر قبلہ اس امت کا بیت اللہ شریف سال ڈیڑھ سال بعد ہجرت مقرر ہوگیا، اس لئے بیت المقدس کو قبلہ اول کہنے لگے۔ ابن کثیر: ۱/۳۴۴(۱) وخازن نے اس مضمون کو احادیث کثیرہ اور آیت کریمہ:

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾ (الآیة)(۲) کے تحت بیان فرمایا ہے۔

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۵/۵ھ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔ ۱۳۸۸/۵/۶ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۵۲-۱۵۳) ☆

قبلہ کی طرف پیر پھیلانا:

سوال: کیا قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر لیٹنے میں بے ادبی ہے؟ گناہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

بے ادبی، مکروہ ہے۔ (۳) (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۲۶)

---

(۱) والمقصود أن التوجه إلى بيت المقدس بعد مقدمه صلى الله عليه وسلم المدينة واستمر الأمر على ذلك بضعة عشر شهراً وكان يكثر الدعاء والابتهال أن يوجه إلى الكعبة التي هي قبلة إبراهيم عليه السلام فأجيب إلى ذلك وأمر بالتوجه إلى البيت العتيق فخطب رسول الله عليه وسلم الناس فاعلمهم بذلك وكان أول صلاة صلاها إليها صلاة العصر. (تفسير ابن كثير من سورة البقرة: ۱٤۲-۱/۳۲۵، دار الكتب العلمية/تفسير الخازن لباب التأويل في معاني التنزيل من سورة البقرة: ۱/۸٦. انيس)

☆ **ہجرت سے پہلے بھی قبلہ ''بیت اللہ شریف'' تھا:**

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں مسجد حرام قبلہ رہا یا مسجد اقصیٰ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ہجرت سے قبل مکہ کی زندگی میں بھی قبلہ بیت اللہ شریف ہی تھا، بعد ہجرت کے صرف تقریباً سال ڈیڑھ سال کے لئے بیت المقدس ہوگیا تھا، پھر حسب سابق بیت اللہ شریف ہوگیا اور قیامت تک رہے گا۔ جو لوگ مکہ میں ہجرت سے قبل مسلمان ہوگئے تھے، وہ لوگ بیت اللہ شریف ہی کی جانب رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۵۴)

(۲) سورة البقرة: ۱٤۲. انيس

(۳) (ويكره) تحريمًا (استقبال القبلة بالفرج)... كما كره (مد رجليه في نوم أو غيره إليها) أي عمدًا؛ لأنه إساءة أدب الخ''. (الدر المختار)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ''(قوله أي عمدًا): أي من غير عذرٍ، أما بالعذر أو السهو فلا، ط. ==

استقبال قبلہ شرط ہے، استقبال قبلہ کی نیت شرط نہیں:

(نیت استقبال قبلہ کی مختلف صورتوں کا تفصیلی جائزہ اوران کا حکم)

سوال: زید استقبال خانہ کعبہ کی نیت سے نماز شروع کرتا ہے، کیا اس کی نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے تذبذب میں ڈال دیا ہے، کیونکہ ان کی مندرجہ ذیل عبارت (۱/۳۳۲) سے راجح وصحیح، جواز معلوم ہوتا ہے۔

"أما على القول الراجح من أنه لايشترط نيتها فلايضره نية غيرها بعد وجود الاستقبال الذى هوالشرط الخ فما ذكره الشارح تبعًا للبحرو الحلية صحيح". (۱)

اوراس کے بعد دوسری عبارت جو شرح منیہ سے نقل فرمائی ہے کہ!

" أن نية القبلة وإن لم تشترط،لكن عدم نية الإعراض عنها شرط آه.وعليه فهومفرع على الراجح". (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ راجح قول عدم جواز کا ہے۔

لہذا براہ کرم محقق مفتی یہ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب

بیشتر فقہا نے مسئلہ یہی لکھا ہے اوراسی کو ترجیح دی ہے کہ نماز میں استقبال قبلہ شرط ہے، لیکن استقبال قبلہ کی نیت ضروری نہیں، بغیر نیت استقبال ہوجائے گا، تب بھی نماز درست ہوگی۔ خود شارح منیہ نے بھی یہ مسئلہ ذکر کرکے اس کو صحیح قرار دیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

وقال صاحب الهداية فى التجنيس:نية الكعبة ليست بشرط فى الصحيح من الجواب؛لأن استقبال القبلة شرط فلا يشترط فيه النية كالوضوء انتهٰى،وهذا لأن الشروط يراعى وجودها تبعًا لا وجودها قصدًا؛لأنها وسائل ليست بمقصودة بالذات. (الكبيرى شرح المنية)(۳)

البتہ آگے چل کرانہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر چہ استقبال قبلہ کی نیت شرط نہیں، لیکن **"عدم نية الإعراض عن القبلة"** شرط ہے، لہذا اگر کوئی شخص اعراض عن القبلہ کی نیت کرے گا، تواس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ علامہ شامی نے

== (قوله لأنه إساء ة أدب)أفاد أن الكراهة تنزيهية ط،لكن قدمنا عن الرحمتى فى با ب الاستنجاء أنه سيأتى أنه بمد الرجل إليها ترد شهاد ته.قال:وهذا يقتضى التحريم، فليحرر.(الدرالمختارمع رد المحتار،كتاب الصلاة،باب مكروهات الصلاة،مطلب فى أحكا م المساجد: ۱/۶۵۵،رشيدية)

(۱-۲) رد المحتار: ۱/۴۲۵،طبع سعيد،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،قبيل مطلب إذا اجتمعت الإشارة والتسمية

(۳) غنية المستملى: ۲۱۸،طبع سهيل اكيڈمى لاهور

ان کا یہ قول محتمل طریقہ سے نقل فرمایا ہے، اس لئے تردد ہوتا ہے، لیکن علامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ کی عبارتیں دیکھنے کے بعد ان کے قول کا جو منشا سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ مسئلہ کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) استقبال قبلہ بھی ہو اور اس کی نیت بھی ہو، یہ بالاتفاق صحیح اور درست ہے۔

(۲) استقبال قبلہ ہو اور نیت کچھ نہ ہو، اس صورت میں راجح قول کی بنا پر نماز درست ہے۔ **كما مر قول شارح المنية عن صاحب الهداية وهو الذى اختاره فى تنوير الأبصار و الدر المختار.**

(۳) استقبال قبلہ ہو اور نیت غیر قبلہ کی ہو، اس معنی میں کہ وہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کی بجائے اور چیز کو قبلہ سمجھ کر اس کا رخ کرنا چاہتا ہو، یہ وہ صورت ہے جس میں شارح منیہ نے نماز کو فاسد کہا ہے۔

"كمن توجه إلى الركن اليمانى ناوياً الصلاة إلٰى بيت المقدس فإن نية القبلة وإن لم يشترط إلا أن عدم نية الإعراض عنها شرط". (الكبيرى: ۲۲۲، طبع سهيل اكيڈمى لاهور) اس پر قیاس کر کے انہوں نے یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے کہ!

"وإن نوى المصلى يعنى وقت الشروع أن قبلته محراب مسجده لا تجوز صلاته لأنه علامة علٰى جهة القبلة". (الحوالة السابقة)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ فساد صلوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ محراب کی طرف اس خیال سے رخ کرے کہ قبلہ یہی ہے۔ اس پر علامہ شامی نے اس صورت کو بھی قیاس فرمایا ہے کہ کوئی شخص بناء کعبہ کی نیت کرے، تو اس کا بھی حکم یہی ہوگا، لیکن مقیس علیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ اس وقت ہے جب وہ عرصۂ کعبہ سے صراحتاً اعراض کرنے کی نیت کرے اور محض بناء و جدران کو قبلہ سمجھے، جس کی علامت یہ ہے کہ اس کا خیال یہ ہو کہ اگر یہ پتھر اس مقام سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیئے جائیں تو وہی قبلہ ہوں گے اور انہی کا استقبال کیا جائے گا، تب اس کی نماز فاسد ہوگی، لیکن ظاہر ہے، ایسا خیال کرنا بہت بعید ہے۔

(۴) چوتھی صورت اس سے خود بخود نکل آئی اور وہ یہ کہ کوئی شخص کسی مسامت قبلہ چیز کے استقبال کی نیت کرے، نہ اس وجہ سے کہ وہ قبلہ ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ جہت قبلہ کی علامت ہے، تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی مثلاً محراب کے استقبال کی نیت کرے، لیکن مقصد یہ نہ ہو کہ محراب قبلہ ہے، بلکہ یہ ہو کہ قبلہ کی علامت ہے۔ تو درحقیقت یہ استقبال محراب کی نیت نہیں ہوگی، بلکہ اس کو استقبال قبلہ کی نیت ہی کہا جائے گا، اس لئے نماز جائز ہوگی۔

كما يفيده قول المنية: "إن نوى المصلى أن قبلته محراب مسجده الخ وقوله لأنه علامة علٰى جهة القبلة الخ". (غنية المستملى: ۲۲۳، طبع سهيل اكيڈيمى لاهور)

اسی طرح اگر کوئی شخص بناء کعبہ کی نیت کرے، لیکن اس لئے نہیں کہ وہ قبلہ ہے، بلکہ اس لئے کہ قبلہ کی علامت ہے، تو بلاشبہ اس کی نماز درست ہوگی۔ اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ اگر کوئی شخص نماز میں کعبہ کا رخ کرنے کی نیت کرے، تو اس کی نماز درست ہوگی؛ کیوں کہ اس نیت کا مفہوم عرفاً یہی ہے کہ مقصود استقبال قبلہ وکعبہ ہے اور خانہ کعبہ کو عرف میں لفظ کعبہ ہی کے لئے بولتے ہیں، نیز اگر اس سے بناء کعبہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر بناء کے پتھر وہاں سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیئے جائیں؛ تو یہ مصلی ان کا استقبال نہیں کرے گا؛ لہذا اس کی نماز درست ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ان پتھروں کو قبلہ سمجھے اور ان کے اپنی جگہ سے ازالہ کے بعد انہی کی طرف رخ کرنے کا قائل ہو تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔

وهذا مما لا يتصور في مسلم. والله سبحانه وتعالىٰ أعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۲۸/۲/۱۳۹۱ھ۔ والجواب صحیح: محمد عاشق الٰہی۔ (فتویٰ نمبر ۳۲۹-۲۲، الف) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۴۱۰-۴۱۲)

بحث سمت قبلہ:

سوال (۱) خورجہ(۱) سے کعبہ کی عین سمت کیا ہے، آیا علم ہیئت اور علم ہندسہ شریعت میں قابل لحاظ ہے؟

(۲) کیا قطب کو بجانب یمین دیکھتے ہوئے قبلہ خورجہ سے عین مغرب کے سامنے ہے؟

(۳) کیا ذریعہ قطب مندرجہ بالا ایک عام اور کلی اصول ہندوستان کیلئے ہے؟

(۴) خورجہ میں اگر اکثر مساجد مندرجہ بالا طریقہ پر یا کسی اور غلط طریقہ پر تعمیر ہوئی ہیں تو کیا دیگر جدید مساجد اس غلط طریقہ پر آئندہ بھی بنائی جائیں؟ اطلاعاً عرض خدمت ہے کہ چند مساجد مندرجہ ذیل طریقہ پر یعنی علم ہیئت اور علم ہندسہ کے مطابق بنی ہوئی ہیں۔ خورجہ علم ہیئت کے مطابق ۲۸/درجہ شمال عرض البلد پر واقع ہے اور مکہ معظمہ ۲۱/درجہ ۴۰/لمحہ عرض البلد پر واقع ہے۔ لہٰذا اس طریقہ پر تقریباً ۷/درجہ کا فرق ہے اور بریں اصول ۷/درجہ بجانب مغرب وجنوب نماز پڑھنی چاہئے، جیسا کہ چند علماء کرام نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔

(۵) ہمیں عین قبلہ معلوم کرنا ضروری ہے یا محض جہت قبلہ کافی ہے؟

الجواب

(۱-۵) سمت قبلہ اور جہت قبلہ میں شرعاً بہت وسعت ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ عین کعبہ کی طرف استقبال ہو؛ بلکہ جہت قبلہ کافی ہے اور اس میں بھی تھوڑے سے انحراف سے یعنی کسی قدر دائیں بائیں ہوجانے سے استقبال کعبہ میں خلل نہیں آتا۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

(۱) ہندوستان کے صوبہ یوپی میں واقع شہر کا نام ہے۔ انیس

’’(ولغيره)أى غير معاينها(إصابة جهتها)بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أو لهوائها،الخ‘‘.(١)

اورشامی میں قہستانی سے منقول ہے:

’’ولا بأس بالانحراف انحرافًا لاتزول به المقابلة بالكلية،بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة،آه...(إلىٰ أن قال)...وسيأتى فى المتن فى مفسدات الصلات:أنها تفسد بتحويل صدره عن القبلة بغيرعذر،فعلم أن الانحراف اليسيرلايضر،وهوالذى يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أو لهوائها،بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمرعلى الكعبة أوهوائها مستقيمًا،ولا يلزم أن يكون الخط الخارج على استقامةٍ خارجًا من جبهة المصلى بل منها أومن جوانبها،الخ.(٢)

الحاصل جبکہ یہ امر محقق ہوا کہ انحراف یسیر سے استقبال کعبہ میں فرق نہیں آتا،تو اس سے واضح ہے کہ قطب شمالی کو جانب شمال رکھ کر نماز پڑھنے میں استقبال کعبہ حاصل ہوجاتا ہے۔اور مساجد جو اس طریق سے بنی ہوئی ہیں وہ صحیح رُخ پر ہیں،اس میں زیادہ کنج وکاوٗ کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ آلات سمت قبلہ کے دریافت کرنے کے لئے مہیا ومیسر نہیں ہیں۔اور پھر وہ بھی ظنی ہیں اور عام لوگوں کو اس کی تکلیف دینا دشوار ہے اور مساجد قدیمہ خود اس بارہ میں حجۃ صحیحہ ہیں اور تغیر کرنا ان میں تھوڑے سے انحراف مظنون کی وجہ سے مناسب نہیں ہے اور قطب شمالی کو حجت سمجھنا اس بارہ میں اکابر علما کا دلیل واضح اس کے صحت کی ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١٤٥-١٤٦)

مسئلہ سمتِ قبلہ:

سوال: سوال یہ ہے کہ کلکتہ، پٹنہ، گیا اور الٰہ آباد سے مکہ معظّمہ پچھّم دکن کی طرف ہے،اس لئے خیال ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے میں قبلہ کی طرف رُخ کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ ذرا سا دکن مُڑتے ہوئے پچھّم کے رُخ کھڑے ہوں،مگر ایک عالم صاحب ہیئت دان یہ فرماتے ہیں کہ ان شہروں میں پچھّم سے ذرا اُتر کی طرف مڑتے ہوئے کھڑے ہونے سے مصلّی قبلہ رُخ ہوگا،یہ فرمانا اُن کا صحیح ہے یا نہیں؟

اور نماز میں ان مذکورہ جگہوں میں کس طرف کھڑا ہونا چاہئے،یا ٹھیک پچھّم کی طرف؟ بینوا توجروا۔

(١)　الدرالمختار علىٰ صدررد المحتار،باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة: ١/ ٣٩٧،ظفير

(٢)　رد المحتار،باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة: ١/ ٣٩٩،ظفير

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

فی الدر: وهو فی القریٰ والأمصار محاريب الصحابة والتابعين. (الدر المختار)

وقال الشامی تحته: فلا يجوز التحری معها. زيلعی. بل علينا اتباعهم. خانية. ولا يعتمد علیٰ قول الفلكی العالم البصير الثقة إن فيها انحرافًا خلافا للشافعية فی جميع ذلک كما بسطه فی الفتاوى الخيرية، الخ.

وقال الشامی أيضًا بعده قليلاً: والظاهر أن الخلاف فی عدم اعتبارها (أی النجوم) إنما هو عند وجود المحاريب القديمة، إذ لا يجوز التحری معها كما قدمناه؛ لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح وجماهير المسلمين، بخلاف ما إذا كان فی المفازة، الخ. (٤٤٧/١)(١)

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور مسلمین نے جس سمت پر مساجد بنائی ہیں، ان کو غلط نہ کہنا چاہئے، پس تدقیقات مذکورہ فی السوال سے احتراز لازم ہے، اور اگر کوئی شخص اپنے قواعد کو صحیح گمان کر کے تھوڑا بہت تفاوت مساجد عامہ میں ثابت بھی کردے، تو اس سے سمت کا غلط ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ قول در: **(ولغيره) أی لغير معاينها (إصابة جهتها)** کے تحت شامی کے ملاحظہ کرنے سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے اور دور والوں کو سوائے جہت کے اور کیا معلوم ہوسکتا ہے، عین کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے واسطے ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ۔ ۷/رجب ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۹۹-۱۰۰)

سمت قبلہ کی بحث:

(۱) کیا ایک مسافر مہمان یا سیاح کے لئے جائز ہے کہ بلا دعوت کسی تعمیر شدہ مسجد یا کسی مسلمان کے گھر میں قطب نما (قبلہ نما) کو حجت بنا کر قبلہ کی سمت کی تصحیح کرے۔

(۲) کسی مقام اور کعبے کے درمیان جس رخ سے فاصلہ قریب ترین ہو اسی سمت قبلہ ہوگا عام طور سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے مگر آج جو آدمی ایک مقام پر مسجد تعمیر کر رہے ہیں اور اصول پر یعنی قریب ترین فاصلے کی طرف قبلہ مقرر کر کے محراب بنادیں، اگر آج سے بیس سال بعد کچھ نئے آلات سے یہ دریافت کیا جائے کہ ایک اور سمت سے جو کہ پہلے سے برعکس تو نہیں، لیکن اگر پہلی مغرب تھی تو یہ مشرق نہیں بلکہ مغربی جنوب ہے مسجد کا کعبہ سے فاصلہ قریب ترین ہے کیا، اس صورت میں سابقہ محراب اور رخ قائم رکھا جائے یا تبدیل کردیا جائے؟

(ابراہیم ہمدانی۔ کیلی فورنیا۔ یو، ایس، اے)

---

(۱) ردالمحتار، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة، انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) ایسی صورت میں اس کو خود وہاں کے ذمہ داروں سے مشورہ کئے بغیر کوئی تغیر وتبدیلی کر ڈالنا درست نہیں، بلکہ اس شخص پر لازم ہے کہ پہلے یہ دیکھ لے کہ مسجد کا انحراف کتنا ہے، صرف اتنا انحراف ہو جس سے مواجہۃ فی الجملہ بھی حاصل ہو جاتی ہے جب تو سکوت کرے۔ ہاں اگر اتنا زیادہ انحراف ہے جس سے مواجہت مسجد حرام فی الجملہ بھی حاصل نہیں ہے، تو اس مسجد کے ذمہ داروں اور سمجھ دار مصلیوں سے ذکر کرے، پھر ان کے مشورے سے وہاں کے معتمد علما سے فتویٰ لے کر اس کے مطابق جس تبدل وتغیر کی ضرورت ہو اتفاق واتحاد سے کرے، خود رائی ہرگز نہ کرے، اسی طرح اگر کسی مسلمان نے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ متعین کر رکھی ہے اور اس کا قبلہ منحرف پائے، تو اس میں بھی یہی مذکورہ بالا تفصیل ہے، صرف فرق اتنا ہے کہ اس صورت میں عام نمازیوں سے یا عام مسلمانوں سے مشورہ کی حاجت نہیں، بلکہ اس گھر کے ذمہ داروں سے مشورہ لے کر استفتا کرے، پھر اس فتویٰ کے مطابق اتحاد واتفاق کے ساتھ جو کرنا ہو کرے، ہاں مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ خود اپنی نماز پڑھنی ہو اور وہاں کوئی صحیح قبلہ رخ بتانے والا نظر نہ آئے تو فقط اپنی تحری اور اس تحری کی قطب نما وغیرہ کے مطابقت کے بعد نماز پڑھ لینا کافی اور جائز ہوگا۔(۱)

مواجہت فی الجملہ کا مفہوم۔ جواب:۲، کا ضمنی نمبر ''ب'' کے اندر آگے آرہا ہے۔

(۲) جناب نے جو کچھ لکھا اور سمجھا ہے، تقریباً صحیح سمجھا اور لکھا ہے جواب نمبر ا کے اندر درج کی ہوئی تفصیل و قیود وشرائط کے مطابق اتحاد واتفاق کے ساتھ تبدل وتغیر کر دیا جائے گا، اس کی نظیر مسجد ذو قبلتین موجود ہے، البتہ خود رائی وغیرہ کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہ ہوگا۔(۲)

---

(۱) ''وإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها اجتهد وصلى كذا في الهداية''. (الفتاویٰ الهندية: ٦٤/١، الفصل الثالث في استقبال القبلة)

(۲) اس لئے کہ جہت کعبہ کی طرف رخ کرنا نماز کے لئے شرط ہے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾. (سورةالبقرة: ١٥٠)

نیز تحویل قبلہ سے متعلق حدیث کے اخیر میں ہے:

''فصلى رجل معه العصر ثم مر علىٰ قوم من الأنصار وهم ركوع في صلاة العصر نحو بيت المقدس، فقال: هو يشهد أنه صلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنه قد وجه إلى الكعبة، قال فانحرفوا وهم ركوع''. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في ابتداء القبلة، رقم الحديث: ٣٤٠، مرتب) عن عن البراء بن عازب/شرح السنة للبغوي، با تحويل القبلة من بيت المقدس إلى الكعبة (ح: ٤٤٤)/انيس)

تمام حوالجات کے ساتھ مدلل ومکمل جواب تفصیل سے لکھنے کے لئے ایک رسالہ درکار ہے، اوراس کی گنجائش ان اوراق استفتا میں نہیں ہے، اس لئے مختصر مگراس انداز سے لکھ دیا جاتا ہے کہ آسانی سے پوری بات سمجھ میں آجائے۔اس کے لئے پہلے چند باتوں کا بطور تمہید ذکر کردینا ضروری ہے۔

(الف) مسئلہ شرعی یہ ہے کہ جب تک کعبۃ اللہ شاہد اورنگاہوں کے سامنے ہو، تو عین کعبہ کا استقبال ضروری ہوتا ہے اور جب عین کعبہ مشاہد نہ ہو، لیکن مسجد حرام مشاہد ہو، تو مسجد حرام کا استقبال ضروری ہوتا ہے، (۱) اور جب مسجد الحرام بھی مشاہد اورنگاہوں کے سامنے نہ ہو، تو مسجد حرام کی سمت کا رخ کرنا اور مواجہت کرلینا اور وہ بھی مواجہت فی الجملہ کرلینا کافی ہوجاتا ہے، حتی کہ اگر صحیح سمت کا پتہ کسی وجہ سے نہ چلے اور نہ کوئی صحیح بتانے والا ملے تو ستاروں وغیرہ سے اندازہ لگا کر اور تحری کرکے یا آلات وغیرہ سے مدد لے کر اور تحری کرکے، جس رخ وسمت پر دل قرار پائے، اس رخ پر تحریمہ باندھ کر نماز پڑھ لے، کیونکہ ان سب صورتوں پر مواجہت فی الجملہ حاصل ہوجاتی ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (۲) جو اصلی حکم ہے؛ اس پر عمل ہوجاتا ہے اور یہ سب احکام تقریباً مذہب کی تمام ہی کتابوں میں درج ہیں جو معتبر ہیں۔ (۳)

(ب) کعبہ شریف کی لمبائی چوڑائی صرف ۲۲x۲۸ کے لگ بھگ ہے اور مسجد قباء ومسجد نبوی کی لمبائی چوڑائی یقیناً اس سے (۲۲x۲۸) سے زیادہ ہے۔ نیز مسجد نبوی کے دائیں بائیں مدینہ طیبہ کی دیگر مساجد جو دور رسالت میں تعمیر ہوئیں۔ان سب میں بھی تمام مقتدی ایک ہی خط پر صف بستہ کھڑے ہوتے تھے ظاہر ہے کہ ان میں صرف بعض ہی مقتدی سے اس خط پر عین کعبہ کی مواجہت کا امکان ہے اور باقی تمام مقتدیوں میں عین کعبہ کی مواجہت متصور نہیں ہوسکتی، اس کے باوجود سب کے حق میں مواجہت کعبہ تسلیم کی گئی یہ عمل مواجہت قبلہ فی الجملہ کافی ہونے پر کھلی دلیل ہے۔

(ج) پھر دور صحابہ وتابعین میں بہت دور دراز مقامات تک صحابہ وتابعین پہنچے، مثلاً فارس وروم بلکہ افریقہ کے بڑے بڑے جنگلات کے آگے پہنچ گئے اور تقریباً ہر جگہ مسجدیں بنائیں اور بربر کے علاقہ کی صرف ایک مسجد کے سوا

---

(۱) وفي التجنيس: من كان بمعاينة الكعبة فالشرط إصابة عينها، ومن لم يكن بمعاينتها فالشرط إصابة جهتها وهو المختار. (البحر الرائق: ۴۹۵/۱)

(۲) سورة البقرة: ۱۱۵۔

(۳) من كان خارجًا عن مكة فقبلته جهة الكعبة وهو قول عامة المشائخ هو الصحيح هكذا في التبيين، وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل في الأمصار والقرى المحاريب التي نصبها الصحابة والتابعون، فعلينا اتباعهم فإن لم تكن فالسؤال من أهل ذلك الموضع، وأما في البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم، هكذا في فتاوىٰ قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۶۳/۱)

جس کی جہت کعبہ غیبی آواز پر عین کعبہ کے رخ پر بنائی باقی سب مسجدیں یا تو اپنے سامنے والی آبادی کی مسجدیں جس رخ وسمت پر بنی تھیں اسی رخ وسمت پر بنائیں یا پھر جہاں بڑے بڑے ریگستان یا غیر آباد جنگلات یا سمندر و پہاڑ حائل ہوئے وہاں محض ستاروں کے انداز پر تخمینہ وتحری کر کے یا اس دور کے آلات وحسابات کے اصول پر سمت قبلہ متعین کر کے بنائیں، بلکہ ایک مسجد جس خط پر بنائی اس کے دائیں بائیں سوسو پچاس پچاس میل کے فاصلے پر بھی اسی خط پر سمت قبلہ تسلیم کر کے اور مسجدیں بھی بنائیں یہ بھی کھلی دلیل ہے کہ صرف مواجہت قبلہ فی الجملہ شرعاً مطلوب ہے۔

(د) مواجہۃ فی الجملہ کا مفہوم۔ لفظ مواجہ وجہ (چہرہ) سے ماخوذ ہے، پیشانی کے اوپر آگے بال کی جڑ سے تھوڑی کے نیچے تک کا اور دونوں کانوں کے قریب تک کا حصہ ہے یہ حصہ دائرہ نما ہوتا ہے جس میں بیچ میں ابھار اور ہر طرف ڈھلاؤ اور نیچا ہوتا ہے اور اس کی صورت مثلا یہ ہوگی اگر اس طرح کھڑا ہوا جائے کہ اس دائرۂ وجہ کے کسی بھی حصہ سے اگر کوئی خط مستقیم آگے کو نکلے اور وہ سیدھا مسجد حرام کے کسی بھی حصہ تک یا بیت اللہ کے اوپر جو عرش معلیٰ تک ہے اس کے کسی حصہ تک پہنچ جائے تو مواجہت فی الجملہ حاصل ہوجائے گی اور ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (۱) کا مفہوم صادق آکر نماز کی ادائیگی صحیح ہوجائے گی اور یہی مواجہۃ فی الجملہ شرعاً مطلوب ہے اور یہی مواجہۃ فی الجملۃ جس مسجد میں حاصل ہوجائے گی؛ اس مسجد کا قبلہ صحیح متصور ہوگا اور اس کا بدلنا اور متغیر کرنا ضروری نہیں ہوگا۔(۲)

(ھ) زمین مع پانی کے کروی ہے اور اس میں ایک جگہ کعبہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کا قبلہ ومرکز قرار دیا ہے اور قبلہ سے مراد کعبہ کی یہ عمارت نہیں ہے بلکہ وہ حصہ ہے جس پر یہ عمارت ہے وہ حصہ اور اس کے مقابل جتنا حصہ تحت الثری تک ہے وہ اور پھر اس کے مقابل جتنی فضا عرشِ معلیٰ تک ہے، وہ سب قبلہ گاہ عالم اور تجلی باری تعالیٰ کا خصوصی مورد ہے، اسی کی طرف سارے عالم کا رخ پھیر دیا ہے اور یہ عمارت اس پر نشانی وعلامت ہے اور اس کے ساتھ ملصق ہے اس لئے یہ بھی محترم اور واجب الاحترام ہے اور کعبہ کو کعبہ اس لئے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اسی حصہ زمین کو پانی کے اوپر ظاہر کیا اور ابھارا، پھر اس کے بعد اللہ نے اپنی قدرت وحکمت سے جتنا چاہا پھیلایا اور بڑھایا، پھر اسی طرح جہاں جہاں اور جتنا حصہ زمین کا چاہا پانی کے اوپر ابھارا اور پھیلایا۔

”کما أشار إلیه قوله تعالیٰ: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا﴾(۳)

(۱) سورۃ البقرۃ: ۱۴۹۔

(۲) لأن وجه الإنسان مقوس، فمهما تأخر یمیناً أو یساراً عن عین الکعبة یبقی شيء من جوانب وجهه مقابلا لها. (تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار علی الدر المختار: ۱۰۹/۲-۱۱۰۔ کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ، مبحث فی استقبال القبلة. انیس)

==

(۳) سورۃ آل عمران: ۹۶۔

غرض اللہ نے اسی حصہ کو تمام عالم کا قبلہ قرار دیکر تمام جنات وانسان کو اسی کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا آیت کریمہ:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾(١) میں دیا ہے اور﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ﴾اور﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ میں مواجہت فی الجملہ مراد لیا ہے۔(٢) جیسا کہ احادیث صحاح سے بھی معلوم ہوتا ہے اور تعامل صحابہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ اور مزید وضاحت ذیل کے نقشے سے ہوگی۔

(و)　زمین کے کروی ہونے کی وجہ سے کعبہ شریف سے خط مستقیم پورب جانب کو سطح ارض وسمندر پر چلے گا؛ وہ جتنا پورب بڑھتا جائے گا کروی ہوتا جائے گا، اسی طرح کعبہ شریف سے جو خط مستقیم سطح ارض وسمندر پر پچھّم جانب کو چلے گا؛ وہ بھی کروی ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ یہ دونوں خط (خط غربی وشرقی) نصف دائرہ کے ایک نقطہ پر آپس میں مل کر ایک مکمل دائرہ بنا دیں گے۔

اسی طرح کعبہ شریف سے جو خط مستقیم اتر کی جانب سطح ارض وسمندر پر چلے گا، وہ بھی کروی ہوتا جائے گا اور جو خط مستقیم کعبہ شریف سے دکھن کی جانب سطح ارض وسمندر پر چلے گا وہ بھی کروی ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ یہ دونوں (جنوبی وشمالی) بھی نصف دائرہ کے ایک نقطہ پر آپس میں مل کر دائرہ بنا دیں گے اور یہ نقطہ بعینہ وہی نقطہ ہوگا جو خط غربی وشرقی کو آپس میں ملا کر ایک مکمل دائرہ بنا چکا ہے، پس اس نقطہ پر چاروں سمت (پچھّم، پورب، اتر، دکھن) سے کعبہ شریف کا فاصلہ برابر ہوگا اور اس نقطہ پر جو شخص اس پر نماز پڑھ سکتا ہو، تو وہ جس طرف چاہے رخ کر کے نماز پڑھ لے مواجہۃ فی الجملہ حاصل ہو کر اس کی نماز صحیح ادا ہو جائے گی۔

البتہ اس جگہ سے ذرا ہٹ جانے پر یہ حکم نہ رہے گا۔ مثلاً اس جگہ سے اگر خط غربی کی طرف ہٹے گا، تو اس کو پورب

==　وبكة لغة فى مكة عند الأكثرين،...وقيل بكة موضع المسجد ومكة البلد بأسرها وأصلها من البك بمعنى الزحم...وذهب أكثر أهل الأخبار أن الأرض دحيت من تحته. (تفسير روح المعاني: ٨/٣-٩)

(١)　سورة البقرة: ١٥٠۔

نیز "وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ" کی تفسیر میں مذکور ہے:

أى لكل قوم من المسلمين جهة وجانب من الكعبة يصلى إليها جنوبية أو شمالية أو شرقية أو غربية. (تفسير روح المعاني، تفسير الجزء الثاني: ٢١)

(٢)　أى ليس المراد بالقبلة الكعبة التى هى البناء المرتفع على الأرض، ولذا لو نقل البناء إلى موضع آخر وصلى إليه لم يجز، بل تجب الصلاة إلى أرضها، كما فى الفتاوى الصوفية عن الجامع الصغير. (رد المحتار على الدر المختار: ١١٤/٢، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة، قبيل مطلب كرامات الأولياء ثابتة)

رخ نماز پڑھنا لازم ہو جائے گا،اب اگر وہاں کوئی مسجد کسی وجہ سے پچھّم رخ پر بنی ہوگی،تو اس کا قبلہ بدل کر پورب رخ بنا لینا لازم ہو جائے گا؛ کیوں کہ پچھّم رخ میں مواجہت فی الجملہ بھی حاصل نہ ہوگی اور دیدہ و دانستہ پچھّم ہی رخ نماز پڑھے گا،تو نماز نہ ہوگی اسی طرح اس جگہ سے اگر خط شرقی کی طرف ہٹے گا تو اس کو پچھّم رخ پر نماز پڑھنا لازم ہوگا،اب اگر وہاں کوئی مسجد کسی وجہ سے پورب رخ بنی ہوئی ہو تو اس کا قبلہ بدلکر پچھّم رخ کر لینا ضروری ہوگا کیونکہ پورب رخ میں مواجہۃ فی الجملہ بھی حاصل نہ ہوگی اور نماز نہ ہوگی۔(۱)

اسی طرح اس نصف دائرہ کے مرکزی نقطہ سے اگر اتر ہٹے گا؛ تو اس کو دکھن رخ قبلہ بنانا واجب ہوگا اور اگر دکھن سے ہٹے گا؛ تو اتر رخ قبلہ بنانا ضروری ہو جائے گا۔اور خلاف ورزی کرنے میں نماز نہ ہوگی اسی طرح جو مسجدیں یا جو لوگ ان دونوں دائروں کے درمیان واقع ہوں گے انکو بھی مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل کرنے میں انہی ضمنی نمبروں میں ذکر کئے ہوئے احکام کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا،یعنی اس طرح نماز پڑھنا ہوگا یا مسجد بنانا ہوگا کہ جتنے خط مستقیم وجہ مصلی سے نکل کر سمت قبلہ کی طرف چلیں ان میں سے کم ازکم ایک خط مستقیم سیدھا مسجد حرام کے کسی حصہ تک یا بیت اللہ کے اوپر عرشِ معلّٰی تک بیت اللہ کے محاذی جو فضا ہے،اس کے کسی حصے تک پہنچ جائے اور یہی مفہوم ہے سوال کے اس جملہ کا (کہ کسی مقام اور کعبہ کے درمیان جس رخ سے فاصلہ قریب ترین ہو اسی سمت قبلہ ہوگا) کیونکہ اس خط مستقیم پر اس مقام اور کعبہ کے درمیان کا فاصلہ کمتر ہوگا اور بیت اللہ قریب تر ہوگا۔

(ز)　کعبہ کی عمارت جس بقعہ پر واقع ہے،اس بقعہ کو جب اللہ تعالیٰ نے پانی کے اوپر تمام زمین ابھارنے سے پہلے ابھارا اور نمودار کیا اور اس کو مرکز عالم بنایا،پھر حصۂ بقعہ کو اور اس کے محاذی حصے کو تحت الثری تک اور اس بقعہ سے اوپر اس بقعہ کے محاذی فضا کا حصہ عرش معلّٰی تک اپنی خصوصی توجہ کا مورد بنا کر اس کو معظم ومحترم بنایا اور تمام عالم کا قبلہ قرار دے دیا اور ﴿وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ﴾ (۲) کا اصل حکم موجود ہوتے ہوئے؛ (جس کا ثمرہ اب بھی تحری قبلہ وغیرہ کے موقع پر ظاہر ہوتا ہے)،اس کے بجائے صرف اسی قبلہ عالم کی جانب

---

(۱)　یعنی ہندوستان وغیرہ کے لوگوں کے لیے۔انیس

(۲)　سورۃ البقرۃ:۱۱۵۔

نیز درمختار میں ہے:　"(والمعتبر) فی القبلۃ (العرصۃ لا البناء) فھی من الأرض السابعۃ إلی العرش".

اس کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں:

"لیس المراد بالقبلۃ الکعبۃ التی ھی البناء المرتفع علی الأرض،ولذا لو نقل البناء إلی موضع آخر وصلی إلیہ لم یجز،بل تجب الصلاۃ إلی أرضھا". (رد المحتار علی الدر المختار: ۱۱۴/۲،مرتب،کتاب الصلاۃ،باب شروط الصلاۃ،مبحث فی استقبال القبلۃ،قبیل مطلب کرامات الأولیاء ثابتۃ.انیس)

تمام انسانوں اور جناتوں کو نماز پڑھنے کا حکم دے دیا، تا کہ اس تجلی گاہ عالم کی عظمت اور احترام ہمیشہ باقی اور محفوظ رہے، نیز اس لئے کہ مصلی کی یہ ایک رنگی اور وحدت اشارہ کرے گی وحدت عقیدہ پر اور وحدت عقیدہ دلیل ہوگی وحدتِ ذات پر اور اس کی توحید پر اور یہ عین محمود و مطلوب ہے، ان سب باتوں کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ہر نماز میں اور ہر جگہ عین کعبہ کی مواجہۃ فرض ہوتی، مگر ہر جگہ سے عین کعبہ کی مواجہۃ متعذر اور دشوار ہی نہیں، بلکہ بسا اوقات انسانی قابو سے باہر تھی، اس لئے اللہ نے اپنے قانون ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (١) اور "الدین یسر" (٢) کے مطابق ہر جگہ و ہر مقام سے عین کعبہ کی مواجہت فرض نہیں رکھا، بلکہ محض کعبہ کے مشاہد ہونے تک محدود رکھا اور کعبہ کے غیر مشاہد ہونے کی صورت میں صرف مواجہۃ فی الجملہ کی فرضیت قائم فرما دی، تا کہ یک رنگی عمل بھی باقی رہے اور احترام و اعزاز بقعہ مبارکہ بھی محفوظ و حاصل رہے۔

اتنا سمجھ لینے کے بعد اصل سوال کا جواب خود بخود نکل آیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

خلاصۂ جواب: کسی خطہ و مقام پر جب کوئی نئی مسجد تعمیر کرنا ہو، تو پہلے یہ دیکھیں کہ اس خطہ کے قدیم مساجد کا رخ کیا ہے، اگر ان کے رخ سے مواجہۃ فی الجملہ حاصل ہوتی ہے، اس سے اختلاف مذموم اور مخالفت نادرست ہوگی، بلکہ انہی مساجد کے رخ کے رخ پر اس نئی مسجد کا قبلہ و محراب رکھیں، یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی قدیم مسجد کا قبلہ نئے آلات سے دریافت کے بعد بالکل برعکس و متضاد تو نہیں ہے، بلکہ محض دائیں بائیں (شمالاً یا جنوباً) کچھ منحرف ہے، تو یہ دیکھ لیں کہ اگر اس انحراف کے باوجود مواجہۃ القبلہ فی الجملہ حاصل ہے جب تو کوئی تبدل و تغیر اس کے محراب و قبلہ میں نہ کریں کیونکہ اس صورت میں عمل کی یک رنگی محفوظ نہ رہے گی اور یک رنگی حد شرع میں رہتے ہوئے قائم رکھنا عند اللہ مطلوب و محمود ہے، اور مقصود ہے۔ (٣)

ہاں اگر انحراف اتنا زیادہ ہو کہ مواجہۃ فی الجملہ بھی باقی نہ رہے، تو اس کی اصلاح کرنا اور محراب و قبلہ بدل کر مذکورہ طریقہ پر صحیح رخ پر قائم کر دینا ضروری ہو جائے گا، دور دراز مقامات پر مواجہۃ قبلہ فی الجملہ معلوم کرنے کا ایک طریقہ

---

(١) سورة البقرة:٢٨٦۔

(٢) عن أبی هريرة. رضی الله عنه. عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: "إن الدين يسر ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه، فسددوا وقاربوا وبشروا واستعينوا بالغدوة والروحة و شیء من الدلجة". (صحيح البخاری مع فتح الباری: ٩٣/١، رقم الحديث: ٣٩)

(٣) أی شرطه اللّٰه تعالٰی لاختبار المكلفين، لأن فطرة المكلف المعتقد استحالة الجهة عليه تعالٰی تقتضی عدم التوجه فی الصلاة إلٰی جهة مخصوصة فأمرهم علٰی خلاف ما تقتضيه فطرتهم اختبارًا لهم هل يطيعون أولا كما فی البحر، ح. (ردالمحتار علی الدر المختار: ١٠٨/٢) كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، أول مبحث فی استقبال القبلة. انيس)

کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ کمپاس وغیرہ کسی آلہ کے ذریعہ سے عین کعبہ کی مواجہت معلوم کرنے کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جس خطہ میں جس خط پر نماز پڑھی جا رہی ہے، اس خط کے کسی حصہ پر عین کعبہ سے اگر ایک خط مستقیم آکر زاویتین قائمتین بنا دیتا ہے، تو اس پورے خطہ کا مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل ہونا تسلیم کرلیا جائے گا اور اس کی صورت مثلاً یہ ہوگی:

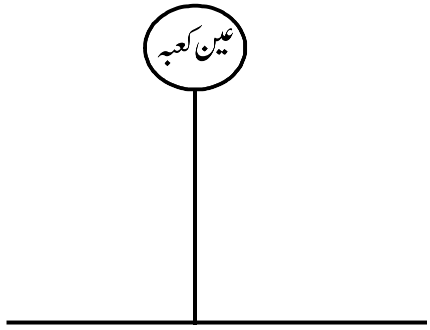

زاویتین قائمتین

(خط مستقیم جس پر لوگ نماز پڑھتے ہیں یہ ہے اور اس پر سب مصلیّ کو مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل ہوگی)

اور یہ ضابطہ کعبہ شریف کے ہر چہار سمت میں یکساں و بے خطر جاری ہوگا وہ خط مستقیم جس کے کسی حصہ پر عین کعبہ سے خط مستقیم آکر زاویتین قائمتین پیدا کرتا ہے کعبہ مکرمہ سے جتنا دور ہوگا اتنا ہی زیادہ طویل ہوگا اور جتنا قریب ہوگا اسی قدر چھوٹا ہوگا، اسی طرح جو ممالک و جزائر کعبہ شریف سے بہت ہی دور واقع ہیں ان ممالک میں مواجہۃ قبلہ فی الجملہ معلوم کرنے کے لئے فقہائے کرام نے کچھ اور ضابطے بھی لکھے ہیں، مثلاً جو ممالک کعبہ شریف سے پورب بہت دور واقع ہیں جیسے ہندوستان اور اس کے پورب منتہائے نصف دائرہ تک تمام ممالک خواہ وہ نصف دائرہ امریکہ میں واقع ہو، ان کے لئے یہ دو ضابطے بھی مواجہۃ قبلہ معلوم کرنے کے ہوسکتے ہیں۔

ضابطہ (۱) یہ کہ مسجد پچھم رخ ہو اور قبلہ کی دیوار اس خط مستقیم پر واقع ہو جو قطب شمالی سے نکل کر قطب جنوبی پر جاتا ہے؛ یا قطب جنوبی سے نکل کر سیدھا قطب شمالی پر جاتا ہو، بعینہ یہی ضابطہ دور دراز کے اور ممالک کے لئے بھی ہوسکتا ہے؛ جو کعبہ شریف سے پچھم جانب واقع ہوں جیسے الجیریا وغیرہ اور اس کے پچھم منتہائے نصف دائرہ تک تمام ممالک خواہ وہ نصف دائرہ امریکہ میں کیوں نہ واقع ہو اور مسجد پورب رخ واقع ہو تو جس مسجد کی قبلہ کی دیوار اس خط مستقیم پر واقع ہوگی، جو قطب شمالی سے نکل کر سیدھا قطب جنوب پر پہنچتا ہے، یا بالعکس قطب جنوبی سے نکل کر سیدھا قطب شمالی پر پہنچتا ہے۔

ضابطہ(٢)　　جو ممالک کعبہ شریف سے پورب بہت زیادہ دوری پر واقع ہیں ان کی مسجد پچھّم رخ ہواور قبلہ کی دیوار بین المغربین واقع ہو یعنی سب سے بڑے دن میں جس نقطے پر آفتاب غروب ہوتا ہو اس نقطے کے اور سب سے چھوٹے دن میں جس نقطہ پر آفتاب غروب ہو؛ اس نقطہ کے درمیان بغیر کسی انحراف کے قبلہ کی دیوار واقع ہو تو مواجہت قبلہ فی الجملہ حاصل تسلیم ہوگی۔

آفتاب غروب ہونے کے انہیں دونوں نقطوں کو فقہا مغربین کہتے ہیں، بعینہ یہی ضابطہ دور دراز کے ان ممالک و جزائر کے لئے بھی ہوسکتا ہے جو کعبہ شریف سے پچھّم واقع ہوں، جیسے الجیریا وغیرہ اور اس کے پچھّم منتہائے نصف دائر تک کہ تمام ممالک خواہ نصف دائرہ امریکہ پر کیوں نہ واقع ہوا ور مسجد پورب رخ ہو صرف فرق یہ ہوگا کہ مسجد کی قبلہ کی دیوار بین المغربین واقع ہونے کے بجائے بین المشرقین واقع ہو؛ یعنی سب سے بڑے دن میں جس نقطہ پر آفتاب طلوع ہوتا ہے؛ اس نقطے کے اور سب سے چھوٹے دن میں آفتاب جس نقطہ پر طلوع ہوتا ہے؛ اس نقطہ کے درمیان واقع ہو تو مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل ہو جائے گی۔

فقہائے کرام آفتاب طلوع ہونے کے ان دونوں نقطوں کو مشرقین سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو لوگ کعبہ شریف سے دکھن جانب واقع ہیں؛ وہ لوگ قطب شمالی سے یا اور ستاروں سے اندازہ لگا کر مواجہۃ قبلہ فی الجملہ کا پتہ لگا سکتے ہیں اور جب کعبہ سے اتنے دور دراز فاصلہ پر واقع ہوں؛ جہاں سے قطب شمالی نیچے پڑ جانے کی وجہ سے نظر نہیں آئے تو وہاں قطب جنوبی سے اندازہ لگا سکتے ہیں، یا کمپاس وغیرہ آلہ کے ذریعے سے عین کعبہ کی مواجہہ معلوم کرنے کے بعد دیکھیں کہ اگر عین کعبہ سے اگر کوئی خط مستقیم نکل کر اس خط کے کسی حصہ پر آکر زاویتین قائمتین بنا دیتا ہے، تو مواجہت فی الجملہ بلاشبہ حاصل ہو جائے گا۔

جو لوگ کعبہ سے اتر جانب واقع ہیں وہ لوگ قطب شمالی یا دوسرے تاروں سے اندازہ لگا کر مواجہہ قبلہ فی الجملہ معلوم کر سکتے ہیں یا کمپاس وغیرہ آلات سے عین کعبہ کی مواجہۃ معلوم کرنے کے بعد دیکھیں کہ اگر عین کعبہ سے کوئی خط مستقیم نکل کر اس خط کے کسی حصہ پر آکر زاویتین قائمتین بنا دیتا ہے، تو مواجہۃ فی الجملہ بلاشبہ حاصل ہو جائے گی۔

یہی طریقہ ان لوگوں کے لئے مواجہۃ قبلہ فی الجملہ معلوم و متعین کرنے کا ہے جو لوگ شمال مغرب یا شمال مشرق کے گوشوں میں یا جنوب مغرب یا جنوب مشرق کے گوشوں میں آباد ہیں خواہ کتنے بھی دور ہوں۔(١)

وهذا آخر ما أردنا بيانه ههنا، فقط والله أعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ١٠/١٠/١٤٠٠ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ١/٢٠٤-٢١٢)

---

(١)　تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار على الدر المختار: ٢/١٠٨-١١٣، مبحث في استقبال القبلة

سمت قبلہ کی تحقیق:

سوال: شہر مرگوئی میں قبلہ کے بارے میں دو فرقے ہیں، بعض مسجدیں شمال کی طرف جھکی ہوئی ہیں۔کمپاس کے حساب سے دس پندرہ ڈگری کا فرق ہے، بعض مسجدیں جنوب کی طرف کسی قدر جھکی ہوئی ہیں، کمپاس کے حساب سے دس پندرہ ڈگری کا فرق ہے۔اور قبرستان میں نماز جنازہ ادا کرنے کیلئے ایک نئی مسجد بنائی گئی ہے، وہ قطب نما کے حساب سے بالکل ٹھیک مغرب یعنی قبلہ کی طرف ہے۔اس کے بعد فرض کفایہ ادا کرنے کا پرانا نماز گاہ توڑ کر ایک نیا بنایا ہے۔وہ کسی قدر ٹیڑھا ہو گیا ہے۔اگر کسی مسلمان کے انتقال کی خبر ہم کو ملتی ہے، تو ہم لوگ جنازہ کے ساتھ جا کر پرانی نماز گاہ ہو یا نئی ہم فرض کفایہ ادا کرتے ہیں۔پہلے فرقے والے لوگ کہتے ہیں ان کے قبلہ کا کچھ ٹھکانہ نہیں یہ دو قبلے والے ہیں اور ان کے ایمان کا بھی کچھ ٹھکانہ نہیں اور ان کے پیچھے نماز بھی درست نہیں؟

(۲) ایسا کہنے والوں کے حق میں حکم کیا ہے؟

(۳) کیا پرانی نماز گاہ میں نماز ہو جائے گی یا توڑ کر نیا بنانا ہوگا۔کیا صفیں ٹیڑھی اور جنازہ ٹیڑھا رکھ کر پڑھنا ہوگا؟

(۴) کیا ہم دہلی، بمبئی دیوبند، سہارنپور، رنگوں کے فتاویٰ پر عمل کر سکتے ہیں۔اور احیاء العلوم میں جو کعبۃ اللہ کا نقشہ درج ہے۔اسی کے مطابق عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) احیاء العلوم کے مصنف شافعی ہیں، تو قبلہ کے بارے میں ہم اس پر عمل کر سکتے ہیں؟ قبلہ کے بارے میں کوئی اور کتاب بھی ہے یا نہیں؟

(۶) کیا ہم اہل مشرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چاروں کا قبلہ ایک ہی ہے؟

الجواب

اصل اس معاملہ میں یہی ہے کہ ہم اہل مشرق کیلئے سمت مغرب قبلہ ہے، اگر تھوڑا سا فرق بھی ہو جائے، تو قبلہ کی سمت صادق آجاتی ہے۔جیسا کہ فتاویٰ مذکورہ سوال کے بیانات سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے وہ سب فتاویٰ صحیح ہیں، لہذا آپ لوگ دونوں محلوں کی میت اور نماز جنازہ میں شریک ہو سکتے ہیں اور دونوں جگہوں میں نماز جنازہ درست و صحیح ہے۔

(۲) جو لوگ صورت مذکورہ کی وجہ سے آپ کو دو قبلہ والا وغیرہ کہتے ہیں وہ گنہگار ہیں۔حدیث میں ہے:

"سباب المسلم فسوق"(۱)

(۱) مسند أبي داؤد الطيالسي، ما أسند عبداللہ بن مسعود (ح:٢٥٦)/مسند الحميدي (ح:١٠٤)/مسند إسحاق بن راهوية عن أبي هريرة (ح:٤٠٠)/مسند الإمام أحمد، مسند عبداللہ بن مسعود (ح:٣٦٤٧)/صحيح البخاري، باب ماينهٰى من السباب واللعن (ح:٦٠٤٤)/الصحيح لمسلم (ح:٦٤)انيس

نیز "من قال هلك الناس فهو أهلك". (۱)

(۳) نماز تو بلاشبہ ہو جائے گی۔لیکن اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ شہر کی عام مساجد ونمازگاہوں وغیرہ سے اس کا رخ کچھ پھرا ہوا ہے،تو بہتر یہ ہے کہ رفع فتنہ کے لئے اس میں صفوں کے نشانات عام مساجد کے رخ کے موافق قائم کر دیئے جائیں۔اوراسی کے موافق نماز پڑھی جائے۔کیونکہ اس میں باہمی اختلافات بھی قطع ہو جائیں گے۔اور قرب الیٰ عین القبلہ بھی ہونے کی توقع ہے اور مسلمانوں کے آپس سے رفع فتنہ اور قطع اختلاف نہایت ضروری اور بڑے ثواب کا کام ہے،البتہ اس نمازگاہ کی تعمیر کو گرانے کی ضرورت نہیں،کیونکہ اس میں بلاضرورت اضاعت مال ہے

(۴) فتاویٰ مذکورہ صحیح ہیں اوراحیاء العلوم کا کلام بھی ان کے خلاف نہیں ہے،اس لئے اس پر عمل کر سکتے ہیں۔

(۵) احیاء العلوم کے مصنف شافعی ہیں،لیکن اس مسئلے میں ان کا حنفیہ سے کوئی خاص خلاف نہیں۔اس لئے ان کے قول کو لینا بھی گویا حنفیہ ہی کے قول کا لینا ہے،اس لئے جائز ہے۔"فتاویٰ شامی مسمی رد المحتار فی شرح الدر المختار" میں بھی نقشہ دے کر بہت واضح طور اس مسئلے کو سمجھایا ہے،اگر احیاء العلوم کے ماننے میں شبہ ہے،تو شامی حنفی کی معتبر کتاب ہے،اس میں دیکھ لیا جائے۔

قبلہ سب کا ایک ہی ہے۔البتہ تعیین سمت کے بعض جزئیات میں خفیف سا اختلاف ہے۔(واللہ اعلم)

(فتاویٰ دارالعلوم مسمی امداد المفتین:۲/۳۵۱-۳۵۳)

سمت قبلہ کی تعیین کا تتمہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ جہانگیرآباد ضلع بارہ بنکی میں ایک مسجد تعمیر ہورہی ہے جس کا سمت قبلہ ایک انجینئر صاحب نے ایک انگریزی ماہر ہیئت کے ذریعہ مغرب سے دس درجہ جانب جنوب قرار دیا ہے۔ایک دوسرے عالم دین ہیئت نے سمت قبلہ مغرب سے ۲۸/دقیقہ جانب شمال نکالا ہے،ان کا بیان ہے کہ جہاز رانی میں شہروں کی سمت بھی اسی قاعدہ سے معلوم کی جاتی ہے مسجد کا طول ۲۹/فٹ ہے اوراس اختلاف کی بنا پر ۳فٹ ۱۹انچ کا فرق نکلتا ہے۔اس حالت میں جو حکم شرع شریف کا ہو،اس سے مطلع فرمایا جاوے اور عام طور سے مسجد کی تعمیر کے لئے سمت قبلہ کس طرح معلوم کی جاوے،اس کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب ————————

سمت قبلہ کی تعیین اور بناء مساجد میں سنت سلف صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک یہ ہے کہ جس

(۱) موطأ الإمام مالك،ت:عبدالباقي ،باب مايكره من الكلام (ح: ۲)/الصحيح لمسلم،باب النهي عن قول هلك الناس (ح:۲٦۲۳)انیس

بلدہ میں مساجد قدیمہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جاوے ایسے مقامات میں آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ کی تدقیق میں پڑنا سنت سلف کے خلاف اور نامناسب اور باعث تشویش ہے۔ ہاں جنگلات اور ایسی نوآبادیات میں جن میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں وہاں قواعد ریاضیہ سے مدد لی جائے تو مضائقہ نہیں۔ گوان سے مدد لینا ضروری وہاں بھی نہیں۔ بلکہ وہاں بھی تحری اور تخمینہ قریبی آبادیوں کی مساجد کا کافی ہے۔ اور اگر مساجد بلدہ کی سمتیں کچھ باہم متخالف ہوں تو بظن غالب یا چند تجربہ کار مسلمانوں کے اندازہ سے جوان میں سے زیادہ اقرب معلوم ہو، اس کا اتباع کرلیا جاوے۔

البتہ اگر کسی بلدہ کی عام مساجد کے متعلق قوی شبہ ہو جاوے کہ وہ سمت قبلہ اس درجہ منحرف واقع ہیں کہ نماز ہی درست نہ ہوگی تو ایسی صورت میں ان کا اتباع نہ کیا جاوے گا۔ بلکہ یا قواعد ریاضیہ سے سمت قبلہ کا استخراج کیا جاوے یا اس بلدہ کے قریب کی کسی مسجد سے تخمینہ کر کے سمت قبلہ متعین کی جاوے۔

لہذا صورت مندرجہ سوال میں انجینئر صاحب اور دوسرے ماہر ہیئت صاحب نے جو متخالف سمتیں نکالی ہیں دونوں کو نظر انداز کر کے مساجد قدیمہ کے مطابق مسجد تعمیر کی جاوے۔ اصل سوال کا جواب اتنا ہی ہے جو مقتضی ادلہ شرعیہ کا ہے، باقی مسئلہ سمت قبلہ کی تحقیق اور اس کے دلائل پر اجمالی نظر کے لئے سطور ذیل لکھی جاتی ہیں۔

اس مسئلہ میں اصل قابل نظر دو چیزیں ہیں:

(۱)　استقبال قبلہ جو نماز میں فرض ہے، اس کی حد ضروری کیا ہے۔

(۲)　بلاد بعیدہ میں اس ضروری سمت قبلہ کے معلوم کرنے کا شرعی طریق کیا ہے یہ دونوں مسئلے جدا جدا سمجھ لئے جاویں تو مسئلہ زیر بحث خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ پہلے مسئلہ کے متعلق مذہب مختار حنفیہ کا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو، اس کے لئے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے اور جو اس سے غائب ہے، اس کے ذمہ جہت کعبہ کا استقبال ہے؛ عین کعبہ کا نہیں۔ لما فی البدائع:

وتعتبر الجهة دون العين، كذا ذكر الكرخي والرازي وهوقول عامة مشائخنا بماوراء النهر. (بدائع الصنائع: ۱۱۸/۱، فصل في شرائط أركان الصلاة)

ومثله في الهداية وعامة المتون والشروح.(۱)

---

(۱)　ثم من كان بمكة ففرضه إصابة عينها ومن كان غائباً ففرضه إصابة جهتها هو الصحيح لأن التكليف بحسب الوسع. (الهداية، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ۴۷/۱) / كذا في المحيط البرهاني، الفصل الرابع في فرائض الصلاة وسننها: ۲۸۴/۱) / تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱۰۰/۱) / الجوهرة النيرة، باب شروط الصلاة: ۴۸/۱/۱) / البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۳۰۰/۱) انیس)

پھر جہت قبلہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک خط جو کعبہ پر گزرتا ہوا جنوب وشمال پر منتہی ہو جاوے اور نمازی کے وسط جبہہ سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس سے موقع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہو جاویں۔وہ قبلہ مستقیم ہے اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے؛ بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے؛لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کی اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط۔زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف قلیل ہے،اس سے نماز صحیح ہو جاوے گی اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مذکور پر زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف کثیر ہے،اس سے نماز نہ ہوگی اور علماء ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل وکثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ پینتالیس درجہ تک انحراف ہو تو قلیل اس سے زائد ہو،تو کثیر مفسد صلوٰۃ ہے۔(كما سيأتي عن الخيرية)

انحراف قلیل وکثیر کی تعیین میں فقہاء امت اور علماء ہیئت کے اور بھی اقوال ہیں جن میں سے بعض اس سے زیادہ وسعت کو چاہتے ہیں اور بعض میں اس سے کم کی گنجائش ہے،اس جگہ اوسط سمجھ کر اس قول کو اختیار ہے اور یہ سب اقوال عبارات ذیل میں مذکور ہیں:

فی رد المحتار: بل المفهوم مما قدمناه عن المعراج والدرر من التقييد بحصول زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل لعين الكعبة يمينًا أويسارًا أنه لايصح لو كانت إحداهما حادة و الأخرى منفرجة ... (إلٰى أن قال) **... فعلم أن الانحراف اليسير لايضر،وهو الذى يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أو لهوائها،بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمر على الكعبة أوهوائها مستقيمًا،ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلى بل منها أومن جوانبها،الخ.** (۲۸۸/۱،ہندی)(۱)

ويؤيده ما فى الفتاوى الخيرية:

وعن أبى حنيفة:المشرق قبلة أهل المغرب والمغرب قبلة أهل المشرق والجنوب قبلة أهل الشمال والشمال قبلة أهل الجنوب،وعليه فالانحراف قليلاً لايضر. (الفتاویٰ الخیریۃ: ۷/۱)(۲)

وأيضًا يؤيده ما فى البحر:

فلوفرض مثلاً خط من تلقاء وجه المستقبل للكعبة على التحقيق فى بعض البلاد وخط آخر يقطعه علٰى زاويتين قائمتين،من جانب يمين المستقبل وشماله ولايزول تلك المقابلة

(۱) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة: ۴۲۸/۱،دارالفكر.انيس

(۲) الفتاویٰ الخيرية،أول كتاب الصلاة: ۷/۱،مطبع بولاق مصر.انيس

بـالانتقال إلى اليمين والشمال علٰى ذلک الخط بفراسخ کثيرة،ولهذا وضع العلماء قبلة بلد و بلدين وبلاد علٰى سمت واحد.(البحرالرائق: ۳۰۱/۱،باب شروط الصلاة)

ومثله فی رد المحتارعن الفتح وشروح المنية وزاد الفقيروغيره.(۱)

وفی الخيرية تحت قوله (سئل):

... ومن القواعد الفلکية إذاکان الانحراف عن مقتضى الأدلة أکثرمن خمس وأربعين درجة يمنة أويسر ة يـکـون ذلـک الانـحـراف خـارجًا عن جهة الربع الذی فيه مکة المشرفة من غير إشـکـال(إلٰـى)فهـل هـذه المحاريب المزبورة انحرافها کثيرفاحش يجب الانحراف فيها يسرة إلٰى جهة مـقـتـضى الأدلة والحالة ماذکرنا أم لا،وإذا قلتم يجب فهل إذا عاند شخص وصلى فی هذه المحاريب بعد إثبات ماذکريکون صلا ته فاسدة،الخ.

(أجـاب):حيـث زالـت بـالانحـراف المذکورالمقابلة بالکلية بحيث لم يبقى شیء من سطح الـوجه مسامتًا للکعبة عدم الاستقبال المشروط لصحة الصلاة بالإجماع وإذا عدم الشرط عدم المشروط.(الفتاویٰ الخيرية: ۹/۱-۱۰، باب شروط الصلاة)

عبارات مذکورہ سے سمت قبلہ اور استقبال کی جو حد ضروری معلوم ہوئی ہے،اس کا حاصل سہل اور عامیانہ عبارت میں یہ ہے کہ انسان کے چہرہ کا کوئی ذرا سا ادنی حصہ خواہ وسط چہرہ کا ہو یا داہنی بائیں جانب کا بیت اللہ شریف کے کسی ذرا سے حصہ کے ساتھ مقابل ہو جائے اور فن ریاضی کی اصطلاحی عبارت میں یہ ہے کہ عین کعبہ سے پینتالیس درجہ تک بھی انحراف ہو جائے تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہو جاتی ہے،اس سے زائد انحراف ہو تو استقبال فوت ہو کر نماز فاسد ہو جائے گی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انحراف قلیل جو عام طور پر کہیں جنوباً کہیں شمالاً واقع ہو جاتا ہے، یہ نا قابل التفات ہے،اس کی وجہ سے نہ کسی مسجد کی جہت قبلہ بدلنے کی ضرورت ہے نہ اس کا قائم رکھتے ہوئے کسی طرف مائل ہونے کی ضرورت ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

(۱)　ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث فی استقبال القبلة: ۴۲۸/۱-۴۲۹،دارالفکر)

(ولا يشتـرط نية الاستقبال فی المختار)وهو قول العامة ... (ولا يسقط الاستقبال) عن المصلی (إلا لعدو) منعه عن الاستقبال (کمريض لا يقدرعلى التوجه) إلى القبلة (وليس عنده من يوجهه) إليها (أو) لم يکن عجزه لمرض و لـکـن (يـخـاف أن تـحـرکـه لـلـتـوجـه فـطـن) ... (لسبـع أو الـعـدو) بأن يأتيه من جهة أخرىٰ يضره فی مالـه أو بـدنـه.(وانـکـسـرت بـه السفينة وبقی على لوح)فی البحر يخاف أن توجه فانه ، لأنه لايلزمه التوجه إلى القبلة فی هذه الأحـوال کلها (فيصلی قائما) يرکع ويسجد (أوقاعداً) إن أمکنه برکوع وسجود (أويومی مضطجعاً إلى أی جهة قدر عـلـيهـا)أی عـلـى الصلاة لأن الـتـکـلـيف بـحـسب الـوسـع.(إسـعـاف الـمـولٰـى الـقـدير شرح زادالفقير، باب شروط الصلاة: ۵۰(ب)،مخطوطة جامعة الملک سعود.انيس)

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ بلاد بعیدہ میں سمت قبلہ اور استقبال قبلہ معلوم کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے۔ صحابہؓ وتابعین اور جمہور امت کا اس میں تعامل کس طرح ہے اور یہ کہ قواعد ریاضیہ کا استعمال اس کام کے لئے جائز ومعتبر ہے یانہیں اور ہے تو کس درجہ میں، اس بارے میں پہلے بطور مقدمہ یہ بتلا دینا مناسب ہے کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تمام احکام کی بنیاد یسر وسہولت اور سادگی وبے تکلفی پر ہے۔ فلسفیانہ تدقیقات پر نہیں، (۱) کیونکہ دائرہ حکومت اس شریعت کا تمام عالم کے بحر وبر اور اسود واحمر شہری ودیہاتی آبادیوں اور ان کے سکان پر حاوی ہے۔ اسلامی فرائض نماز وروزہ وغیرہ جس طرح شہریوں پر عائد ہیں، اسی طرح دیہاتیوں اور پہاڑوں کے دروں اور جزائر کے رہنے والے ناخواندہ وناواقف لوگوں پر بھی عائد ہیں اور جو احکام اس درجہ عام ہوں، ان میں مقتضا عقل وحکمت و رحمت کا یہی ہے کہ ان کو تدقیقات فلسفیانہ اور قواعد ریاضیہ یا آلات رصدیہ پر موقوف نہ رکھا جائے؛ تا کہ ہر عام وخاص خواندہ وناخواندہ بآسانی اپنے فرائض انجام دے سکے۔

شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تمام تر احکام اسی نظریہ کے ماتحت بالکل آسان اور سادہ طریق پر آئے، روزہ رمضان کا مدار چاند دیکھنے پر رکھا گیا ہے۔ حسابات ریاضیہ پر نہیں، مہینے قمری رکھے گئے ہیں جن کا مدار رؤیت ہلال پر ہے۔ شمسی مہینے جن کا مدار خاص حسابات ریاضیہ پر ہے، عام شرعی احکام میں ان کو نہیں لیا گیا۔ اسی طرح احکام اسلامیہ کے تتبع سے بکثرت اس کے نظائر معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

اس مختصر مقدمہ کے بعد مسئلہ زیر بحث میں بھی یہ فیصلہ کر لینا آسان ہوگیا کہ سمت قبلہ اور استقبال قبلہ جس کا ہر مسلمان دن میں پانچ مرتبہ مامور ہے، اس کے لئے بھی شریعت نے ضرور کوئی آسان اور بالکل سادہ طریقہ اختیار کیا

---

(۱) عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الدين يسر ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه فسددوا وقاربوا وأبشروا واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة. (الصحيح للبخاری، كتاب الإيمان، باب الدين يسر (ح: ٣٩) / سنن النسائی، الدين يسر (ح: ٥٠٣٤) / صحيح ابن حبان، ذكر الأمر بالغدوة والروحة والدلجة، الخ (ح: ٣٥١)

(ولن يشاد الدين أحد) أی ولن يقاومه أحد بشدة والمعنى أن من شدد على نفسه وتعمق فی أمر الدين بما لم يجب عليه فلربما يغلبه ما تحمله من الكلفة ويضعف عن القيام بحق ما كلف به، الخ. (مرقاة المفاتيح، باب القصد فی العمل: ٩٣٤/٣)

عن عبد الله بن عمر عن النبی صلى الله عليه وسلم أنه قال: إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا يعنی مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين. (الصحيح للبخاری، كتاب الصوم، باب قول النبی صلى الله عليه وسلم: لا نكتب، الخ (ح: ١٩١٣) / الصحيح لمسلم، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال (ح: ١٠٨٠)

قال الملا علی قاری: فالمعنىٰ أن العمل على ما يعتاده المنجمون ليس من هدينا وسنتنا بل علمنا يتعلق برؤية الهلال، الخ. (مرقاة المفاتيح، باب رؤية الهلال: ١٣٧٤/٤. انيس)

ہوگا جس کو ہرشہری ودیہاتی بآسانی عمل میں لاسکے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاداس کے متعلق یہ ہے کہ!

’’ما بین المشرق والمغرب قبلة‘‘. (رواه الترمذی عن أبی هريرة)(۱)

یعنی مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ یہ ارشاد اگرچہ تمام عالم کے لئے نہیں، بلکہ خاص اہل مدینہ اوراس کے قرب وجوار کے لئے ہے، لیکن اتنی بات اس میں عام ہے کہ سمت قبلہ کی تعیین میں شریعت نے زیادہ تدقیق کا مکلّف نہیں بنایا۔ بلکہ بین المغرب والمشرق فرما کر پوری جہت جنوب کو قبلہ قراردے دیا اوراس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس حدیث میں بین المشرق والمغرب سے اصطلاحی ریاضی پرنقطہ مشرق ومغرب کی درمیانی قوس یعنی نصب دائرہ مرادنہیں جس سے ربع دائرہ کا قول جو بحوالہ خیریہ نقل کیا گیا ہے،اس کے مخالف حدیث ہونے کا شبہ ہوسکے، بلکہ یہ عبارت محاورات عرفیہ پرآئی ہے،جس کا مقصود پوری جہت جنوب کو قبلہ قراردینا ہے،توجس طرح مدینہ طیبہ میں مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے،اسی طرح ہندوستان میں جنوب شمال کے درمیان قبلہ کہا جاسکتا ہے۔

وقد نص أحمد بن خالد بأن قول عمر’’ما بين المشرق والمغرب قبلة‘‘،قاله بالمدينة فمن كانت قبلته مثل قبلة المدينة فهوفی سعة مما بين المشرق والمغرب ولسائر البلدان من السعة فی القبلة مثل ذلک بين الجنوب والشمال،وقال أبوعمربن عبد البر: لاخلاف بين أهل العلم فيه. (كتاب الخطط للمقريزی: ۱/ ۲۵۸)(۲)

پھرحضرات صحابہ وتابعین اوران کے بعد عامہ مسلمین کے تعامل نے اس کو بالکل واضح کردیا کہ بلاد بعیدہ میں جہاں کہیں حضرات صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یا آپ کے بعد پہنچے ہیں وہاں نمازیں ادا کرنے اورمستقل قیام کی صورت میں مساجد بنانے میں ان حضرات سے کہیں منقول نہیں کہ آلات رصدیہ سے کام لے کرسمت قبلہ متعین کی ہو؛ بلکہ موٹے موٹے آثارونشانات اورشمس وقمراورقطب وغیرہ۔مشہورومعروف ستاروں کی پہچان سے ایک اندازہ قائم کرکے محض تحری وتخمینہ سے سمت قبلہ متعین فرمائی ہے۔

سمت قبلہ اوراستقبال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اورحضرات صحابہ کا طرزعمل:

(۱) اس پراتفاق ہے کہ مسجد بیت اللہ کے بعدسب سے پہلی مسجد جو اسلام میں بنائی گئی وہ مسجد قبا ہے؛ (قبا مدینہ طیبہ سے چندمیل کے فاصلہ پرایک مشہورمقام کا نام ہے۔)اس مسجد کی بنیادتواس وقت پڑی تھی جب کہ مسلمانوں کا قبلہ

---

(۱) سنن الترمذی،باب ماجاء أن مابين المشرق والمغرب قبلة (ح: ۳۴۲)/سنن النسائی،ذكرالاختلاف علی محمدبن أبی يعقوب (ح:۲۲۴۳)انيس

(۲) المواعظ والاعتباربذكرالخطط والآثار،ذكرالمحاريب التی بديارمصروسبب اختلافها: ۲۶/۴.انيس

بیت المقدس تھا پھر جب تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی، تو اس کی خبر لے کر قبا میں ایک صحابی ایسے وقت پہنچے کہ اس مسجد میں نماز ہو رہی تھی یہ خبر سنتے ہی امام اور پوری جماعت بیت اللہ کی سمت کی طرف پھر گئی۔(۱)

یہ واقعہ عام کتب حدیث وتفسیر میں منقول ہے اور اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، تو آپ نے ان لوگوں کے اس فعل کی تصویب فرمائی۔

ظاہر ہے کہ حالت نماز میں جو سمت قبلہ اہل قبا نے اختیار کی اس میں آلات رصدیہ اور اصطرلاب کا دخل ہو سکتا ہے؛ نہ کسی قطب نما اور ستارے کا محض تخمینہ وتحری سے سمت قائم کی گئی، پھر نماز کے بعد بھی کہیں منقول نہیں کہ اس تحری وتخمینہ کے سوا کوئی دوسرا انتظام واہتمام یا حسابات ریاضیہ کا استعمال استخراج سمت کے لئے کیا گیا ہو۔

(۲) حضرت فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں تمام اسلامی قلمرو میں ہر صوبہ کے عامل کے نام فرمان بھیجے کہ ہر محلّہ میں مسجد بنائی جائے؛ عمال حکومت نے حکم کی تعمیل کی، مگر سمت قبلہ قائم کرنے کے لئے نہ تو حضرت فاروق ہی نے کوئی انتظام آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ کا کیا اور نہ عمال حکومت نے، بلکہ تخمینہ وتحری سے سمت قبلہ متعین کر کے مسجدیں تعمیر کی گئیں۔

(۳) آلات وحسابات سے نکالی ہوئی سمت قبلہ میں بھی اکثر اہل فن کا اختلاف رہتا ہے؛ جس کی وجہ یہ ہے کہ طول بلد اور عرض بلد کے معلوم کرنے میں ذرا سا فرق رہ گیا، تو سمت کہیں کی کہیں پہنچ جاتی ہے۔

(لطیفہ عجیبہ) علما کا اتفاق ہے کہ دنیا کی تمام مساجد محض تحری وتخمینہ سے قائم کی گئی ہیں، لیکن مسجد نبوی کی سمت قبلہ بطور وحی ومکاشفہ قائم کی گئی ہے؛ کیونکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت اللہ کو بطور معجزہ سامنے کر دیا تھا، اس کو دیکھ کر آپ نے مسجد مدینہ کی سمت قبلہ قائم فرمائی۔(کذا فی البحر الرائق وردالمحتار)

اس سے باجماع امت مسجد نبوی کی سمت قبلہ بالکل یقینی ہے، لیکن حسابات ریاضیہ سے جانچا گیا تو وہ بھی صحیح نہیں، اتری چنانچہ امیر مصر ابن طولون نے جب مصر میں اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا، تو چند ماہرین ہندسہ کو مدینہ طیبہ بھیج

---

(۱) عن البراء بن عازب قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى نحو بيت المقدس ستة عشر أو سبعة عشر شهرًا، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب أن يوجه إلى الكعبة فأنزل الله: ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ (البقرة: ١٤٤) فتوجه نحو الكعبة، وقال السفهاء من الناس وهم اليهود: ﴿مَا وَلَّٰهُم عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَن يَّشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ. (سورة البقرة: ١٤٢) فصلى مع النبى صلى الله عليه وسلم رجل، ثم خرج بعد ما صلى، فمر على قوم من الأنصار فى صلاة العصر نحو بيت المقدس فقال: هو يشهد أنه صلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنه توجه نحو الكعبة فتحرف القوم حتى توجهوا نحو الكعبة. (الصحيح للبخارى، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان (ح: ٣٩٩) انيس)

کر پہلے مسجد نبوی کی سمت قبلہ کو آلات رصدیہ کے ذریعہ جانچا، تو معلوم ہوا کہ آلات کے ذریعہ نکالی ہوئی خط سمت قبلہ سے مسجد نبوی کی سمت دس درجہ مائل بہ جنوب ہے، جیسا کہ مقریزی نے کتاب الخطط میں بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے۔

إن أحمد بن طولون لما عزم علیٰ بناء هذا المسجد بعث إلیٰ محراب مدينة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من أخذ سمته فإذا هو مائل عن خط سمت القبلة المستخرج بالصناعة نحو عشر درج إلیٰ جهة الجنوب. (كتاب الخطط: ۲/۲۵۶)(۱)

احمد بن طولون نے جب اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا، تو چند اہل فن کو مدینہ طیبہ بھیج کر مسجد نبوی کی سمت قبلہ بذریعہ آلات رصدیہ نکلوائی، دیکھا تو حسابات کے ذریعہ نکالی ہوئی سمت قبلہ سے دس درجہ مائل بجنوب ہے۔

اب وہ لوگ جو آلات رصدیہ پر سمت قبلہ کا مدار رکھنا چاہتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں وہ دیکھیں کہ ان کی تجویز پر تو مسجد نبوی کی سمت قبلہ بھی درست نہیں ہوتی۔

معلوم نہیں کہ عنایت اللہ مشرقی جو ہندوستان کی مسجدوں میں ان ہی حسابات کی بنا پر نماز ناجائز قرار دیتے ہیں، وہ مسجد نبوی کے متعلق کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے۔ مشرقی کچھ کہیں لیکن مذکور الصدر تعامل مسلمانوں کے اطمینان کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کافی ووافی ہے۔ والحمد لله أوله وآخره.

اس کے بعد احمد بن طولون نے مسجد نبوی کی موافق مسجد بنائی، جو جامع عمرو بن عاص فاتح مصر سے کسی قدر منحرف ہے؛ لیکن علما نے جامع عمرو بن عاص ہی کے اتباع کو اولیٰ قرار دیا ہے اور مصر اور اطراف مصر کی عامہ مساجد اسی کے مطابق ہیں۔

قال الكندى: وقال يزيد بن أبى حبيب: سمعت مشائخنا هم حضروا مسجد الفتح يعنى (جامع عمرو بن العاص) يقولون وقف علیٰ إقامة قبلة المسجد الجامع ثمانون رجلا من أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم منهم الزبير بن العوام والمقداد وعبادة بن الصامت وأبو الدرداء وفضالة بن عبيد وعقبة بن عامر رضى اللّٰه عنهم.

وفى رواية: أسس مسجدنا هذا أربعة من الصحابة أبو ذر وأبو بصيرة ومحمة بن جزء الزبيدى ونبيه بن صواب. قال عبد اللّٰه بن أبى جعفر: أقام محرابنا هذا عبادة بن الصامت ورافع بن مالك وهما نقيبان. وقال داؤد بن عقيبة: إن عمرو بن العاص بعث ربيعة بن شرجيل بن حسنة عمرو بن علقمة القرشى ثم العدوى يقيمان القبلة وقال لهما قوما إذا زالت الشمس وقال انتصف الشمس فاجعلاها علیٰ حاجبيكما ففعلا، وقال الليث: إن عمرو بن العاص كان يمد

(۱) المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار، ذكر المحاريب التى بديار مصر وسبب اختلافها: ۴/۲۳. انيس

الحبال حتى أقيمت قبلة المسجد،وقال عمرو بن العاص: شرقوا القبلة تصيبوا الحرم،قال فشرقت جدًا. (كتاب الخطط للمقريزى: ٢٤٦/٢-٢٤٧)(١)

روایات مذکورہ میں اگرچہ بظاہر قدرے اختلاف نظر آتا ہے،لیکن اول تو غور کرنے کے بعد ان میں کوئی تعارض نہیں رہتا؛ کیونکہ ایک جماعت صحابہ کی متفقہ سعی وتخمین سے یہ کام ہوا روایت کرنے والوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق خاص خاص صحابہ کے طرف منسوب کردیا، جس میں دوسروں کی نفی نہیں۔ ثانیاً یہ سب روایات اتنی بات پر متفق ہیں کہ تعیین سمت قبلہ میں آلات رصدیہ یا قواعد ریاضیہ سے کام نہیں لیا گیا، حالانکہ مصر جیسا شہر اس کے جاننے والوں سے خالی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ محض تحری وتخمین سے سمت قبلہ متعین کی گئی۔

اور اسی لئے صاحب البحر الرائق نے فرمایا ہے:

"لاعذر لأحد فى الجهل بالأدلة الظاهرة المعتادة كالشمس والقمر وغير ذلك أما دقائق علم الهيئة وصور النجوم الثوابت فهو معذور فى الجهل بها (إلىٰ أن قال) قال: ومحاريب الدنيا كلها نصبت بالتحرى حتى منى ولم يزد عليه شيئاً،وهذا خلاف ما نقل عن أبى بكر الرازى فى محراب المدينه أنه مقطوع به فإنما نصبه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالوحى بخلاف سائر البقاع حتى قيل بمثل إن محراب منى نصب بالتحرى والعلامات وهو أقرب المواضع إلىٰ مكة. (البحر الرائق: ٣٠٢/١،فصل فى شروط الصلاة)/ومثله فى رد المحتار : ٤٣١/١،دار الفكر)

اور ملک العلما صاحب بدائع فرماتے ہیں:

وإن كان نائيًا عن الكعبة غائبًا عنها يجب عليه التوجه إلىٰ جهتها وهى المحاريب المنصوبة بالأمارات الدالة عليها لا إلىٰ عينها (ثم قال): أما إذا جعلت قبلة الجهة وهى المحاريب المنصوبة منصوبة لايتصور ظهور الخطاء فنزلت الجهة فى هذه الحالة منزلة عين الكعبة فى حال المشاهدة والله تعالىٰ أن يجعل أى جهة شاء قبلة لعباده على اختلاف الأحوال وإليه وقعت الإشارة فى قوله تعالىٰ: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا،قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾. (سورة البقرة: ١٤٢) ولأنهم جعلوا عين الكعبة قبلة فى هذه الحالة بالتحرى وأنه مبنى علىٰ مجرد شهادة القلب من غير أمارة والجهة صارت قبلة باجتهادهم المبنى على الأمارات الدالة عليها من النجوم والشمس والقمر وغير ذلك،فكان فوق الاجتهاد بالتحرى ولهذا من دخل بلدة وعاين المحاريب المنصوبة فيها يجب عليه التوجه إليها ولايجوز له التحرى،الخ. (بدائع الصنائع: ١١٨/١،فصل فى شرائط أركان الصلاة)

(١) المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار،ذكر المحاريب التى بديار مصر وسبب اختلافها: ٧/٤. انيس

وفی فتاویٰ قاضی: وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل فى الأمصار والقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعون فعلينا اتباعهم فى استقبال المحاريب المنصوبة فإن لم تكن فالسؤال من الأهل، آه. (۱)

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ بلاد بعیدہ میں سمت قبلہ معلوم کرنے کا شرعی طریقہ جو سلف سے چلا آتا ہے، یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدیمہ موجود ہیں ان کا اتباع کیا جاوے؛ کیونکہ اکثر بلاد میں تو خود حضرات صحابہ وتابعین نے مساجد کی بنیاد ڈالی اور سمت قبلہ متعین فرمائی ہے اور پھر انہیں کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد بنائی ہیں، اس لئے یہ سب مساجد مسلمین سمت قبلہ معلوم کرنے کے لئے کافی وافی ہیں، ان میں بلا وجہ شبہات فلسفہ نکالنا شرعاً محمود نہیں، بلکہ مذموم اور موجب تشویش ہے۔ بلکہ بسا اوقات ان تدقیقات میں پڑنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ وتابعین اور عامہ مسلمین پر بدگمانی ہوجاتی ہے کہ ان کی نمازیں اور قبلہ درست نہیں، حالانکہ یہ باطل محض اور سخت جسارت ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور ومعروف عالم علامہ ابن رجب حنبلی اسی بنا پر سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور تدقیقات ریاضیہ میں پڑنے کو منع فرماتے ہیں۔ ولفظہ:

وأما علم التسيير فإذا تعلم منه ما يحتاج إليه للاهتداء ومعرفة القبلة، والطرق كان جائزًا عند الجمهور، ومازاد عليه فلاحاجة إليه وهو يشغل عما هو أهم منه وربما أدى التدقيق فيه إلىٰ إساءة الظن بمحاريب المسلمين فى أمصارهم كما وقع فى ذلك كثير من أهل هذا العلم قديمًا وحديثًا وذلك يفضى إلىٰ اعتقاد خطأ الصحابة والتابعين فى صلاتهم فى كثير من الأمصار هو باطل وقد أنكر الإمام أحمد الاستدلال بالجدى وقال إنما ورد بين المشرق والمغرب قبلة، يعني: لم يرد اعتبار الجدى ونحوه من النجوم. (ص: ۱۲) (۲)

اور جنگلات یا نو آبادیات وغیرہ میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں شرعی طریقہ جو سنت صحابہ وتابعین سے ثابت ہے، یہ ہے کہ شمس وقمر اور قطب وغیرہ کے مشہور اور معروف ذرائع سے اندازہ قائم کرکے سمت قبلہ متعین کرلی جاوے، اس میں معمولی میلان وانحراف بھی رہے، تو اس کو نظر انداز کیا جاوے؛ کیونکہ حسب تصریح صاحب بدائع ان بلاد بعیدہ میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ کے ہے۔ اور اسی پر احکام دائر ہیں جیسے شریعت نے نیند کو قائم مقام خروج ریح کا قرار دے کر اسی پر نقض وضو کا حکم کردیا، یا سفر کو قائم مقام مشقت کا قرار دے کر مطلقاً سفر پر رخصتیں مرتب کردیں، حقیقۃً مشقت ہو یا نہ ہو، اسی طرح بلاد بعیدہ میں مشہور ومعروف نشانات وعلامات کے ذریعہ جو سمت قبلہ تحری واندازہ سے قائم کی جائے گی، وہی شرعاً قائم مقام (۳) کعبہ کے ہوگی۔

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان، فصل فى معرفة القبلة: ۸۶/۱، اشپاٹک لیتھو گرافس کلکتہ. انیس
(۲) مجموع رسائل ابن رجب، فضل علم السلف على علم الخلف: ۱۲/۳. انیس
(۳) سمت قبلہ۔ انیس

علامہ بحرالعلوم نے رسائل الارکان میں اسی مضمون کو بالفاظ ذیل بیان کیا ہے:

والشرط وقوع المسامة علٰی حسب مایری المصلی ونحن غیرمأمورین بالمسامة علٰی ما یحکم به الآلات الرصدیة ولهذا أفتوا أن الانحراف المفسد أن یتجاوزالمشارق والمغارب. (رسائل الأرکان:۵۳)(۱)

اور بلاد ہندوستان میں سہل اور احوط(۲) طریق تعیین سمت قبلہ کا یہ ہے کہ موسم گرما کے سب سے بڑے دن (۲۲/جون) میں اوراسی طرح موسم سرما کے سب سے چھوٹے دن (۲۲ دسمبر) میں غروب شمس کا موقع دیکھا جاوے، قبلہ ان دونوں موقع کے درمیان میں ہوگا، یعنی ان دونوں موقع کے درمیان جس نقطہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاوے گی صحیح ہوجاوے گی۔

أفاده سیدی حکیم الأمة التهانوی متعنا اللّٰه تعالٰی ببرکاته نقلاً عن رسالته بغیة الأریب وهو الذی صرح به الشامی فی مواضع ذکره فی البحروحواشیه.

یہاں تک تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے کام لینا سلف کا طریقہ نہیں تھا اور نہ شریعت نے اس کا امر کیا ہے اور نہ کسی حال اس کی ضرورت ہے، بلکہ طریقہ معروفہ سلف کا یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدیمہ موجود ہوں، ان کا اتباع کیا جاوے جہاں نہ ہوں، وہاں مشہور ومعرف ستاروں اور دوسرے آثار جلیہ سے کام لے کر اندازہ قائم کر کے جہت متعین کر لی جاوے۔

بڑی وجہ ان آلات وحسابات کے استعمال نہ کرنے کی تو یہی ہے کہ یہ چیزیں اتنی عام نہیں کہ ہر شخص کو ہر جگہ میسر آسکیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ درجہ ان آلات وحسابات کا بھی تخمینہ اور تحری اور اندازہ واٹکل سے زائد نہیں، جس طرح تحری واندازہ میں خطا ہوسکتی ہے، ان آلات وحسابات میں بھی خطا ہونا ممکن بلکہ واقع ہے، جیسا کہ خود صورت مندرجہ سوال میں دو ماہرین ہیئت کے اتنے شدید اختلاف سے ظاہر ہے کہ ایک دس درجہ جانب جنوب مائل قرار دیتا ہے اور دوسرا کچھ مائل بشمال بتلاتا ہے اور یہ اختلاف جوان دونوں حضرات میں ہوا۔ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں۔ پہلے بھی ماہرین ارباب تصنیف میں اس قسم کے اختلاف واقع ہوئے ہیں۔

---

(۱)　رسائل الأرکان، فصل فی التوجه إلی القبلة:۵۳. مطبع علوی لکھنؤ. انیس

(۲)　رسائل الارکان کی مذکورہ عبارت سے نیز فتاویٰ خیریہ کی عبارت سے جنوب وشمال میں ۴۵-۴۵، درجہ تک انحراف کا جواز معلوم ہوتا ہے اور بین المغربین کے قول پر صرف ۲۴، ۲۴ درجہ تک دونوں طرف انحراف کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ میل کلی حسب تصریح چغمینی وغیرہ ۲۴/درجہ ہے، تو فیصلہ بین المغربین کل ۴۸/درجہ ہوا؛ اور انحراف مباح ہر دو جانب میں ۲۴/درجہ ان میں سے قول اول اوسع اور ثانی احوط ہے۔ کما فی حاشیة البحر للشامی بعد نقل القولین وهذا استحباب والأول للجواز: ۲۸۵/۱۔ (محمد شفیع عفاعنہ)

میرے سامنے اس وقت دو رسالے اس موضوع کے موجود ہیں۔ایک رسالہ مصنفہ جناب منشی بشیر الدین صاحب کاکوری جس کا ماخذ ایک مہندس کا رسالہ جو شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں لکھا گیا ہے۔اس میں لکھنؤ کی سمت قبلہ کو نقطہ مغرب سے پانچ درجہ گیارہ دقیقہ مائل بجنوب قرار دیا ہے اور دوسرا رسالہ ضوابط پر ہے۔اس میں لکھنؤ سمت قبلہ کو نقطہ مغرب سے ۹/درجہ، ۲۵/دقیقہ مائل بشمال لکھا ہے اور دونوں قواعد ریاضیہ سے استدلال کررہے ہیں، پھر بلاد کے طول وعرض کے نقشے جو عام اٹلسوں اور قدیم کتب غیاث و مالابدمنہ وغیرہ میں چھپے ہوئے ہیں، وہ خود مختلف ہیں؛ حالانکہ سب کا ماخذ یہی قواعد ریاضیہ ہیں۔

الغرض! جبکہ حسابات ریاضیہ اور آلات رصدیہ کا انجام بھی یہی غلبہ ظن بامارات وعلامات ہے اور احتمال خطا وصواب کا اس میں بھی یکساں ہے،تو سہل وسادہ طریق سلف کو کیوں چھوڑا جاوے۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے؛ اگر اس میں کام لے لیا جاوے تو جائز بھی ہے یا نہیں اور جو جہت ان حسابات کے ذریعہ متعین کی جاوے وہ شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں؟

اس کے متعلق فیصلہ علامہ شامی کا یہ ہے کہ جس جگہ مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں تو باتفاقِ علما ان آلات وحسابات سے کام لینا جائز ہے، بلکہ جس شخص کو یہ فن آتا ہو،اس کے لئے ایسے مواقع میں جہاں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں،ضروری ہے کہ بجائے دوسرے علامات ونشانات کے ان آلات وحسابات سے کام لے؛ کیونکہ وہ تقریباً مفید ظن غالب ہیں اور جس جگہ مساجد قدیمہ موجود ہوں، وہاں ان آلات وحسابات کے ذریعہ سمت قبلہ نکالنے میں علما کا اختلاف ہے۔بعض جائز قرار دیتے ہیں بعض ناجائز،حضرت امام احمد بن حنبل کا قول عدم جواز کا اسی تحریر میں گذر چکا ہے۔

أفاد فی النهر أن دلائل النجوم معتبرة عند قوم وعند آخرين ليست بمعتبرة،قال:وعليه إطلاق عامة المتون،آه.

أقول:لم أرفی المتون مايدل علىٰ عدم اعتبارها،ولنا تعلم مانهتدی به علی القبلة من النجوم، وقال تعالىٰ:"النُّجُومَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا"،علىٰ أن محاريب الدنيا كلها نصبت بالتحری حتی منی كما نقله فی البحر،ولايخفىٰ أن أقوی الأدلة النجوم،والظاهر أن الخلاف فی عدم اعتبارها إنما هو عند وجود القديمة،إذ لايجوز التحری معها كما قدمناه،لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح و جماهير المسلمين، بخلاف ما إذاكان فی المفازة فينبغی وجوب اعتبار النجوم ونحوها فی المفازة لتصريح علمائنا وغيرهم بكونها علامة معتبرة،فينبغی الاعتماد فی أوقات الصلاة وفی القبلة،علىٰ ماذكره العلماء الثقات فی كتب المواقيت،وعلىٰ ما وضعوه لها من الآلات كالربع

والاصطرلاب فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها،وغلبة الظن كافية فى ذلك.(رد المحتار: ۲۸۹/۱،طبع هند)(۱)

وفى الفتاوىٰ الخيرية بعد قوله ولايجوزالعمل بقول الفلكى المذكور:

والحاصل أن المسئلة خلافية،فمذهب الحنفية يعمل بالمحاريب المذكورة ولايلتفت للطعن المذكور،ومذهب الشافعية إليه ويعمل به إذاكان من عالم بصيرثقة،ولاخفاء أن مذهبنا سمح سهل حنيفى ميسرغيرمعسر،فإن الطاعة لحسب الطاقة وفى تعيين عين الكعبة حرج و هو مرفوع عنا بالنص الشريف.(كتاب الصلاة: ۸/۱)

هذا آخرما أردت جمعه فى هذه العجالة لعل اللّٰه تعالىٰ ينفع بها المسلمين ويجنبهم عن طرق التعمق والتكلف فى أمورالدين،واللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعلم بالصواب وإليه المرجع فى كل باب.

كتبه الأحقرمحمد شفيع عفا اللّٰه عنه.خادم دارالعلوم ديوبند فى ثمانى ساعات من۳/ربيع الثانى سنہ ١٣٦٠ ه۔

للّٰه درالمجيب العلام وأصاب فيما أجاب: سید احمد علی سعید نگینوی معین المفتی دار العلوم دیو بند

بعد الحمد والصلوٰة، میں نے اس فتوے کو دیکھا، مسئلہ زیر بحث میں کافی وافی پایا، جس سے میں حرفاً حرفاً متفق ہوں اور سہولت تعبیر کے لئے اس کو "تنقيح المقال فى تصحيح الاستقبال"(۱) سے ملقب کرتا ہوں۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔ ۴/ربیع الثانی ١٣٦٠ھ۔

---

(۱) كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة.انيس

(۱) **تنقيح المقال فى تصحيح الاستقبال:**

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

الحمد للّٰه وكفىٰ وسلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ.

امابعد! قواعد ریاضیہ اور آلات رصدیہ کے ذریعہ سمت قبلہ کی تحقیق وتنقیح کے متعلق علمی بحثیں اور ان میں مسلمان ماہرین فن کی جدت طرازیاں اور موشگافیاں ہمیشہ سے چلی آتی ہیں۔ یہ مسئلہ فن ہیئت کی ہر کتاب کا جزو اعظم بنا ہوا ہے۔ اس پر مستقل رسالے بھی ہر زبان اور ہر زمانہ میں غیر محصور لکھے گئے ہیں، لیکن اس وقت تک یہ سب بحثیں احکام شرعیہ کے جاننے والوں کے نزدیک محض ایک بحث وتدقیق اور علمی تفریح کے درجہ میں تھی۔ ان چیزوں کو تعین قبلہ کا مدار اور اداء صلوٰۃ کا موقوف علیہ کسی ناواقف نے بھی نہ بنایا تھا۔ بلکہ سب کے نزدیک یہ امر مسلم تھا کہ اصل مدار معرفت قبلہ کا محاریب صحابہ وتابعین اور مساجد مسلمین ہیں ان کا اتباع تعیین سمت قبلہ کے لئے کافی ہے۔

لیکن پچھلے دنوں ایک مغرب زدہ مشرقی نے ایک نئے فتنہ کا دروازہ کھولا کہ ان چیزوں کو معرفت قبلہ کا مدار قرار دے دیا۔ پھر جس مسجد کے سمت قبلہ کو خود ساختہ حسابات ریاضیہ کے ذرا خلاف پایا، اس کو سمت قبلہ سے منحرف اور اس میں نماز پڑھنے کو ناجائز اور اب تک جتنے لوگوں نے ان میں نمازیں ادا کیں، سب کی نمازوں کو فاسد کہہ دیا۔ پھر چونکہ بناء مساجد میں عہد صحابہ سے آج تک کسی قرن اور کسی ملک میں ان حسابات پر مدار نہیں رکھا گیا اور نہ عموماً استخراج سمت میں ان سے مدد لی گئی، بلکہ شریعت کے بتلائے ہوئے سہل اور عام طریق پر موٹے موٹے آثار وعلامات شمس وقمر اور قطب وقطب نما وغیرہ کے ذریعہ مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں۔ ==

تتمہ؛ جواب سوال مذکور:

(از حکیم الامۃ مجدد الملۃ سیدنا حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم)

علمائے امت وفقہائے ملت نے قاطبۃ بلا اختلاف تصریح فرمائی ہے کہ سمت قبلہ کا مدار آلات رصدیہ وحسابات ریاضیہ پرنہیں، بلکہ اس میں مساجد قدیمہ کا اتباع وتوافق کافی ہے۔ جن کی بنا امارات وعلامات عرفیہ پر ہے، اگر چہ قواعد ہیئت کی رو سے ان میں سمت حقیقی سے کچھ انحراف بھی ہو جس میں اصل قاعدہ سے ربع (۱) دائرہ (۹۰/درجہ) کے قریب تک یعنی دونوں جانب ثمن ثمن دائرہ (۴۵-۴۵/درجہ) تک اور بنابر احتیاط مابین المغربین یعنی ہر طرف ۲۴/درجہ مجموعی ۴۸/درجہ تک گنجائش ہے۔

== اس لئے اس مشرقی کا یہ فتویٰ کسی ایک مسجد یا ایک بستی کی مسجدوں پرنہیں، بلکہ عامہ بلاد مسلمین کی جملہ مساجد پر حاوی ہوگیا اور اس نے کھلے بندوں یہ کہنا شروع کردیا کہ عام مساجد مسلمین سمت قبلہ سے منحرف ہیں، ان میں نماز نہیں ہوتی۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ پوری امت محمدیہ اس کے نزدیک نماز سے محروم ہوگئی۔ (نعوذ باللہ منہ)

اس وقت بعض احباب نے احقر پر اصرار کیا کہ اس کا جواب لکھا جاوے۔ تا کہ عوام مغالطہ سے بچیں۔ لیکن مجھے غیرت آتی تھی کہ میں صحابہ وتابعین اور پوری امت محمدیہ کی نمازیں جائز وصحیح ہونے پر دلائل پیش کروں، اس لئے ان کو تو یہی لکھ دیا کہ اگر سمت قبلہ کوئی ایسا معمہ ہے جس کو حضرات صحابہ وتابعین اور تمام امت حل نہیں کرسکی تو آج بھی کسی مشرقی، مغربی یا جنوبی، شمالی کو اس کے حل کرنے کی ہوس کرنا فضول ہے اور جب کہ صحابہ وتابعین اور پوری امت کی نمازیں (معاذ اللہ) فاسد ہیں تو ہماری بھی سہی:

وأما أنا إلا من غزية إن غوت غويت وإن ترشد غزية أرشد

لیکن حال میں مخدومی جناب سید مقبول حسین صاحب بلگرامی جہانگیر آباد سے ایک استفتا مسئلہ سمت قبلہ کے متعلق لے کر تشریف لائے۔ اس کا جواب اتفاقاً کسی قدر مفصل لکھا گیا پھر موصوف نے یہ جواب سیدی ومرشدی حضرت حکیم الامت تھانوی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کردیا۔ حضرت والا دامت فضائلہم وفواضلہم نے اس کو پسند فرما کر اس کا نام بھی **تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال** تجویز فرمادیا یہ محض حق تعالیٰ کا فضل تھا کہ ایک بے مایہ طالب علم کی عجلت کے ساتھ چند گھنٹوں میں لکھی ہوئی تحریر کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔

اب مناسب معلوم ہوا کہ یہ رسالہ مستقل بھی شائع ہوجاوے کہ مشرقی کے ڈالے ہوئے وساوس کا بھی علاج ہوسکے۔ (**واللہ الموفق و المعین وبه فی کل الحوائج استعین**)

نوٹ: مشرقی کے اشکالات کا مفصل جواب مع احقر کے اس رسالہ و دیگر تحریرات مفیدہ کے جناب سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون شائع کرنے والے ہیں، اگر کسی کو مزید تفصیل کی ضرورت ہو وہ موصوف سے منگا سکتے ہیں۔

العبد الضعیف محمد شفیع عفا اللہ عنہ، خادم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند۔ ٦ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ۔ (امداد المفتین: ۳۲۰-۳۲۱)

(۱) اور حدیث "**ما بین المشرق والمغرب قبلة**" میں ایک سہل عنوان سے یہی بتلانا مقصود ہے کہ پوری جہت جنوب قبلہ ہے اصطلاح ریاضی پر نقطہ مشرق ومغرب کی درمیان قوس مراد نہیں جس سے نصف دائرہ کا شبہ ہوسکے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے بلاد میں تفہیم عوام کے لیے کہا جاوے کہ شمال وجنوب کے درمیان قبلہ ہے پوری جہت مغرب۔ (منہ)

لما فی حاشیة البحر للشامی بعد نقل القولین: وهذا استحباب والأول للجواز. (٢٨٥/١)(١)
اس بنا پر دونوں انحراف مذکور فی السوال کے ہوتے ہوئے بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مساجد قدیمہ خواہ اس بستی میں ہوں یا قرب و جوار میں ہوں، ان کے موافق اس مسجد کو درست کرلیا جاوے۔ ان سب احکام کے دلائل دار العلوم دیوبند کے فتوے میں منقول ہیں جس سے میں حرفاً حرفاً متفق ہوں۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔ ۴/ربیع الثانی ١٣٦٠ھ۔

ضمیمہ! سمت قبلہ معلوم کرنے کا آسان طریقہ:

(از قواعد ریاضیہ)

فتاویٰ مذکورہ سے تو اس گنجائش کا اندازہ معلوم ہوا جو سمت قبلہ کے بارہ میں شریعت نے رکھی ہے اور اگر قواعد ریاضیہ ہی سے کسی کو سمت قبلہ معلوم کرنا ہو تو اس کے بہت سے طریق علماء ہیئت و ہندسہ نے لکھے ہیں جو عوام کے سمجھنے کے نہیں۔ ان میں سے ایک آسان طریق جس میں زیادہ حسابات اور رصدیات کی ضرورت نہیں۔
مکرمی مولانا عبد الکریم صاحب گمتھلوی نے اپنے خط میں بحوالہ تصریح نقل فرمایا ہے اور صاحب تصریح نے بھی اس کو سہل ترین قرار دیا ہے، اس کو بایماء حضرت مرشدی اس تحریر کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے۔ وهو هذا.

اطلاع:

(١) یہ طریقہ ان مقامات کے لئے ہے؛ جو مکہ معظّمہ سے نوے ٩٠/درجہ سے کم فاصلہ پر مشرق میں واقع ہیں، مغربی بلاد میں بھی یہ طریقہ کام دے سکتا ہے، مگر مشرق میں نصف النہار مکہ مکرمہ سے موخر ہوگا اور مغرب میں مقدم اور جن بلاد کا بعد مکہ معظّمہ سے نوے ٩٠/درجہ یا اس سے زائد ہو وہاں نصف النہار مکہ کے وقت رات ہوگی۔ اس لئے اس جگہ مقاطر مکہ سے حساب کیا جاتا ہے؛ جس کو بوجہ عدم ضرورت کے یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

(٢) سمت قبلہ معلوم کرنے کا یہ طریقہ صرف ٢٩/مئی یا ١۴/جولائی کو کارآمد ہوتا ہے اور یہ دونوں تاریخیں چغمینی اور اس کی شرح کے مطابق لی گئی ہیں۔ موجودہ ماہرین فن کے اقوال اس کے متعلق اور بھی ہیں مثلاً! ٢٧/مئی یا ١٦؛ و ١٧/جولائی۔ لیکن یہ کفات قلیل ہے قابل التفات نہیں ان میں سے جس تاریخ میں بھی دیکھا جاوے گا؛ سمت قبلہ صحیح نکل آوے گی۔

---

(١) منحة الخالق على هامش البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ٣٠١/١. انيس

طریق تعیین سمت قبلہ:

جس جگہ کا سمت قبلہ معلوم کرنا ہو اول وہاں کے طول بلد کو (۱) غیاث اللغات یا کسی اٹلس سے معلوم کر کے چالیس درجے کو جو طول بلد ہے؛ مکہ مکرمہ کا، اس میں سے تفریق کر دیں اور باقی کو چار میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو ساٹھ پر تقسیم کر کے گھنٹے منٹ بنالیں، یہ فرق وقت ہوگا مقامی نصف النہار اور نصف النہار مکہ مکرمہ میں (۲) مثلاً جہانگیر آباد کا طول بلد (۸۱) ہے؛ اس میں سے مکہ معظّمہ کے طول بلدہ (۴۰) کو تفریق کر کے (۴۱) رہتا ہے، اس کو چار میں ضرب دینے سے (۱٦۴) منٹ فرق وقت ہوا؛ یعنی دو گھنٹے چوالیس منٹ۔

پھر ۲۹ / مئی یا ۱۴ / جولائی کو ایک فٹ یا کم وبیش مربع زمین کی سطح خوب ہموار کر کے اس کے درمیان ایک کیلی بالکل سیدھی نصب کی جاوے (وہ کیلی تقریباً ۳ / انچ ہو) اور مقامی دھوپ (۳) گھڑی سے بارہ بجے وقت ملالیں، بعدازاں فرق وقت یعنی مثلاً جہانگیر آباد مقامی دھوپ گھڑی سے دو بج کر چوالیس منٹ پر اس کیلی کے منتہائے ظل پر ایک نقطہ لگادیں اور اس نقطہ سے کیلی کے سر پر ڈورہ رکھ کر صحیح خط کشید کریں۔

اس خط کے مطابق مسجد کی جنوبی یا شمالی دیوار قائم ہوگی، پھر جنوبی شمالی دیواریں قائم کر کے ان کے درمیان سیدھی دیوار قبلہ قائم کر دی جاوے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ از مدرسہ قدوسیہ آباد ضلع کرنال

۲۹ / ربیع الثانی ۱۳٦۰ھ۔

---

(۱) اور بہ ضرورت ہندوستان کے مشہور شہروں کا عرض بلد اور طول بلد اس تحریر کے بعد بھی ملحق کر دیا گیا ہے۔ منہ

(۲) کیونکہ آفتاب چار منٹ میں ایک درجہ طے کرتا ہے اور ضرب سے فرق وقت کے منٹ معلوم ہوں گے پھر اس سے گھنٹے بنائے جاویں۔

(۳) اور اگر وہاں دھوپ گھڑی نہ ہو، تو اس کی کیلی کے گرد ایک فٹ کا دائرہ بنا کر اسی سے دھوپ گھڑی کا کام لیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کہ تاریخ مذکور سے ایک دو روز قبل صبح کے وقت دیکھیں کہ کیلی کا سایہ دائرہ میں کس جگہ سے داخل ہوتا ہے، وہاں بہت احتیاط سے ایک نقطہ لگادیں (اس کو مدخل ظل کہتے ہیں) پھر شام کے وقت دائرہ کی اس جگہ پر نقطہ لگائیں جہاں سے کیلی کا سایہ دائرہ سے باہر نکلے (یہ مخرج ظل ہے) پھر مدخل ظل اور مخرج ظل کے دونوں نقطوں کے درمیان خط کھینچ کر اس کے نصف پر ایک نقطہ لگائیں اور مدخل ومخرج کے درمیان دائرہ کا جو حصہ آتا ہے، اس کے نصف پر بھی ایک نقطہ لگائیں پھر ان دونوں نقطوں پر سے گزرتا ہوا ایک خط کیلی تک کھینچ دیں یہ خط خط نصف النہار کہلائے گا ۲۹ مئی یا ۱۴ جولائی کو جب کیلی کا سایہ خط نصف النہار پر پڑے اس وقت گھڑی میں بارہ بجالئے جاویں۔ منہ

نقشہ طول وعرض مشہور بلاد ہندوستان

(ماخذ از غیاث)

نام شہر	طول بلد	عرض بلد	اقلیم	نام شہر	طول بلد	عرض بلد	اقلیم
مکہ مکرمہ	ستر درجہ دس دقیقہ	اکیس درجہ چالیس دقیقہ	دوم	بنارس	ایک سوستر ہ درجہ	چھبیس درجہ	دوم
مدینہ طیبہ	پچھتر درجہ بائیس دقیقہ	پچیس درجہ آٹھ دقیقہ	=	بھوپال	ایک سوگیارہ درجہ	تیئیس درجہ	=
انک	ایک سو چھ درجہ پانچ دقیقہ	تینتیس درجہ چوبیس دقیقہ	سوم	بیجاپور	ایک سو پانچ درجہ تیس دقیقہ	ستر ہ درجہ بائیس دقیقہ	دوم
اجمیر	ایک سوگیارہ درجہ پانچ دقیقہ	پچیس درجہ پچاس دقیقہ	دوم	پشاور	ایک سو چھ درجہ چالیس دقیقہ	انتیس درجہ	سوم
اجین	ایک سو بارہ درجہ تیس دقیقہ	بائیس درجہ پچیس دقیقہ	=	تربت	ایک سودس درجہ	چالیس درجہ پانچ دقیقہ	چہارم
احمد آباد	ایک سوآٹھ درجہ	تیئیس درجہ	سوم	تھانہ بھون	؟		
آگرہ	ایک سو بارہ درجہ پینتالیس دقیقہ	ستائیس درجہ	=	تھانیسر	ایک سو بارہ درجہ تیئیس دقیقہ	انتیس دقیقہ	سوم
الہ آباد	ایک سوسولہ درجہ پچاس دقیقہ	چھبیس درجہ باون دقیقہ	=	ٹھٹھ	بیاسی درجہ تیس دقیقہ	پچیس درجہ دو دقیقہ	دوم
امروہہ	ایک سو چودہ درجہ پینتالیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ چالیس دقیقہ	=	جلال آباد	ایک سو پانچ درجہ چالیس دقیقہ	چونتیس درجہ	سوم
اورنگ آباد	ایک سوگیارہ درجہ تیس دقیقہ	انیس درجہ پانچ دقیقہ	دوم	جونپور	ایک سوسولہ درجہ چھ دقیقہ	چھبیس درجہ گیارہ دقیقہ	=
اجودھیا	ایک سوسولہ درجہ پچیس دقیقہ	تیس درجہ پینتالیس دقیقہ	سوم	حیدر آباد دکن	ایک سو چودہ درجہ پانچ دقیقہ	اٹھارہ درجہ بائیس دقیقہ	دوم

پانی پت	ایک سو تیرہ درجہ بائیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ پندرہ دقیقہ	=	دولت آباد	ایک سو گیارہ درجہ پانچ دقیقہ	بائیس درجہ تیس دقیقہ	=
پٹنہ	ایک سوانیس درجہ بارہ دقیقہ	چھبیس درجہ چالیس دقیقہ	=	دہلی	ایک سو دو درجہ اٹھارہ دقیقہ	اٹھائیس درجہ گیارہ دقیقہ	سوم
بدایوں	ایک سو چودہ درجہ	تیئیس درجہ بیس دقیقہ	=	دیوبند			
برہانپور	ایک سو آٹھ درجہ	بائیس درجہ	دوم	رام پور	ایک سو چودہ درجہ چھتیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ چالیس دقیقہ	سوم
راج محل	ایک سو اکیس درجہ پانچ دقیقہ	پچیس درجہ اڑتالیس دقیقہ	سوم	کالپی	ایکسو پندرہ درجہ	پچیس درجہ تیس دقیقہ	سوم
سرونج	ایک سو چودہ درجہ چالیس دقیقہ	چوبیس درجہ اڑتالیس دقیقہ	=	صوبہ گجرات	ایک سو آٹھ درجہ اٹھائیس دقیقہ	تیئیس درجہ	دوم
شری نگر	ایک سو بارہ درجہ باون دقیقہ	تینتیس درجہ دس دقیقہ	=	کرانہ	ایک سو تیرہ درجہ	اٹھائیس درجہ چالیس دقیقہ	سوم
سراندیپ	ایک سو تیس درجہ پانچ دقیقہ	دو درجہ تیس دقیقہ	اول	کشمیر	ایک سو سات درجہ آٹھ دقیقہ	تینتیس درجہ	چہارم
سنبھل	ایک سو چودہ درجہ چھبیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ تیس دقیقہ	سوم	گوالیار	ایک سو چودہ درجہ	تیئیس درجہ چھپن دقیقہ	دوم
سومناتھ	ایک سو سات درجہ	بائیس درجہ	دوم	لاہور	ایک سو نو درجہ بائیس دقیقہ	اکتیس درجہ پچاس دقیقہ	سوم
سیالکوٹ	ایک سو آٹھ درجہ پانچ دقیقہ	بتیس درجہ چار دقیقہ	سوم	لکھنؤ	ایک سو سولہ درجہ تیرہ دقیقہ	چھبیس درجہ تیس دقیقہ	سوم
سرہند	ایک سو گیارہ درجہ بیس دقیقہ	انتیس درجہ تیس دقیقہ	=	لدھیانہ	ایک سو دس درجہ چالیس دقیقہ	انتیس درجہ تیس دقیقہ	=

سہارنپور		؟	سوم	مونگیر	ایک سو بیس درجہ گیارہ دقیقہ	چھبیس درجہ چھ دقیقہ	سوم
قنوج	ایک سو پندرہ درجہ پندرہ دقیقہ	چھبیس درجہ پچاس دقیقہ	=	سندراس	نامعلوم	تیرہ درجہ	=
کانگڑا	ایک سو دس درجہ پینتیس دقیقہ	تیس درجہ پچاس دقیقہ	=	ہری دوار	ایک سوتیرہ درجہ	انتیس درجہ چالیس دقیقہ	=

نوٹ:

طول بلاد اور عرض بلاد کا ایک نقشہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب ''مالا بدمنہ'' میں بھی چھپا ہوا ہے، وہ کسی قدر غیاث سے مختلف ہے، عمل کرنے کے وقت اس کو بھی دیکھ لیا جاوے اور اختلاف کے موقع پر مالا بدمنہ کے نقشہ کو ترجیح دی جاوے۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مفید معلومات:

(۱)　کل ربع مسکون کا طول بحر محیط کے ساحل غربی سے ساحل شرقی تک بطلیموس کے نزدیک ایک سو ستتر درجہ عرض ۹ ۷؍درجہ ہے اور اکثر محققین کے نزدیک طول بلاد کی ابتدا جزائر خالدات سے کی گئی ہے جو مغربی جانب میں منتہائے آبادی ہے اور منتہاء طول گنگ وزگہ پر جو مشرق جانب میں منتہائے آبادی۔ اور یہ کل طول ایک سواسی ۱۸۰؍ درجہ اور عرض خط استوا سے جانب شمال کی انتہائے آبادی تک چھیاسٹھ درجہ ہے۔

(۲)　زمین کے ایک درجہ کی مسافت ٦٦ ۱؍بٹا۲ (ساڑھے چھیاسٹھ) میل چھ سو چھیاسٹھ گز ہے اور مسافت ایک دقیقہ ارضی کی ایک میل چار سو چوالیس گز ہے۔

(۳)　میل چار ہزار گز ہوتا ہے۔

(۴)　آفتاب اپنی حرکت عرضیہ میں ایک درجہ چار منٹ میں طے کرتا ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

(فتاویٰ دار العلوم مسمی امداد المفتین: ۲؍۳۵۳-۳٦٦) ☆

☆　**سمت قبلہ کا مطلب:**

سوال:　نماز پڑھتے وقت کعبہ کا تعین مغرب کی سمت میں کیا جاتا ہے، جب کہ ضروری نہیں کہ دنیا کے ہر حصے کے لئے ==

سمت قبلہ فقہی دلائل کی روشنی میں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ! یہاں ایک مسجد کے پیش امام صاحب نماز پڑھانے میں اپنا رخ مسجد کے سامنے نہیں رکھتے، بلکہ تھوڑا سا ٹیڑھا سا فرق کر لیتے ہیں؛ جب کہ مسجد قطب نما سے بالکل صحیح ہے، مسجد کے مؤذن صاحب کہتے ہیں کہ اگر تھوڑا سا فرق ہو تو نماز ہو جاتی ہے، لیکن امام صاحب کا کہنا ہے کہ نماز بالکل نہیں ہوگی، امام صاحب نے لوگوں کو قبلہ نما دکھلایا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ کراچی شہر کا قبلہ تھوڑا بائیں جانب ہے، اب چونکہ تمام مسجدیں بلکہ پورے پاکستان اور ہندوستان کی تمام مساجد کا رخ قطب نما سے ہے، تو کیا اب پورے ملک کی مساجد کو از سرے نو تعمیر کیا جاوے؛ یا ان میں صرف لکیریں دوسری لگا دی جائیں، تاکہ نمازیں صحیح سمت میں ادا کی جائیں اور اگر نماز میں کوئی فرق اس تھوڑے فرق سے نہ آتا ہو، تو شرعی رو سے ہم کو مطلع کیا جائے، تو جناب کی نوازش ہوگی، بندہ کو جلد از جلد خط کے ذریعہ جواب سے مطلع کیا جائے، تاکہ لوگوں کا دلی وسوسہ ختم ہو کر اطمینان قلب ہو؟ (مصلیان مسجد اقصیٰ کراچی)

الجواب ________ باسمہ تعالیٰ

مختصر جواب یہ ہے کہ قبلہ میں تھوڑا سا فرق ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا ہے، نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا صفوں کے نشانات کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہے، بیت اللہ سے پینتالیس درجہ تک شمالاً یا جنوباً انحراف مفسد نہیں ہے، اس سے زیادہ ہو تو مفسد ہے، تشفی کے لئے درج ذیل چند نکات لکھ رہا ہوں۔

(۱) اصل اس معاملہ میں یہی ہے کہ ہم اہل مشرق کے لئے سمت مغرب قبلہ ہے، اگر تھوڑا سا فرق ہو جائے تو قبلہ کی سمت صادق آجاتی ہے۔

== یہ اصول درست ہو۔ اگر یہ اصول محض اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ تمام مسلمان ایک سمت کو سجدہ کریں تو نماز میں یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ "میرا رخ کعبے شریف کی طرف ہے" جب کہ ہم کو یقین ہے کہ ہمارا منہ مغرب کی طرف ہے۔

الجواب ________

غالباً آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمان خواہ وہ کہیں آباد ہوں، نماز کے وقت مغرب کا رخ کرتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ اصل میں ہمیں نماز کے اندر کعبہ مشرفہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان وغیرہ کے لحاظ سے چونکہ کعبہ مغرب کی سمت میں ہے، اس لئے یہاں کے باشندے مغرب کا رخ کرتے ہیں، لیکن جو لوگ مغربی ممالک مثلاً یورپ اور امریکہ وغیرہ میں بستے ہیں، وہ نماز کے وقت مغرب کی بجائے مشرق کی طرف منہ کرتے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے باشندے جنوب کی طرف رخ کرتے ہیں، اور جنوبی افریقہ کے لوگ شمال کی طرف۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل چیز کعبہ ہی کا استقبال ہے، وہ جس خطہ کے لحاظ سے جس سمت میں ہو ادھر ہی کا رخ کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۲۰ / ربیع الاول ۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/ ۴۰۰)

(۲) سنت قبلہ کی تعیین اور بنائے مساجد میں سنت صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک یہ ہے کہ جس بلدہ میں مساجد قدیمہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جائے، ایسے مقامات میں آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ کی تدقیق میں پڑنا سنت کے خلاف اور نا مناسب اور باعث تشویش ہے ہاں جنگلات اور ایسی نو آبادیات میں جن میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں قواعد ریاضیہ سے مدد لی جائے تو مضائقہ نہیں، گو ان سے مدد لینا ضروری وہاں بھی نہیں بلکہ وہاں بھی تحری اور تخمینہ قریبی آبادیوں کی مساجد کا کافی ہے اور اگر مساجد بلدہ کی سمتیں کچھ باہم متخالف ہوں، تو بظن غالب یا چند تجربہ کار مسلمانوں کے اندازہ سے جو ان میں سے زیادہ اقرب ہو، اس کا اتباع کرلیا جائے۔ البتہ اگر کسی بلدہ کی عام مساجد کے متعلق قوی شبہ ہو جاوے کہ وہ سمت قبلہ سے اس درجہ منحرف واقع ہیں کہ نماز ہی درست نہیں ہوگی، تو ایسی صورت میں ان کا اتباع نہ کیا جائے گا، بلکہ یا قواعد ریاضیہ سے سمت قبلہ کا استخراج کیا جاوے یا اس بلدہ کے قریب کی کسی مسجد سے تخمینہ کرکے سمت قبلہ متعین کی جاوے۔

مسئلہ سمت قبلہ کی تحقیق کے لئے ایک بات کی توضیح ضروری ہے، وہ یہ کہ استقبال قبلہ جو نماز میں فرض ہے؛ اس کی حد ضروری کیا ہے؟

اس مسئلہ کے متعلق مذہب مختار حنفیہ کا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو، اس کے لئے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے اور جو کعبہ سے غائب ہے، اس کے ذمہ جہت کعبہ کا استقبال ہے، عین کعبہ کا نہیں۔

جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

"وإن كان نائيًا عن الكعبة غائبًا يجب عليه التوجه إلٰى جهتها وهى المحاريب المنصوبة بالأمارات الدالة عليها لا إلٰى عينها وتعتبر الجهة دون العين كذا ذكر الكرخي والرازى وهو قول عامة مشائخنا بما وراء النهر، وقال بعضهم: المفروض إصابة عين الكعبة بالاجتهاد و التحرى وهو قول أبى عبد الله البصرى. (۱)

اسی طرح "ہدایہ" میں ہے:

"ومن كان غائبًا ففرضه إصابة جهتها هو الصحيح؛ لأن التكليف بحسب الوسع". (۲)

پھر جہت قبلہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک خط جو کعبہ پر گزرتا ہوا جنوب وشمال پر منتہیٰ ہو جاوے اور نمازی کے وسط جبہہ

---

(۱) بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع للكاسانى، كتاب الصلاة، فصل فى شرائط الأركان: ١/١١٨، ط: ايچ، ايم

(۲) الهداية فى شرح بداية المبتدى لبرهان الدين المرغينانى، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التى تتقدم: ١/٩٥- ط: رحمانيه، لاهور

سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس سے موقع تقاطع پر دوزاویہ قائمہ پیدا ہو جاویں؛ وہ قبلہ مستقیم ہے۔

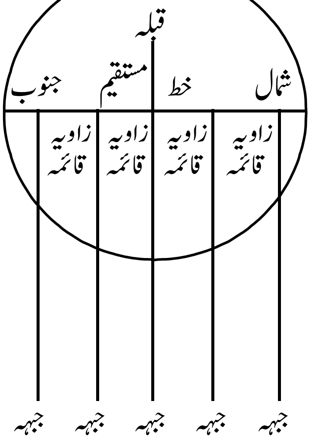

اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کے اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف قلیل ہے اس سے نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مستقیم پر زاویہ قائمہ پیدا کر دے، تو وہ انحراف کثیر ہے، اس سے نماز نہ ہوگی اور علماء ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل وکثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ ۴۵ درجہ تک انحراف ہو تو قلیل، اس سے زائد ہو تو کثیر اور مفسد صلاۃ ہے۔

انحراف قلیل وکثیر کی تعیین میں فقہاء امت اور علماء ہیئت کے اور بھی اقوال ہیں جن میں سے بعض اس سے زیادہ وسعت کو چاہتے ہیں اور بعض میں اس سے کم کی گنجائش ہے، اس جگہ اوسط سمجھ کر اس قول کو اختیار کیا گیا ہے اور وہ سب اقوال ذیل میں مذکور ہیں۔

(۱)　''درمختار'' میں ہے:

''المفهوم مما قدمناه عن المعراج والدرر من التقييد بحصول زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل لعين الكعبه يمينًا أويسارًا أنه لا يصح لو كانت إحداهما حادة والأخرىٰ منفرجة بهذه الصورة:

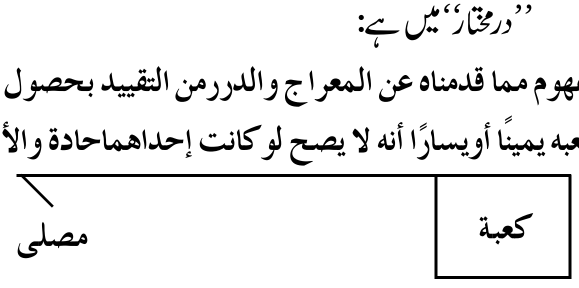

(إلٰى أن قال): فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذى يبقىٰ معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أولهوائها بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمرعلى الكعبة أو

هوائها مستقيمًا،ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلى بل منها أومن جوانبها.(١)

(٢) ''فتاویٰ خیریہ'' میں ہے:

''وعن أبى حنيفة المشرق قبلة أهل المغرب،والمغرب قبلة أهل المشرق والجنوب قبلة أهل الشمال،والشمال قبلة أهل الجنوب وعليه فالانحراف قليلاً لا يضر.(٢)

(٣) ''البحر الرائق'' میں ہے:

''(قوله:ولغيره إصابة جهتها)أى لغير المكى فرضه إصابة جهتها وهوالجانب الذى إذا توجه إليه الشخص يكون مسامتًا للكعبة أولهوائها أما تحقيقاً بمعنى أنه لوفرض خط من تلقاء وجهه علٰى زاوية قائمة إلى الأفق يكون مارًا على الكعبة أوهوائها وأما تقريبًا بمعنى أن يكون ذلك منحرفًا عن الكعبه أوهوائها انحرافاً لا تزول به المقابلة بالكلية بأن بقى شيء من سطح الوجه مسامتًا لها؛لأن المقابلة إذا وقعت فى مسافة بعيدة لا تزول بما نزل به من الانحراف لوكانت فى مسافة قريبة ويتفاوت ذلك بحسب تفاوت البعد وتبقٰى المسامة مع انتقال مناسب لذلك البعد،فلوفرض مثلاً خط من تلقاء وجه المستقبل للكعبة على التحقيق فى بعض البلاد وخط آخريقطعه علٰى زاويتين قائمتين من جانب يمين المستقبل وشماله لا تزول تلك المقابلة بالانتقال إلى اليمين والشمال علٰى ذلك الخط بفراسخ كثيرة،ولهذا وضع العلماء قبلة بلد و بلدين وبلاد علٰى سمت واحد.(٣)

(۴) ''فتاویٰ قاضی خان'' میں ہے:

''ومن كان خارجًا عن مكة فقبلته جهة الكعبة وهوقول عامة المشائخ هوالصحيح،هكذا فى التبيين،وجهة الكعبة تعرف بالدليل،والدليل فى الأمصاروالقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعون فعلينا اتباعهم فإن لم تكن فالسوال من أهل ذلك الموضع وأما فى البحار و المفاوزفدليل القبلة النجوم،هكذا فى فتاوى قاضيخان.(۴)

(١) ردالمحتارعلى الدرالمختار،كتاب الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة:١/٤٢٩-٤٣٠،ط:ايچ،ايم، سعيد

(٢) الفتاویٰ الخيرية لنفع البرية للشيخ خيرالدين الرملى،كتاب الصلاة: ١/٧،ط:بولاق مصر

(٣) البحرالرئق شرح كنز الدقائق،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ١/٢٨٤، ط:رشيديه كوئٹہ

(۴) الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الثالث فى شروط الصلاة،الفصل الثالث فى استقبال القبلة : ١/٦٣، ط:ايچ،ايم سعيد

(۵) ”فتاویٰ خیریہ“ میں ہے:

”(سئل)ومن القواعد الفلكية إذاكان الانحراف عن مقتضى الأدلة أكثرمن خمس وأربعين درجة يمنة ويسر ة يكون ذلك الانحراف خارجًا عن جهة الربع الذى فيه مكة المشرفة من غيرإشكال(إلٰى)فهل هذه المحاريب المزبورة انحرافها كثيرفاحش يجب الانحراف فيها يسرة إلٰى جهة مقتضى الأدلة والحالة ما ذكرأم لا؟وإذا قلتم يجب فهل إذا عاند شخص وصلى فى هذه المحاريب بعد إثبات ما ذكرتكون صلاته فاسدة،الخ.

(أجاب)حيث زالت بالانحراف المذكورالمقابلة بالكلية بحيث يبقٰى من سطح الوجه مسامتًا للكعبة عدم الاستقلال المشروط لصحة الصلاة بالإجماع وإذا عدم الشرط عدم المشروط.(١)

(٦) ”فتاویٰ شامی“ میں ہے:

”فلوفرضنا خطاً من تلقاء وجه مستقبل الكعبة على التحقيق فى هذه البلاد ثم فرضنا خطاً آخريقطعه على زاويتين قائمتين من جانب يمين المستقبل وشماله لا تزول تلك المقابلة والتوجه بالانتقال إلى اليمين والشمال علٰى ذلك الخط بفراسخ كثيرة،فلذا وضع العلماء القبلةفى بلاد قريبة علٰى سمت واحد،آه.

ونقله فى الفتح والبحروغيرهما وشروح المنية وغيرها،وذكره ابن الهمام فى زاد الفقير.

وعبارة الدررهكذا: وجهتها أن يصل الخط الخارج من جبين المصلى إلى الخط المار بالكعبة على استقامة بحيث يحصل قائمتان،أونقول:هوأن تقع الكعبة فيما بين خطين يلتقيان فى الدماغ فيخرجان إلى العينين كساقى مثلث،كذا فيما قال النحريرالتفتازانى فى شرح الكشاف،فيعلم منه أنه لوانحرف عن العين انحرافاً لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز،ويؤيده ما قال فى الظهيرية:إذا تيامن أوتياسرتجوز؛لأن وجه الإنسان مقوس؛لأن عند التيامن أوالتياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة،انتهٰى كلام الدرر.

وقوله:فى الدررعلى استقامة متعلق بقوله يصل؛لأنه لووصل إليه معوجًا لم تحصل قائمتان بل تكون إحداهما حادة والأخرىٰ منفرجة كما بينا.ثم إن الطريقة التى فى المعراج هى الطريقة الأولٰى التى فى الدرر،إلا أنه فى المعراج جعل الخط الثانى مارًا على المصلى علٰى ما هو المتبادرمن عبارته،وفى الدررجعله مارًا على الكعبة،الخ.(٢)

---

(١) الفتاوى الخيرية لنفع البرية للشيخ خير الدين الرملى،كتاب الصلاة،: ٩/١،ط:بولاق مصر

(٢) رد المحتارعلى الدرالمختار،كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة: ٤٢٨/١-٤٢٩-

حسابات، آلات مثلاً قطب نما اور قبلہ نما سے نکالی ہوئی سمت قبلہ میں بھی اہل فن کا اکثر اختلاف رہتا ہے۔ اس لئے کہ اگر طول بلد اور عرض بلد کے معلوم کرنے میں تھوڑا سا فرق ہو گیا یا قطب نما کی سوئی لوہا نزدیک ہونے کی وجہ سے ہل گئی تو سمت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، جیسا کہ البحر الرائق اور رد المحتار میں لکھا ہے کہ علما کا اتفاق ہے کہ دنیا کی تمام مساجد محض تحری وتخمینہ سے قائم کی گئی ہیں؛ لیکن مسجد نبوی کی سمت قبلہ وحی اور مکاشفہ کے طور پر کی گئی ہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بیت اللہ کو معجزہ کے طور پر سامنے کر دیا تھا، اس کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد مدینہ کی سمت قبلہ قائم فرمائی۔ اس لئے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجماع ہے کہ مسجد نبوی کی سمت قبلہ بالکل یقینی ہے۔

”ومحاريب الدنيا كلها نصبت بالتحرى حتٰى منٰى ولم يزد عليه شيئًا وهذا خلاف ما نقل عن أبى بكر الرازى فى محراب المدينة أنه مقطوع به، فإنه إنما نصبه رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم بالوحى بخلاف سائر البقاع حتٰى قيل إن محراب منٰى نصب بالتحرى والعلامات و هو أقرب المواضع إلٰى مكة.(١)

لیکن حسابات ریاضیہ سے جب دیکھا گیا تو وہ بھی صحیح نہیں اتری، چنانچہ مصر کے امیر ابن طولون نے جب مصر میں اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا، تو چند ماہرین ہندسہ کو مدینہ منورہ بھیج کر پہلے مسجد نبوی کی سمت قبلہ کو آلات رصدیہ (یعنی قطب نما وغیرہ) سے جانچا، تو معلوم ہوا کہ آلات کے ذریعہ نکالے ہوئے خط سمت قبلہ سے مسجد نبوی کی سمت دس درجہ مائل بہ جنوب ہے، جیسا کہ مقریزی نے ”**كتاب الخطط**“ میں بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

”إن أحمد بن طولون لما عزم علٰى بناء هذا المسجد بعث إلٰى محراب مدينة رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم من أخذ سمته فإذا هو مائل عن خط سمت القبلة المستخرج بالصناعة نحو عشر درجة إلٰى جهة الجنوب.(٢)

”احمد بن طولون نے جب اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا، تو چند اہل فن کو مدینہ طیبہ بھیج کر مسجد نبوی کی سمت قبلہ بذریعہ آلات رصدیہ نکلوائی، دیکھا تو حسابات کے ذریعہ نکالی ہوئی سمت سے قبلہ دس درجہ مائل بجنوب ہے“۔

جو لوگ آلات رصدیہ کو سمت قبلہ کا مدار رکھنا چاہتے ہیں ان کی تجویز پر مسجد نبوی کی سمت قبلہ بھی درست نہیں رہتی، اس لئے ان لوگوں کو اچھی طرح غور وفکر کرنا چاہئے مختلف کتابوں کی متعدد عبارات مذکورہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے

---

(١) البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٢٨٧/١، ط: ايچ، ايم، سعيد

(٢) كتاب المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار المعروف بالخطط للمقريزى للشيخ تقى الدين أبى العباس المقريزى (المتوفى: ٨٤٥هـ) ذكر المحاريب التى بديار مصر وسبب اختلافها، الخ: ٢٥٦/٢، ط: بيروت

کہ بلاد بعیدہ میں سمت قبلہ ٹھیک کرنے کا شرعی طریقہ جو سلف سے چلا آرہا ہے، وہ یہ ہے کہ جن شہروں میں پرانی مساجد موجود ہیں ان کا اتباع کیا جائے؛ کیونکہ اکثر شہروں میں تو خود صحابہ کرام وتابعین عظام نے مساجد کی بنیاد ڈالی اور سمت قبلہ متعین فرمائی ہے اور پھر انہی کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد بنائی ہیں، اس لئے یہ سب مساجد مسلمین سمت قبلہ معلوم کرنے کے لئے کافی وافی ہیں، ان میں بلا وجہ شبہات فلسفیہ نکالنا شرعاً اچھا نہیں، بلکہ مذموم اور تشویش کا سبب ہے۔

بلکہ بسا اوقات ان تدقیقات میں پڑنے کا یہ نتیجہ ہو جاتا ہے کہ حضرات صحابہ وتابعین اور عامہ مسلمین پر بدگمانی ہو جاتی ہے کہ ان کی نمازیں اور قبلہ درست نہیں، حالانکہ یہ باطل محض اور سخت جسارت ہے۔ جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

"والظاهر أن الخلاف في عدم اعتبارها (النجوم) إنما هو عند وجود المحاريب القديمة، إذ لا يجوز التحري معها كما قدمناه، لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح وجماهير المسلمين". (۱)

عبارات مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سمت قبلہ اور استقبال قبلہ کی جو حد ضروری معلوم ہوئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے چہرہ کا کوئی ذرا سا ادنیٰ حصہ خواہ وسط چہرہ کا ہو یا داہنی، بائیں جانب کا بیت اللہ شریف کے کسی ذرا سے حصہ کے ساتھ مقابل ہو جاوے۔

اور فن ریاضی کی اصطلاح میں یہ ہے کہ عین کعبہ سے پینتالیس درجہ تک بھی دائیں یا بائیں انحراف ہو جاوے تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہو جاتی ہے، اس سے زائد انحراف ہو تو استقبال فوت ہو کر نماز فاسد ہو جائے گی۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ انحراف قلیل جو عام طور پر کہیں جنوباً کہیں شمالاً واقع ہو جاتا ہے، یہ ناقابل التفات ہے اس کی وجہ سے نہ کسی مسجد کی جہت بدلنے کی ضرورت ہے نہ اس کو قائم رکھتے ہوئے کسی طرف مائل ہونے کی ضرورت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد انعام الحق۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۱۹۳-۲۰۱)

جہت کعبہ کی شرعی حد:

سوال (الف): میں کناڈا کا باشندہ ہوں۔

مسئلہ: بعض مسلمانوں کے مابین اختلاف پیدا ہو گیا، بعض یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کے وقت جب کہ مسجدیں نہ ہوں، یا مسجدیں ہوں، لیکن بیچ میں کوئی چیز حائل ہو تو جو راستہ اقرب الی الکعبہ ہو وہیں سے اتجاہ قبلہ ہو سکتا ہے اور

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ۱/۴۳۱، ط: ایچ ایم سعید

بعض کہتے ہیں کہ خواہ کہیں بھی کھڑے ہوں، اتجاہ قبلہ اور استقبال قبلہ ہونا چاہیے، اس سلسلے میں صحیح مسئلہ کیا ہے جواب سے نواز کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(ب) مزید یہ کہ بعض کہتے ہیں کہ ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(۱) سے استدلال کرتے ہیں جب کہ وہ عالم دین ہیں، تو کیا ان کے لیے اس آیت سے استدلال کرنا جائز ہے؟

(ج) بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو مسجدوں میں نمازیں پڑھتے ہیں، حالاں کہ وہ مسجدیں قبلہ سے منحرف ہیں ہمارے بتانے کے بعد بھی وہ نہیں مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ چیز مشکل بھی کہ مسجدوں کی جہت بدلیں، نیز یہ کہ وہی لوگ اپنے گھروں میں جب نماز پڑھتے ہیں، تو جہت دوسری ہوتی ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ شرعیہ کیا ہے؟

(د) ہماری خواہش ہے کہ آپ ناصحانہ طور پر یہ بھی تحریر فرمائیں کہ استقبال قبلہ برائے نماز ضروری ہے جیسے نماز کے لیے وضو ضروری ہے، تاکہ لوگ صحیح جہت پر نماز پڑھ کر ثواب کے مستحق ہوں۔

نوٹ: اگر ممکن ہو بغیر کسی وقت کے تو برائے کرم یہ تحریر فرمائیں کہ اس کے جواب پر حضرت مولانا انعام الحق صاحب یا جو بھی مرکز میں اس کے ذمہ دار ہوں، اس پر دستخط فرمائیں تاکہ لوگ دیکھ کر منکر سے بچ سکیں۔

قیاس حکم استقبال الکعبة علیٰ حکم الوضوء قیاس فاسد غیر صحیح فی عامة الأحوال و الظروف، لأن الوضوء أمر مشاهد اختیاری، ومواجهة القبلة لاتکون محسوسة ولا اختیاریة بل هی مستندة إلی الکتاب والسنة والاستنباط الشرعیة کما فی المقدمات المذکورة.

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

نوٹ: مستفتی صاحب نے جو زبانی باتیں بیان کی تھیں ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں (کناڈا) میں یہ اختلاف علما کے درمیان میں ہے اور وہ سب دلائل کے ساتھ بحث کرتے ہیں، اس لیے بطور اصول موضوعہ چند مقدمات درج ہیں، اس کے بعد حکم شرع مذکور ہوگا۔

پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اصل کعبہ وقبلہ یہ عمارت متعارفہ نہیں ہے، بلکہ وہ حصہ زمین اور اس کی فضا ہے جو عنان سماء تک ہے جس پر یہ عمارت کھڑی ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جب اس عمارت قبلہ کو ایک حبشی منہدم کردے گا جب بھی اسی جہت پر نماز پڑھی جائے گی۔

تو روایات اور حدیث کی مدد سے کعبہ کی حقیقت نکلی، باقی موجودہ عمارت قبلہ اس عین کعبہ پر علامت ہے، اس لیے

(۱) سورة البقرة: ۱۱۵ـ انیس

عرف میں بھی اس عمارت کو قبلہ وکعبہ کہتے ہیں اور یہ عمارت بیش از بیش ۲۲×۲۸ فٹ مربع میں ہے اور بس۔اوراس عمارت کے اردگرد مسجد حرام ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل برابر اسی کعبہ کی جانب رخ کرکے نماز پڑھتے تھے، چونکہ مکہ مکرمہ میں تھا، بعد ہجرت تقریباً ۱۸/ماہ بیت المقدس کی جانب نماز پڑھی گئی تھی،مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہی تھی کہ مکہ مکرمہ میں جو کعبہ مشرفہ ہے،اسی جانب نماز پڑھی جائے اس خواہش مبارکہ کو اللہ تعالیٰ نے اس منطوق میں بیان فرمایا ہے۔

﴿قَدْ نَرىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ﴾(سورةالبقرة:١٤٤)

ان آیات میں منجملہ اشارات کے ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عین کعبہ منکشف فرمایا گیا تھا،جیسا کہ ﴿قَدْ نَرىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِکَ (إلىٰ قوله) قِبْلَةً تَرْضٰهَا﴾ کے منطوق کے اندر اس کا صریح اشارہ متحقق ہے۔لیکن سب پر عین کعبہ کا منکشف ہونا دشوار اور متعذر تھا،اس لیے امت کو جو حکم دیا گیا،اس میں جمع کا صیغہ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ بول کر آسان کردیا گیا۔

اور دوسرا اشارہ ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ میں یہ بھی ہے کہ وجہ کو جانب قبلہ پھیرنے کا حکم ہے اور وجہ نام ہے"بين الأذنين وبين أقصاء الناصية إلىٰ حاشية السفلى عن اللحية "(۱) کا اور یہ حصہ وجہ مدور نصف دائرہ کے قریب قریب ہے۔نیز آیت کریمہ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ سے اشارہ ہے کہ اگر چہ عین قبلہ کی جانب اشارہ نہ ہو،تو محض مسجد حرام کے کسی حصہ کی جانب مواجہت ہوجائے،تو یہ بھی کافی ہے۔

پس حاصل یہ نکلا کہ وجہ مصلی کے کسی بھی حصہ سے خواہ احدالاذنین کی جانب سے اقصاء ناصیہ کی جانب سے خواہ لحیہ کے حاشیہ سفلی کی جانب کہیں سے بھی کوئی خط مستقیم نکل کر سیدھا مسجد حرام کے کسی بھی حصہ تک پہنچ جائے تو نص قرآنی میں ذکر کردہ مواجہت حاصل ہوکر نماز صحیح ادا ہوجائے گی۔

اور ایسی مواجہت کو فقہا مواجہت فی الجملہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

مقدمہ:(۲) نیز ان آیات سے یہ حکم تو اس وقت مستنبط ہوگا جس وقت یہ معلوم ہو کہ میرا قبلہ مشرق میں

---

(۱) والوجه إسم لعضو معلوم مشتق من المواجهة وحده من منابت الشعر إلى منتهى الذقن طولاًومابين الأذنين عرضاً.(تفسير المظهرى،تفسير سورة المائدة: ٤٤/٣،كذا فى جامع البيان للطبرى،القول فى تأويل قوله تعالىٰ: فاغسلوا وجوهكم:١٦٤/٨،انيس)

ہے، یا مغرب میں ہے، یا فلاں جانب میں ہے، لیکن اگر مسلمان کسی ایسی جگہ پہنچ جائے کہ اس کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ میرا قبلہ کس جانب کو ہے اور نہ کوئی بتلانے والا ہی ہو جو اس کو جہت قبلہ بتلا سکے سمندر، میدان اور جنگل میں ایسا ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرات صحابہ کو علاقہ بربر کے جنگلات میں پہنچ کر پیش آیا، یا دور نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بعض صحابہ کو اندھیری رات میں ایسی جگہ پہنچ جانے پر نماز عشا ادا کرتے وقت پیش آ گیا کہ کسی کو جہت کا اندازہ نہ ہوسکا۔ اور اپنا کوئی عضو بھی نظر نہ آسکا مگر نماز عشا جماعت سے پڑھنی مطلوب تھی، امام کی آواز سے صف بستہ ہو کر نیت باندھ کر نماز ادا کرنا شروع کر دیا درمیان ادائیگی کسی کا سر کسی کے کمر سے ٹکرایا اور کسی کا سر کسی کی پشت سے ٹکرایا وغیرہ ذلک، مگر جیسی قدرت تھی اس کے اعتبار سے سب نے نماز عشا با جماعت ادا کر لی اور سلام پھیرنے کے بعد چوں کہ صحبت رسول علیہ السلام کے فیض سے فہم سلیم اعلیٰ درجہ کا حاصل تھا، اس لیے سب نے یہ طے کر لیا کہ اسی حالت میں سب لوگ اپنی اپنی قیام گاہ پر اور اپنے اپنے سجدہ گاہ پر کوئی چیز رکھ کر علامت قائم کر لیں اور اجالا ہونے پر دیکھا جائے کہ کس نے کس جانب نماز پڑھی، کس کی نماز صحیح ہوئی اور کس کی نماز صحیح نہیں ہوئی، سورج نکلنے کے بعد صورت حال ایسی نکلی کہ یہ صحابہ خود فیصلہ نہ کر سکے تو جب مدینہ طیبہ واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پشت کی جانب امام تھا اس کی نماز نہیں ہوئی، اسی طرح جو شخص امام سے آگے تھا اس کی نماز نہیں ہوئی اور باقی سب کی نماز صحیح ہوگئی۔

مقدمہ: (۳) اس مذکورہ حالت کا اور اس جیسی اچانک پیش آمدہ حالات کا حکم آیات مذکورہ بالا سے ہر شخص کو حاصل نہیں ہوسکتا، حالاں کہ یہ دین قیم ہر شخص کیلئے اور قیامت تک کیلئے ہے۔ اس لیے اس کے لئے بھی ایک واضح حکم آیت کریمہ ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (۱) سے ظاہر فرما دیا اور اس کی تفسیر صحابہ کے پیش کردہ عمل نے اور واضح کر دیا کہ انسان اپنی پوری کوشش تعیین قبلہ کیلئے کرے پھر اپنے قلب سے حسب حکم حدیث پاک (استفتِ قلبک) (۲) کے مطابق عمل کرے اور نفسانیت اور کسل کو قطعاً دخل نہ دے تو وہ عمل صحیح ومعتبر

---

(۱) سورة البقرة: ۱۱۵، انیس

(۲) عن وابصة بن معبد الأسدی قال: أتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وأنا أرید أن لا أدع شیئاً من البر والإثم إلا سألته فأتیته فی عصابة من الناس یستفتونه فجلعت أتخطاهم فقالوا: إلیک یاوابصة عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقلت: دعونی أدنو من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فإنه أحب إلی أن أدنو منه، قال: دعوا وابصة، ادن یاوابصة، استفت قلبک، واستفت نفسک، واستفت نفسک، البر ماطمأنت إلیه النفس واطمأن إلیه القلب، والإثم ما حاک فی نفسک، وتردد فی الصدر، وإن أفتاک الناس وأفتوک ثلاثاً. (مسند أبی یعلی الموصلی، مسند وابصة بن معبد (ح: ۱۵۸۶)/ مسند الإمام أحمد، حدیث وابصة بن معبد (ح: ۱۸۰۰۶)/ سنن الدارمی، باب دع مایریبک إلی مالایریبک (ح: ۲۵۷۵)/ مسند الحارث، باب فی البر والإثم (ح: ۶۰) انیس)

عند الشرع ہو جائے گا، یا پھر غیب سے کوئی وضاحت حق کی حاصل ہو جائے گی، جیسا کہ علاقہ بربر کے جنگلات میں صحابہ پر مسجد کا سنگ بنیاد رکھتے وقت حقیقت منکشف ہوگئی تھی، کما بین فی کتب السیر الصحیحۃ ، اور قول صحابہ کرام کہ اندھیری رات میں نماز پڑھنے والے واقعہ سے ظاہر ہو رہا ہے اور ان احادیث وواقعات کے نصوص سے اور ﴿وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ آیت کریمہ کے صریح لفظوں کی مدد سے سیکڑوں مسائل نکلتے اور ملتے ہیں، مثلاً! سمندر، میدان، جنگل وغیرہ کہیں ایسے مقام میں ورود ہو جائے جہاں جہت قبلہ کا اندازہ نہ ہو سکے، نہ کوئی بتانے والا ہے اور نہ سورج، چاند، ستاروں کے ضابطہ سے بھی اندازہ ہو سکے کہ قبلہ کدھر ہے، تو ''استفت قلبک'' کے مطابق خوب غور کر لینے کے بعد جو جہت متعین ہو جائے، اسی رخ پر نماز پڑھ لے اور پڑھ لینے کے بعد اگر غلطی کا علم بھی ہو جائے؛ جب بھی وہ نماز صحیح و درست شمار ہوگی۔

مقدمہ: (۴)　　آیت کریمہ ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ (الآیۃ) سے مواجہت قبلہ کا جو مدلول ومفہوم نکلا اس کی ترجمانی و وضاحت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام مدینہ کے دور میں مختلف الفاظ وکلمات میں فرمائی، سب کا مفہوم مخاطبین اولین نے یہی سمجھا کہ چھوٹے سے چھوٹے دن میں آفتاب جہاں طلوع ہوتا ہے اور جہاں غروب ہوتا ہے، اسی کے درمیان میں تمہارا قبلہ ہے یعنی اسی جانب رخ کرنے سے مواجہت قبلہ حاصل ہو جائے گی، چھوٹے سے چھوٹے دن فرمانے میں اشارہ ہے کہ اس کے خلاف بسا اوقات بجائے مواجہت قبلہ کے عدم مواجہت پیدا ہو جائے گی۔

یہی ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے دائیں اور بائیں جانب بھی جو مساجد تعمیر ہوئیں ان کے لیے بھی تھا، اور یہ خطہ مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب ہے، اس سے یہ حکم اور واضح ہوگیا کہ اس خطہ سے شمال کی جانب اقصائے عالم تک سب کا قبلہ اسی رخ پر اور اسی انداز پر ہوگا اور سب کو اسی رخ پر مواجہت حاصل ہو جائے گی، چنانچہ آج تک اجماع اسی پر چلا آرہا ہے کہ مدینہ طیبہ سے شمال میں جتنی مساجد ہیں سب اسی رخ پر ہیں اور سب میں نمازیں ادا کرتے ہیں۔

مقدمہ (۵)　　اسی طرح مکہ مکرمہ سے دکھن جانب کے لوگوں کے لیے قبلہ اتر (شمال) کی جانب ہوگا اور اس کی مواجہت شرعیہ کے بارے میں مدینہ طیبہ کے اندر بیان کردہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا السلام کے بیان کردہ ضابطہ کے مطابق چھوٹے سے چھوٹے دن میں آفتاب جس جگہ طلوع اور جس جگہ غروب ہوتا ہے، اس کے مابین جہت قبلہ رہی ہے اور اسی سے مواجہت قبلہ فی الجملہ حاصل ہو جائے گی، پھر اس کے پیچھے اقصائے عالم تک کے لوگوں کے لیے یہی جہت قبلہ شمار ہوگی اور چھوٹے سے چھوٹے دن کی قید اس لیے ہے کہ بڑے دن میں جہت بعض مرتبہ طلوع وغروب کی

جگہ مصلی کے عقب کی جانب واقع ہوجائے گی، جونص قرآنی میں مواجہت کے مفہوم سے متضاد ہوجائے گی اس لیے معتبر نہ ہوگی۔

مقدمہ(٦)　　اسی طرح مدینہ کے اندر جہت قبلہ میں بیان کردہ ارشاد نبوی کے مطابق مکہ مکرمہ سے پورب (مشرق) میں جولوگ ہوں جیسے ہندوستان کے لوگ اوراس کے پیچھے مشرق کے لوگ اقصائے عالم تک ان کا قبلہ بین المغربین ہے، یعنی بڑے سے بڑے دن میں جہاں طلوع ہواسی کے درمیان ان کا قبلہ ہوگا اوراسی سے مواجہت قبلہ فی الجملہ حاصل ہوجائے گی۔

مقدمہ(٧)　　اسی طرح مکہ مکرمہ سے پچھّم (مغرب) میں جولوگ ہوں گے وہ لوگ اوران کے پیچھے مغرب میں اقصائے عالم تک جولوگ ہوں گے سب کا قبلہ بین المشرقین ہوگا، یعنی بڑے سے بڑے دن میں جس جگہ آفتاب طلوع ہوتا ہواوراسی تاریخ میں چھوٹے سے چھوٹے دن میں جہاں آفتاب غروب ہوتا ہواسی کے درمیان ان کا قبلہ رہے گا، اوراسی سے مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل ہوجائے گی۔

مقدمہ(٨)　　جہات اربعہ (مغرب، مشرق، جنوب، شمال) میں مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل ہوچکنے کے بعد اب یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جولوگ عالم کے گوشہ میں رہتے ہیں مثلاً گوشۂ شمال مغرب، گوشۂ جنوب مغرب، گوشۂ شمال مشرق، گوشۂ جنوب مشرق میں رہنے والوں کی جہت قبلہ کیا ہوگی؟

سوعرض ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مدینہ کے دوران جوضابطہ مواجہت کے حصول کا ارشادفرمایا ہے اسی ارشادمعجزانہ کے تحت مستنبط ضابطہ پر مکہ مکرمہ کے شمال مشرق کے گوشہ میں جولوگ رہتے ہیں ان کا قبلہ یہ ہوگا کہ جس جگہ چھوٹے سے چھوٹے دن میں آفتاب طلوع وغروب ہوتا ہواوراسی تاریخ میں بڑے سے بڑے دن جس جگہ آفتاب طلوع ہوتا ہواس کے مابین ان کے لیے جہت قبلہ ہوگی، اور جولوگ مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق کی جانب ہوں ان کی جہت قبلہ یہ ہوگی کہ بڑے سے بڑے دن میں جس جگہ آفتاب غروب ہوتا ہواوراسی تاریخ میں چھوٹے سے چھوٹے دن میں طلوع ہوتا ہواس کے مابین (درمیان) جہت قبلہ ہوگی، اور جولوگ شمال مغرب کے گوشہ میں ہوں گے ان کا قبلہ یہ ہوگا کہ جس جگہ آفتاب چھوٹے سے چھوٹے دن میں طلوع ہوتا ہواوراسی تاریخ میں چھوٹے سے چھوٹے دن میں آفتاب غروب ہوتا ہواس کے مابین ان کا قبلہ ہوگا، اور جولوگ مکہ مکرمہ سے جنوب مغرب کے گوشہ میں رہتے ہوں ان کا قبلہ یہ ہوگا کہ جس جگہ بڑے سے بڑے دن میں آفتاب طلوع ہورہا ہواوراسی تاریخ میں جس جگہ چھوٹے سے چھوٹے دن میں آفتاب غروب ہوتا ہواس کے مابین ان کا قبلہ ہوگا۔

مقدمہ(٩)　　آیت کریمہ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ الخ‘‘ میں غروب اور طلوع

کے مدلول سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیا کے کسی خطہ وعلاقہ میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو خواہ ہوائی جہاز کے اوپر یا کسی غار کے اندر یا کسی قید خانہ اور سجن کے اندر سے یا کسی سطح سمندر سے یا اقصائے عالم کے کسی گوشہ میں نماز پڑھنا چاہے اور جہت قبلہ معلوم ومتعین ہو یا تحری سے متعین کرے اس صورت میں مصلی کے چہرہ (وجہ مصلی) کے کسی حصہ سے خط مستقیم نکل کر سیدھا بجائے عین کعبہ کے محض مسجد حرام کے کسی حصہ سے یا پوری مسجد حرام کے اوپر عنان سماء تک جو فضا ہے، اس کے کسی حصہ سے وہ خط مستقیم ٹکرا جائے تو مواجہت فی الجملہ حاصل ہو کر ادائیگی نماز صحیح ہو جائے گی۔

مقدمہ (١٠)　　اسی آیت کریمہ کے اس جملہ ﴿فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ﴾ سے نیز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے جو دوران قیام مدینہ طیبہ صادر ہوا اس پر عمل جاری ہوا، ان سب سے معلوم ہوا کہ اس مصلی کی وجہ کے کسی حصہ سے ایک ذہنی خط مستقیم چل کر جب مسجد حرام تک پہنچ جائیگا تو مواجہت قبلہ فی الجملہ حاصل ہو جائیگی اور نماز درست ہو جائے گی، حالاں کہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان بہت سی چیزیں حائل ہیں، مگر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی حیلولت کے باوجود اس توجہ کا حکم یعنی جواز صلوٰۃ کا حکم دیا اور سی پر اجماع خلف وسلف بھی منعقد ہو گیا اور حدیث پاک ''ولا تجتمع أمتي على الضلالة'' (١) کے حکم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

تنبیہ:　　ان مقدمات عشرہ کی تحدید کے بعد اب استفتا کا جواب نمبر وار درج ہے۔

جواب (١) دنیا کے نقشہ میں دیکھ لیجئے کناڈا مکہ مکرمہ سے کس جانب ہے، جس جانب واقع ہو اسی جانب کا قبلہ دیکھ کر اس کے مطابق نماز پڑھ لیجئے، مثلاً مکہ مکرمہ سے کناڈا اگر شمال مشرق کے گوشہ میں واقع ہو تو مقدمہ: (٨) میں ذکر کردہ دلیل شرعی کے مطابق حکم شرع نکلے گا کہ مصلی جہاں بھی کھڑا ہو اس کے چہرہ (وجہ) کے کسی حصہ سے اگر ایک ذہنی خط مستقیم نکل کر سیدھا مسجد حرام کے کسی حصہ سے یا پورے مسجد حرام کے اوپر عنان سماء تک جو فضا گئی ہوئی ہے اس سے ٹکرا جائے تو نماز ہو جائے گی اور وہی مواجہت فی الجملہ مصلی کی صحت صلوٰۃ کے لیے کافی ہوگی قطع نظر اس سے کہ مصلی کے سامنے دیوار ہو یا مصلی مکان کے اندر نماز پڑھ رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔ ١٤١٢/١٢/٥ھ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ١٤٢-١٥٠) ☆

---

(١)　الكنى والأسماء للدولابي، من كنيته أبو خلف أبو خلف حجر بن الحارث (ح: ٩٣٧) انیس

☆　**تعیین قبلہ کی صحیح شکل:**

سوال (١)　ہمارے موضع میں ایک قدیم مسجد ہے جس کی توسیع اور تعمیر کا کام شروع کیا گیا تھا، دوران کام قبلہ رخ کی جانچ کرنے کے لیے قبلہ نما آلہ سے جانچ کی گئی تھی، جس کے لحاظ سے حالیہ مسجد ٩ ڈگری پر ہے، یہاں کے مقامی علما کہتے ہیں کہ بیدر کے لئے دس ڈگری پر قبلہ ہونا چاہئے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سات تا دس ڈگری پر مسجد رہے، تو نماز درست ہو سکتی ہے۔ لہٰذا آپ جواب قطعی تحریر فرمائیں؟

(٢)　نیز یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ حالیہ مسجد کا رخ اگر غلط ہے، تو آج تک اس میں پڑھی گئی نمازوں کا کیا حشر ہوگا، آیا صحیح ہوئیں یا نہیں؟ مسجد کس ڈگری پر ہونی چاہئے، مطلع فرمائیں؟ بینوا توجروا۔　　==

سمت قبلہ معلوم کرنے کا شرعی معیار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ!

یہاں محلّہ ڈانگراواڑہ شہر بھروچ میں ایک مسجد جو تقریباً ایک سو پچیس سال پرانی ہے، شہید کی گئی، اوراسی جگہ نئی مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، پرانی مسجد کی سمتِ قبلہ محفوظ رکھنے کی غرض سے اس کا کچھ حصہ باقی رکھا گیا ہے، جن انجینئر

==

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سوال کا یہ جملہ (۱) حالیہ مسجد ۹ ر ڈگری پر ہے۔

(۲) ضلع بیدر کے لیے ۱۰ر ڈگری پر قبلہ نما ہے۔

اولاً تو بالکل مبہم اور غیر واضح ہے جب تک مسجد کی اتر دکھن کی لمبائی کی مقدار معلوم نہ ہو، اس فرق سے کسی مقدار کا تعین نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً چونکہ حکم شرعی کا مدار ان جدید آلات وحسابی دقائق میں نہیں ہوتا، اس لیے اس پر کوئی کلام بے سود اور بے نتیجہ ہوگا، اس لیے (۲) کے متعلق اس حیثیت سے گفتگو بھی نظر انداز کر کے اس کے حکمِ شرعی کے متعلق کی گئی ہے۔

جواب استفتا سے قبل یہ چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں!

دینِ اسلام دینِ فطرت ہے۔ "نحن أمة أمية لا نكتب ولا نحسب" أو كما قال عليه السلام. (الصحيح للبخاری، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا نكتب، الخ (ح: ۱۹۱۳)

اسلام کے احکام اس فطرت کے مطابق بالکل سیدھے سادے ہوتے ہیں، علم ریاضی وہندسہ کے حسابی دقائق پر موقوف نہیں ہوتے اور نہ ان آلاتِ جدیدہ قطب نما، قبلہ نما پر احکام شرعیہ کا مدار ہوتا ہے، مگر یہ سب چیزیں محض تخمین وتسکین ومددگار کے درجہ میں ہوتی ہیں اور یہ بداہۃً بھی ظاہر ہے، ان آلات کے علم ہونے سے قبل اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر افریقہ وروم وفارس وغیرہ تمام ممالک میں اس طرح پہنچ گیا تھا، تمام مساجد بھی بن چکی تھیں اور بغیر ان آلات کے بنیں اور آج تک اسی طرح معتبر وقائم ہیں۔

اب اس کے بعد جواب بحکمِ شرعی لکھا جاتا ہے:

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ بیت اللہ شریف جب آنکھوں کے سامنے اور معائن ہو تو عینِ کعبہ کی مواجہت شرط ہوتی ہے اور جب بیت اللہ شریف آنکھوں سے اوجھل نظروں سے غائب ہو، تو محض سمتِ قبلہ اور جہت قبلہ کی مواجہت فی الجملہ کافی ہوتی ہے۔ (فللمكی)... (إصابة عينها) ... (ولغيره) أي غير معاينها (إصابة جهتها) بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أو لهوائها، بأن يفرض من تلقاء وجه مستقبلها حقيقة في بعض البلاد خط على زاوية قائمة إلى الأفق مارًا على الكعبة، وخط آخر يقطعهٗ على زاويتين قائمتين يمنة ويسرة. منح. (الدر المختار على هامش الرد: ۲۸۷/۱، كتاب الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة) (مرتب)

اور بیت اللہ سے جتنی دوری ہوجاتی ہے مواجہت فی الجملہ میں توسیع ہوتی جاتی ہے اور مواجہت فی الجملہ کا مفہوم یہ ہے کہ چہرہ سے خواہ ناک کے سیدھے یا چہرہ کے کسی حصہ سے اگر سیدھا خط نکال دیا جائے تو سیدھا بیت اللہ شریف تک پہنچ جائے تو مواجہت فی الجملہ حاصل ہوجائے گی اور جدید حساب کی رو سے ایک دو ڈگری کا فرق صحتِ صلوٰۃ میں مخل اور مضر نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۵۰-۱۵۲ / منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲۰۲/۱-۲۰۴)

صاحب کو مسجد کا کام سپرد کیا گیا ہے، انہوں نے بتایا کہ نئی مسجد کی سمتِ قبلہ کمپاس کے ذریعہ متعین کی جائے، تو انہیں سمجھایا گیا کہ پرانی مسجد کی سمت قبلہ جس جانب ہے، اسی جانب نئی مسجد کی سمت قبلہ رکھی جائے، یہاں آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کی ضرورت نہیں، پرانی مسجد کی سمت قبلہ ہی کافی ووافی ہے، الحمدللہ تھوڑا سمجھانے پر بات ان کی سمجھ میں آ گئی، لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ قرب وجوار کے محلوں اور سوسائٹیوں میں جو مساجد از سرِ نو تعمیر کی جاتی ہیں ان میں کمپاس کے ذریعہ سمتِ قبلہ طے کر سکتے ہیں اور عام طور پر ایسا ہی کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جن مساجد قدیمہ کو شہید کر کے اس جگہ نئی مساجد تعمیر کی جاتی ہیں اس میں بھی انجینئر صاحبان مسجد قدیم کی سمتِ قبلہ کو چھوڑ کر کمپاس کے ذریعہ سمت قبلہ طے کرتے ہیں، جیسا کہ ان انجینئر صاحب نے یہاں کرنا چاہا۔

اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ!

(۱) اگر مسجد قدیم کو شہید کر کے اسی جگہ نئی مسجد تعمیر کی جائے، تو آیا نئی مسجد کی سمت قبلہ بعینہٖ وہی رکھی جائے جو مسجد قدیم کی تھی، یا آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کے ذریعہ سمت قبلہ طے کی جائے، خواہ دونوں سمتوں میں اختلاف قلیل ہی ہو، بظاہر پہلی صورت ہی زیادہ صحیح اور اکابرِ امت کے تعامل کے مطابق معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ جواہر الفقہ حصہ اول رسالہ ”**تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال**“ کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اگر کسی ایسی جگہ از سرِ نو مسجد تعمیر کی جائے جہاں قرب وجوار میں دوسری مساجد موجود ہیں، تو آیا اس نئی مسجد کی سمتِ قبلہ طے کرنے کے لیے قرب وجوار کی مساجد قدیمہ کی سمت قبلہ کو معیار بنایا جائے؟ یا آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کی مدد سے سمتِ قبلہ طے کی جائے؟ خواہ دونوں سمتوں میں اختلاف قلیل ہو یا کثیر؟ کون سا طریقہ صحیح و تعاملِ سلف سے زیادہ قریب اور امت محمدیہ **علٰی صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیم** کے لیے زیادہ سہل وآسان ہے؟

(۳) آلاتِ رصدیہ کمپاس وغیرہ کا استعمال کہاں اور کن صورتوں میں کر سکتے ہیں؟

(۴) حضرات فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کا درجہ کیا ہے؟ کمپاس وغیرہ کے ذریعہ طے کی ہوئی سمت قبلہ کا درجہ وہی ہے جو مساجدِ قدیمہ کے ذریعہ طے کی ہوئی سمت قبلہ کا ہے یا کم یا زیادہ؟

بینوا وتوجروا۔

برائے کرم مندرجہ بالا مسائل کی تحقیق از روئے فقہ حنفی عبارات فقہیہ کے ساتھ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

”فتاویٰ عالمگیری“ میں ہے:

”**وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل فى الأمصار والقرى المحاريب التى نصبها الصحابة و**

التـابـعـون،فعلينا اتباعهم فإن لم تكن فالسؤال من أهل ذلك الموضع،وأما فى البحاروالمفاوز فدليل القبلة النجوم،هكذا فى فتاوىٰ قاضى خان". (الفتاوىٰ الهندية: ٦٣/١)

اور" فتاویٰ قاضی خان" میں ہے:

"وجهة الكعبة تعرف بالدليل،والدليل فى الأمصاروالقرى المحاريب التى نصبها الصحابة و التـابعون رضى الله تعالىٰ عنهم،فحين فتحوا العراق جعلوا قبلة أهلها ما بين المشرق والمغرب .لـذلك قـال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ:إن كان بالعراق جعل المغرب عن يمينه والمشرق عن يساره،وهكذا قال محمد رحمه الله تعالىٰ،وإنما قال ذلك لقول عمررضى الله عنه إذا جعلت الـمغرب عن يمينك والمشرق عن يسارك فما بينهما قبلة لأهل العراق،وحين فتح خراسان جـعـلـوا قبـلـة أهـلها ما بين مغرب الصيف ومغرب الشتاء،فعلينا اتباعهم فى استقبال المحاريب الـمـنـصوبة فإن لم تكن فالسؤال من الأهل،أما فى البحاروالمفاوزفدليل القبلة النجوم لما روى عـن عـمـررضى الله عنه أنه قال:" تعلموا من النجوم ماتهتدون به إلى القبلة". (فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الهندية: ٦٩/١-٧٠)

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

"وقـال فـى فتـاوىٰ قـاضـى خـان:وجهة الـكعبة تعرف بالدليل،والدليل فى الأمصاروالقرى الـمـحـاريـب التـى نـصبها الصحابة والتابعون رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين،فعلينا اتباعهم فى استقبال المحاريب المنصوبة فإن لم تكن فالسوال من الأهل،آه.

فـقـد جـعـل السـوال مـن الأهـل مـؤخـرًا عن المحاريب،وذكربعضهم أن أقوى الأدلة القطب فيـجعله من بالشام وراءه والرملة ونابلس وبيت المقدس من جملة الشام كدمشق وحلب و جوز لـلـكل الاعتماد على القطب وجعله خلفه ولا بد فى ذلك من نوع انحراف لأهل ناحية منها لكنه لايـضـر كما قررناه،وهذا علىٰ قول من اعتبرالجهة وهوالمختاركما فى أكثرالكتب،أما من اشترط إصـابة الـعيـن فـجـعـل الانحراف القليل مفسدًا لكن لا يتحقق الخطأ بالانحراف يمنة و يسرة مع البـعـد عن مكة،وإنما يظن وبناء على اشتراط الشافعية ذلك جوّزوا الاجتهاد فى المحاريب يمنة ويسرة مـاعـدا مـحـرابـه ومسـجـده صـلـى الـلّـه عليه وسلم،وأما الاجتهاد فيها أى فى محاريب الـمسـلمين بالنسبة إلى الجهة فلا يجوزحيث سلمت من الطعن؛لأنها لم تنصب إلا بحضرة جمع مـن الـمسـلـميـن أهـل معرفة بسمت الكواكب والأدلة،فجرى ذلك مجرى الخبر فتقلد تلك

المحاريب وفى الخادم لهم كما نقله فى حاشية ابن قاسم وهذا كله إذا لم يجتهد،و أما لو اجتهد فظهرله الخطأ ظنًا أوقطعًا فلا يسوغ له التقليد قطعًا أى تقليد تلك المحاريب،آه.

والحاصل المفهوم من كلامهم أنه يجوزالاجتهاد فى المحاريب يمنة ويسرة ولايجب وأنه يجوزتقليدها قبل الاجتهاد وبعده لايجوزله إذا ظهرخطؤها وأما الاجتهاد فى الجهة فلايجوز قبل الطعن أما بعده فيجوز. (الفتاویٰ الخيرية علٰى هامش تنقيح الفتاویٰ الحامدية: ١/١٣، ١٤)(١)

''معین الحکام'' میں ہے:

''إذا دخل رجل بلدًا خرابًا لا أحد فيها وقد حضروقت الصلاة،فإن كان من أهل الاجتهاد و لم تخف عليه دلائل القبلة رجع إلى اجتهاده ولم يلتفت إلٰى تلك المحاريب،وإن خفيت عليه الدلائل ولم يكن من أهل الاجتهاد وكانت القرية للمسلمين صلى إلٰى تلك المحاريب؛لأن الظاهرمن بلاد المسلمين أن مساجدهم وآثارهم لاتخفى وأن قبلتهم ومحاريبهم علٰى ما توجبه الشريعة،وأما إن كانت محاريب منصوبة فى بلاد المسلمين العامرة فى المساجد التى تكثرفيها الصلوات وتتكررويعلم أن إمامًا للمسلمين بناها،فإن العالم والعامى يصلون إلٰى تلك القبلة و لايحتاجون فى ذلك إلى اجتهاد؛لأن من المعلوم أنها لم تبن إلا بعد الاجتهاد فى ذلك،وأما المساجد التى لاتجرى هذا المجرى،فإن العالم إذاكان من أهل الاجتهاد فسبيله أن يستدل على الجهة فإن خفيت عليه الدلائل صلى إلٰى تلك المحاريب إذاكان بلدًا للمسلمين عامرًا؛ لأن هذا أقوى من اجتهاده مع خفاء الدلائل عليه،فأما العامى فيصلى فى سائرالمساجد إذ ليس من أهل الاجتهاد''. (معين الحكام: ١٦٧-١٦٨)(٢)

مندرجۂ بالا اور دیگر عباراتِ فقہیہ نقل کرنے کے بعد مولانا محمد یوسف بنوری تحریر فرماتے ہیں:

فتلخص من هذه الدررالمنثورة التى التقطناها من كتب الثقات مسائل:

الأولٰى:أن دلائل القبلة فى العمرانات محاريب الصحابة والتابعين ثم ذوى العلم الموثوق بهم.

الثانية: أنه يجب الاستخبارعن أهل البلد إذا لم تكن هناك محاريب منصوبة.

الثالثة:أنه لايجوزالتحرى فى محاريب الصحابة والتابعين مطلقًا لا فى الجهة ولا فى الانحراف عنها يمنة أويسرة.

الرابعة:أنه لايعتبرقول الفلكى فى مقابلة محاريب الصحابة والتابعين.

---

(١) الفتاویٰ الخيرية لنفع البرية،كتاب الصلاة: ١/٦-٧،بولاق مصر.انيس

(٢) معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام،الباب الحادى والخمسون فى القضاء بما يظهر.انيس

الخامسة: أنه يجوز عدم التحرى فى محاريب عامة المسلمين فى الانحراف عنها ولا يجوز الاجتهاد فى الجهة قبل الطعن.

السادسة: أنه يجوز التحرى فى محاريب عامة المسلمين والانحراف عنهم يمينًا وشمالاً بدليل،ويجوز الاجتهاد فى الجهة بعد الطعن فيها.

السابعة: أنه يجوز اعتبار الأدلة الهندسية فى باب القبلة،والاعتماد بقول الفلكى فى محاريب غير الصحابة والتابعين عندنا،وأما عند الشافعية فيجوز الاعتماد بها وإن كان فى محاريبهم.(بل يجب عندهم)

الثامنة: أنه يسوغ العمل بالأدلة الهندسية ولايجب.

التاسعة: أنه يجوز تحمل الانحراف اليسير فى المحاريب بأن لا تتبدل الجهة بالكلية وتبقى مسامتة جهة الكعبة.

العاشرة: أن من كان من أهل الاجتهاد فله أن يجتهد وجوبًا فى المحاريب التى لم يعلم ناصبوها.

الحادية عشرة: أنه لا يقلد المحراب الخارج عن الجهة بالإجماع.

الثانية عشرة: أن العامى يستوى فى حقه سائر المساجد فيصلى فيها من غير استخبار ولا تحر.

تنبيه: المجتهد فى القبلة هو الذى يعلم أدلة القبلة من الشمس والقمر والنجوم وغيرها كما صرح به العينى فى شرح الهداية.(بغية الأريب فى مسائل القبلة والمحاريب:۷۷-۷۸)

جن علاقوں میں حضرات صحابہ وتابعین نے مساجد کی بنیادیں ڈالی ہیں اورسمت قبلہ متعین فرمائی ہیں اور پھرانہی کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد بنائی ہیں،ان علاقوں میں تو سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے انہی کا اتباع کیا جائے، بلکہ کتبِ فقہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور تابعین کی متعین کی ہوئی سمت قبلہ میں آلات رصدیہ کا بالکل اعتبار نہیں کیا جائے گا،کتب فقہ میں جہاں پر لفظ ''مساجدِ قدیمہ'' استعمال کیا گیا ہے،اس سے مراد وہی مساجد ہیں،جن کا اوپر تذکرہ ہوا،یعنی حضرات صحابہ وتابعین کی بنائی ہوئیں یا انہی کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے جو مساجد بنائی ہیں،آپ نے اپنے سوال کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ ''ایک مسجد جو تقریباً ایک سو پچیس سال پرانی ہے،شہید کی گئی،الخ'' آپ اپنی اس تحریر سے اپنی اس مسئولہ مسجد کو بھی کتب فقہ میں وارد شدہ لفظ ''مساجد قدیمہ'' میں علی الاطلاق شامل کررہے ہیں،لیکن آپ کا یہ دعویٰ علی الاطلاق درست نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۱۶۲) پر ایک سوال ہے،وہ سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ایک مسجد جامع ہے،جو تقریباً ایک سو تیس برس کی تعمیر شدہ ہے،آج کل اس میں بوجہ تنگی نمازیوں کو سخت

تکلیف ہورہی تھی، مسجد ہٰذا کو بغرض توسیع وتعمیرِ جدید منہدم کرایا گیا کہ پہلی بنیاد سے اسے سیدھی کرنے میں اتر کا مغربی گوشہ تین ہاتھ پچھّم جانب بڑھایا گیا اور دکھن کا مشرقی گوشہ تین ہاتھ پورب ہٹایا گیا، مگر پھر بھی قطب سے کچھ فرق رہ گیا، کوئی صورت ایسی نہیں ہوسکتی جو قطب سے بالکل سیدھی کی جاسکے، بہت بڑا کنواں مسجد کی بنیاد میں پڑ رہا تھا، ایسی مسجد ہٰذا میں شرعاً کوئی نقص نماز کی ادائیگی وغیرہ میں وقوع پذیر ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ اور قطب کو تعمیر مسجد میں شرعاً کیا حیثیت حاصل ہے؟ قبلہ رخ جو معتبر ہے جس کو فقہا نے ''بین الفرقدین والجدی'' لکھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے

الجواب حامدًا ومصلياً ومسلمًا: اتنے معمولی فرق سے نماز میں نقصان نہیں آتا، تاہم اگر دوبارہ تعمیر سے اصلاح نہ ہوسکی، تو صفوف کے نشان صحیح طور پر مسجد میں لگا دیئے جائیں اور ان کے موافق رخ صحیح کرلیا جائے پھر مسجد کو گرا کر از سر نو تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمت معلوم کرنے کی بہت سی علامات فقہا نے لکھی ہیں: قطب بھی ایک دلیل ہے، بلکہ اقوی الادلہ ہے، اہل ہند سے قبلہ کا رخ عامۃً جانب مغرب میں ہے، پس اگر سردی اور گرمی میں جس جگہ آفتاب غروب ہوتا ہے، اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی، یعنی دونوں موسموں کے جائے غروب کے درمیان کا حصہ جہت کعبہ ہے، یہی مطلب ہے ''**بين الفرقدين والجدى**'' کا۔

وجهة الكعبة تعرف بالدليل، الخ. (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۶۲-۱۶۳)

اس جواب پر ۹/ربیع الاول ۱۳۶۷ھ کی تاریخ لکھی ہوئی ہے، گویا آج سے ۵۷ سال قبل کا تحریر فرمودہ جواب ہے اور جیسا کہ آپ پڑھ چکے سوال میں تصریح موجود ہے کہ وہ مسجد ایک سوتیس برس کی تعمیر شدہ تھی، اس کے باوجود جواب میں اس کا رخ صحیح کرنے کی تاکید کی جارہی ہے اور ایک سوتیس سال کی تعمیر شدہ ہونے کی بنیاد پر مسجد قدیم کہہ کر اس انحراف کو باقی رکھنے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے۔

اسی طرح کا ایک سوال وجواب فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۲۶۲ پر بھی موجود ہے۔

''فتاویٰ خیریہ'' کی جو عبارت شروع جواب میں نقل کی گئی ہے، اس میں بھی یہی نوعیت پائی جاتی ہے، جب کہ فتاویٰ خیریہ کی ترتیب وتبویب ۱۰۸۱ھ میں ہوئی ہے، صاحب فتاویٰ خیریہ اسی نوع کے ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"إذا لم يكن المحراب من وضع الصحابة والتابعين ولا من وضع ذوى العلم الموثوق بهم فى معرفة القبلة ولا علىٰ سمت وضعهم فلا عبرة به إجماعًا. (الفتاوى الخيرية علىٰ هامش الفتاوىٰ الحامدية: ١/٦)(١)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"والمسئلة واضحة وحاصلها إذا تحقق خروجه عن الجهة بالكلية لايجوز اعتماده إجماعًا و

(١) الفتاوى الخيرية، كتاب الصلاة، الجواب من السوال الثانى: ١/٨، ط: بولاق مصر. انيس

إذالم يخرج عنها جازاعتماده وإن كان فيه انحراف قليل يجوزعند الحنفية ولايجوزعند الشافعية، ومعرفة ذلک من هذا العلم لاينكره أحد ونحن علىٰ علم بأن الصحابة رضى اللّٰه تعالىٰ عنهم أعلم من غيرهم فإذا علمنا أنهم وضعوا محرابًا لايعارضهم من هودونهم وإذا علمنا أن محرابًا وضع من غيرهم بغيرعلم لا نعتمده وإذا لم نعرف شيئًا وعلمنا كثرة المارين وتوالى المصلين علىٰ مرورالسنين عملنا بالظاهروهوالصحة وعند تحققنا بالخطأ زال الغطاء وهوفى اختلاف الجهة بحيث يكون متجاوزًا المشارق إلى المغارب. (الفتاوى الخيرية علىٰ هامش الفتاویٰ الحامدية: ١٧/١)(١)

ان ساری عبارتوں کو پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ حضرات صحابہ وتابعین کی بنائی ہوئی مساجد کے علاوہ دیگر مساجد میں اگر دلائل سے معلوم ہوجائے کہ اس کی جہت درست نہیں ہے، تو اس کو درست کردیا جائے گا، ہاں معمولی فرق قابل انگیز ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

(۱) اگر مسجدِ قدیم کے متعلق معلوم ہے کہ اس کی تعمیر ثقہ اور قابل اعتبار ماہر علما کی نگرانی میں ہوئی ہے، تو اس صورت میں اس کو شہید کرکے نئی تعمیر کی جانے والی مسجد کی سمت قبلہ وہی رکھی جائے جو مسجد قدیم کی تھی۔

(۲) از سر نو تعمیر کی جانے والی مسجد کے قرب وجوار میں دوسری مساجد مندرجۂ بالا نمبر (۱) کے مطابق موجود ہیں، تو اس نئی مسجد کی سمت قبلہ کے لیے قرب وجوار کی مسجد کو معیار بنایا جائے۔

(۳-۴) اگر صحابہ وتابعین کے زمانہ کی مساجد موجود ہیں، تو سمت قبلہ کی تعیین کے لیے انہی کو معیار بنانا ضروری ہے، آلات رصدیہ کا کوئی اعتبار اس صورت میں نہیں ہوگا اور صحابہ وتابعین کے زمانہ کی مساجد کے نہ ہونے کی صورت میں اگر جواب (۱) میں مذکور نوع کی مساجد ہوں، ان کو سمت قبلہ کی تعیین کے لیے معیار بنایا جائے، اور اگر اس نوع کی بھی کوئی مسجد موجود نہیں، تو آلات رصدیہ کو صحیح استعمال کرنے والا ماہر موجود ہے اور اس نوع کے ماہرین کے اقوال میں آپس میں کوئی تعارض بھی نہیں پایا جاتا ہے، تو اس صورت میں اس ماہر کی متعین کردہ سمت قبلہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمۃ "فتاویٰ خیریہ" کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

وقال (فى حق قبول قول الفلكى): ومع ذلک يعمل به بلا شبهة إذا خلا عن المعارضة بما هو مثله أوهو فوقه. (بغية الأريب فى مسائل القبلة والمحاريب: ٧٦)

اور جیسا کہ آگے ہم اوپر نقل کر آئے، مختلف عبارات فقہیہ سے جو نتائج انہوں نے نکالے ہیں، اس میں تو یہاں تک فرمایا ہے:

العاشرة: أن من كان من أهل الاجتهاد فله أن يجتهد وجوبًا فى المحاريب التى لم يعلم ناصبوها. (بغية الأريب: ٧٨)

---

(۱) الفتاوى الخيرية، كتاب الصلاة، الجواب من السوال الثانى: ٩/١، ط: بولاق مصر. انيس

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ بھی تحریر فرماتے ہیں:

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ ریاضیہ سے اگر اس میں کام لے لیا جائے، تو جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور جو جہت ان حسابات کے ذریعہ متعین کی جائے وہ شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں؟ اس کے متعلق فیصلہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ کا یہ ہے کہ جس جگہ مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں تو باتفاق علما ان آلات وحسابات سے کام لینا جائز ہے، بلکہ جس شخص کو یہ فن آتا ہو اس کے لیے ایسے مواقع میں جہاں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں ضروری ہے کہ بجائے دوسری علامات ونشانات کے ان آلات وحسابات سے کام لے؛ کیوں کہ محض تحری وتخمینہ سے زیادہ مفید ظنِ غالب ہے۔ (رسالہ سمت قبلہ، جواہر الفقہ: ۱/۲۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ: سمت قبلہ کے موضوع پر ایک عربی تصنیف "بغية الأريب في مسائل القبلة والمحاريب" کے نام سے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب علیہ الرحمۃ کی بھی ہے، اس کا مطالعہ بھی ضرور فرمالیں، جواہر الفقہ کے مطالعہ کے بعد بھی کچھ گوشے تشنہ رہ جاتے ہیں، مذکورہ رسالہ کے مطالعہ کے بعد اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ **فقط واللہ تعالیٰ أعلم**

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ ۲۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ۔ (محمود الفتاویٰ: ۱/۴۳۰-۴۴۱)

کمپاس کے ذریعہ سمت قبلہ معلوم کرنا کیسا ہے:

سوال: سعودی عرب کی "نورولی" نامی ایک کمپنی نے ایک "کمپاس" بنایا ہے، جس کے ساتھ "امام" نام کا ایک کتابچہ ہے، اس میں دنیا کے ہر مقام کا جهة الكعبه معلوم کرنے کے لئے نمبر دیئے گئے ہیں، جس پر کمپاس کا کانٹا ملانے سے مطلوبہ مقام کا سمت قبلہ معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ کمپاس نہ آٹومیٹک ہے، نہ بیٹری والا ہے اور نہ مقناطیسی۔ کسی اسلامی تنظیم یا مسلم ملک کی تصدیق بھی اس میں درج نہیں ہے اور نہ ماہرین جغرافیہ وسائنس کی توثیق ہے۔

ہندوستان کے مندرجہ ذیل مقامات: چندرناگور، جمشید پور، جھانسی، جبل پور، ناگپور، پٹنہ، سورت، احمدآباد، بنارس، کلکتہ، بردوان، بھاول نگر کے لئے اور ان صوبوں کے لئے جن میں یہ شہر واقع ہیں، عین مغرب سے ۱۱ نمبر جنوب میں ہٹ کر جہت کعبہ تجویز کیا گیا ہے، ہزاری باغ میں اندر پوری چوک کی مسجد کو اسی کمپاس کے مطابق از سر نو تجویز کیا گیا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کی اتباع کر رہے ہیں۔ اب سوالات یہ ہیں:

(۱) کیا علماء ہند کا کوئی متفقہ فتویٰ ہے کہ ہندوستان کا قبلہ عین مغرب ہے؟

(۲) کیا علماء ہند نے قبلہ سے متعلق اپنے سابق فیصلہ میں کوئی ردوبدل یا ترمیم کی ہے؟

(۳) کیا کسی عالم نے عین مغرب کے قبلہ ہونے پر کبھی کوئی اعتراض کیا ہے؟

(۴) کیا قبلہ عین مغرب سے تھوڑا جنوب میں ہٹ کر ہے؟

(۵) ایسا کمپاس جو نہ آٹو میٹک ہو، نہ بیٹری والا ہو اور نہ مقناطیسی ہو، کیا اس کی مدد سے کتابچہ میں دیئے گئے نمبر پر کانٹا ملا کر جہۃ الکعبہ معلوم کرنا معتبر ہے؟

(٦) اس کمپاس کے ذریعہ مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۷) کوئی دانستہ اس کمپاس کے مطابق نماز پڑھے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

براہ کرم صلحاء امت کے عمل، علماء ہند کی آراء اور معتبر کتابوں کے حوالہ سے مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں؟ میرا دعویٰ ہے کہ یہ کمپاس غیر معتبر ہے اور قبلہ حقیقتاً عین مغرب ہے اور میرا چیلنج ہے کہ میرے اس دعویٰ کو کوئی غلط ثابت کرے، جو لوگ اس کمپاس پر اپنا عقیدہ و ایمان قائم کر چکے ہیں، میں انہیں بر سر عام غلط سمجھتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کے ایمان کو خراب کرنے کی یہود و نصاریٰ کی جانب سے یہ ایک سازش ہے۔

الجواب ـــــــــــــــــــ و باللہ التوفیق

دعویٰ اور چیلنج کسی سنجیدہ انسان کا کام نہیں ہے، آپ کو غلط فہمی یہ ہوئی ہے کہ تمام اہل ہند کا قبلہ عین مغرب ہے اور یہ کہ یہی علماء ہند کا فتویٰ بھی ہے، پھر اسی غلط فہمی پر آپ نے سوالات کی عمارت کھڑی کردی ہے، بہر حال آپ کے سوالات کا جواب نمبر وار درج ہے:

(۱-۳) علماء ہند کا فتویٰ یہ ہے کہ اہل ہند کا قبلہ دونوں مغربوں (گرمی کے سب سے بڑے دن اور سردی کے سب سے چھوٹے دن میں سورج جس جگہ غروب ہوتا ہے، ان) کے درمیان ہے نہ کہ عین مغرب۔ تمام اہل ہند کے لئے مطلقاً عینِ مغرب قبلہ ہونے کی رائے فقہا کی کبھی نہیں رہی کہ اس میں ترمیم کا مسئلہ پیدا ہو یا اس پر کسی کے اعتراض کا سوال پیدا ہو۔

"کما فی رسالة بغية الأريب فی مسائل القبلة والمحاريب تحت الأمر الخامس من الخاتمة فی الأمور المنقحة، صفحة: ١٤٣، بعد بحث طويل ما نصه:

"فإن الفساد بالخروج من جهة الربع متعين بالاتفاق، أما قول الفقهاء أن ما بين المغربين قبلة أی أن الكعبة واقعة بين مغرب أقصٰی (يعنی أطول) يوم الصيف وهو أول يوم السرطان وبين مغرب أقصٰی يوم الشتاء وهو أول يوم الجدة، جميع ما بينهما قبلة سمرقند وبخارا وترمذ و نسف ومرو وسرخس وما والاها لجميع بلاد الهند مع رحبها" وقولهم ذلك ذكره فی التجنيس والملتقط وأمالی الفتاوی والبناية شرح الهداية من قول أبی منصور الماتريدی". (۱)

---

(۱) وذكر فی أمالی الفتاویٰ حد القبلة فی بلادنا يعنی سمرقند مابين المغربين مغرب الشتاء ومغرب الصيف فإن صلی إلی جهة خرجت من المغربين فسدت صلاته. ==

(۴-۷) فقہا کا قول یہ ہے کہ اہل ہند کا قبلہ دونوں مغربوں کے درمیان ہے اور کبھی اس سے بھی زیادہ عام پیرایہ بیان میں یوں کہا گیا ہے کہ قبلہ شمال وجنوب کے مابین یعنی پوری جہت مغرب ہے، مطلب یہ ہے کہ استقبال قبلہ کے لئے عین قبلہ کی مواجہت شرعاً ضروری نہیں ہے، بلکہ محض جہتِ قبلہ کی مواجہت کافی ہے۔ البتہ فقہا نے شریعت میں معتبر جہت قبلہ کی تحدید باصطلاح ریاضی اس طرح کی ہے کہ اہل ہند کا قبلہ مابین المغر بین ربع دائرہ (یعنی ۹۰/درجہ) کے قریب تک؛ یعنی عین مغرب کے دونوں جانب ثمن ثمن دائرہ تک (۴۵، ۴۵/درجہ) ہے اور احتیاطی رائے یہ ہے کہ بین المغر بین نقطۂ وسط سے دونوں طرف ۲۴، ۲۴/درجہ مجموعہ ۴۸/درجہ تک کی گنجائش ہے۔

"أن ينظر في مغرب الصيف في أطول أيامه ومغرب الشتاء في أقصر أيامه فليدع الثلثين في الجانب الأيمن والثلث في الأيسر والقبلة عند ذلك، ولو لم يفعل هكذا وصلّى فيما بين المغربين يجوز... أن الانحراف المفسد أن يجاوز المشارق إلى المغارب. (رد المحتار: ۳۹۹/۱)

وقال أبو منصور: ينظر إلٰى أقصر يوم في الشتاء وإلٰى أطول يوم في الصيف فيعرف مغربيهما ثم يترك الثلثين عن يمينه والثلث عن يساره ويصلي فيما بين ذلك وهذا استحباب والأول للجواز. (منحة الخالق حاشية البحر: ۲۸۵/۱)

(۵-٦) سمت قبلہ جاننے کے لئے اصلاً اور ابتداءً جہات کا علم اور نجوم خصوصاً قطب تارہ اور شمس وقمر کے منازل (علم ہیئت) سے ایک حد تک واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور بعد کے علماء دین نے ان ہی چیزوں کی مدد سے مساجد کی تعمیر کی۔ چنانچہ صحابہ وتابعین کی بنا کردہ مساجد اگر قریب میں موجود ہوں اور ان سے نئی مسجد کے لئے سمتِ قبلہ کی تعیین میں مدد مل سکتی ہو تو شرعی ضابطہ یہی ہے کہ ان مساجد کی اتباع کی جائے اور اگر بعد کی مساجد قدیمہ ہوں، تو بھی اولیٰ یہی ہے کہ ان کے موافق ہی نئی مسجد بنائی جائے، خواہ ان میں قواعد ہیئت کی رو سے سمت حقیقی سے معمولی انحراف بھی ہو۔ لیکن اگر قدیم مساجد قرب وجوار میں نہ ہوں، یا ان سے مدد لینا ممکن نہ ہو تو جائز ہے کہ کوئی ماہر علم ہیئت اور عالم دین دونوں مل کر قطب تارہ یا شمس وقمر کے ذریعہ یا مقناطیسی کمپاس یا اس غرض سے بنائے گئے کسی بھی معتبر کمپاس سے سمت قبلہ کی تعیین کر لیں۔ تعیین قبلہ کے متعدد طریقے علما نے بتائے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ کسی ایک طریقہ سے سمت قبلہ معلوم کر کے دوسرے طریقوں سے بھی اسے آزما لیں، اگر متعدد طریقوں سے جائزہ لینے پر معمولی انحراف کا فرق معلوم ہو، تو شرع میں اس کی گنجائش ہے۔

== وقال شارحها ابن امير الحاج: وذكر هذه العبارة في الملتقط مع زيادة وقال أبو منصور ينظر إلى أقصر يوم في الشتاء وإلى أطول يوم في الصيف، فيعرف مغربيهما ثم يترك الثلثين عن يمينه والثلث عن يساره ويصلي فيما بين ذلك وهذا استحباب والأول للجواز، آه، ومشى على الأول الرُسْتَغْفَنِي وجعل في مجموع النوازل ماذكره أبو منصور هو المختار، آه. (منحة الخالق حاشية البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۳۰۱/۱. انيس)

(۱) سمت قبلہ معلوم کرنے کا ایک مشہور طریقہ یہ ہے کہ قطب تارے کی جانب دایاں ہاتھ اور اس کے مخالف بایاں ہاتھ کر کے کھڑے ہو جائیں، تو سامنے جہت مغرب یعنی قبلہ ہوگا۔ ہندوستان کے جن علاقوں کی سمت قبلہ تقریباً نقطۂ مغرب ہے، مثلاً اٹاوہ، اناؤ، سیتاپور، فرخ آباد، کانپور، کھیری، لکھنؤ، ہردوئی وغیرہ وہاں مرکز قطب کو دائیں مونڈھے کی ہڈی کے مرکز کے سیدھ میں رکھنا ہوتا ہے اور جس جگہ کا قبلہ منحرف بشمال ہے، مثلاً بنگال، بہار اور اڑیسہ کے تمام شہر، وہاں قطب تارے کو دائیں مونڈھے کے اگلے حصے کی طرف کرنا ہوتا ہے اور جہاں کا قبلہ مائل بجنوب ہے، مثلاً پنجاب کے تمام شہر اور یوپی کے بعض اضلاع، وہاں قطب تارے کو دائیں مونڈھے کی پشت پر رکھنا ہوتا ہے۔

(۲) ایک دوسرا آسان طریقہ یہ ہے کہ موسم گرما کے سب سے بڑے دن میں (۲۲/جون کو) اور موسم سرما کے سب سے چھوٹے دن میں (۲۲/دسمبر کو) غروب شمس کا موقع دیکھا جائے، قبلہ ان دونوں مواقع کے درمیان میں ہوگا، یعنی ان دونوں موقعوں کے درمیان جس نقطہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے گی صحیح ہوگی۔

(۳) سب سے سہل طریقہ یہ ہے کہ جو مقامات مکہ معظّمہ سے مشرق یا مغرب میں ۹۰ درجہ سے کم فاصلہ پر واقع ہیں، وہاں ۲۹/ یا ۲۷/ مئی اور ۱۴/ یا ۱۶/ یا ۱۷/ جولائی کی کسی تاریخ کو تقریباً ایک مربع فٹ سطح زمین کے درمیان تقریباً تین انچ کی ایک کیل بالکل سیدھی نصب کریں۔ مقامی نصف النہار کے وقت اپنی گھڑی میں ۱۲/ بجالیں، بعد ازاں متعلقہ شہر اور مکہ میں جتنے گھنٹہ اور منٹ کا فرق ہو اتنا وقت گذرنے پر اس کیل کا سایہ دیکھیں، اس وقت سایہ کا رخ ٹھیک سمت قبلہ کو بتائے گا۔ اگر ٹھیک مذکورہ وقت پر کیل کے سایہ کے منتہی پر ایک نقطہ لگا دیں اور اس نقطہ سے کیل تک سیدھا خط کھینچیں تو اس خط کے مطابق مسجد کی جنوبی یا شمالی دیوار قائم ہوگی۔

اس طریقہ میں دو باتیں یعنی مکہ اور متعلقہ شہر کے وقت کا فرق اور مقامی نصف النہار کا وقت پیشگی معلوم کرنا ضروری ہے، جن کا طریقہ درج ہے:

(الف) مکہ اور متعلقہ شہر کے اوقات کا فرق معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں مقامات کا طول البلد کسی اٹلس سے معلوم کر کے چھوٹے کو بڑے سے گھٹا دیں، پھر حاصل کو ۴ میں ضرب دیں، بعد ازاں حاصل ضرب کو ٦٠ پر تقسیم کریں، اس سے گھنٹہ اور منٹ کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ مثلاً دہلی کا طول البلد ۷۷ درجہ ہے اور مکہ کا طول البلد ۴۰ درجہ ہے۔ لہٰذا: ۷۷-۴۰ = ۳۷ ×۴ = ۱۴۸ ÷ ٦٠ = ۲ ۲۸/٦٠ یعنی مکہ اور دہلی میں ۲ گھنٹے ۲۸ منٹ کا فرق ہے۔

(ب) کسی مقام پر نصف النہار کا وقت دھوپ گھڑی یا طلوع وغرب کے کسی شمسی کیلنڈر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ دھوپ گھڑی یا شمسی کیلنڈر دستیاب نہ ہو تو طریقہ یہ ہے کہ تقریباً ایک مربع فٹ سطح زمین کے وسط میں تقریباً ۳/ انچ کی ایک کیل بالکل سیدھی نصب کریں۔ کیل کے گرد ایک فٹ کا دائرہ بنا کر تاریخ مذکورہ بالا سے ایک، دو دن پہلے صبح کے

وقت دیکھیں کہ کیل کا سایہ دائرہ میں کس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وہاں پر احتیاط سے ایک نقطہ لگا دیں (یہ مدخل ظل ہے)۔ پھر شام کے وقت اس جگہ ایک نقطہ لگائیں جہاں سے کیل کا سایہ دائرہ سے باہر نکلے (یہ مخرج ظل ہے)۔ پھر مدخل ومخرج کے درمیان ایک خط کھینچ کر اس کے نصف پر ایک نقطہ لگائیں اور مدخل ومخرج کے درمیان جو دائرہ کا حصہ آیا ہے اس کے نصف پر بھی ایک نقطہ لگائیں اور پھر ان دونوں نقطوں پر سے گذرتا ہوا ایک خط کیل تک کھینچ دیں، یہ خط نصف النہار ہوجائے گا۔ اب ۲۹/مئی یا ۱۴/جولائی کو جب کیل کا سایہ نصف النہار پر پڑے اس وقت گھڑی میں ۱۲ بجالیں۔ آگے وہی عمل کریں جو طریقہ نمبر (۳) میں بتایا گیا ہے۔

ہندوستان کے قبلہ کی تین ہی صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب میں ہو یا اس قدر کم فرق ہو کہ قابل التفاوت نہ ہو، جیسے اٹاوہ، اناؤ، بہرائچ، جالون، سیتاپور، فرخ آباد، کانپور، کھیری، لکھنؤ، ہردوئی وغیرہ کہ ان کا انحراف ایک درجہ سے بھی کم ہے، خصوصاً اناؤ کہ اس کا انحراف فقط تین دقیقہ ہے۔

۲۔ دوسرے انحراف شمالی ہو، جیسے بنگال، بہار اور اڑیسہ کے تمام شہر۔

۳۔ تیسرے انحراف جنوبی ہو، جیسے پنجاب کے تمام شہر اور یوپی کے بعض اضلاع۔

ہزاری باغ ۵/درجہ، ۸۴/دقیقہ مائل بجہت شمال ہے، پٹنہ ۳/درجہ، ۵۶/دقیقہ منحرف بجہت شمال ہے۔ کلکتہ ۸/درجہ، ۷/دقیقہ مائل بجہت شمال، بردوان ۷/درجہ، ۹/دقیقہ مائل بشمال اور بنارس ۳/درجہ، ۳۷/دقیقہ مائل بشمال ہے۔ مگر ان سارے حسابات کے باوجود قدیم مساجد کی موافقت ہی شرعاً لازم ہے۔ (ماخوذ از جواہر الفقہ جلد سوم مصنفہ مفتی محمد شفیع عثمانی)

آپ کے ہاں ہزاری باغ میں اندر پوری چوک کی مسجد اگر منہدم کر کے کمپاس کے مطابق از سر نو تعمیر کی گئی ہے اور فرق اتنا معمولی ہے جو کہ سمت قبلہ کے معاملہ میں شریعت میں قابل التفاوت نہیں ہے تو موجودہ نئی تعمیر درست ہے، اس کو برقرار رہنے دیا جائے۔ البتہ دیگر موجود مساجد میں اس کمپاس کی اتباع نہ کی جائے، بلکہ قدیم بنیادوں پر باقی رکھا جائے الا یہ کہ جہت قبلہ معلوم کرنے والے دیگر معتبر ذرائع سے جہت قبلہ سے زیادہ انحراف معلوم ہو تو اس کو صحیح کر لینا ضروری ہوگا۔ دیگر نئی مساجد کی تعمیر میں بھی قدیم مساجد کی موافقت ہی لازم ہے۔ جہاں تک مذکورہ کمپاس سے جہت قبلہ متعین کرنے کا مسئلہ ہے، تو اس پر نہ تو کسی بھی اہل علم کا عقیدہ ہے اور نہ ہی کسی طرح کا ایمان۔ البتہ یہ مشین چونکہ جہت قبلہ بتاتی ہے جیسا کہ قدیم مسجدوں کی سمت دیکھنے یا جہت قبلہ بتلانے والے دیگر ذرائع سے معلوم ہوتا ہے اور نماز میں جہت قبلہ کا رخ ضروری ہے نہ کہ عین قبلہ کا۔ معمولی انحراف حتیٰ کہ شمال وجنوب میں ۴۵/ڈگری سے کم انحراف ہوتو

بھی نماز ہو جاتی ہے، اس لئے کہ مذکورہ کمپاس سے جہت قبلہ متعین کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں اور نئی مسجد کی سمت بھی اس سے متعین کر لیتے ہیں، صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ یہ چیز دشمنوں کی ایجاد ہے، جو اسلام دشمنی میں ایجاد کی گئی ہے، جب تک کہ تحقیق سے اس کو ثابت نہ کر دیا جائے اور اسلامی قانون وضابطہ کے خلاف اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی ۔ ۱۸/۶/۱۴۱۵ھ ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۶۴-۳۷۰) ☆

☆ **سمت قبلہ کی تعیین کے لئے قبلہ نما کے استعمال کا حکم:**

سوال: دور حاضر میں لوگ قبلہ کی تعیین کے لئے قبلہ نما استعمال کرتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب

نماز پڑھنے کے لئے ایک اہم رکن شہروں اور دیہاتوں میں استقبال قبلہ ہے یا جہت قبلہ ہے فقہاء کرام نے اس کی پہچان کے لئے پہلے زمانے کی مساجد اور ان کے محرابوں کو دلیل ٹھہرایا ہے اور صحراء میں ستاروں کو دلیل قرار دیا ہے جس سے غالب گمان ہوتا ہے کہ قبلہ اس طرف ہے، چونکہ موجودہ دور کا یہ آلہ (قبلہ نما) ظن غالب کی تحصیل کے لئے زیادہ کارآمد ہے، اس لیے قبلہ کی تعین کیلئے اس کا استعمال شرعاً درست ہے اور اس سے قبلہ کا صحیح رخ متعین ہو جاتا ہے۔

لما قال في الهندية: وجهة الكعبة تعرف بالدليل والدليل في الأمصار والقرى المحاريب التي نصبها الصحابة و التابعون فعلينا اتباعهم فإن لم تكن فالسؤال من أهل ذلك الموضع، وأما في البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ٦٣/١)

وتعرف بالدليل، وهو في القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين، وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله كالقطب)... وعلىٰ ما وضعوه لها من الآلات كالربع والأصطرلاب فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية في ذلك. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ٤٣٠/١) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۷۷-۷۸)

قطب تارہ سے قبلہ کا رخ پہچاننے کا کیا طریقہ ہے:

سوال: قبلہ کا رخ قطب تارہ سے کس طرح پہچانتے ہیں، اس کو داہنے مونڈھے پر رکھیں یا اس سے آگے، اور اسی طرح آفتاب سے کیوں کر پہچانیں؟ جیسا سنا ہے کہ، موسم سرما میں آفتاب نمازی [سے] بائیں جانب رہے، اور موسم گرما میں داہنی جانب رہے۔

الجواب

ہندوستان کے لوگ داہنے مونڈھیں پر اس کو لیویں اور سوا نہیں، کہ جس سے آگے پیچھے کا حال ضبط ہو سکے، یہ ریاضی سے علاقہ رکھتا ہے۔۔۔ (اس کے بعد کچھ عبارت ضائع ہوگئی ہے۔ نور الحسن کاندھلوی)

(بدست خاص، سوال: ۱۳۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۵۳)

قبلہ کا تعین قطب نما یا ستارے سے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج کل جو مساجد کی بنیاد رکھتے ہیں آیا اس کی بنیاد قطب نما آلہ سے رکھی جائے یا قطب ستارہ کو دیکھ کر؛ کیونکہ لوگ ان دونوں کے درمیان فرق بتاتے ہیں، تقریباً دو فٹ کا فرق ہے تو اب مساجد کی تعمیر قطب نما آلہ کو دیکھ کر رکھیں یا کہ قطب ستارہ کو۔

الجواب ــ

سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے کام لینا سلف صالحین کا طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی شریعت نے اس کا حکم دیا ہے، بلکہ طریقۂ معروفہ سلف یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدسیہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جاوے، جہاں نہ ہوں وہاں شرعی طریقہ جو سنت صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔

وہ یہ ہے کہ شمس وقمر اور قطب تارہ وغیرہ کے مشہور ومعروف ذرائع سے اندازہ کر کے سمت قبلہ متعین کر لی جائے۔(۱) اگر اس میں معمولی میلان وانحراف بھی رہے، تو اس کو نظر انداز کیا جاوے؛ کیونکہ حسب طریقہ صاحب بدائع ان بلاد میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ کے ہے، اور اس پر احکام دائر ہیں۔

"لأنهم جعلوا عين الكعبة قبلة فى هذه الحالة بالتحرى وأنه مبنى علىٰ مجرد شهادة القلب من غير أمارات والحجة وصارت قبلة باجتهادهم المبنى على الأمارات الدالة عليها من النجوم والشمس والقمروغيرذلک". (١١٨/١)(٢) **فقط والله تعالىٰ أعلم** (فتاویٰ مفتی محمود: ۸۸۷/۱-۸۸۸)

چلتی گاڑی میں قطب نما کے ذریعہ قبلہ کی نشاندہی اور اس کی طرف توجہ:

سوال: چلتی گاڑی میں نماز شروع کرنے سے پہلے قطب نما سے سمت قبلہ دیکھ لیا اور پھر سمت شمال یا جنوب کو ہو گئی تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ یا قطب نما کھول کر رکھ لیں اور جدھر قبلہ ہو گھومتے جائیں، اس صورت میں توجہ قطب نما کی طرف ہوگی، تو کیا نماز میں نقص ہوگا؟

الجوابــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اگر ابتداءً قطب نما دیکھ کر صحیح رخ پر نماز پڑھ لی؛ تو نماز ہوگئی۔ جب تک {کہ} درمیان میں رخ بدل جانے کا ظن غالب نہ ہو۔(۳)

---

(۱) كـذا فى الدر المختار: وتعرف بالدليل، وهو فى القرىٰ والأمصار محاريب الصحابة والتابعين، وفى المفاوز والبحار النجوم كالقطب وإلا فمن الأهل. (مبحث فى استقبال القبلة: ١٣٨/٢، طبع رشيدية كوئٹة، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى الشرائط و الأركان: ١١٨/١، مكتبة رشيدية، كوئٹه

(۳) "من أراد أن يصلى فى سفينة تطوعًا أو فريضةً، فعليه أن يستقبل القبلة، ==

اگر قطب نما کھول کر سامنے رکھ لیا جائے اور وقتاً فوقتاً اس پر بھی نظر پڑتی رہے، تب بھی نماز ہو جائے گی۔اس پر گا ہے گا ہے نظر پڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔(۱) ہاں توجہ میں کچھ فرق آجائے گا۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۲۵-۵۲۶)

جولوگ بیت اللہ سے دور ہیں وہ قبلہ کسے قرار دیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان میں سمت قبلہ کیا ہے، آیا یہ مساجد جو سلف صالحین بنا کر گئے ہیں ان کا اعتبار ہے یا بروئے قاعدہ اہل ہیئت جو سمت نکلے اس کا اعتبار ہے اور جو شخص بقاعدہ اہل ہیئت نماز پڑھتا ہو نماز اس کی ہوئی یا نہیں اور یہ شخص تمام مساجد کو غلط بتاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ سمت قبلہ اصلی میں اور سمت قبلہ مساجد میں پانچ سو کوس کا فرق ہے اور یہ شخص ایک مسجد کا امام ہے۔ درحالت امامت سمت مساجد سے انحراف کر کے نماز پڑھتا ہے اور مقتدیان اس کی اس سمت کو غلط جانتے ہیں۔ایسی حالت میں اقتدا اس امام کی صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا بالدلائل والتفصیل وتوجروا بالأجر الجزیل؟

الجواب

جولوگ کہ بیت اللہ سے غائب ہیں؛ ان کا قبلہ جہت کعبہ شریف ہے۔جس طرف میں کعبہ ہے؛ اسی طرف کو رخ کر کے نماز پڑھیں۔(۳) مثلاً جولوگ کہ ہندوستان میں رہتے ہیں اور ہندوستان کا قبلہ مغرب کی جانب ہے تو ان کو مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہئے۔اگر جنوب وشمال کی طرف ان کا منہ ہو جاوے گا تو ان کی نماز نہ ہوگی اور جو جنوب وشمال کے بیچ میں ہوں گے تو نماز ہو جاوے گی اور اگر کوئی شخص موافق قاعدہ ہیئت کے ساڑھے اکیس درجہ

== ولایجوز لہ أن یصلی حیث ماکان وجھہ، کذا فی الخلاصة،حتی لودارت السفینة وھویصلی،توجہ إلی القبلة حیث دارت،کذا فی شرح منیة المصلی لابن أمیر الحاج".(الفتاویٰ الھندیة،کتاب الصلاة،الفصل الثالث فی استقبال القبلة:۱/۶۳،رشیدیة)

حاشیة صفحہ ھذا:

(۱) "(ولا یفسدھا نظرہ إلیٰ مکتوب وفھمہ)ولومستفھمًا وإن کرہ".(الدرالمختار)

قال: ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ:(قولہ وإن کرہ): أی لاشتغالہ بمالیس من أعمال الصلاة". (ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب مایفسد الصلاة ومایکرہ:۱/۶۳۴،سعید)

(۲) "(و) کذا کل(مایشغل بالہ عن أفعالھا ویخل بخشوعھا)".(تنویر الأبصارمع الدرالمختارعلیٰ صدرردالمحتار، کتاب الصلاة،قبیل مطلب إعراب کائنا ماکان:۱/۳۷۸،سعید)

"(ولا بأس بنقشہ خلا محرابہ)فإنہ یکرہ،لأنہ یلھی المصلی".(الدرالمختار)

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ:(قولہ لأنہ یلھی المصلی)أی فیخل بخشوعہ من النظرإلیٰ موضع سجودہ و نحوہ".(ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیھا،مطلب کلمة لابأس الخ:۱/۶۵۸،سعید)==

عرض کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز بھی درست ہو جاوے گی۔ اس واسطے کہ مکہ معظّمہ ساڑھے اکیس درجہ میں واقع ہوا ہے اور ایک درجہ تقریباً ساٹھ میل کا ہوتا ہے تو جیسا نماز اور مسجد والوں کی درست ہے، ایسے ہی جو شخص ٹیڑھا ہو کر نماز ادا کرے گا درست ہوگی۔ اس واسطے کہ محاذاۃ عین بیت اللہ کی نہ اس شخص کو حاصل ہو سکتی ہے جو موافق ہیئت کے ساڑھے اکیس درجہ میں نماز پڑھتا ہے اور نہ ان لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جو اس درجہ سے داہنے بائیں ہو کر پڑھتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ درجہ ہوتا ہے ساٹھ میل کا اور بیت اللہ کا عرض ہندوستان کی جانب سے کوئی بتیس ہاتھ کی مقدار ہے تو عین بیت اللہ کی طرف کیوں کر متوجہ ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ تکلف اس شخص کا اور مساجد کو غلط بتانا محض غلط و بے سود ہے؛ سب کی نماز درست ہے۔ اور تفرقہ اور ٹیڑھا کرنا جماعت کا؛ غلطی اس شخص کی ہے اور صورت بیت اللہ کی اور اس کی محاذات کی درمختار اور اس کی شروح میں لکھی ہے؛(۱) جس کا جی چاہے دیکھ لیوے۔ اگر اس میں لکھی جاوے تو شاید فہم عوام میں نہ آوے، اسی لئے نہیں لکھی گئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۶۱-۲۶۲)

ہمارے بلاد میں بین المغربین سمت قبلہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہندو پاک میں قبلہ بجانب مغرب ہے، اس لئے مساجد کا رخ عین مغرب کی جانب ہے، لیکن آج کل سعودی عرب سے جو قبلہ نما ملتا ہے، اس کے ذریعے ہمارے گجرات شہر میں قبلہ مغرب سے اٹھارہ درجہ جنوب کی طرف بنتا ہے، اب اس مسجد میں جو عین مغرب کی طرف بنی ہوئی ہے، نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: نامعلوم......۲۷/۱۰/۱۹۸۷ء)

الجواب

ہمارے بلاد میں بین المغربین سمت قبلہ ہے،(۲) اور کعبہ کی طرفین کا استقبال (چھتیس درجات تک) کافی ہے

== وبهذا علم أن ترك الخشوع لايخل بالصحة بل بالكمال، ولذا قال في الخلاصة والخانية: إذا تفكر في صلاته فتذكر شعرًا أو خطبةً فقرأهما بقلبه ولم يتكلم بلسانه لاتفسد صلاته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ٢/ ٢٥، رشيديه)

(٣) (ومن كان بحضرة الكعبة يتوجه إلى عينها وإن كان غائباً عنها يتوجه إلى جهتها) لقيام الجهة عند العجز مقام عينها لأن التكليف بقدر الطاقة. (الاختيار لتعليل المختار، باب مايفعل قبل الصلاة: ١/ ٤٦. انيس)

حاشية صفحه هذا:

(١) الدرالمختار مع رد المحتار، باب شروط الصلاة، قبيل مطلب كرامات الأولياء ثابتة: ١/ ٣١٧. انيس

(٢) قال ابن عابدين رحمه الله: وقال في شرح زاد الفقير: وفي بعض الكتب المعتمدة في استقبال القبلة إلى الجهة أقاويل كثيرة، وأقربها إلى الصواب قولان: الأول أن ينظر في مغرب الصيف في أطول أيامه ومغرب الشتاء في أقصر أيامه فليدع الثلثين في الجانب الأيمن والثلث في الأيسر والقبلة عند ذلك، ولو لم يفعل هكذا وصلى فيما بين المغربين يجوز، وإذا وقع خارجًا منها لايجوز بالاتفاق، ملخصًا. ==

اوران جدید آلات پر اعتماد نہ مطلوب ہے اور نہ ممنوع ،البتہ ان کی وجہ سے قدیم مساجد میں شبہات پیدا کرنا جائز نہیں ہے۔(۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۲۲-۲۲۳)

مکہ مکرمہ میں استقبال کعبہ کا حکم:

سوال: مکہ مکرمہ کے شہر میں مسجد حرام کے باہر سمت قبلہ کا تعین اور استقبال قبلہ کس طرح کیا جائے؟ جبکہ درمیان میں اونچی اونچی عمارتیں حائل ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جو شخص بلندی پر چڑھ کر عمارت کعبہ دیکھ سکتا ہو،اس کے لئے استقبال عین کعبہ ضروری ہے،ورنہ تحری سے جہت کعبہ کی تعیین کافی ہے۔

قال فی شرح التنویر:(فللمکی)...(إصابة عینها)یعم المعاین وغیره،لکن فی البحر أنه ضعیف،والأصح أن من بینه وبینها حائل کالغائب.(الدر المختار)

== وفی منیة المصلی عن أمالی الفتاویٰ:حد القبلة فی بلادنا یعنی سمرقند:مابین المغربین مغرب الشتاء ومغرب الصیف،فإن صلی إلیٰ جهة خرجت من المغربین فسدت صلاته.آه.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة:۱/۳۱٤)

(۱) قال العلائی:"فتبصر وتعرف بالدلیل،وهو فی القریٰ والأمصار محاریب الصحابة والتابعین،وفی المفاوز والبحار النجوم کالقطب.(الدر المختار)

قال صاحب ردالمحتار تحت(قوله:محاریب الصحابة والتابعین):فلا یجوز التحری معها.زیلعی.بل علینا اتباعهم.خانیة.ولایعتمد علیٰ قول الفلکی العالم البصیر الثقة أن فیها انحرافاً خلافاً للشافعیة فی جمیع ذلک،کما بسطه فی الفتاویٰ الخیریة،فإیاک أن تنظر إلیٰ مایقال إن قبلة أموی دمشق وأکثر مساجدها المبنیة علیٰ سمت قبلته فیها بعض انحراف وإن أصح قبلةً فیها قبلةُ جامع الحنابلة الذی فی سفح الجبل،إذ لا شک أن قبلة الأموی من حین فتح الصحابة ومن صلی منهم إلیها وکذا من بعدهم أعلم وأوثق وأدری من فلکی لا ندری هل أصاب أم أخطأ،بل ذلک یرجح خطأه وکل خیر فی اتباع من سلف ... قال القهسانی:ومنهم من بناه علیٰ بعض العلوم الحکمیة إلا أن العلامة البخاری قال فی الکشف: إن أصحابنا لم یعتبروه،آه ... أقول:لم أر فی المتون مایدل علیٰ عدم اعتبارها(أی دلائل النجوم)ولنا تعلم مانهتدی به علی القبلة من النجوم. و قال تعالیٰ:﴿لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا﴾(الأنعام:۹۷) علیٰ أن محاریب الدنیا کلها نصبت بالتحری حتیٰ منی،کما نقله فی البحر،ولایخفیٰ أن أقوی الأدلة النجوم،والظاهر أن الخلاف فی عدم اعتبارها إنما هو عند وجود المحاریب القدیمة،إذ لایجوز التحری معها کما قدمناه،لئلا یلزم تخطئة السلف الصالح و جماهیر المسلمین.(رد المحتار کتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث فی استقبال القلبلة،قبیل مطلب کرامات الأولیاء ثابتة:۱/۳۱۷)

وفی الحاشیة عن الفتح: وعندی فی جواز التحری مع إمکان صعوده إشکال؛ لأن المصیر إلی الدلیل الظنی وترک القاطع مع إمکانه لایجوز، وقد قال فی الهدایة: والاستخبار فوق التحری، فإذا امتنع المصیر إلٰی ظنی لإمکان ظنی أقوی منه فکیف یترک الیقین مع الظن، آه. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة: ۳۹۷/۱) **فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم**

۱۷/رجب ۱۳۹۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۱۹/۲) ☆

حرم شریف میں نماز پڑھتے ہوئے نمازی کا رخ عین بیت اللہ کی طرف ہونا شرط ہے:

سوال: نماز کی نیت میں یہ بھی شامل ہوتا ہے کہ ہمارا رخ قبلے کی طرف ہو، نظر سجدے کی جگہ ہونی چاہیے، سوال یہ ہے کہ اگر ہم خانہ کعبہ میں نماز ادا کر رہے ہوں اور کعبہ نظر کے سامنے ہو تو نظر کعبہ کی طرف ہونی چاہیے یا نیچے سجدہ کی جگہ جائے نماز پر؟

الجواب

نظر وہاں بھی سجدہ کی جگہ ہونی چاہیے، لیکن یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ رخ عین بیت اللہ کی طرف ہے بھی یا نہیں؟ میں نے بہت سے لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ جس رخ قالین بچھی ہوئی تھی اسی طرف نماز شروع کر دیتے ہیں، ان کا منہ بیت اللہ کی طرف نہیں ہوتا، ان کی نماز نہیں ہوتی۔ کیوں کہ جب بیت اللہ شریف سامنے ہو تو عین بیت اللہ کی طرف رخ کا ہونا؛ نماز کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، اگر رخ بیت اللہ سے منحرف ہو تو نماز نہیں ہوگی۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۸/۳-۳۴۹)

☆ مکی کیلئے نماز پڑھتے وقت عین کعبہ یا جہت کعبہ کا حکم:

سوال: فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مکی کے لئے عین کعبہ اور آفاقی کے لئے جہت کعبہ ضروری ہے، لیکن آج کل شہر مکہ میں بڑی بڑی عمارتیں مسجد حرام اور مصلی کے درمیان حائل ہیں، اس صورت میں سمت قبلہ کی تعیین کس طرح کی جائے؟

الجواب

یہ حکم اس مکی کے لئے ہے۔ جس کو کعبۃ اللہ دکھائی دیتا ہو تو اس پر لازمی ہے کہ وہ عین کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور جس کو کعبہ دکھائی نہ دیتا ہو، تو اس کے لئے بھی آفاقی کی طرح جہت کعبہ کافی ہے، اگرچہ وہ مکہ مکرمہ میں ہی رہتا ہو۔

لما قال العلامة الحصکفی: (فللمکی)... (إصابة عینها) یعم المعاین وغیره، لکن فی البحر أنه ضعیف. والأصح أن من بینه وبینها حائل کالغائب. (الدر المختار علٰی صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة: ۴۲۷/۱-۴۲۸)

قال العلامة إبراهیم الحلبی: وفی الدرایة من کان بینه وبین الکعبة حائل الأصح أنه کالغائب. (الکبیری، الشرط الرابع: ۲۱۷) (فتاویٰ حقانیہ: ۷۷/۳)

(۱) لایجوز لأحد أداء فریضة ولا نافلة ولا سجدة تلاوة ولا صلاة جنازة إلاّ متوجهًا إلی القبلة، کذا فی السراج الوهاج. اتفقوا علٰی أن القبلة فی حق من کان بمکة عین الکعبة فیلزمه التوجه إلٰی عینها، کذا فی فتاویٰ قاضی خان ... ولو صلّٰی مستقبلاً بوجهه إلی الحطیم لایجوز، کذا فی المحیط. (الفتاویٰ الهندیة: ۶۳/۱، وکذا فی بدائع الصنائع: ۱۱۸/۱)

استقبال حطیم سے نماز نہیں ہوگی:

سوال: استقبال حطیم سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ حطیم بھی درحقیقت بیت اللہ ہی کا حصہ ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

کل حطیم بیت اللہ کا جزء نہیں، بلکہ اس میں سے صرف چھ ذراع بیت اللہ کا حصہ ہے، اولاً بیت اللہ کی جزئیت اور ثانیاً اس کی تقدیر چھ ذراع سے یہ دونوں امر ظنی ہیں اور حکم استقبال قطعی ہے۔ اس لئے استقبال حطیم سے نماز صحیح نہیں ہوگی۔

قال فی الشامیة: فإنه إذا استقبله المصلی لم تصح صلاته؛ لأن فرضية استقبال القبلة ثبتت بالنص القطعي وكون الحطيم من الكعبة ثبتت بالآحاد، فصار كأنه من الكعبة من وجه دون وجه، الخ. (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فی طواف القدوم: ٤٩٦/٢) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

١١ر محرم الحرام ١٣٨٨ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٣١٨/٢)

کیا حطیم میں نماز پڑھنے والا کسی طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے:

سوال: حطیم خانہ کعبہ کا حصہ ہے، خانہ کعبہ کے اندر آدمی جس طرف چاہے؛ رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، کیا حطیم کے اندر بھی اس بات کی اجازت ہے کہ جس طرف چاہے؛ رخ کر کے؛ نماز پڑھ لے؟

الجواب ـــــــــــــــ

جی نہیں! حطیم میں بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔(١)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣٤٥/٣) ☆

---

(١) ولو صلّى مستقبلاً بوجهه إلى الحطيم لايجوز، كذا في المحيط. (الفتاوىٰ الهندية: ٦٣/١)

☆ **حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا مسئلہ:**

سوال: ہم نے کتابوں میں دیکھا ہے کہ حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے، لہٰذا اگر کوئی آدمی حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے، تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ

اگرچہ خبر آحاد سے معلوم ہوتا ہے کہ حطیم کعبۃ اللہ کا حصہ ہے، لیکن یہ امر ظنی ہے اور استقبال قبلہ قطعی الثبوت دلیل سے ثابت ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی حطیم کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے، تو نماز نہیں ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدين: (قوله كاستقباله احتياطاً) فإنه إذا استقبله المصلى لم تصح صلاته لأن فرضية استقبال القبلة ثبتت بالنص القطعي وكون الحطيم من الكعبة ثبتت بالآحاد فصار كأنه من الكعبة من جه دون وجه. (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فی طواف القدوم: ٤٩٦/٢) (قال العلامة إبراهيم الحلبي: الكعبة اسم للعرصة... ولو صلى إلى الحطيم وحده لايجوز. (الكبيرى، الشرط الرابع، فروع في شرح الطحاوى: ٢٢٥) (فتاویٰ حقانیہ: ٧٧/٣)

انحراف قبلہ کے مسائل

قبلہ سے انحراف کی حد کیا ہے:

سوال: ایک مسجد سمت قبلہ سے بہت زیادہ منحرف ہے، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا بیانًا شافیًا ؛ توجروا أجرًا وافیًا.

الجواب ــــــــــــ ومنه الصدق والصواب

بیت اللہ سے پینتالیس درجہ تک انحراف مفسد نہیں، اس سے زیادہ ہو تو مفسد ہے، لہذا کسی ریاضی کے عالم سے تحقیق کروالیں، کہ مسجد کا انحراف کتنے درجے ہے، کوئی ریاضی داں نہ ملے تو مسجد کی قبلہ والی دیوار کا طول اور قطب نمار کھ کر دیوار کی دونوں طرفوں کا تفاوت نہایت احتیاط سے ناپ کر احقر کی طرف لکھ بھیجیں، دیوار کا طول اور شمالی و جنوبی طرفوں کا تفاوت ناپنے کے لئے سمجھدار اور معتبر شخص کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ربیع الآخر ۱۳۷۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/ ۳۱۳)

قبلہ سے اتنا انحراف جو مفسد صلوٰۃ نہ ہو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ملک افریقہ میں بمقام شہر بربون واقع ہے، حسب نقشہ ذیل، لہذا اس صورت میں جس جانب کہ رخ محراب کا واقع ہے اگر نماز پڑھی جاوے تو جائز ہے کہ نہیں؟

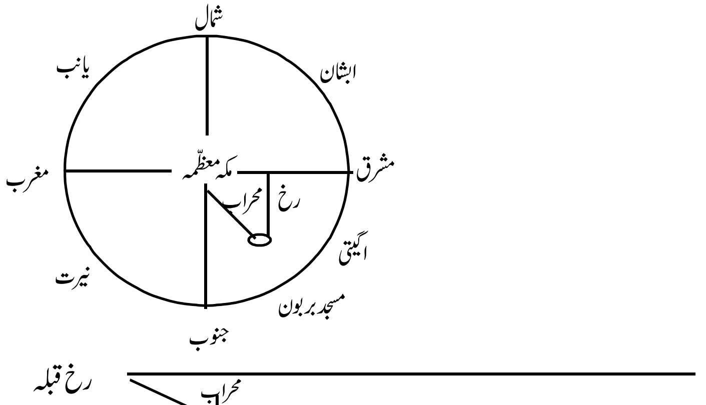

صورت مسجد کی یہ ہے، غلطی سے یہ اس رخ پر بنادی گئی ،معلوم ہونے سے اب فرق رخ قبلہ کا اس قدر ہے کہ اوپر جو تمام دنیا کا نقشہ ہے، اس میں شہر بربون جس رخ پر واقع ہے، وہ بھی ملاحظہ میں پیش ہے۔

الجواب

سیدھے رخ پر جو خط کھینچا جاوے؛ اگر مصلی کے جبہ اور جبین کے کسی جزو سے بھی ایسا خط نکلے جو پہلے خط سے زاویہ قائمہ پر تقاطع کرے، تو اتنے انحراف سے نماز ہو جاوے گی اور جو کسی جزو سے ایسا خط نہ نکلے تو نماز نہ ہوگی، اب اس کو کو خود دیکھ لیا جاوے۔

دليل المسئلة ما فى رد المحتار: وكان الخط، الخ. (۱)

قلت: مأخذه قوله تعالىٰ ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ حيث أمر بتولية الوجه لا الجبهة خاصة. (۲)

(تتمۂ ثانیہ، ص: ۱۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۱۶-۲۱۷)

---

(۱) وكان الخط الخارج من جبين المصلى يصل على استقامة (أى علىٰ زاويتين قائمتين.) إلىٰ هذا الخط المار على الكعبة فإنه بهذا الانتقال لاتزول المقابلة بالكلية؛ لأنّ وجه الإنسان مقوس. (ثم قال): المفهوم مما قدمناه عن المعراج والدرر من التقييد بحصول زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل لعين الكعبة يمينًا أو يسارًا أنه لايصح لو كانت إحداهما حادةً والأخرىٰ منفرجة بهذه الصورة!

وفيه: أن الانحراف اليسير لايضر وهو الذى يبقى معه الوجه أو شيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أو لهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أو من بعض جوانبه ويمر على الكعبة أو هوائها مستقيمًا، ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلى بل منها أو من جوانبها كما دل عليه قول الدرر من جبين المصلى، فإنّ الجبين طرف الجبهة وهما جبينان. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال البقلة: ۱/۴۲۹-۴۳۰)/وكذا فى درر الحكام شرح غرر الحكام، باب شروط الصلاة: ۱/۶۰. انيس)

(۲) أى اجعل تولية الوجه تلقاء المسجد الحرام أى جهته وسمته. (التفسير المظهرى، تفسير سورة البقرة: ۱-۱۴۳.) وكذا فى الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل للزمخشرى، من تفسير سورة البقرة: ۱/۲۰۲/وكذا فى مدارك التنزيل وحقائق التأويل للنسفى: ۱/۱۳۹)

وقرأ أبى: "تلقاء المسجد الحرام" وهو نصب على الظرف، أى إجعل تولية الوجه فى جهة المسجد وسمته؛ لأن استقبال عين القبلة حرج عظيم على البعيد. (شرح أبى داؤد للعينى، شرح حديث (رقم: ۴۸۹) : ۲/۴۴۸. انيس

استقبالِ قبلہ سے کتنا انحراف مفسدِ صلوٰۃ ہے؟ اور مسجد بنانے والوں کو ہدایت:

سوال: ہمارے یہاں برطانیہ میں قبلہ کا مسئلہ کافی معترض علیہا ہے، چند سال قبل ہم نے کارخانہ کی خریداری کی تھی اس نیت کے ساتھ کہ اس کو مسجد میں تبدیل کیا جاوے، جیسا کہ یہاں عامۃً ہوتا ہے، قبلہ کے رخ وسمت کے تعین کے لیے ہم نے اپنے امام صاحب مولانا اسماعیل واڈی اور دارالعلوم بری کے مہتمم اور استاذ حدیث مولانا یوسف صاحب متالا اور مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی کو دعوت دی، جگہ کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ قبلہ کا رخ وسمت بالکلیہ طور پر موافق نہیں ہے، بلکہ ۳۵ر فیصد باہر ہے، مگر مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری کے فتویٰ کے مطابق اتنی گنجائش ہے، تو اسی فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے بغیر کسی ترمیم کے محراب بنا کر نماز شروع کردی، لیکن چند دن سے بعض مصلیان کا عمل یہ رہا ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، تو محراب کی طرف پڑھتے ہیں، مگر جب سنن ونوافل کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو تھوڑے مڑ کر کھڑے رہتے ہیں۔ (۳۵ر فیصد)

استفتا یہ ہے کہ کیا ان کا اس طرح سے سنن ونوافل پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اب چوں کہ مصلیان کا یہ رویہ بڑھتا جارہا ہے، لہذا مسجد میں فتنہ کا قوی اندیشہ ہے، لہذا خدمت عالی سے قوی توقع رکھی جاتی ہے کہ مسئلۂ ہذا کو حدِ شافی تک واضح فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ان میں خلط ملط کیا جاتا ہے، اور اسی کے نتیجہ میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے جہتِ قبلہ سے منحرف ہو کر نماز ادا کی، تو کتنا انحراف معاف ہے؟ اور کتنے انحراف سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

تو اس سلسلہ میں عموماً ہمارے علما نے پینتالیس درجہ تک کے انحراف کو معاف قرار دے کر اس سے زائد انحراف کو مفسدِ صلوٰۃ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے: فتاویٰ دارالعلوم (امداد المفتین) مطبوعہ کراچی: ۲/۴۱۶۔ امداد الفتاویٰ: ۱/۲۱۷۔ احسن الفتاویٰ: ۲/۳۱۳)

بعض اکابر نے بنا بر احتیاط چوبیس درجہ تک کے انحراف کو معاف قرار دے کر اس سے زائد انحراف کو مفسدِ صلوٰۃ قرار دیا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہم فرماتے ہیں: ”معمولی انحراف ہو تو نماز ہو جائے گی اور اگر ۲۵ر ڈگری یا اس سے زائد ہو تو نماز نہیں ہوگی“۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۱۸۹)

حضرت تھانویؒ نے بھی اسی کو احتیاط بتلایا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم (امداد المفتین) مطبوعہ کراچی: ۲/۴۲۷)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب نماز کی ادائیگی کے لیے مکان مخصوص (بصورت مسجد یا جماعت خانہ) تیار کیا جائے، تو اس کے بنانے والوں کو کیا کرنا چاہئے؟

تو اس کا حکم یہ ہے کہ! ''مسجد تعمیر کرنے والوں پر صحیح سمت قبلہ متعین کر کے مسجد کا رخ اس کے مطابق کرنا تا حد امکان ضروری ہے''۔ (کفایت المفتی: ۱۴۱/۳)

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں:

لیکن قصداً مسجد منحرف بنانا جس میں مفسدۂ مذکورہ یعنی تخطیہ سے زیادہ مفاسد ہیں، جیسے: **افتراق بين المسلمين، وإطالة لسان معترضين، وجسارت عوام على الخروج عن الحدود، واستخفاف حدود وأمثالها،** خلاف مصلحت ہے، **نظيره ما مر من عدم اعتبار النجوم في المساجد القديمة وفي اعتبارها في المفاوز،** ان مفاسد کے مقابلہ میں رقبہ کا کم ہو جانا اہون ہے۔ (امداد الفتاویٰ مطبوعہ دیوبند: ۲۱۹/۱)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

قصداً باوجود علم کے نو، دس درجہ کے انحراف کو نظر انداز کر دینا اور غلط سمت پر نماز پڑھنا مسلمانوں کے قلوب میں خطرات اور وساوس پیدا کرنے اور استقبال قبلہ کی وقعت کو گھٹانے کا موجب ہوگا، اس لیے مسجد میں صحیح سمت کے نشان قائم کر کے ہی نماز ادا کرنی چاہئے، ہاں یہ صحیح ہے کہ ادا شدہ نمازوں کا اعادہ لازم نہیں۔ (کفایت المفتی: ۱۳۷/۳)

حضرت اقدس فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب سے ایک ایسی مسجد کے متعلق جس کا انحراف اٹھارہ ڈگری ہی تھا اور جو مشکل آپ نے سوال میں لکھی ہے، اسی کے حل کے لیے انہوں یہ تفاوت روا رکھا تھا، پوچھا گیا۔ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ کی لکھی ہوئی تین صورتوں میں سے نقشہ نمبر دو کے موافق نماز ادا کرنا بلا شبہ درست ہے، اگر چہ صفیں ٹیڑھی ہی ہوں گی، مگر رخ صحیح ہوگا، اس لیے کہ یہ ٹیڑھا پن کمرہ کی تعمیر کے لحاظ سے ہے، قبلہ کے رخ کے لحاظ سے نہیں، سو اس میں مضائقہ نہیں۔ نقشہ نمبر ایک اور نمبر تین کی صورت میں کمرہ کے اعتبار سے تو صفیں سیدھی ہیں، ٹیڑھی نہیں، لیکن قبلہ کا رخ برابر نہیں، اگر چہ اتنا فرق نہیں کہ بالکل سمت قبلہ باقی نہ رہے، اور نماز کو قطعاً فاسد قرار دیا جائے، لیکن قصداً اتنا فرق بھی نہ کیا جائے، اس سے بھی بچنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۹/۱۲)

آپ نے محراب تعمیر کرتے وقت مذکورہ بالا ہدایت واحتیاط کا لحاظ نہیں کیا، اور آج جب کہ اس کے مفاسد سامنے آ رہے ہیں تو پریشان ہو رہے ہیں، اور جو حضرات اپنی انفرادی نمازوں میں صحیح سمت پر رخ کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں، ان پر فتنہ بھڑکانے کا الزام دے رہے ہیں، آپ کا یہ رویہ کتنا مبنی بر انصاف ہے وہ آپ ہی بتلائیں؟ خصوصاً جب

کہ آپ کی مسجد کا انحراف ۳۵؍ڈگری ہے، تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہم کے فتویٰ کے بموجب تو نماز ہی نہیں ہوگی۔ اس لیے آپ ہی صفوف کا رخ سمت قبلہ کی طرف درست فرما کر لوگوں کی نماز کو متفق علیہ طریقہ پر صحیح بنانے کی فکر کیجیے اور فتنہ کا دروازہ کھول کر مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو، اس سے پہلے ہی فتنہ کی جڑ کاٹ دیجیے۔
فقط واللہ تعالیٰ أعلم (محمود الفتاویٰ: ۱؍۴۲۷-۴۳۰)

ربع دائرہ تک سمت کا اختلاف مضر نہیں:

سوال: پنجاب میں مساجد کی تعمیر کے وقت قبلہ قطب ستارہ سے شمال قائم کر کے اس پر زاویہ قائم کر کے مغرب بناتے ہیں اور ہر مسجد میں سمت کعبہ ٹھیک مغرب کی جانب قائم ہوتی ہے، میرا خیال ہے کہ جب مسلمان حملہ آور اور مبلّغ سب سے پہلے ہندوستان میں سندھ آئے، تو سورت کی قریب کی بندرگاہ پر اترے جہاں پہلے بت کدۂ ہند میں مسجد کی تعمیر ہوئی، سورت میں یا وہاں کے قریب تو مسجد کی یہ سمت عین مغرب میں درست ہے، لیکن شمالی ہند میں مسجدوں کا رخ سمت کعبہ نہیں رہتا، اس کا کیا انتظام کیا وے، شہر گجرات میں مسجدوں کا بذریعہ کمپاس سمت کا امتحان لیا گیا، تو سب میں فرق نکلا، کسی میں کم درجہ کا فرق تھا، کسی میں زیادہ، تین مساجد بھی تو قریباً تیس مساجد میں سے ایک سمت میں نہیں، اس کے لئے حضور کی رائے اور شرعی مسئلہ دریافت طلب ہے، کیا یہ غلطی علما کی کسی کمیٹی سے ہوئی یا مسلمانوں نے ایک دوسرے کی تقلید میں یہ غلطی ہر جگہ کی۔ فقط

الجواب

ربع دائرہ سے کم اختلاف مضر نہیں، سب کی نماز ہو جاتی ہے۔

دوسرا خط پہلے خط کے سلسلہ میں:

جواب مندرجہ بالا میں کیا جناب کا فتویٰ ذاتی خیال پر مبنی ہے، یا اس کی تائید کسی کتاب کے حوالہ سے بھی ہوسکتی ہے؟

الجواب

فی رد المحتار: وعبارة الدرر هكذا: وجهتها أن يصل الخط الخارج من جبين المصلي إلى الخط المار بالكعبة على استقامة بحيث يحصل قائمتان ... (إلى قوله)... ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس، الخ.

وفيه: ولا يلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلي بل منها أو من

جوانبها كما دل عليه قول الدرر من جبين المصلى، فإن الجبين طرف الجبهة وهما جبينان.

وفيه: ولايخفٰى أن أقوى الأدلة النجوم، والظاهر أن الخلاف فى عدم اعتبارها إنما هو عند وجود المحاريب القديمة، إذ لايجوز التحرى معها كما قدمناه؛ لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح وجماهير المسلمين، بخلاف ما إذا كان فى المفازة فينبغى وجوب اعتبار النجوم ونحوها فى المفازة لتصريح علمائنا وغيرهم بكونها علامة معتبرة، آه. (باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة: ۱/۴۲۸ ـ ۴۳۱)(۱)

یہ سب عبارات میرے دعوی پر کافی وواضح دلیلیں ہیں کہ ربع دائرہ سے کم اختلاف مضر نہیں۔ فقط

بقیۃ السوال: ہمارے یہاں گورنمنٹ نے ایک احاطہ مسجد کے لئے وقف کیا تھا جو قبلہ رو نہیں، لیکن اس میں ربع دائرہ سے بہت کم یعنی بقدر ایک بڑے چھ حصہ دائرہ کے فرق ہوسکتا ہے، کیا وہاں مسجد بنادی جائے، کیونکہ قبلہ رو کرنے میں چاروں طرف سے ٹکڑے کاٹ دینے سے رقبہ آدھا رہ جاتا ہے، اگر اس طرح مسجد بنانے میں اعتراض نہ ہوتو مسجد بہت کشادہ ہوسکتی ہے اور ضرورت کی سب چیزیں بن سکتی ہیں۔

الجواب

اوپر کی گنجائش، بنی ہوئی مساجد کے لئے مذکور ہوتی ہے، تاکہ جمہور مسلمین کا تخطیہ لازم نہ آئے، لیکن قصداً مسجد منحرف بنانا جس میں مفسدہ مذکورہ یعنی تخطیہ سے زیادہ مفاسد ہیں۔

جیسے: افتراق بين المسلمين وإطالة لسان معترضين وجسارت عوام على الخروج عن الحدود واستخفاف حدود أمثالها خلاف مصلحت ہے۔(۲)

نظيره ما مر من عدم اعتبار النجوم فى المساجد القديمة وفى اعتبارها فى المفاوز.(۳)

ان مفاسد کے مقابلہ میں رقبہ کا کم ہوجانا اہون ہے، یہ میری رائے ہے، بہتر ہو کہ دوسرے حضرات اہل علم سے بھی مشورہ کرلیا جاوے۔

کتبہ اشرف علی

۲۶/رجب ۱۳۵۶ھ۔(النور، صفحہ:۹، شعبان ۱۳۵۷ھ)(امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۱۷-۲۱۹)

---

(۱) درر الحكام شرح غرر الحكام، باب شروط الصلاة: ۱/۶۰. انيس

(۲) یعنی قصداً مسجد منحرف بنانا خلاف مصلحت ہے۔

(۳) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال البقلة: ۱/۴۲۹ـ ۴۳۰ ـانيس

مسجد کی ظاہری خوب صورتی برقرار رکھنے کے لئے ۴۵ ڈگری منحرف کر دینا:

سوال: انگلینڈ میں اکثر مساجد، مکانات یا فیکٹریاں خرید کر بنائی گئی ہیں، جن میں سے اکثر میں قبلہ سے تھوڑا بہت انحراف ہے، اس ملک میں مسلمان نئے آباد ہوئے ہیں، اس لئے یہاں پرانی مساجد نہیں ہیں، اب اکثر شہروں میں نئی مساجد بنائی گئی ہیں، جو کہ ۱۳۰ ڈگری جنوب مشرق کے قبلہ رخ پر بنائی گئی ہیں، ہمارے شہر میں دو نئی مسجد اور یہاں سے ۴۵ میل دور یورپ کا تبلیغی مرکز ہے، اس کی مسجد بھی ۱۳۰ ڈگری جنوب مشرق قبلہ رخ پر بنائی گئی ہے، یہاں اس ملک میں تقریباً سب علماءِ کرام کا اس ڈگری قبلہ رخ پر اتفاق ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے محلّہ میں پہلے مکانات میں نماز باجماعت ادا کرتے تھے، ان سب میں ۱۳۰ ڈگری پر نماز باجماعت ادا کی جاتی رہی، اس ڈگری پر تقریباً پندرہ سال ہم نے نماز ادا کی، اب اسی سڑک اور اسی محلّہ میں جہاں گزشتہ کئی برسوں سے مکان میں جماعت ہوتی رہی، ایک بڑی فیکٹری خرید کر مسجد بنائی ہے، جس میں تقریباً ایک ہزار آدمی باجماعت نماز ادا کر سکتے ہیں، جبکہ مکان میں صرف پچاس ساٹھ آدمیوں کی گنجائش تھی، موجودہ جگہ میں مسجد کی خوب صورتی قائم رکھنے کے لئے پہلے قبلہ رخ سے تقریباً ۴۵ ڈگری جنوب کی طرف انحراف کر دیا ہے، اس انحراف قبلہ کی وجہ سے محلّہ کے کچھ لوگ متفق نہیں ہیں۔

آپ تفصیل سے تحریر فرمائیں کہ قبلہ سے کتنی ڈگری انحراف کی گنجائش ہے؟ کیا صرف مسجد کی خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لئے ۴۵ ڈگری کے انحراف قبلہ میں نماز ادا ہو جائے گی؟

نیچے دیئے گئے نقشہ میں پہلی جگہ اور موجودہ جگہ کے قبلہ رخ کو ملاحظہ فرمائیں، پہلے مکان اور موجودہ جگہ میں نمازیوں کی صفوں کی ترتیب اور رخ سرخ پنسل سے دکھایا گیا ہے، پہلا مکان اور موجودہ مسجد ایک ہی سڑک پر ہیں، اس وقت موجودہ مسجد میں تقریباً ایک سو آدمی نماز پڑھتے ہیں، جبکہ گنجائش ایک ہزار نمازیوں کی ہے، براہِ کرم اس مسئلہ کا جواب اردو اور گجراتی زبان میں آسان الفاظ میں تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، ان شاء اللہ آپ کا فتویٰ اس ملک کے لئے، آنے والے زمانے کے لئے دلیل ہوگا۔ نقشہ:

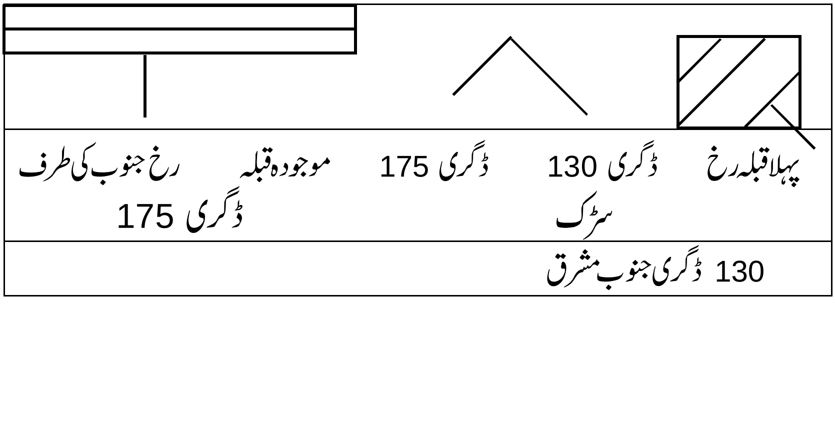

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

وہ ممالک اور مقامات جہاں مساجدِ قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں شرعی طریقہ جو سلف سے ثابت ہے، یہ ہے کہ شمس و قمر اور قطب وغیرہ کے مشہور اور معروف ذرائع سے اندازہ قائم کر کے سمتِ قبلہ متعین کی جائے، اگر اس میں معمولی میلان اور انحراف بھی رہے تو اس کو نظر انداز کیا جائے، اس لئے کہ ان بلادِ بعیدہ میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ ہے اور اسی پر احکام کا مدار ہے۔

بخلاف ما إذا كان فى المفازة فينبغي وجوب اعتبار النجوم ونحوها فى المفازة لتصريح علمائنا وغيرهم بكونها علامة معتبرة، فينبغي الاعتماد فى أوقات الصلاة وفى القبلة، علٰى ما ذكره العلماء الثقات فى كتب المواقيت، وعلٰى ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية فى ذلك. (ردالمحتار: ۳۱۷/۱، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں مساجدِ قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ ریاضیہ سے کام لینا جائز، بلکہ ماہر وواقف کے لئے ضروری ہے کہ دیگر علامات ونشانات کے بجائے ان آلات سے کام لے؛ اس لئے کہ محض تحری اور تخمینہ کے مقابلہ میں ان آلات کے ذریعہ زیادہ ظن غالب حاصل ہوگا۔

حسبِ تصریح فقہا عین کعبہ سے ۴۵ ر ڈگری کا انحراف مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔

فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذى يبقى معه الوجه أو شيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أولهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمر على الكعبة أوهوائها مستقيمًا، ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلى بل منها أومن جوانبها. (ردالمحتار: ۳۱۶/۱، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة)

البتہ ایک قول کے مطابق عین کعبہ کی دونوں جانب ۲۴-۲۴ ر ڈگری انحراف جائز ہے، یعنی مفسدِ صلوٰۃ نہیں، اس سے زیادہ جائز نہیں، لیکن اس کو احتیاط پر محمول کیا گیا ہے۔

وقال أبومنصور: ينظر إلٰى أقصر يوم فى الشتاء وإلٰى أطول يوم فى الصيف، فيعرف مغربيهما ثم يترك الثلثين عن يمينه والثلث عن يساره ويصلى فيما بين ذلك وهذا استحباب والأول للجواز. آه. (منحة الخالق حاشية البحر الرائق: ۳۰۱/۱)

آپ کے یہاں جب سمت قبلہ کے ۱۳۰ ر درجہ جنوب مشرق ہونے پر علما متفق ہیں، اسی کے مطابق جدید مساجد بھی

تعمیر ہورہی ہیں اوراب تک کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے، اب محض مسجد کی ظاہری خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لئے اس کا رخ ۴۵/ درجہ تک منحرف کر دینا بالکل نامناسب ہے، اگرچہ ۴۵/ درجہ کا انحراف بقول مفتی بہ انحراف معفو عنہ کی آخری حد ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا دوسرے قول (جس کو احوط قرار دیا گیا ہے) کے مطابق نماز صحیح نہیں ہوتی، اور نماز جیسی اہم اور عظیم عبادت میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اسی لئے مسجد حرام میں صرف حطیم کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، تو فریضہ ادا نہ ہوگا، جبکہ طواف میں حطیم کو بھی شامل کر لینا ضروری ہے۔ (ہدایہ: ۱/۲۲۱) دیکھئے نجاست غلیظہ کی قدر درہم مقدار معاف ہے، یعنی اس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح ہو جاتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس کے ازالہ پر قدرت ہونے کے باوجود اس کو باقی رکھتے ہوئے نماز پڑھی جائے، بلکہ فقہا تصریح فرماتے ہیں کہ اس طرح نماز مکروہ ہوگی۔

البحر الرائق میں ہے:

ومراده من العفو صحة الصلاة بدون إزالته لا عدم الكراهة لما في السراج الوهاج وغيره إن كانت النجاسة قدر الدرهم تكره الصلاة معها إجماعًا وإن كانت أقل وقد دخل في الصلاة نظر إن كان في الوقت سعة فالأفضل إزالتها واستقبال الصلاة وإن كانت تفوته الجماعة. (١٤٠/١)

ظاہری خوبصورتی کے مقابلہ میں معنوی و باطنی خوبصورتی کا لحاظ مقدم ہے، سمتِ قبلہ کا مستقیم ہونا محاسنِ باطنیہ میں سے ہے؛ اس لئے صورت مسئولہ میں سمتِ قبلہ کو درست کر لینا چاہئے۔ **فقط واللہ تعالیٰ أعلم**

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ ۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ۔ (محمود الفتاویٰ: ۱/۴۵۲-۴۵۶)

سمت قبلہ میں ۱۸/ ڈگری کا فرق ہو تو کیا کیا جائے:

سوال: ہم انگلینڈ کے وسلالیڑ شہر کے۔ جولندن سے ۱۰۰/ میل کے فاصلہ پر ہے۔ باشندے ہیں، وہیں سے یہ مسئلہ پوچھ رہے ہیں، یہ قبلہ کے سلسلہ میں اختلاف ہونے کی وجہ سے نقشہ کے ساتھ درج ذیل خلاصہ پیش کر کے جواب کے لیے گزارش کرتے ہیں، امید ہے کہ منسلک نقشہ کے مطابق جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں گے۔

شکل اول: اس صورت میں جب ہم (ہوکالینگ) آلۂ رصد یہ دیکھتے ہیں، تو ۱۸/ ڈگری تفاوت ظاہر ہوتا ہے۔

شکل دوم: دوسری شکل نقشہ کے مطابق نماز پڑھیں تو قبلہ کا رخ (آلۂ مذکور سے) تو صحیح ہو جاتا ہے، مگر صفوں کو ٹیڑھی کرنا پڑتا ہے۔ جس سے نمازیوں کے لیے بھی تنگی ہو جاتی ہے۔

شکل سوم: اس میں صفیں بھی سیدھی ہو جاتی ہیں اور نمازیوں کے لیے سہولت بھی ہو جاتی ہے، مگر رہی (پہلی خرابی

کہ) ۱۸ رڈگری تفاوت قبلہ سے نقشہ کے مطابق عمل کریں گے۔

نقشہ نمبر: ۱۔

کمرے میں قبلہ کا رخ سیدھا آتا ہے۔

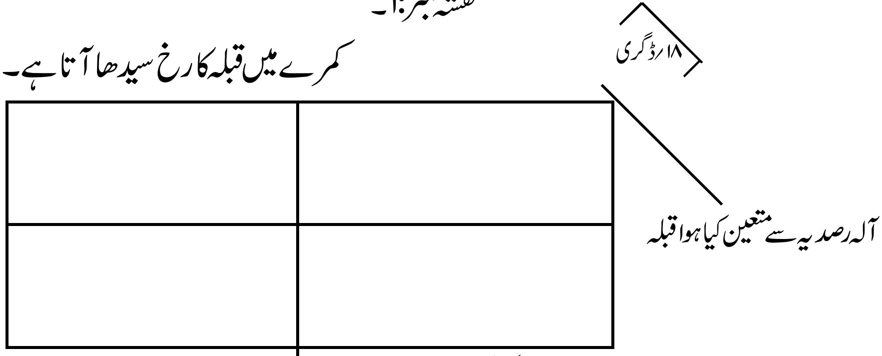

نقشہ نمبر: ۲۔

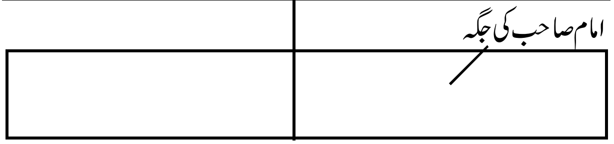

اسی طرح ایک ہی صف پوری اور سیدھی آتی ہے اور باقی دوسری صف ادھوری رہتی ہے۔

نقشہ نمبر: ۳۔

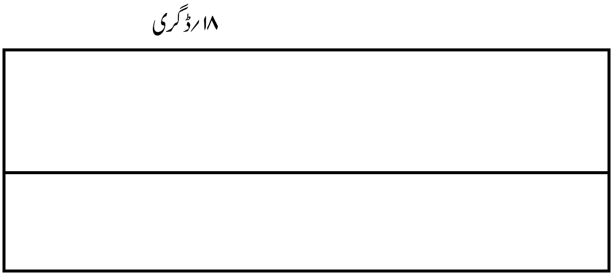

۱۸ رڈگری کے تفاوت کرنے کی وجہ سے سیدھی صف رکھنے سے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جس مقام پر زمانہ قدیم کی مساجد نہ ہوں اور قواعد شرعیہ کے موافق قبلہ کا رخ معین کرنے والے مسلمان بھی نہ ہوں ، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھ کر بھی واقف کار مسلمان رخ متعین کر سکتے ہوں اور آلات رصدیہ کے ذریعہ قلب کو اطمینان حاصل ہو جائے، تو اسی طرح رخ متعین کر کے اس کے موافق نماز ادا کرتے رہیں۔(۱)

(۱) وتعرف بالدليل،وهوفی القری والأمصار محاريب الصحابة والتابعين،وفی المفاوزوالبحار النجوم كالقطب،وإلا فمن الأهل العالم بها". (الدرالمختار)

"فينبغی الاعتماد فی أوقات الصلاة وفی القبلة،علٰی ماذكره العلماء الثقات فی كتب المواقيت،وعلٰی ما وضعوه لهامن الآلات كالربع والاصطرلاب،فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بهاوغلبة الظن كافية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۳۰ـ ۴۳۱، سعيد)

آپ کی لکھی ہوئی تین صورتوں میں سے نقشہ نمبر:۲ کے موافق نماز ادا کرنا بلا شبہ درست ہے، اگر چہ صفیں ٹیڑھی ہی ہونگی، مگر رخ صحیح ہوگا، اس لیے کہ یہ ٹیڑھا پن کمرہ کی تعمیر کے لحاظ سے ہے، قبلہ کے رخ کے لحاظ سے نہیں، سو اس میں مضائقہ نہیں۔(۱)

نقشہ نمبر ا، اور ۳ کی صورت میں کمرہ کے اعتبار سے تو صفیں سیدھی ہیں ٹیڑھی نہیں، لیکن قبلہ کا رخ برابر نہیں، اگر چہ اتنا فرق نہیں کہ بالکل سمت قبلہ باقی نہ رہے اور نماز کو قطعاً فاسد قرار دیا جائے۔ لیکن قصداً اتنا فرق بھی نہ کیا جائے، اس سے بھی بچنا چاہئے۔ ردالمحتار، ج ا میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۵/۱۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۳۲-۵۳۴)☆

---

(۱) ”(و)السادس (استقبال القبلة) ... (فللمكى) ... (إصابة عينها) ... (ولغيره) ... (إصابة جهتها)بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أولهوائها“.(الدرالمختار علیٰ صدرردالمحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۷-۴۲۸، رشيدية)

(۲) فيعلم منه أنه لوانحرف عن العين انحرافًا لاتزول منه المقابلة بالكلية جاز،ويؤيده ما قال فى الظهيرية:إذا تيامن أوتياسر تجوز؛لأن وجه الإنسان مقوس؛لأن عند التيامن أو التياسريكون أحد جوانبه إلى القبلة ، الخ.فعلم أن الانحراف اليسير لايضر،وهوالذى يبقى معه الوجه أوشى ء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أولهوائها“.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۸-۴۳۰،سعيد)

والمسئلة واضحة وحاصلها إذا تحقق خروجه عن الجهة بالكلية لايجوزاعتماده إجماعًا و إذالم يخرج عنهاجازاعتماده وإن كان فيه انحراف قليل يجوزعند الحنفية ولايجوزعند الشافعية.(الفتاوى الخيرية علیٰ هامش الفتاوىٰ الحامدية: ۱/۱۷،بولاق مصر.انيس)

☆ ۲۵/درجہ شمال منحرف مسجد کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، جو خط استواء سے ۳۵/درجہ شمال کی جانب منحرف ہے۔ معارف مدنیہ میں لکھا ہے” کعبہ سے ۲۴/درجہ انحراف تک بلا کراہت نماز درست ہوتی ہے“۔ لہٰذا میرے خیال میں اس مسجد میں نماز بلا کراہت درست ہوگی اور ہمارے یہاں ایک دوسرے صاحب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ مسجد ۳۴/درجہ منحرف شمار کی جائے گی اور اس میں نماز مکروہ ہوگی۔ تو حضرت والا سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کو ۳۴/درجہ منحرف شمار کی جائے گی، یا ۱۴/درجہ (یہاں کے عرض البلد ۲۴)۔

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ظاہر تو یہی ہے کہ اس مسجد میں نماز مکروہ نہیں۔ (وتعرف بالدليل،وهوفى القرى والأمصارمحاريب الصحابة والتابعين،وفى المفاوزوالبحارالنجوم كالقطب،وإلا فمن الأهل العالم بها“.(الدرالمختار)

”فينبغى الاعتماد فى أوقات الصلاة وفى القبلة،علىٰ ماذكره العلماء الثقات فى كتب المواقيت،وعلىٰ ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب،فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها،وغلبة الظن كافية“. (رد المحتار ،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ۱/۴۳۰-۴۳۱،سعيد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۷/۷ھ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۳۵)

قبلہ سے ۲۷/درجہ انحراف کی وجہ سے جماعتِ ثانیہ کے داعی کا حکم:

سوال: ہم نے مسجد کے لیے ایک جگہ آج سے ۵/سال پہلے خریدی تھی، اُس میں سمت قبلہ ذرا بائیں جانب کی طرف مائل تھا، محراب بنانے سے قبل ہم نے کئی بار کمپاس کے ذریعے دیکھا کہ اگر صفوں کو سیدھا کر دیا جائے، تو تقریباً ۲۷/درجہ کا فرق آتا ہے، علمائے کرام سے مشورہ لے کر ہم نے اس وقت قبلہ سیدھا کر دیا اور مسلسل ۵/سال سے پانچ وقتوں کی نمازیں مع جمعہ وعیدین وغیرہ اِس قبلہ کی طرف ہو رہی، اب ایک صاحب نے یہ مسئلہ کھڑا کیا کہ قبلہ ٹیڑھا کیا گیا ہے؛ اِس لیے وہ اسی مسجد کے تہہ خانے میں دوسری جماعت با قاعدہ ۵/وقتی نماز کے علاوہ جمعہ وعیدین بھی ادا کریں گے، اور اُنہوں نے علی الاعلان اشتہار وغیرہ دے کر لوگوں کو فتنہ برپا کرنے کی غرض سے ابھارا بھی ہے، مگر ابھی تک وہ صاحب اپنی کوشش میں ناکام رہے ہیں، مگر اُن کی اِس فتنہ بازی سے مصلیوں کی تعداد میں باقاعدہ نمازوں میں عموماً اور جماعت وغیرہ میں کافی اثر پڑا۔

اس لیے مندرجہ ذیل مسائل میں آپ سے جوابات درکار ہیں، امید قوی ہے کہ آپ جوابات سے نوازیں گے:

(۱) مسجد مذکورہ میں محراب سمت قبلہ سے تقریباً ۲۷/درجہ کا فرق ہے، تو کیا ایسی صورت میں نماز صحیح ہو جاتی ہے کہ نہیں؟

(۲) ایک جماعت کے ہوتے ہوئے اُسی مسجد میں دوبارہ جماعت کی تشہیر اور دعوت دینا کیسا ہے؟

(۳) اس فتنہ بازی کرنے پر اگر ہم مذکور صاحب کو مسجد میں آنے سے روک دیں، تو شریعت مطہرہ میں کہاں تک گنجائش ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

(۱) فقہا کی تصریح کے بموجب عین کعبہ سے پینتالیس (۴۵) درجے تک بھی انحراف ہو جائے، تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب کا اِس مسئلہ پر مستقل رسالہ ''سمتِ قبلہ'' کے نام سے موجود ہے، جو آپ کی تالیف ''جواہر الفقہ'' حصۂ اول کا ایک جزء ہے، اُس کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

(۲) جس مسجد میں باقاعدہ پابندیٔ وقت کے ساتھ جماعت ہوتی ہو اس میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے، اور مکروہ کی دعوت اور تشہیر موجبِ گناہ ہے۔

(۳) اس آدمی کو نرمی اور محبت سے سمجھا کر اس سے باز رکھا جائے، اِس پر بھی باز نہ آئے تو کوئی ایسی تدبیر عمل میں لائی جاسکتی ہے جس کے نتیجہ میں اُس کو باز رکھا جاسکے، بشرطیکہ خود وہ تدبیر باعثِ فتنہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/شعبان ۱۴۱۲ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ (محمود الفتاویٰ: ۴/۱۹۷-۱۹۸)

مسجد کے سمت قبلہ میں معمولی فرق ہوتو نماز کا حکم:

سوال: مسجد کے قبلہ درست ہونے میں لوگوں کو شک ہے، حالانکہ مسجد کا رخ آلہ کی مدد سے بنایا گیا ہے۔اگر مسجد میں کجی ہوتو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

محض شک کوئی چیز نہیں ہے،(۱)اوراگر معمولی کجی ہوتو شرعاً اس مسجد میں نماز درست ہے۔(۲)فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

عبدالصمد رحمانی۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۹۰)☆

---

(۱) اليقين لايزول بالشک.(الأشباه والنظائر: ۱۰۰)

(۲) "فعلم أن الانحراف اليسير لايضر،وهو الذي يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أولهوائها".(رد المحتار،باب شروط الصلاة،مبحث في استقبال القبلة:۲/۱۱۱)

قبلہ جہت کعبہ ہے،عین کعبہ نہیں،توجہ کا مطلب یہ ہے کہ مصلی کے چہرہ سے کوئی خط جہت کعبہ کے خط کو چھوتا ہو،بعض علما نے اس کی تقدیر کعبہ کے دونوں سمت ۲۴-۲۴ ڈگری تجویز کی ہے،بعض علمانے ہر دو جانب ۳۶-۳۶/ڈگری اور بعض لوگوں نے ۴۵-۴۵/ڈگری۔امام غزالی نے ۴۵/ڈگری کے قول کو ترجیح دی ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک ۳۶ ڈگری کا قول،قول وسط ہے،۴۵ ڈگری کے قول میں گردن سے نکلنے والے خط کو بنیاد تصور کرتے ہوئے مواجہہ تسلیم کیا گیا ہے۔۳۶/ڈگری اصل چہرہ کے دونوں کنارے کا مواجہہ اور ۲۴ ڈگری میں دونوں آنکھوں کے کنارے سے نکلے ہوئے خط کا اعتبار کیا گیا ہے۔[مجاہد]

☆ قبلہ سے معمولی انحراف:

سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جس کی لمبائی ساڑھے نوگز ہے،چوڑائی پونے چار گز ہے،جس میں یہ مسجد قبلہ کے رخ سے تین ہاتھ ہٹی ہے،اُتر (''اُتر'': شمال'(فیروز اللغات:۶۳، فیروزسنز لاہور) کی طرف دیوار کو جب پچھّم (پچھّم: مغرب،وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے''۔(فیروز اللغات:۲۸۱، فیروزسنز لاہور) تین ہاتھ لی جائے،تب اس کا رخ صحیح ہوگا اور جہت میں سے دکھن (دکھن: جنوب کی سمت'')(فیروز اللغات:۶۳۲، فیروزسنز لاہور) قبلہ سے رخ زیادہ ہٹائے،تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجوابــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

معمولی فرق سے نماز خراب نہیں ہوگی،البتہ اگر بجائے مغرب کے شمال یا جنوب کا رخ ہوجائے تو نماز نہیں ہوگی۔(لايجوز لأحد أداء فريضة ولا نافلة...إلا متوجهًا إلى القبلة ... ومن كان خارجًا عن مكة،فقبلته جهة الكعبة.(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۳،رشيدية) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۵/۵/۱۳۹۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۳۶ ۵)

بجانب قبلہ بعض مواجہت قبلہ ہو تو نماز فاسد نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ کو معلوم نہیں تھا کہ قبلہ سے سینہ پھر کر نماز فاسد ہو جاتی ہے، اب بے علمی کی وجہ سے سینہ قبلہ سے پھر گیا، نصف یا نصف سے زیادہ یعنی کم از کم کتنا سینہ قبلہ سے پھر جائے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہو؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: اکرام الحق نشتر آباد، راولپنڈی۔ ١٦/ذی الحجہ ١٣٨٩ھ)

الجواب

اگر بعض مواجہت باقی ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اور جب مواجہت بالکلیہ فوت ہو جائے تو نماز فاسد ہوتی ہے۔ **يدل عليه ما في رد المحتار**: ۱/۳۹۸۔(۱) فقط (فتاویٰ فریدیہ: ٢/٢٢٠-٢٢١)

اگر مسجد کی محراب سمت قبلہ پر درست نہ ہو تو کیا کیا جائے:

سوال: مسجد میں بنائی گئی محراب قبلہ سے ٢٠/ ڈگری منحرف ہے، اسی حال میں پانچ سال ہوئے نماز ادا کرتے رہے، اب کیا صرف محراب بدل دیں یا محراب اور مسجد کو از سر نو بنائیں؟

الجواب

بہتر تو یہ ہے کہ محراب درست کر لی جائے، تاکہ نمازی بلا انحراف صحیح سمت قبلہ کا استقبال کریں، جب تک محراب درست نہ ہو تو بیس ڈگری تک انحراف کی گنجائش ہے، جو نمازیں پڑھی جا چکی ہیں؛ وہ صحیح ہوگئیں۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣/٣٤٣)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وسيأتي في المتن في مفسدات الصلاة أنها تفسد بتحويل صدره عن القبلة بغير عذر، فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذي يبقى معه الوجه أو شيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أو لهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أو من بعض جوانبه ويمر على الكعبة أو هوائها مستقيمًا، ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلي بل منها أو من جوانبها، كما دل عليه قول الدرر من جبين المصلي فإن الجبين طرف الجبهة وهما جبينان، وعلىٰ ما قررناه يحمل ما في الفتح و البحر عن الفتاویٰ من أن الانحراف المفسد أن يجاوز المشارق إلى المغارب آه. فهذا غاية ماظهر لي في هذا المحل، و الله تعالىٰ أعلم. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ۱/۳۱٦-۳۱۷)

(۲) فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذي يبقى مع الوجه أو شيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أ ولهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أو من بعض جوانبه ويمر على الكعبة أو هوائها مستقيمًا، الخ. (رد المحتار: ۱/٤۳۰، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة)

مغرب کے رخ پر بنائی گئی قدیم مساجد کا حکم:

سوال: اکثر دینی صحیفوں میں ہم نے پڑھا اور دیکھا ہے کہ قبلہ یعنی کعبۃ اللہ ہمارے ملک ہندوستان کے مغرب میں واقع ہے، رخ کی صریحاً تشریح مذکورہ کتب میں نہیں بتائی گئی، ہاں جغرافیہ اور سائنس سے ٹھیک ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے جنوبی ہند کے ٹھیک ''شمال، مغرب'' میں کعبہ واقع ہے اور آج کل کعبہ شریف کا رخ پہچاننے کا مصنوعی آلہ آ چکا ہے، جس سے ٹھیک رخ پہچانا جاتا ہے۔

غرض جنوبی ہند کے اکثر قدیم مساجد جو تقریباً سو سال قبل کبھی تعمیر کی گئی ہیں، ٹھیک مغرب کے رخ پر ہی بنائی گئی ہیں اور آج بھی اسی رخ پر نمازیں پڑھی جارہی ہیں، اسلاف کے بزرگوں اور دینداروں کو رخ کعبہ کا ٹھیک پتہ نہ تھا اور انہوں نے اپنی کتب میں ''کعبہ ہند سے مغرب جانب میں واقع ہوتا ہے'' کے الفاظ پر عمل کیا ہے۔ اس لحاظ سے ساری مسجدیں طرف مغرب پر تعمیر کی گئی ہیں۔ مگر اب کے علما مسجدوں میں ٹیڑھی صفیں بنانے کو ترجیح دے کر صفیں بالکل ٹیڑھی ہی بنا دی ہیں۔ لہذا ہمارے اسلاف جنہوں نے مسجدیں تعمیر کرائی ہیں، لوگ اب ان کی بے حرمتی اور بدنامی کے علاوہ ان پر بڑا عیب اور دھبہ لگا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں سوال یہ ہے کہ سابق اور اسلاف کے نیک بزرگوں اور ہماری نمازیں اب تک کی کیا ہوئیں، آخر اس کا حل کیا ہے؟

اور قدیم مسجدیں کیا کی جائیں؟ آج کل یہ نیا انقلاب فساد کے نمونہ پر پہنچا ہے، کیا کریں؟ (احمد سعید عفی عنہ)

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جو قدیم مسجدیں ٹھیک مغرب رخ پر بنائی گئی ہیں، تمام نمازیں بلا شبہ ان سب مسجدوں میں درست ہیں۔ نہ صف ٹیڑھی کرنے کی ضرورت ہے اور نہ مسجد کی عمارت گرانے یا بگاڑنے کی ضرورت ہے۔ قبلہ کا رخ مغرب واقع ہونے کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ ہندوستان کا قبلہ بین المغربین ہے اور وہ ان تمام قدیم مساجد میں حاصل ہے۔

ہاں جس مسجد کا رخ بین المغربین نہ ہو، اس کا قبلہ درست کر لینا چاہیے۔

اور بین المغربین واقع ہونے کا یہ مفہوم ہے کہ!

سب سے بڑے دن میں مسجد کے جس رخ پر آفتاب غروب ہوتا ہو، اس کے صحن میں آفتاب اور مسجد کے اتری کنارہ کے بیچ میں ایک نشان لگا دیں۔ پھر اسی طرح سب سے چھوٹے دن میں آفتاب، مسجد کے جس رخ پر غروب ہوتا ہے۔ مسجد کے دکھنی کنارہ اور آفتاب کے بیچ میں اتنے ہی فاصلہ پر ایک نشان لگا دیں جتنے فاصلہ پر اتری نشان لگایا تھا، پھر دونوں نشانوں کے درمیان ایک مستقیم خط کھینچ دیں۔ پس اگر یہ خط اور مسجد کے مغربی دیوار کا خط متوازی

ہو،تو قبلہ بین المغربین حاصل ہے اورنماز بلاشبہ درست ہے۔(۱)اتنے دوردراز ملکوں میں عین قبلہ کی مواجہہ شرط نہیں ہوتی، بلکہ جہت قبلہ کی مواجہت فی الجملہ بھی کافی ہوجاتی ہے۔

لقوله تعالیٰ:﴿وَحَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ شَطۡرَهٗ﴾(۲) فقط واللّٰہ أعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی ،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۲۶/۱۲/۱۴۰۱ھ۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۲۱۲-۲۱۳)

غلط سمت پر بنی ہوئی مسجد کے قبلہ کو درست کرنا:

سوال: ایک پرانی مسجد کی جدید تعمیر کے سلسلے میں قطب نما سے دیکھا جاتا ہے،تو آٹھ فٹ کا فرق قبلہ میں آرہا ہے،کیاایسی صورت میں سابقہ بنیاد پر جدید تعمیر کرلی جائے،یا قطب نما سے قبلہ درست کرنا ضروری ہے۔

(۲) کتنے فٹ کے فرق سے انحراف سمجھا جائے گا اور نماز درست نہیں ہوگی؟ فٹ کی تعیین فرمائیں۔

(۳) فتویٰ کے نہ ماننے والے یا پس پشت ڈالنے پر شریعت کیا حکم لگاتی ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یانہیں؟

(۴) فتویٰ کی موجودگی میں فتویٰ کے خلاف فیصلہ کرنا کیسا ہے اوراس فیصلے کو نہ ماننا کیسا ہے؟

(۵) مسجد کی جدید تعمیر میں دوفریق کا اختلاف ہے،تیسرا آدمی اس کے علاوہ اس مسجد کو بنوا سکتا ہے یانہیں؟ یا اسی فریق میں سے کچھ آدمی بنوا سکتے ہیں یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) دیدہ ودانستہ انحراف کے ساتھ تعمیر ہرگز نہ کی جائے،ہوسکتا ہے کہ ابتداءً سابقہ مسجد بنانے کے وقت پورا لحاظ قبلہ کا نہ ہوسکا ہو،کوئی ذریعہ صحیح علم کا نہ ہو،اب جبکہ صحیح علم کا ذریعہ موجود ہے،دیگر مساجد کو بھی دیکھ لیا جائے،قطب نما سے بھی اندازہ کرلیا جائے تب تعمیر کی جائے۔(۳)

---

(۱) عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : "ما بین المشرق و المغرب قبلة ".(سنن الترمذی:۲/۱۷۱، أبواب الصلاة،رقم الحدیث:۳۴۲-۳۴۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اہل مدینہ کے لئے ارشاد فرمایا ہے؛ کیونکہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے جہت جنوب میں ہے،اس حدیث سے واضح ہوجاتا ہے کہ دوروالوں کے لئے جہت کعبہ کا استقبال ہی کافی ہے۔

(۲) سورة البقرة:۱۵۰۔

(۳) "(و)السادس(استقبال القبلة)...(فللمکی)...(إصابة عینها)...(و لغیره)...(إصابة جهتها) بأن یبقی شیء من سطح الوجه مسامتًا للکعبة أولهوائها(إلیٰ قوله)وتعرف بالدلیل،وهوفی القری والأمصارمحاریب الصحابة والتابعین،وفی المفاوزوالبحارالنجوم کالقطب آه".(الدرالمختارعلیٰ صدرردالمحتار،کتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث فی استقبال القبلة:۱/۴۲۷-۴۲۸،سعید)

(۲) قصداً بالکل انحراف نہ کیا جائے، صحیح علم نہ ہونے کی صورت میں شمال اور جنوب کی قوس بنا کر نصف قوس تک انحراف ہو گیا، تو بھی نماز کو درست کہا جائے گا،(۱) مسجد بڑی یا چھوٹی ہونے سے اس انحراف میں بھی فرق ہو سکتا ہے، فٹ کی تعیین دشوار ہے۔

(۳) یہ تو اس بات پر موقوف ہے کہ فتویٰ کا صحیح حال معلوم ہو کہ واقعۃً وہ حکم شرعی موافق ہے یا نہیں؟ اور فتویٰ کو نہ ماننے والے کا علم ہو کہ ہو وہ فقہ وفتویٰ میں کس قدر تجربہ وبصیرت رکھتا ہے اور یہ بات بھی سامنے آئے کہ فتویٰ کو نہ ماننے اور پس پشت ڈالنے کی وجہ کیا ہے، تب اس کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ فتویٰ عین شریعت کے مطابق ہے، اس کو نفسانی تقاضہ کے تحت نہ ماننا اور پس پشت ڈالنا خطرناک ہے،(۲) جب تک ایسا شخص اپنی اس حرکت پر نادم ہو کر باقاعدہ شرعی توبہ نہ کرے، وہ امامت کا مستحق نہیں۔(۳) اگر شرعی دلائل کی روشنی میں وہ فتویٰ غلط ہے، تو وہ اس قابل ہے کہ دلائل کے ساتھ اس کی تردید کردی جائے۔

(۴) اس کا جواب نمبر:۳ سے واضح ہے۔

(۵) یا تو فریقین آپس میں اتفاق کرلیں یا کسی کو اپنا ثالث وحکم بنا لیں تاکہ نزاع ختم ہو جائے، اگر کسی دوسرے شخص نے مسجد کو بنایا اور جس فریق کے خلاف وہ تعمیر ہوئی، اس نے اس کو غلط قرار دیکر منہدم کیا، تو اور فتنہ بڑھے گا، یا اس نے نماز ہی ترک کردی، یہ بھی مستقل موجب انتشار ہے۔(۴)

---

(۱) ”فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافاً لاتزول منه المقابلة بالكلية ،جاز،ويؤيده ما قال في الظهيرة:إذا تيامن أوتياسر تجوز،لأن وجه الإنسان مقوس؛لأن عند التيامن أوالتياسريكون أحد جوانبه إلى القبلة.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث في استقبال القبلة: ۱/ ۴۹۵_۴۹۶، رشيدية)

(۲) ”إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى الأئمة،فقال صاحبه:ليس كما أفتوا، أوقال: لانعلم بهذا،كان عليه التعزير“(الفتاوى الهندية، كتاب السير،باب أحكام المرتدين،منها مايتعلق بالعلم والعلماء: ۲/ ۲۷۲، رشيدية)

(۳) ”(ويكره) ...(إمامة عبد)...(وأعرابي)...(وفاسق وأعمى)“.(الدرالمختار)

”(قوله وفاسق)...وهو الخروج عن الاستقامة،ولعل المرابه من يرتكب الكبائر كشارب الخمر،والزاني وآكل الربا ونحوذلك“.(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹_ ۵۶۰،سعيد)

(۴) قال الله تعالى:﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ،وَاصْبِرُوْا ، إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾.(سورة الأنفال: ۴۶)

عن معاذ بن جبل رضى الله تعالى عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال:”إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم ، يأخذ الشاة القاصية،فإياكم والشعاب،وعليكم بالجماعة والعامة والمسجد“.(مسند الإمام أحمد ابن حنبل رحمه الله تعالى (رقم الحديث: ۲۱۵۲۴): ۶/ ۷۰،دارإحيا التراث العربى،بيروت)

اگر چہ کوئی فریق یا غیر فریق مسجد کو شرعی طریقہ پر تعمیر کر دے گا، تب بھی وہ مسجد ہو جائے گی اور اس میں نماز پڑھنا درست ہوگا۔(۱) بہر حال فتنہ وانتشار سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۲۹-۵۳۲) ☆

جدید مسجد کی سمت قبلہ میں تردد:

سوال: حاجی عبدالرشید، مستری عبدالعزیز، حاجی رفیق احمد، ماسٹر شاہد حسین، منشی اختر حسین نے ایک مشورہ ۱۹۶۹ء میں مسجد بنانے کے لیے کیا، اور کمیٹی کی تشکیل کر کے ۲/ ہزار مربع گز زمین خرید کر مسجد بنانی شروع کر دی، جو

(۱) حتى إنه إذا بنى مسجدًا وأذن للناس بالصلاة فيه ، فصلى فيه جماعة ، فإنه يصير مسجدًا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادى والعشرون فى المساجد: ٨٣٩/٥، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچى)

☆ **پرانی مسجد کا رخ اگر صحیح نہ ہو، تو اس میں نماز ہوگی یا نہیں:**

سوال: ہم لوگ ساکنان نکماشاہ قصبہ شیر کوٹ ایک مدت دراز سے اپنی مسجد میں نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں، مسجد بہت پرانی اور ہماری یاد سے پہلے کی ہے، فی الحال یہ بات چلی کہ مسجد کا رخ غلط ہے، بذریعہ قطب نما اس کی جانچ کی گئی، تو اصل میں مسجد قطب نما کی رو سے ۲/ فٹ کا فرق ہے، مطلب یہ کہ مسجد کا شمالی سرا ۲/ فٹ، ۶/ انچ پچھم کی طرف ہونا چاہئے، یا پھر دکھنی سرا ۲/ فٹ مشرق کی طرف ہونا چاہئے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی مسجد میں نماز ہوگی یا نہیں، اور جو نمازیں اس میں پڑھی گئی ہیں، ان کا حل کیا ہے؟ بہت چھوٹی مسجد ہے جس میں صرف اندر ایک جماعت ہوسکتی ہے، آٹھ ہاتھ لمبی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اب قطب نما کے ذریعہ وہاں صفوں کے نشان صحیح رخ پر لگا دیئے جائیں اور ان نشانوں کے موافق جماعت کھڑی ہو کر نماز پڑھا کرے۔ ”(و) السادس (استقبال القبلة)...(فللمكى)...(إصابة عينها)...(ولغيره)...(إصابة جهتها) بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أولهوائها الخ وتعرف بالدليل، وهو فى القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين، وفى المفاوز والبحار النجوم كالقطب آه“. (الدر المختار) (قوله كالقطب) هو أقوى الأدلة، وهو نجم صغير فى بنات نعش الصغرى بين الفرقدين والجدى، إذا جعله الواقف خلف أذنه اليمنىٰ كان مستقبلا القبلة إن كان بناحية للكوفة وبغداد وهمدان“. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة: ٤٢٧/١ - ٤٣٠، سعيد) تمام مسجد کو توڑنے کی ضرورت نہیں ہے اور وسعت بھی نہیں ہے، جو نمازیں اب تک پڑھی گئی ہیں، ان کا اعادہ لازم نہیں ہے۔ (کیونکہ موجودہ انحراف اتنا نہیں ہے کہ سمت قبلہ کی حد معین سے باہر ہو: ”فعلم أن الانحراف اليسير لا يضر، وهو الذى يبقى معه الوجه أو شىء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أو لهوائها“. (أيضًا: ٤٣٠/١، سعيد) فقط والله تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۴۱)

(اسی طرح کا ایک اور مسئلہ فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۴۰، میں درج ہے۔ انیس)

تھوڑے ہی دنوں میں پائے تکمیل کو پہنچی، جس مسجد کا نام مسجد نبی کریم رکھا گیا، جو ۱۹۷۰ء میں چالو ہوگئی، یعنی نماز پڑھنی شروع کردی گئی۔

محلّہ کا ایک شخص جس کا نام عبدالشکور ہے، اس نے ایک شبہ ڈالا کہ مسجد کا رخ صحیح نہیں ہے؛ جس پر مدرسہ محمودیہ سروٹ سے عالموں کو دعوت دی گئی، جس میں ؛ ۱: مولانا نثار احمد مہتمم مدرسہ محمودیہ سروٹ ۔۲: مفتی شکیل احمد صاحب۔ ۳: مولانا نصیب الدین صاحب ۔۴: مولانا مہربان صاحب ۔۵: مولانا ظریف احمد صاحب ۔٦: قاری عابد صاحب۔ ۷: قاری محمد مصطفیٰ صاحب ۔۸: حافظ محمد عمر صاحب ۔۹: حاجی صغیر احمد صاحب انصاری وائس چیئر مین میونسپل بورڈ اور بہت سے لوگ شامل تھے، کمیٹی ہذا کی موجودگی میں محلّہ کی سب مسجد چیک کی پھر مسجد نبی کریم بھی چیک کی؛ جس میں تین قطب نما تھے۔

علماء دین نے چیک کرنے کے بعد فیصلہ دیا کہ مسجد کا رخ ٹھیک ہے، کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ضلع مظفر نگر کی مسجد قطب نما کے پوائنٹ ۹ سے دس تک آتی ہے؛ سب ٹھیک ہے، اس نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ مسجد کا رخ غلط ہے۔ اس کے باوجود مستری عبدالشکور ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، جبکہ موقع پر مفتی شکیل احمد مفتی مرادآباد موجود تھے، جنہوں نے فتویٰ دیا کہ ٹھیک ہے، لیکن وہ اپنی ضد پر ہے۔ کیا ۹/ پوائنٹ سے دس پوائنٹ تک مسجد کا رخ ٹھیک مانا جاتا ہے یا نہیں؟

(۲) جبکہ مندرجہ بالا مسجد کا مندرجہ بالا عالموں نے فیصلہ دیا تو مستری عبدالشکور صاحب کا نہ ماننا اور افواہیں پھیلانے کا فعل کیسا ہے اور کس حد تک پہنچتا ہے؟

(۳) مندرجہ بالا عالموں کی رائے کے مطابق مستری عبدالشکور کی پیروی کرنے والا شخص شرعاً سزا کا مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) عالموں کی رائے کے خلاف بولنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

متدین اہل علم اور اہل تجربہ نے معائنہ کیا، قطب نما سے دیکھا، دیگر مساجد سے بھی رخ کو ملایا اور اس مسجد کے رخ کو صحیح بتا کر نماز کو اس میں صحیح قرار دیا تو اس کو تسلیم کر لینا چاہئے، بلا دلیل شرعی کے انکار کا حق نہیں، (۱) اگر معمولی فرق بھی ہو تب بھی مسجد کو نہ گرایا جائے، سمت قبلہ میں توسع ہے (۲) موسم سردی اور موسم گرمی میں جہاں جہاں سورج غروب

---

(۱) فینبغی الاعتماد فی أوقات الصلاة وفی القبلة، علیٰ ماذکره العلماء الثقات فی کتب المواقیت، وعلیٰ ما وضعوه لها من الآلات کالربع والاصطرلاب، فإنها إن لم تفد الیقین تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن کافیة فی ذلک". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة: ۴۳۱/۱، سعید)

(۲) "فعلم أن الانحراف الیسیر لایضر، وهوالذی یبقی معه الوجه أوشیء من جوانبه مسامتاً لعین الکعبة أولهوائها". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة: ۴۳۰/۱، سعید)

ہوتا ہے ان دونوں جگہوں کے درمیان نماز پڑھنے سے بھی نماز ادا ہو جاتی ہے،(۱) اب تفرقہ نہ پیدا کیا جائے،(۲) اور جن حضرات نے دیکھ کر رخ کو صحیح بتایا ہے، ان پر اعتماد کیا جائے، صحت نماز کی ذمہ داری انہوں نے لی ہے اور وہ خود جواب دہ ہوں گے۔(۳)

جو شخص صحیح شرعی فتوے کو تسلیم نہ کرے، اس کو سزا دینے کی آج قوت نہیں ہے، اس کو نرمی اور شفقت سے فہمائش کی جائے، وہ نہ مانے تو اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۳۸-۵۳۹) ☆

---

(۱) "الأول أن ينظر في مغرب الصيف في أطول أيامه ومغرب الشتاء في أقصر أيامه، فليدع الثلثين في الجانب الأيمن والثلث في الأيسر والقبلة عند ذلك، ولو لم يفعل هكذا وصلى فيما بين المغربين يجوز". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ١/٤٣٠، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (سورة الأنفال: ٤٦)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أفتىٰ بغير علم كان إثمه علىٰ من أفتاه". (سنن أبي داؤد، باب التوقي في الفتيا (ح: ٣٦٥٧)/ جامع بيان العلم وفضله (ح: ١٦٢٥) انيس)

(۴) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب علىٰ أخيه ثلاث ليال لقلته، و لا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ فيجوز فوق ذلك ... فإن هجرة أهل الهواء والبدع واجبة علىٰ ممرِّ الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح المشكوة، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول: ٨/٧٥٨، رشيدية)

قال الشيخ: فيه من العلم أن تحريم الهجرة بين المسلمين أكثر من ثلاث إنما هو فيما يكون بينهما من قبل عتب وموجدة أو لتقصير يقع في حقوق العشرة ونحوها دون ما كان من ذلك في حق الدين فإن هجرة أهل الأهواء والبدعة دائمة على مر الأوقات والأزمان ما لم تظهر منهم التوبة والرجوع إلى الحق وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم خاف على كعب وأصحابه النفاق حين تخلفوا معه في غزوة تبوك فأمر بهجرانهم وأمرهم بالقعود في بيوتهم نحو خمسين يوماً على ما جاء في الحديث إلى أن أنزل الله سبحانه توبته وتوبة أصحابه فعرف رسول الله صلى الله عليه وسلم براء تهم من النفاق. (معالم السنن، ومن باب مجانية أهل الأهواء وبغضهم: ٤/٢٩٦/ وكذا في الكاشف عن حقائق السنن للطيبي، باب ما ينهى عنه: ١٠/٣٢٠٩. انيس)

☆ سمت قبلہ کی تعیین وانحراف:

سوال: ایک مسجد جامع ہے، جو تقریباً ایک سو تیس برس کی تعمیر شدہ ہے، آج کل اس میں بوجہ تنگی نمازیوں کو سخت تکلیف ہو رہی تھی، مسجد ہذا کو بغرض توسیع وتعمیر جدید منہدم کرایا گیا، پہلی بنیاد سے اسے سیدھی کرنے میں اتر کا مغربی گوشہ تین ہاتھ پچھّم جانب بڑھایا گیا اور دکھن کا مشرقی گوشہ تین ہاتھ پورب (''پورب: مشرق، سورج نکلنے کی جگہ''۔ (فیروز الغات: ۳۰۸، فیروز سنز لاہور) ہٹایا گیا، مگر پھر بھی قطب سے کچھ فرق رہ گیا۔ ==

صفوں کا قبلہ کی جانب سے ٹیڑھا بچھانا:

سوال: مسجد کا پیش امام مسجد میں صفیں غیر رخ بچھا تا ہے، اگر کوئی مقتدی صف کو درست کرتا ہے تو خفا ہوتا ہے، اور کہتا ہے کہ صفیں درست ہیں، مگر صفیں بالکل ٹیڑھی ہوتی ہیں، جس کا خاکہ یہ ہے۔

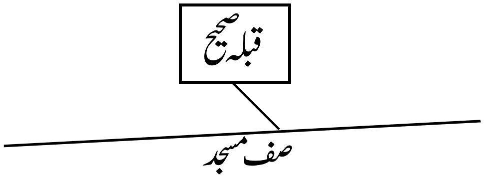

اس حالت میں نماز میں کراہیت تو نہیں ہوگی؟

== کوئی صورت ایسی نہیں ہوسکتی جو قطب سے بالکل سیدھی کی جا سکے، بہت بڑا کنواں مسجد کی بنیاد میں پڑ رہا تھا۔ ایسی صورت میں مسجد ہذا میں شرعاً کوئی نقص نماز کی ادائیگی وغیرہ میں وقوع پذیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور قطب کو تعمیر مسجد میں شرعاً کیا حیثیت حاصل ہے، قبلہ رخ جو معتبر ہے جس کو فقہا نے "بین الفرقدین والجدی" لکھا ہے، (قوله كالقطب) هو أقوى الأدلة،وهو نجم صغير في بنات نعش الصغرى بين الفرقدين والجدى" (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث في استقبال القبلة: ٤٣٠/١،سعيد) اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اتنے معمولی فرق سے نماز میں نقصان نہیں آتا۔ ("فعلم أن الانحراف اليسير لايضر،وهو الذى يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة أولهوائها". (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث في استقبال القبلة: ٤٣٠/١، سعيد)

تاہم اگر دوبارہ تعمیر سے اصلاح نہ ہوسکی، تو صفوف کے نشان صحیح طور پر مسجد میں لگا دیئے جائیں اور ان کے موافق رخ صحیح کرلیا جائے، پھر مسجد کو گرا کر از سر نو تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمت معلوم کرنے کی بہت سی علامات فقہا نے لکھی ہیں، قطب بھی ایک دلیل ہے، بلکہ اقوی الادلہ ہے، اہل ہند سے قبلہ کا رخ عامۃً جانب مغرب میں ہے۔ ("فقبلة أهل المشرق إلى المغرب عندنا. (الفتاوىٰ التاترخانية، كتاب الصلاة،الفصل الثانى فى فرائض الصلاة وواجباته: ٤٢٣/١، إدارة القرآن، كراچى)

پس اگر سردی و گرمی میں جس جگہ آفتاب غروب ہوتا ہے، اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جائے، تو نماز صحیح ہوجائے گی، یعنی دونوں موسموں کے جائے غروب کے درمیان کا حصہ جہت کعبہ ہے، یہی مطلب ہے۔ "بين الفرقدين والجدى" کا۔

قال الشامي: (قوله كالقطب): هو أقوى الأدلة،وهو نجم صغير في بنات نعش الصغرى بين الفرقدين والجدى إذا جعله الواقف خلف أذنه اليمنىٰ كان مستقبلا القبلة إن كان بناحية للكوفة،وبغداد، وهمدان،الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث في استقبال القبلة: ٤٣٠/١،سعيد)فقط والله سبحانه تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۳۶/۵، ۵۳۷)

الجواب ــ

صورت مذکورہ میں نماز تو سب کی ہو جاتی ہے، مگر امام کا بلاوجہ صفیں ٹیڑھی بچھانا اور اس پر اصرار کرنا موجب نقصان صلوٰۃ ہے اور باعث تشویش قوم۔ لہذا اس کو اس لغو حرکت سے احتراز کرنا چاہئے۔

قال فی الخلاصة فی القبلة: المختار أنه ینظر إلٰی غروب الشمس فی أقصر یوم فی الشتاء و إلی الغروب فی أطول یوم فی الصیف فیجعل ثلثی ذلک عن یمینه و الثلث عن یساره ویصلی فیما بین ذلک. (١/ ٧٠)

٢٢ / رمضان ١٣٤١ھ۔ (امداد الاحکام: ٢/ ١٢٤)

☆☆☆

ریل گاڑی وغیرہ میں قبلہ کے مسائل

ریل میں نماز کے اندر استقبال قبلہ کی بحث:

سوال: شخصے راکب ریل است، لیکن از باعث تحویل الواح ریل عن القبلۃ اگر مستقبل قبلہ بودہ نماز می خواند، پس ارکانِ صلوٰۃ مثل قیام وقعود ورکوع وسجود بروے متعسّر ومتعذر می شوند واگر بقیام ورکوع وسجود نماز می گذارد تا استقبال قبلہ از وے فوت می شود، پس دریں صورت کدام فرض را ترک نمودہ بکدام طریق تعمیل درزد یعنی محول عن القبلۃ بودہ بدیگر طرف مستقبل شدہ برکوع وسجود ادا نماید یا مستقبل قبلہ گردید بایماء نماز بخواند؟(۱)

الجواب

اگر کسے در ریل نماز فرض خواند، پس استقبال قبلہ وقیام ورکوع وسجود وغیرہ جملہ ارکان صلوٰۃ ادا کردن ضروری است محض از سواری ریل استقبال ساقط نمی شود؛ چراکہ باوجود تحویل الواح بہ قدرے دقت وتکلف استقبال ممکن است، اگر بلا مجبوری ترک استقبال کرد نماز جائز وادا نمی شود، واگر مستقبل قبلہ بودہ نماز شروع کرد ودر حالت صلوٰۃ سمت قبلہ مبدل گردد، پس مصلی را ضروری است کہ آں ہم متوجہ قبلہ بودہ نماز تمام کند کہ جملہ ارکان صلوٰۃ ادا شوند، ومصلی ریل را در نماز فرض قعود قطعاً جائز نیست، ودر صلوٰۃ نفل جائز است، البتہ اگر فی الحقیقت ہجوم ایں قدر باشد کہ حرکت رکوع وسجود ممکن نیست ونیز بر صلوٰۃ از خارج ریل قادر نیست، بلا استقبال وبلا قیام ادا کند۔(۲) وایں صورت نادر است۔(۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۴۶) ☆

---

(۱) خلاصۂ سوال: ایک شخص ریل پر سوار ہے، لیکن ریل کے قبلہ سے منحرف ہونے کی وجہ کر اگر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے تو نماز کے ارکان مثل قیام، قعود، رکوع اور سجود اس کے لئے دشوار ہوتے ہیں اور اگر قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو استقبال قبلہ اس سے فوت ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں کس فرض کو چھوڑ کر کس طریقے پر عمل کرے یعنی قبلہ سے منحرف ہو کر دوسری طرف رخ کر کے رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کرے یا قبلہ کی طرف رخ کر کے اشارے سے نماز پڑھے؟ انیس

(۲) (من تعذر علیہ القیام) أی کلہ (لمرض) حقیقی، الخ (أو) حکمی بأن (خاف زیادتہ أو بطأ برئہ بقیامہ أو دوران رأسہ أو وجد لقیامہ ألمًا شدیدًا) الخ (صلّٰی قاعدًا). (الدر المختار علی ہامش رد المحتار، باب صلاۃ المریض: ۱/۷۰۸-۷۰۹، ظفیر)

(۳) (و المربوطۃ بلجۃ البحر إن کان الریح یحرکھا شدیدًا فکالسائرۃ وإلا فکالواقفۃ) ==

ٹرین، ہوائی جہاز، اور پانی کے جہاز میں نماز ادا کرنے اور استقبال قبلہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ!

ٹرین میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کیا استقبالِ قبلہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ نیز ہوائی جہاز اور پانی کے جہاز میں بھی نماز ادا کرنا درست ہے یا نہیں اور قبلہ رخ ہونا ضروری ہے؟

== ویلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت. (الدر المختار)

(قوله ويلزم استقبال القبلة، الخ) أى فى قولهم جميعًا. بحر. وإن عجزعنه يمسک عن الصلوٰة. إمداد عن مجمع الروايات. ولعله يمسک مالم يخف خروج الوقت لما تقرر من أن قبلة العاجز جهة قدرته، وهذا كذلک وإلا فما الفرق فليتأمل. (رد المحتار، باب صلاة المريض، مطلب فى الصلاة فى السفينة: ١/٤١٧، ظفير)

خلاصۂ جواب: اگر کوئی شخص ریل میں فرض نماز پڑھے تو نماز کے تمام ارکان (استقبال قبلہ، قیام، رکوع، اور سجدہ وغیر) کا ادا کرنا ضروری ہے، محض ریل کی سواری کی وجہ سے استقبال قبلہ ساقط نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ریل گاڑی کے گھومنے کے باوجود تھوڑی سی دقت وتکلیف کے ساتھ استقبال قبلہ ممکن ہے، اگر بغیر مجبوری کے استقبال قبلہ ترک کیا تو نماز جائز ودرست نہ ہوگی اور اگر قبلہ رو ہوکر نماز شروع کی اور نماز ہی کی حالت میں قبلہ تبدیل ہوگیا تو نمازی کے لیے ضروری ہے کہ قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر نماز مکمل کرے؛ تاکہ نماز کے تمام ارکان ادا ہو جائیں اور ریل میں نماز پڑھنے والے لیے فرض نماز میں بیٹھنا بالکل جائز نہیں ہے اور نفل نماز میں جائز ہے، البتہ اگر ہجوم واژدحام اس قدر ہو کہ رکوع وسجدہ کرنا ممکن نہ ہو اور ریل سے باہر بھی نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو بغیر استقبال قبلہ اور بلا قیام نماز ادا کرسکتا ہے اور یہ صورت تو شاذ ونادر ہے۔ انیس

☆ ریل میں استقبالِ قبلہ حتی الوسع ضروری ہے:

سوال: بنگال کی ریل میں نماز میں قبلہ کی طرف کھڑا ہونا ممکن نہیں اور جس جگہ ممکن ہے وہاں جائے قیام وسجدہ میں گرد وغبار ہوتا ہے، وہاں قیام فرض ہے یا نہیں؟

الجواب

ریل میں نماز پڑھنے میں حتی الوسع کھڑے ہوکر نماز پڑھنا چاہئے۔ (والفرائض الباقية من الست هى القيام الخ لقوله تعالىٰ: "وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ". (غنية المستملى: ٢٥٤)

(ومنها القيام)... (فى فرض)... (لقادر عليه). (الدر المختار) (قوله لقادر عليه) فلو عجزعنه حقيقةً وهو ظاهر أو حكمًا كما لو حصل له به ألم شديد أو خاف زيادة المرض الخ فإنه يسقط الخ. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ١/٤١٤_٤١٥، ظفير)

اور قبلہ رخ ہونا ضروری ہے۔ ((و) السادس (استقبال القبلة) حقيقةً أو حكمًا كعاجز، والشرط حصوله لا طلبه الخ. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة: ١/٣٩٦، ظفير)

اور جگہ کا وہم نہ کرنا چاہئے، غایت یہ کہ کوئی پاک کپڑا اچھالیا جاوے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ٢/١٥٠)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہاں ریل میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے، (۱) البتہ اگر یقین ہو کہ وقتِ نماز باقی رہتے ہوئے فلاں جگہ اتنی

---

(۱) ریل میں نماز ادا کرنا جائز ہے،اس لیے کہ ریل مثل سریر موضوع علی الارض کے ہے۔

(وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز)لو واقفة لتعليلهم بأنها كالسرير. (الدر المختار)

قال الشامي تحت قوله(لو واقفة): كذا قيده في شرح المنية ولم أره لغيره،يعني إذا كانت العجلة على الأرض ولم يكن شيء منها على الدابة،وإنما لها حبل مثلاً تجرها الدابة به تصح الصلاة عليها؛لأنها حينئذٍ كالسرير الموضوع على الأرض،ومقتضى هذا التعليل أنها لو كانت سائرة في هذه الحالة لا تصح الصلاة عليها بلاعذر وفيه تأمل؛لأن جرها بالحبل وهي على الأرض لاتخرج به عن كونها على الأرض،ويفيده عبارة التا تارخانية عن المحيط. وهي:لو صلى على العجلة،إن كان طرفها على الدابة وهي تسير تجوز في حالة العذر لا في غيرها،وإن لم يكن طرفها على الدابة جازت،وهو بمنزلة الصلاة على السرير اهـ فقوله وإن يكن الخ يفيد ما قلنا؛لأنه راجع إلى أصل المسئلة،وقد قيدها بقوله "وهي تسير" ولو كان الجواز مقيدا بعدم السير لقيده به فتأمل. (ردالمحتار،باب الوتر والنوافل، مطلب في القادر بقدرة غيره: ٤٧١/١)

اگر چہ ٹرین میں نماز پڑھنے والے کو یہ امید ہو کہ وقت کے باقی رہتے ہوئے نیچے اتر کر نماز پڑھ سکتا ہے،تب بھی ریل میں پڑھنا جائز ہوگا؛ کیونکہ عذر نماز کے ابتدائے وقت میں معتبر ہے،اگر چہ اخیر وقت میں عذر کے زائل ہو جانے کی امید ہو۔

تنبيه: بقي شيء لم أر من ذكره،وهو أن المسافر إذا عجز عن النزول عن الدابة لعذر من الأعذار المارة وكان على رجاء زوال العذر قبل خروج الوقت كالمسافر مع ركب الحاج الشريف، هل له أن يصلي العشاء مثلاً على الدابة أو المحمل في أول الوقت إذا خاف من النزول،أم يؤخر إلى وقت نزول الحجاج في نصف الليل لأجل الصلاة؟

والذي يظهر لي الأول،لأن المصلي إنما يكلف بالأركان والشروط عند إرادة الصلاة والشروع فيها،وليس لذلك وقت خاص،ولذا جاز له الصلاة بالتيمم أول الوقت وإن كان يرجو وجود الماء قبل خروجه،وعللوه بأنه قد أداها بحسب قدرته الموجودة عند انعقاد سببها،وهو ما اتصل به الأداء اهـ. ومسئلتنا كذلك. (ردالمحتار،باب الوتر والنوافل، مطلب في القادر بقدرة غيره: ٤٧١/١)

لیکن ایسی حالت میں انتظار کرنا آخر وقت استحباب تک مستحب ہوگا۔

(وندب لراجيه)رجاءً قوياً(آخر الوقت)المستحب،ولو لم يؤخر وتيمم وصلى جاز إن كان بينه وبين الماء ميل وإلا لا". (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ١٦٦/١،باب التيمم،مطلب في الفرق بين الظن وغلبة الظن)

نیز اگر کھڑے ہو کر پڑھنا بھی کسی عذر کی بنا پر ناممکن ہو،تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے۔

(...أو وجد لقيامه ألمًا شديدًا)...(صلى قاعدًا)...(كيف شاء)على المذهب. (الدر المختار،باب صلاة المريض)(صلى الفرض في فلك)جارٍ(قاعدًا بلا عذر صح)لغلبة العجز(وأساء)وقالا: لا يصح إلا بعذر وهو الأظهر،برهان. (الدر المختار مع ردالمحتار: ٥١١/١،باب صلاة المريض،مطلب في الصلاة في السفينة)

اور اگر کسی مجبوری مثلاً کثرت اژدہام کی بنا پر بیٹھ کر رکوع،سجود بھی ناممکن ہو،تو پھر اشارہ سر سے نماز پڑھے۔

(وإن تعذرا)...(أومأ)...(قاعدًا)...(ويجعل سجوده أخفض من ركوعه). (الدر المختار مع الشامي،باب صلاة المريض: ٥٠١/١) (مرتب)

دیر ٹھہرے گی کہ اتنی دیر میں نماز پڑھ سکوں گا، تو اس وقت تک مؤخر کر دے، اور اگر مسافر شرعی ہے، تو کم از کم فرض ووتر پڑھ لیا کرے۔

ریل کے اندر ہی اگر پڑھنا پڑے تو تحریمہ باندھتے وقت قبلہ رخ کا پتہ لگالے، خواہ قطب نما کے ذریعہ یا کسی مسلمان سے پوچھ لے۔ پھر نماز شروع کر دے اور پڑھ لے؛ کیونکہ ٹرین جلدی جلدی اتنا رخ نہیں بدلتی کہ مواجہت فی الجملہ بھی فوت ہو جائے، ہاں جہاں ایسا ہو وہاں ذرا ٹھہر کر شروع کرے۔

اسی طرح ہوائی جہاز میں اور پانی کے جہاز میں بھی مذکورہ بالا طریقوں سے جہت قبلہ وغیرہ معلوم کر کے نماز ادا کریں۔

ہوائی جہاز پر بھی نماز جائز ہوتی ہے، جس طرح ریل وغیرہ کی سواری میں جائز ہوتی ہے؛ اس لیے کہ "وضع الجبهة على الأرض" میں ارض کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ بطور عموم مجاز کے وہ چیز مراد ہے جس پر پیشانی ٹک سکے۔ اس عموم مجاز کا ایک فرد سطح ارض بھی ہے اور ایک فرد ریل میں سجدہ وغیرہ کی جگہ بھی ہے، پس جس طرح چلتی ہوئی کشتی میں پانی پر ہونے کے باوجود سجدہ کی جگہ ایسی ہوتی ہے کہ اس پر سجدہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ریل پر اور ہوائی جہاز پر ہر جگہ ایسی جگہ ہوتی ہے جس پر پیشانی رک جاتی ہے، خواہ بلا واسطہ یہ جگہ ہو جیسا زمین پر نماز پڑھنے میں یا کشتی میں یا پانی کے جہاز میں اور ہوا میں پرواز کی حالت میں جب کہ قبلہ متعین معلوم ہو سکے خواہ قوی سے یا کسی معتمد کے بتا نے سے نیز جہاز بھی بالواسطہ زمین قرار دیا جائے گا جس طرح سمندری جہاز کا زمین پر ہونا بالواسطہ شمار کر کے علما نے اس پر جواز صلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی صرف ہوائی جہاز سے ایک واسطہ زمین اور جہاز کے درمیان ہوا کا بڑھ جائے گا، پس جو دلائل اس جہاز پر جواز صلوٰۃ کے ہیں وہی دلائل یہاں بھی رہیں گے، کیونکہ ہوا بھی مثل پانی کے ایک جسم قوی ہے صرف پانی کی طرح دکھائی نہیں دیتی۔(۱)

(۱) **ہوائی جہاز میں نماز کے جواز کی تفصیلی بحث:**

اڑتے ہوئے نمازیں یعنی فرائض وواجبات ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض حضرات عدم جواز کی طرف گئے ہیں، اور ان کا مستدل یہ ہے کہ سجدہ کے معنی ہیں: "وضع الجبهة على الأرض" یعنی سجدہ کے تحقق کے لیے چہرے کا زمین پر رکھنا شرط ہے، اور یہ قید ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کی بنا پر فوت ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر کسی نے ہوائی جہاز میں نماز ادا کی، تو واجب الاعادہ ہوگی۔ ان کے بالمقابل دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا درست ہے، اور على الأرض کی قید کوئی منصوص نہیں ہے کہ مسئلہ کی بنیاد ہی اس پر رکھ دی جائے، بلکہ چونکہ سجدہ کی یہی عام کیفیت ہوتی ہے، اس لیے یہ معنی سجدہ کے اہل لغت نے بیان کر دیئے، اور یہ کہنا ہوگا کہ جیسے رکوع ایک خاص رکن ہے، اسی طرح سجدہ بھی ایک خاص رکن ہے اور ان کی ادائیگی کی صورتیں ہر مکان کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ہوں گی، چونکہ سجدہ عام طور پر زمین پر ہی پیشانی ٹیک کر کیا جاتا ہے، اس لیے "الأرض" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

شریعت کا اصل منشاء یہ ہے کہ سجدہ کرنے کے لیے کوئی ایسی چیز ہو جس پر پیشانی ٹک سکے، جس طرح کشتی میں نماز ادا کرنا جائز ہے، حالانکہ کشتی اور زمین کے درمیان بے پناہ پانی کا فاصلہ ہوتا ہے۔ ==

سمندری جہاز کشتی کے حکم میں ہے، اور کشتی مثل دابہ کے ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، صاحب ہدایہ وغیرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو مثل دابہ کے نہیں سمجھتے، اور اس میں نماز بلا عذر جائز ہے۔(١)

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔الجواب صحیح حبیب الرحمٰن خیرآبادی (منتخبات نظام الفتاویٰ:١/ ١٩٧-٢٠١)

== حاصل کلام یہ ہے کہ زمین کی طرح ہوائی جہاز پر بھی نماز ادا کرنا درست رہے گا اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن جزری نے ہوائی جہاز کو پانی کے جہاز کا حکم دیا ہے، موصوف فرماتے ہیں:

''ومثل السفينة القطر البخارية والطائرات الجوية ونحوها'' (الفقه على المذاهب الأربعة: ٢٠٦/١)

مزید فقہی عبارات ملاحظہ ہوں:

قال العلامة القهستاني في شرح مختصر الوقاية: والسجود: لغةً الخضوع، وشرعًا وضع الجبهة على الأرض و غيرها. انتهٰى. (جامع الرموز، فصل فرضها: ٧٩/١. انيس)

وفي البحر شرح الكنز تحت قوله وكره بأحدهما أو بكور عمامة: والأصل أنه كما يجوز السجود على الأرض يجوز علٰى ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه، وتفسير وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك، انتهى. (البحر الرائق، آداب الصلاة: ٣٣٧/١. انيس)

وفي الوقاية في آخر باب صفة الصلاة: فإن سجد علٰى كور عمامته أو فاضل ثوبه أو شيء يجد حجمه وتستقر عليه الجبهة جاز وإن لم تستقر لايجوز، انتهٰى.

فالمركب الهوائي وإن كان مركباً من أشياء صلبة بحيث تستقر عليه الجبهة ولاتنتقل بالتسفيل تجوز السجدة عليه و الظاهر أنه ملحق بالدابة كالسفينة السائرة والموقوفة بالشط الغير المستقرة على الأرض فإنها ملحقة بالدابة كما يستفاد من رد المحتار قبيل سجدة التلاوة فالصلاة المكتوبة على المركب الهوائي لاتجوز بدون العذر كما هو حكم الصلاة على الدابة والسفينة السائرة وهل يلزم التوجه إلى القبلة ههنا كما في السفينة أولا كما في الدابة؟ والظاهر أنه يلزم لأن المركب الهوائي بمنزلة البيت كالسفينة فإن لم يمكنه يمكث عن الصلاة لا إذا خاف فوت الوقت لما تقرر من أن قبلة العاجز جهة قدرته''.

ہوائی جہاز میں نماز ادا کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ جب تک ہوائی جہاز زمین پر کھڑا ہے یا زمین پر چل رہا ہے، اس وقت تک وہ ریل کے حکم میں ہے، اس پر بالاتفاق نماز جائز ہے، لیکن جب وہ پرواز کر رہا ہو، تو اس حالت میں بھی عذر کی وجہ سے نماز جائز ہے، اگر کھڑے ہو کر ہوائی جہاز میں نماز پڑھ سکتا ہے، تو کھڑے ہو کر ورنہ بیٹھ کر ادا کرے، ہوائی جہاز میں بھی استقبال قبلہ ضروری ہے، اگر قبلہ کے رخ کا علم نہ ہو اور کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو تحری کر کے نماز ادا کرے، اگر بالفرض بعد میں اندازہ غلط بھی معلوم ہو تو نماز صحیح ہوگی، اعادہ کی ضرورت نہیں، اگر درمیانِ صلوٰۃ رخ پھر جائے، تو اپنا رخ بھی بدل لے۔(از طرف مرتب)

حاشیہ صفحہ ھذا: (١) دیگر علما نے تصریح کی ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے اور اس میں نماز بلا عذر جائز نہیں، راجح یہی ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کشتی میں بلا عذر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کو درست قرار دیتے ہیں اور صاحبین رحمہما اللہ بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کو صحیح نہیں کہتے، اس اختلاف میں صاحبین کا مسلک راجح ہے۔

یہ حکم جب ہے جب کشتی چل رہی ہو اور اگر کنارے پر بندھی کھڑی ہو، تو اس وقت مثل ارض کے حکم ہوگا، نیز اس میں استقبال قبلہ بھی ضروری ہے، اگر علم نہ ہو تو تحری کر کے نماز پڑھ لے، غلطی واقع ہونے کی صورت میں اعادہ واجب نہیں ہے۔ ==

== ”ومن صلى في السفينة قاعدًا من غير علة أجزأه عند أبي حنيفة والقيام أفضل وقالا: لايجزئه إلا من عذر؛ لأن القيام مقدور عليه، فلا يترك إلا لعلة، وله أن الغالب دوران الرأس وهو كالمتحقق إلا أن القيام أفضل، لأنه أبعد عن شبهة الخلاف، والخروج أفضل ما أمكنه لأنه أسكن لقلبه، والخلاف في غير المربوطة، والمربوطة كالشط هو الصحيح“. (الهداية مع فتح القدير: ١/٤٦١، باب صلاة المريض)

”(صلى الفرض في فلك) جار (قاعدًا بلا عذر صح) لغلبة العجز (وأساء) وقالا: لايصح إلا بعذر وهو الأظهر. برهان. (والمربوطة في الشط كالشط) في الأصح (والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة) ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت“.

قال الشامي تحت قوله: (وأساء) أشار إلىٰ أن القيام أفضل، لأنه أبعد عن شبهة الخلاف، والخروج أفضل إن أمكنه؛ لأنه أمكن لقلبه، بحر وشرح المنية (قوله وهو الأظهر) وفي الحلية بعد سوق الأدلة: والأظهر أن قولهما أشبه، فلاجرم أن في الحاوي القدسي: وبه نأخذ، آه. (قوله: والمربوطة في الشط كالشط) فلا تجوز الصلاة فيها قاعدًا اتفاقًا. وظاهر ما في الهداية وغيرها الجواز قائمًا مطلقًا أي استقرت على الأرض أولا، وصرح في الإيضاح بمنعه في الثاني حيث أمكنه الخروج إلحاقا لها بالدابة، نهر. (إلىٰ قوله) وعلىٰ هذا ينبغي أن لاتجوز الصلاة فيها سائرة مع إمكان الخروج إلى البر. (ردالمحتار، مطلب في الصلاة في السفينة: ١/ ٥١٢)

مذکورہ بالاعبارت سے چند مسائل اور معلوم ہوئے، کشتی اگر کنارے پر بندھی کھڑی ہو اور پرسکون حالت میں ہو اور کھڑے ہوکر نماز ادا کی جاسکتی ہو، یا یہ ہوکہ باہر نکل کر نماز ادا کرسکتا ہے، تو کشتی میں نماز درست نہ ہوگی، الا یہ کہ ساحل پر نکلنا ممکن نہ ہو، کشتی اگر چل رہی ہو اور کھڑے ہوکر نماز ادا نہیں کی جاسکتی، تو بالاتفاق بیٹھ کر نماز ادا کی جاسکتی ہے، نیز کھڑے ہوکر نماز ادا کرنے کی بنا پر سر چکراتا ہو، تو بالاتفاق بیٹھ کر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ استقبال قبلہ از اول تا آخر ضروری ہے، اگر درمیان میں رخ بدل جائے، تو اپنا رخ بھی بدل لے۔ (مرتب)

☆ ریل گاڑی میں دوران نماز استقبال قبلہ ضروری ہے:

سوال: ریل گاڑی میں سفر کے دوران نماز کا وقت بھی آتا ہے، لیکن اس میں قبلہ کا بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ قبلہ کا صحیح پتہ نہیں چلتا، اور اگر چل بھی جائے، تو ریل گاڑی کا کبھی کبھی عین نماز کے دوران قبلہ کی طرف سے رخ مڑ جاتا ہے، تو اس حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب

بعض ٹرینوں کی وضع اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ مسلمان کے لئے ان میں قبلہ رخ کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ممکن ہوتا ہے، لہذا شروع نماز سے اختتام تک قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھے، اگر ابتداء میں قبلہ رخ ہوکر نماز شروع کی اور درمیان میں ریل گاڑی قبلہ رخ سے ہٹ گئی، تو نمازی دوران نماز اپنا رخ قبلہ کی طرف پھیر لے، تاہم اگر ریل گاڑی میں ہجوم اتنا زیادہ ہوکہ رخ پھیرنا ممکن نہ ہو، تو بصورت مجبوری نماز ہوجائے گی، اس کی مثال فقہی ذخائر میں لنگر انداز کشتی جیسی ہے۔

قال العلامة الحصكفي: (والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة) ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب صلاة المريض، مطلب في الصلاة في السفينة: ٢/ ١٠١) (فتاویٰ حقانیہ: ٣/ ٧٨-٧٩)

ریل میں تیمّم، سمتِ قبلہ اور نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ!

اکثر اوقات بحالت سفر ریل، مسافر کو نماز پڑھنے میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں، بعض وقت پانی میسر نہیں آتا، بعض موقع پر جگہ کم و تنگ ملتی ہے، بعض صورت میں سمت کعبہ ٹھیک نہیں ہوتی۔ آیا درصورت پانی نہ ملنے کے تیمّم کر لیا جاوے اور درحالت جگہ نہ ملنے کے، اشارہ سے نماز ادا کی جاوے اور سمت کا عمل اس طرح پر ہو، جیسا کہ جہاز یا کشتی پر حکم ہے۔ اس کا جواب کتب فقہ سے بعبارت عنایت ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر ریل میں نماز کا وقت آجائے اور پانی موجود نہ ہو اور اسٹیشن بھی قریب نہ ہو، تو نماز تیمّم سے درست ہے۔ ایسے ہی اگر سمت ریل کی قبلہ کی طرف ٹھیک نہ ہو، تو اس کو اسباب وغیرہ رکھ کر قبلہ کی طرف نماز ادا کرنا چاہئے اور تھوڑا انحراف نماز کی صحت میں مضر نہیں ہے، البتہ اگر بالکل ہی جنوب یا شمال کی طرف رخ ہوگا، تو نماز درست نہ ہوگی، اور اشارہ سے نماز درست نہ ہوگی، اس لئے کہ جہت کا بھی انتظام ہوسکتا ہے، اور اتنی جگہ بھی مل سکتی ہے کہ نماز ادا کرلے اور پھر جب قدرت ہو، اس وقت اعادہ کرے۔

بندہ آنکھوں کی معذوری کے سبب نقل روایات سے مجبور ہے۔ فقط والسلام

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

قال فی الدر المختار: (من عجز) ... (عن استعمال الماء) ... (لبعده) ... (میلاً) الخ (تیمّم).

(قوله میلاً) هو المختار فی المقدار، هداية.(۱)

(ولغيره) أی غير معاينها (إصابة جهتها) بأن يبقى شئ من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أو لهواءها.(۲)

(ومنها القيام)...(فی فرض)...(لقادر عليه) وعلى السجود، الخ. (۳) فقط

کتبہ رشید احمد گنگوہی۔ الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن عفی عنہ

(۱) الدر المختار: ٤١/١ [عکس مجتبائی دیوبند] (الف) رد المحتار: ١٥٥/١، مطبع مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۷ھ۔ (ب) رد المحتار علی الدر المختار: ٢٣٢/١-٢٣٣، باب التیمم (دار الفکر، بیروت) [نور]

(۲) الدر المختار: ٦٨/١، مطبع عکس مجتبائی دیوبند۔ (الف) الدر المختار مع الشامی: ٢٨٧/١، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة (مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۷ھ) ب: شامی: ۴۲۸/۱۔ دار الفکر، بیروت: ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔ [نور]

(۳) الدر المختار: ٧٠/١، باب صفة الصلاة (مطبوعہ سعید کمپنی ایجوکیشنل پریس: کراچی۔ عکس مجتبائی، دہلی: ۱۳۳۱ھ) نیز الدر المختار مع الشامی: ٢٩٨/١-٢٩٩ [مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ] [نور]

الجواب صحیح: [حیبانِ خدا میں سب سے بڑھ کر ہے، حبیب احمد۔ مدرس مدرسہ فتح پوری، دہلی] [بجمد فتح محمد متمسک ۱۳۱۵] (مدرس مدرسہ فتحپوری، دہلی) اصاب المجیب: محمد حسن عفی عنہ، الجواب صحیح: بندہ محمود عفی عنہ

جواب مولانا مولوی رشید احمد صاحب کا ہے، بہت ہی ٹھیک ہے، راکب ریل کو ان شرائط مذکورہ کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے۔ محمد عبدالغنی عفا اللہ مدرس مدرسہ فتحپوری، دہلی۔

الجواب صحیح: محمد رمضان عفی عنہ، واعظ جامع مسجد آگرہ۔(۱) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۵۴-۱۵۵) ☆

بس (گاڑی) میں نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بس میں نماز قضا ہونے کا خطرہ ہو، تو نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اور قبلہ رو ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ملک امان اللہ جامع مسجد عثمان غنی برہان اٹک ......۱۹/۲/۱۹۸۹ء)

الجواب

بس اور ریل کا حکم یکساں ہے، ان میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور قبلہ رو ہونا ضروری ہے۔(۲) نیز جب بس کھڑی ہو، تو بیٹھ کر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔(۳) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۲۴)

(۱) یہ فتویٰ ایک ناقص کتاب میں ہے، جو نماز کے مسائل اور اوراد کی جامع ہے، اس کتاب کے صرف چند اجزاء اول آخر سے ناقص میرے پاس ہیں، ص: ۱۵۳، سے ص: ۱۹۲، تک۔ اسی میں یہ فتویٰ بھی شامل ہے۔ ص: ۱۷۹-۱۸۰۔ (نور)

☆ **ٹرین میں بھی قبلہ رخ ہونا ضروری ہے:**

سوال: بعض حضرات گاڑی کی برتھ پر بیٹھ کر شمالاً جنوباً بھی اور قبلہ کی کوئی پروانہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ گاڑی میں قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں؟ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب

گاڑی میں نماز پڑھتے ہوئے قبلہ رخ ہونا، اور اگر کھڑے ہونے پر قدرت ہو، تو کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ضروری ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ اور یہ بات غلط ہے کہ گاڑی میں قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں۔ (لايجوز لأحد أداء فريضة ولا نافلة ولا سجدة تلاوة ولا صلاة جنازة إلّا متوجهًا إلى القبلة. (الفتاویٰ الهندية: ۶۳/۱). (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۴۴)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة) ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت. (الدرالمختار)

قال ابن عابدين رحمه الله: (قوله وإلا فكالواقفة) أي إن لم يحركها الريح شديدًا بل يسيرًا فحكمها كالواقفة فلا تجوز الصلاة فيها قاعدًا مع القدرة على القيام كما في الإمداد (قوله ويلزم استقبال القبلة ، الخ) أي في قولهم جميعًا. بحر. وإن عجز عنه يمسك عن الصلاة. إمداد عن مجمع الروايات. ==

گاڑی میں سوار ہو تو استقبال قبلہ کا حکم:

سوال: ریل گاڑی یا اور کسی قسم کی سواری پر اگر چہ صحیح قبلہ رخ ہو کر نمازی نے نماز کی نیت باندھی ہو اور پھر سواری کا رخ بدلنے سے نمازی نے بھی اپنا رخ ٹھیک کر لیا ہو، یا اس کو نماز میں سواری کے گھومنے کا پتہ نہ لگا اور نہ رخ سیدھا کیا، تو کیا سواری سے اتر کر اس نماز کا یا ان تمام نمازوں کا اعادہ کرنا لازم ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

صورت مسئولہ میں گاڑی کا رخ بدلنے سے جب اپنا رخ بھی صحیح کر لیا (قبلہ رخ) تو نماز ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں، اور جب اپنا رخ صحیح قبلہ کی طرف قدرت کے باوجود نہیں کیا، تو نماز نہیں ہوئی۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۲۴)

== ولعله يمسك ما لم يخف خروج الوقت لما تقرر من أن قبلة العاجز جهة قدرته، وهذا كذلك وإلا فما الفرق فليتأمل. (ردالمحتار، باب صلاة المريض، مطلب في الصلاة في السفينة: ۱/۵٦۳)

(۳) وفي منهاج السنن: وأما الصلاة في السفينة إذا كانت سائرة فجائزة بلا كراهة إذا لم يمكن الخروج إلى الشط، ومع الكراهة إذا أمكن الخروج إليه نعم الصلاة قاعدًا بركوع وسجود عند العجز عن القيام وعن الخروج إلى الشط تجزىء بالاتفاق، وعند القدرة على القيام وعلى الخروج إلى الشط تجزىء عند أبي حنيفة مع الإساءة وعند أبي يوسف ومحمد لاتجزىء ويلزم التوجه إلى الكعبة اتفاقًا، وتمام الكلام في البدائع، وأما الصلاة في السيارات البرية من القطارات وغيرها فعند الوقوف حكمها كحكم الصلاة على الأرض وعند السير حكمها كحكم الصلاة في السفينة السائرة فمن صلى فيها قاعدًا بركوع وسجود أجزأت، ومن صلى فيها بالإيماء للزحمة وضيق المحل فالظاهر من النظائر أن يعيد الصلاة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ماجاء في الصلاة على الدابة حيث توجهت به: ۲/۲۳٤)

☆ بس میں استقبال قبلہ:

سوال: اگر کوئی شخص بس میں سفر کر رہا ہو، اور بس کا رخ قبلہ کی طرف نہ ہو، تو وہ کس طرح نماز ادا کرے؟ (محمد سلمان، نظام آباد)

الجوابــــــــــــــــ

اگر اس بات کی توقع ہو کہ نماز کا وقت باقی رہتے ہوئے وہ کہیں رکے گی، اور اتنا وقت ملے گا کہ نیچے اتر کر نماز ادا کی جائے، یا امید ہو کہ ڈرائیور اس کی خواہش پر نماز کے لئے بس روک دے گا، تو بس سے نیچے اتر کر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرے، اور اگر نیچے اتر کر نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو، تو جس طرف بھی سواری کا رخ ہو، اسی طرف رخ کر کے نماز ادا کر لینا کافی ہے، مجبوری کی وجہ سے استقبال قبلہ معاف ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"كما تسقط الأركان عن الراكب يسقط عنه الانحراف عن القبلة". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية: ۱/۱۷۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱٦٦) ==

گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتے وقت استقبال قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتا ہے، تو چلتے چلتے نماز پڑھ سکتا ہے یا اترنا ضروری ہے اور ٹرین میں نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب

ٹرین اور گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھنا درست ہے اور استقبال قبلہ اور قیام پر قدرت کے وقت دونوں ضروری ہیں کسی کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔ مراقی الفلاح میں ہے:

وقالا: أی أبویوسف ومحمد. رحمهما الله. لاتصح جالسًا إلا من عذروهوالأظهر؛ لحديث ابن عمررضی الله عنهما أن النبی صلی الله عليه وسلم سئل عن الصلٰوة فی السفينة، فقال: صل فيها قائمًا إلا أن تخاف الغرق، وقال مثله لجعفر. رضی الله عنه. ولأن القيام ركن فلايترك إلا بعذر محقق لاموهوم... وإذا كانت سائرة يتوجه المصلی فيهما إلی القبلة لقدرته علٰی فرض الاستقبال عند افتتاح الصلا ة وكلما استدارت السفينة عنها أی القبلة يتوجه المصلی باستدارتها إليها أی القبلة فی خلال الصلاة. (مراقی الفلاح علٰی نورالإیضاح: ۱۵۸، فصل فی الصلاة فی السفينة، مكة المكرمة)(۱)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

ٹرین اپنی وضع کے لحاظ سے اس نوعیت کی ہے کہ اس میں قبلہ کا استقبال کیا جاتا ہے اور اگر درمیان میں انحراف پیدا

==**حاشیه صفحه گذشته:** (۱) "ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت". (الدرالمختارعلٰی صدرردالمحتار، باب صلاة المريض، مطلب فی الصلاة فی السفينة: ۱۰۲/۲، سعيد)

"وقيد بترك القيا م، لأنه لوترك استقبال وجهه إلی القبلة وهوقادرعليه، لايجزيه فی قولهم جميعًا، فعليهم أن يستقبلوا بوجوههم القبلة كلما دارت السفينة يحول وجهه إليها، كذا فی الإسبيجابی". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۲۰۷/۲، رشيديه)

"وترك القيام، لأن ترك الاستقبال لايسقط اتفاقاً". (النهرالفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۳۳۷/۱، مكتبة إمدادية، ملتان)

من أراد أن يصلی فی سفينة تطوعاً أوفريضة فعليه أن يستقبل القبلة، ولايجوزله أن يصلی حيثما كان وجهه، كذا فی الخلاصة، حتی لودارت السفينة وهويصلی، توجه إلی القبلة حيث دارت، كذا فی شرح منية المصلی لابن اميرالحاج. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فی استقبال القبلة: ۶۳/۱. انيس)

حاشية صفحه هذا: (۱) حديث عبدالله بن عمر رواه الحاكم فی المستدرك، أماحديث عبدالرحمن بن مهدی (ح: ۱۰۱۹)، والدارقطنی فی سننه، باب صفة الصلاة فی السفر (ح: ۱٤۷٤)، وأماحديث جعفربن أبی طالب فقد رواه الدارقطنی فی سننه، باب صفة الصلاة فی السفر (ح: ۱٤۷۳) انيس

ہو جائے، تو قبلہ درست بھی کیا جا سکتا ہے، اس لئے ٹرین میں فرض نمازوں کے آغاز کے وقت بھی اور دوران نماز بھی قبلہ کا استقبال ضروری ہے، اگر نماز قبلہ رخ ہو کر شروع کی درمیان میں ٹرین نے رخ بدلا، تو اپنا رخ بھی بدل لینا چاہئے اور اس کی نظیر فقہ کا وہ جزئیہ ہے؛ جس میں لنگر انداز کشتی کے متعلق فقہا نے لکھا ہے:

(والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة) ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح و كلما دارت.(۱) (جدید فقہی مسائل: ۱/۱۲۷، نعیمیہ دیوبند)

نظام الفتاویٰ میں ہے:

ریل میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے، البتہ اگر یقین ہو کہ وقت نماز باقی رہتے ہوئے فلاں جگہ اتنی دیر ٹھہر یگی کہ اتنی دیر میں نماز پڑھ سکوں گا، تو اس وقت تک مؤخر کر دے اور اگر مسافر شرعی ہے کم از کم فرض اور وتر پڑھ لیا کرے۔ (نظام الفتاویٰ: ۱/۶۷)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اونٹ گاڑی پر فرض نماز بھی جائز ہے، مگر استقبال قبلہ اور قیام شرط ہے، ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہو کر قبلہ رخ نماز پڑھیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۸۸، باب صلاۃ المسافر) واللہ اعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۲/۱۲۲-۱۲۳)

بحری جہاز میں قبلہ معلوم نہ ہو تو کیا کریں:

سوال: جہاز کے اندر اگر قبلہ معلوم نہ ہو، تو پھر کس طرف منہ کر کے نماز پڑھے؟ ایک صاحب نے بتایا کہ اگر آبادی نظر آ جائے، تو آبادی کے دائیں طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب

قبلہ نما یا قطب نما کے ذریعے معلوم کریں، اگر کوئی بتانے والا نہ ہو تو غور کر کے جدھر سمت قبلہ معلوم ہو، ادھر نماز پڑھ لیں، آبادی کی طرف منہ کرنا غلط ہے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۴۴-۳۴۵)

---

(۱) الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، باب صلاة المريض، مطلب في الصلاة في السفينة: ۲/۱۰۲، انیس

(۲) وإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها اجتهد وصلّى. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/٦٤)

عن عامر بن ربيعة قال: كنا في سفر مع النبي صلى الله عليه وسلم في ليلة مظلمة فلم ندر أين القبلة فصلى كل رجل منا على حياله فلما أصبحنا ذكرناه للنبي صلى الله عليه وسلم فنزل ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (البقرة: ١٥٥). (رواه الترمذي في باب ماجاء في الرجل يصلي لغير القبلة (ح: ٣٤٥) وضعف إسناد هذا الحديث. انيس)

عن جابر قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسير أو سفر فأصابنا غيم فتحيرنا فاختلفنا في القبلة فصلى كل رجل منا على حدة وجعل أحدنا يحط بين يديه لنعلم أمكنتنا فذكرنا ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فلم يأمرنا بالإعادة وقال: قد أجزأت صلاتكم. (رواه الدارقطني في باب الاجتهاد في القبلة وجواز التحري في ذلك (ح: ١٠٦٤) ولكن ضعف الحديث. انيس)

اگر مسافر کو قبلہ معلوم نہ ہو تو کیا کرے:

سوال: اگر مسافر دوران سفر کسی ایسی جگہ قیام کرے؛ جہاں قبلہ رخ کی سمت کا اندازہ نہ ہو سکے، تو پھر کیا حکم ہے؟

الجواب

اوّل تو کسی سے دریافت کرے، اگر وہاں کوئی بتانے والا نہ ہو، تو خود سوچے، غور وفکر کے بعد جس طرف طبیعت کا رجحان ہو کہ قبلہ اس طرف ہوگا، اسی طرف نماز پڑھ لے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۴۲/۳۔۳۴۳)

☆☆☆

---

(۱) وإن كان عاجزًا بسبب الاشتباه وهو أن يكون فى المفازة فى ليلة مظلمة أو لاعلم له بالأمارات الدالة على القبلة فإن كان بحضرته من يسأله عنها لايجوزله التحرى لما قلنا بل يجب عليه السوال...فإن لم يكن بحضرته أحد جازله التحرى الخ.(بدائع الصنائع: ۱۱۸/۱)فصل فى شرائط الصلاة)

عن عامر بن ربيعة قال: كنا نصلى مع النبى صلى الله عليه وسلم فى السفر فى ليلة مظلمة فلم ندر كيف القبلة فصلى كل رجل منا على حياله ، قال: فلما أصبحنا ذكرنا ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم فنزلت﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(البقرة: ۱۵۵)

وفى رواية: فجعل كل رجل منا بين يديه أحجاراً يصلى إليها فلما أصبحنا إذا نحن إلى غير القبلة فذكرناذلك للنبى صلى الله عليه وسلم.(سنن الدارقطنى،باب الاجتهاد فى القبلة وجواز التحرى فى ذلك (ح:۱۰۶۵-۱۰۶۶)

ورواه الترمذى فى باب ماجاء فى الرجل يصلى لغير القبلة (ح:۳۴۵) وضعف إسناده.انيس)

عن جابر قال: كنا نصلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مسير أوسير فأظلنا غيم فتحيرنا فاختلفنا فى القبلة فصلى كل واحد منا على حدة فجعل كل واحد منا يخط بين يديه لنعلم أمكنتنا فذكرنا ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم فلم يأمرنابالاعادة وقال: قد أجزأت صلاتكم.(رواه الحاكم فى المستدرك،باب فى فضل الصلوات الخمس (ح:۷۴۳)/وقال: هذاحديث محتج برواته كلهم غيرمحمد بن سالم فإنى لا أعرفه بعدالة ولا جرح وقد تأملت كتاب الشيخين فلم يخرجا فى هذا الباب شيئاً.)

قال الذهبى بعد قول الحاكم: قلت: هو أبوسهل،واه.(مختصرتلخيص الذهبى، كتاب الصلاة: ۱۶۹/۱.انيس

چاند اور خلا وغیرہ پر قبلہ

چاند پر نماز اور استقبال قبلہ کا حکم:

سوال: حالات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ آج کل لوگ چاند پر اتر کر رہنے کی باتیں کرتے ہیں، تو کیا یہ ممکن ہے؟ بفرض محال اگر آدمی چاند پر سکونت اختیار کر لے، تو کیا وہاں پر نماز پڑھنا صحیح ہوگا اور کس طرف رخ کر کے نماز پڑھیں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر جگہ مل جائے تو جماعت بھی کر سکتے ہیں ورنہ تنہا پڑھ لیں قضا نہ کریں۔ قبلہ نما رکھ کر قبلہ معلوم کر سکتے ہیں ورنہ تحری کر کے سمت قبلہ متعین کر لیں۔ اگر تحری میں غلطی بھی واقع ہو جائے اور تحری کر کے سمت قبلہ متعین کر لیں تو نماز ادا ہو جائے گی، ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(١) پر عمل ہو جائے گا۔

سیٹ سے علیحدہ ہو کر کسی خالی جگہ میں قیام و رکوع وسجدہ کے ساتھ نہ پڑھی جائے، تو سیٹ ہی پر بیٹھے اشارہ سے رکوع وسجدہ کر کے پڑھ لیں، پھر زمین پر اتر کر فرض کا اعادہ کر لیں، چاند کیا زہرہ و مریخ وغیرہ پر جانا، رہنا ممکن ہے، اس میں شرعاً کوئی مانع نہیں ہے اور وہاں نماز پڑھنا بھی صحیح ہوگا، بلکہ وہاں بھی نماز پڑھنے کا حکم اور وجوب اسی طرح باقی رہے گا اور نماز قبلہ رخ ہی پڑھنی ہوگی، قبلہ نما رکھ کر یا کسی اور ذریعہ سے، ورنہ تحری کر کے قبلہ متعین کریں گے اور جس طرح یہاں نماز فرض ہے، اسی طرح وہاں بھی فرض رہے گی۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور۔ الجواب صحیح محمود غفرلہ، مفتی دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ١/٢٠١، ٢٠٢) و (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ١٥٣-١٥٤)

چاند پر سمت قبلہ:

سوال: ابھی امریکی خلا باز جو چاند پر سیر و تفریح کر کے آئے اور وہاں سے مٹی وغیرہ بھی لائے، اس سے ایک مسئلہ یہ پیدا ہو گیا کہ اگر وہاں نماز پڑھنے کی حاجت ہو، تو تعین سمت قبلہ کس طرح کیا جائے؟ جب چاند پر جانا متیقن

---

(١) سورة البقرة: ١١٥۔

ہو چکا ہے، تو اس کا بھی امکان ہے کہ مسلمان بھی چاند پر جائیں اور ان کا وہاں نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آجائے۔

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب وہاں جاکر رہنا دشوار نہیں، تو سمت قبلہ معلوم کرنا کیا دشوار ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۲۸) ☆

---

(۱) "وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل في الأمصار والقرى المحاريب التي نصبها الصحابة والتابعون، فعلينا اتباعهم، فإن لم تكن فالسوال من أهل ذلك الموضع، أما في البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۳، رشيدية)

"ولايخفى أن أقوىٰ الأدلة النجوم، والظاهر أن الخلاف في عدم اعتبارها إنما هو عند وجود المحاريب القديمة؛ إذ لايجوز التحري معها كما قدمناه، لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح وجماهير المسلمين، بخلاف ما إذا كان في المفازة، فينبغي وجوب اعتبار النجوم ونحوها في المفازة؛ لتصريح علمائنا وغيرهم بكونها علامة معتبرةً، فينبغي الاعتماد في أوقات الصلاة وفي القبلة، علىٰ ما ذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت، وعلىٰ ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب، فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية في ذلك". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ۱/۴۳۱، سعيد)

ولو دخل بلدةً وعاين المحاريب المنصوبة يصلي إليها ولايتحرى، وكذا لو كان في المفازة والسماء مصحية وله علم باستدلال النجوم علىٰ القلبة لايتحرى، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۴، رشيدية)

☆ **چاند پر سمت قبلہ:**

سوال: اگر کوئی مسلمان چاند پر پہنچے اور نماز پڑھنا چاہے، تو اس کا قبلہ کون سی سمت ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

زمین پر رہتے ہوئے جس سمت نماز پڑھی جاتی ہے، اسی سمت پر اس جگہ نماز کا حکم ہے۔

﴿وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ (سورة البقرة: ۱۵۰)

(و) السادس (استقبال القبلة) حقيقةً أو حكمًا... (ولغيره) أى معاينها (إصابة جهتها) بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أو لهوائها.

قال الشامي تحت قوله بأن يبقىٰ: ثم اعلم أنه ذكر في المعراج عن شيخه أن جهة الكعبة هي الجانب الذي إذا توجه إليه الإنسان يكون مسامتًا للكعبة أو هوائها تحقيقاً أو تقريبًا.

(والمعتبر) في القبلة (العرصة لا البناء) فهي من الارض السابعة الى العرش. (الدرالمختار) (قوله لا البناء) أى ليس المراد بالقبلة الكعبة التي هي البناء المرتفع على الأرض، ولذا لو نقل البناء إلىٰ موضع آخر وصلى إليه لم يجز، بل تجب الصلاة إلىٰ أرضها. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ۱/۴۲۷-۴۳۲، سعيد)

"المعتبر التوجه إلىٰ مكان البيت دون البناء، وفي فتاوى الحجة: الصلاة في الآبار العميقة والجبال والتلال الشامخة وعلىٰ ظهر الكعبة جائزة؛ لأن القبلة من الأرض السابعة إلى السماء السابعة بحذاء الكعبة إلى العرش آه" (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۳، رشيدية) فقط والله تعالىٰ أعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۲۹)

قبلہ مشتبہ یا معلوم نہ ہونے کے احکام

قبلہ معلوم نہ ہوتو کیا کرے:

سوال: زید نے ناواقفیت کی وجہ سے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز ادانہ کی، کچھ فرق رہ گیا، بعد میں معلوم ہوا تو یہ نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہ، جبکہ زید کو قبلہ معلوم نہ ہو، خواہ واقعہ سفر کا ہو یا گھر کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر قبلہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، مثلاً کسی مسجد کے رخ سے یا ستاروں سے یا قطب نما وغیرہ سے، اور نہ ہی وہاں کوئی ایسا آدمی ہو جو قبلہ کی رہنمائی کرسکے، تو تحری فرض ہے، یعنی حسب قدرت غور وخوض کرنے پر جس طرف قلب شہادت دے، اس طرف نماز پڑھ لے، نماز سے فراغت کے بعد اگر اس جہت کا غلط ہونا ثابت ہوجائے، تو نماز کا اعادہ واجب نہیں اور اگر قبلہ دریافت کرنے کا کوئی ذریعہ موجود ہوتے ہوئے بھی اس سے کام نہیں لیا بلکہ تحری کرکے نماز پڑھ لی، تو اگر جہت قبلہ کی طرف رخ کیا ہو، یعنی بیت اللہ کی ہر دو جانب ۴۵ درجہ کے اندر ہو تو نماز ہوگئی، ورنہ واجب الاعادہ ہے، اگر قبلہ دریافت کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہونے کی حالت میں بدوں تحری نماز پڑھے گا، تو یہ نماز صحیح نہ ہوگی، اگرچہ صحیح سمت کی طرف ہی پڑھی ہو، بلکہ اگر نماز کی حالت میں یقین بھی ہوجائے کہ اس کا رخ صحیح سمت کی طرف ہے، تو بھی نماز نہیں ہوئی، البتہ اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس سمت کی صحت کا یقین ہوا، تو یہ نماز واجب الاعادہ نہیں۔

قال في العلائية: (ويتحرى) هو بذل المجهود لنيل المقصود (عاجز عن معرفة القبلة) بما مر (فإن ظهر خطؤه لم يعد)؛ لما مر.

وفي الشامية: (قوله بما مر) متعلق بمعرفة، والذي مر هو الاستدلال بالمحاريب والنجوم و السوال من العالم بها، فأفاد أنه لا يتحرى مع القدرة علىٰ أحد هذه، حتى لو كان بحضرته من يسأله فتحرى ولم يسأله إن أصاب القبلة جاز لحصول المقصود وإلا فلا. (رد المحتار: ۴۰۳/۱) (۱)

وفي العلائية: (وإن شرع بلا تحر لم يجز وإن أصاب) لتركه فرض التحري إلا إذا علم إصابته بعد فراغه فلايعيد اتفاقاً.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله وإن شرع) الضمير راجع إلى العاجز: أي إذا اشتبهت عليه

(۱) کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب مسائل التحری فی القبلة: ۴۳۳/۱، دار الفکر بیروت. انیس

القبلة وعجز عن معرفتها بالأدلة المارة فقبلته جهة تحريه،فلو شرع بلا تحر لم تجز صلاته مالم يتيقن بعد فراغه أنه أصاب القبلة لأن الأصل عدم الاستقبال استصحاباً للحال، فإذا تبين يقيناً أنه أصاب ثبت الجواز من الابتداء وبطل الاستصحاب،حتى لو كان أكبر رأيه أنه أصاب فالصحيح أنه لايجوز كما في الحلية عن الخانية،ولو تيقن في أثناء صلاته لايجوز خلافاً لأبي يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ لأن حاله بعد العلم أقوىٰ وبناء القوى على الضعيف لايجوز.(رد المحتار:۱/۴۵۱)فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

۱۶/رجب ۱۳۸۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۳۱۸۔۳۱۹)

قبلہ کا رخ معلوم نہ ہوتو تحری کا حکم:

سوال: قبلہ کا رخ معلوم نہیں تھا،تحری کر کے نماز پڑھی گئی،خالد صاحب بعد میں آئے،انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ رخ غلط ہے،ان کے پاس قطب نما تھا،قطب نما سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ٹھیک مابین شمال ومغرب نماز پڑھی گئی تھی ،آیا اس نماز کو دہرانے کی ضرورت تھی یا نہیں؟ کیونکہ بعض علما کہتے ہیں کہ قبلہ کا رخ یہاں سے مابین گوشۂ شمال ومغرب وگوشۂ جنوب ومغرب ہے،ان کے درمیان کس رخ پر نماز پڑھیں؟ بعض علما کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جب قبلہ کا رخ معلوم نہیں تھا اور کوئی بتانے والا بھی نہ تھا،تحری کر کے نماز پڑھ لی،تو وہ نماز درست ہوگئی،اگرچہ بعد میں معلوم ہوا کہ غلط رخ پر پڑھی گئی ہے،اس کا دہرانا لازم نہیں۔(۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۲۶)☆

(۱) ”(ويتحرى)هو بذل المجهود لنيل المقصود (عاجز عن معرفة القبلة)بمامر(فإن ظهر خطؤه لم يعد)لمامر“.(الدر المختار)وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ:”(قوله بمامر)متعلق بمعرفة،والذى مرهو الاستدلال بالمحاريب والنجوم و السوال من العالم بها،فأفاد أنه لايتحرى مع القدرة علىٰ أحد هذه“.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة، مطلب مسائل التحرى فى القبلة:۱/۴۳۳،سعيد)

☆ اگر قبلہ مشتبہ ہوجائے:

سوال: ہم لوگ ٹرین میں سفر کر رہے تھے،اندھیری رات تھی،قریب میں جو لوگ تھے،وہ غیر مسلم،جن کو سمت معلوم نہیں تھی،ایسی صورت میں ہمیں کس طرح نماز ادا کرنی چاہئے؟ (عبدالسمیع،ناندیڑ)

الجوابــــــــــــــــ

اگر قبلہ کی سمت مشتبہ ہوجائے،نہ آسمان میں کوئی ظاہری علامت ہو،نہ سمت بتانے والا آلہ موجود ہو،نہ قریب میں کوئی ایسا شخص ہو جو سمت کی رہنمائی کر سکے،تو اپنے رجحانِ قلب پر عمل کرنا چاہئے،جس طرف قلب کا رجحان ہو کہ ادھر قبلہ ہوگا،اسی رخ پر نماز ادا کرلے،اگر مختلف لوگوں کا الگ الگ رجحان ہو اور کسی ایک جہت پر سبھوں کا اطمینان نہ ہوسکے،تو ہر شخص اپنے رجحان کے مطابق نماز ادا کرلے۔

”وإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من أهل ذلك المكان من يسأله عنها اجتهد“.(الكبيرى:۲۲۰)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۹۔۱۶۰)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، و مالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(٦)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ رمولانا عبدالکریم گمتھلویؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنویؒ	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر و اشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱٦)	فتاویٰ امارت شرعیہ	مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد وغیرہ رحمہم اللہ	شعبۂ نشر و اشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوریؒ	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوریؒ	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا

(۲۱) نظام الفتاویٰ	مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲) خیر الفتاویٰ	مولانا خیر محمد جالندھریؒ	مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	مولانا عبدالحق صاحبؒ پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدر آباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پاکستانی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج، نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	مولانا محمد عبدالقادر صاحب فرنگی محلیؒ	مطبع نامی نخاس لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانیؒ	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانیؒ	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اوران کا حل	مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوریؒ	جامعۃ القرأت کفلیۃ، مولانا عبدالحئی نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دارالعلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی۔۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	مولانا مفتی اسماعیل بن محمد بسم اللہؒ	جامعۃ القرءات، مولانا عبدالحئی نگر، کفلیۃ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

مخالف سمت نماز پڑھنے کی صورت میں اعادہ

کوئی شخص سہواً یا قصداً قبلہ چھوڑ کر دوسری سمت نماز پڑھے، تو کیا درست ہے:

سوال: اگر کوئی شخص قصداً یا سہواً جانب شمال یا جنوب یا مشرق نماز پڑھ لے؛ تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

قصداً جائز نہیں ہے اور اگر سہواً بعد تحری قبلہ، شمال وجنوب کو سمت قبلہ سمجھ کر نماز پڑھی ہے تو جائز ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابو المحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ۔۲۱/۳/۱۳۴۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱/۴۳)

لاعلمی میں قبلے کی مخالف سمت میں ادا کی گئی نمازیں:

سوال: شہداد پور میں واقع ایک مسجد جسے پچاس سال بعد شہید کیا گیا ہے، اور اب نئے سرے سے مسجد کی تعمیر نو جاری ہے، اب معلوم ہوا کہ گزشتہ عرصے میں اس کا قبلہ درست نہیں تھا اور باقاعدگی سے باجماعت نماز ہوا کرتی تھی، اور نمازی لاعلمی کی وجہ سے غلط قبلے کی جانب نماز ادا کرتے تھے۔ اب نئی حیثیت سے قبلے کی سمت درست کی گئی ہے۔ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ پچاس سال تک جو نمازیں غلط قبلے کی سمت پڑھتے رہے، کیا ان کی نمازیں قبول ہو جائیں گی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اب اس کا قبلہ درست کر دیں، اور جو نمازیں پہلے پڑھی گئیں وہ ادا ہو گئیں، ان کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۴۳-۳۴۴)

---

(۱) ثم الصحيح إذا اشتبهت عليه القبلة فى المفازة فتحرى إلى جهة وصلى إليها ثم تبين أنه أخطأ القبلة تجوز صلاته ولو تعمد لا تجوز، الخ. (المبسوط للسرخسي، باب صلاة المريض: ۱/۲۱٦. انيس)

قال على رضى الله عنه: قبلة المتحرى جهة قصده. (المبسوط للسرخسي، كتاب التحرى: ۱۰/۱۹۳. المحيط البرهاني، الفصل الحادى والثلاثون فى صلاة المريض: ۲/۱٤۸. تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱/۱۰۱. انيس)

(۲) فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذى يبقى معه الوجه أوشىء من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة ==

قبلہ معلوم کئے بغیر نماز پڑھ لینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بدوں تحری نماز ادا کی، نہ کسی سے پوچھا، اپنے طور پر سمجھا کہ سمت قبلہ نماز پڑھتا ہوں، لیکن بعد نماز کے اس کو معلوم ہوا کہ اس نے قبلہ رو نماز نہیں پڑھی ہے، نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اگر اس نے کسی دوسرے سے قبلہ دریافت نہیں کیا، اس وجہ سے کہ وہاں دوسرا موجود نہیں تھا، لیکن خود یہ سوچ کر کہ قبلہ اس طرف ہے، نماز پڑھی ہے، تو نماز ہوگئی۔(١)

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔١٩/٢/١٣٨٨ھ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔٢٠/٢/١٣٨٨ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:١٤١)

بغیر تحری خلاف قبلہ پڑھی ہوئی نماز، دہرانا ہوگی:

سوال: کسی شخص نے شمال کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی، اور اس کو اس بات کا یقین تھا کہ پچھّم (٢) ادھر ہی ہے، اس لیے تحری نہیں کی، کیونکہ تحری کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جبکہ قبلہ کے مشتبہ ہونے کا علم ہو اور فارغ ہونے کے بعد اسے اپنی خطا کا علم ہوگیا، تو اب اس پر اس نماز کا لوٹانا واجب ہوگا یا نہیں؟

الجو اب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ایسی نماز کا لوٹانا ضروری ہے، جیسے اگر کوئی شخص پانی کو پاک سمجھتے ہوئے اس سے نماز پڑھ لے، پھر معلوم ہو کہ وہ پانی یا کپڑا ناپاک تھا، ایسی نماز کا اعادہ لازم ہے۔(٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔٤/٣/١٣٩٣ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔٤/٣/١٣٩٣ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:٥/٥١٧)

== أو لهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أو من بعض جوانبه ويمر على الكعبة أو هوائها مستقيمًا إلخ. (ردالمحتار: ١/٤٣٠) باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة، انيس)

(١) قال: (ولو أن المريض إذا صلى إلى غير القبلة متعمداً لاتجوز وإن أخطأ تجوز) معناه إذا اشتبهت عليه القبلة فتحرى إلى جهة وصلى إليها ثم تبين أنه أخطأ القبلة تجوز صلاته وإن تعمد لاتجوز لحديث علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: قبلة المتحري جهة قصده. (مبسوط السرخسي، باب صلاة المريض: ١/٢١٥. انيس)

(٢) ''پچھّم: مغرب''۔ (فیروز اللغات، ص:٢٨١، فیروز سنز، لاہور)

(٣) ''(وإن شرع بلا تحر لم يجز وإن أصاب) لتركه فرض التحري، ==

جس جگہ کوئی قبلہ بتانے والا نہ ہو، وہاں غلط پڑھی ہوئی نماز درست ہے:

سوال: ہم ایک تفریح گاہ میں تھے، وہاں مغرب کی اذان ہوگئی، ہم نے قبلہ معلوم کرنے کی کوشش کی، نہ معلوم ہوسکا، تو اندازے سے نماز پڑھ لی، جب نماز مکمل ہوگئی، تو ایک بیرے نے کہا: آپ نے غلط نماز پڑھی، قبلے کا رخ ادھر ہے۔ معلوم ہوا کہ ہم نے جنوب کی سمت نماز پڑھی، کیا نماز لوٹانی چاہیے؟ صرف فرض یا پوری نماز؟

الجواب

اگر اس وقت وہاں کوئی قبلہ بتانے والا موجود نہیں تھا اور خود سوچ کر نماز پڑھ لی، تو نماز ہوگئی، دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۳۴۴)

کیا نابینا آدمی کو دوسرے سے قبلے کا تعین کروانا ضروری ہے:

سوال: اندھا آدمی اگر قبلے کے بجائے شمال یا جنوب کی طرف رخ کرکے نماز پڑھ لے، تو اس کی نماز ہوجائے گی، یا دیکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا رخ موڑ دے، جواب ضرور دیں، آپ کی مہربانی ہوگی۔

الجواب

نابینا آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرے سے اپنے قبلہ رخ کی تصحیح کرالیا کرے، اگر اس نے بغیر پوچھے خود ہی کسی جہت کی طرف رخ کرلیا اور وہ جہت قبلہ کی نہیں تھی، تو اس کی نماز نہیں ہوگی اور اگر نماز کے دوران قبلہ رخ سے بہت ہٹ جائے، تو نماز کے اندر ہی اس کو قبلہ کی طرف کردیا جائے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۳۴۳) ☆

== إلا إذا علم إصابته بعد فراغه فلايعيد اتفاقاً، بخلاف مخالف جهة تحريه، فإنه يستأنف مطلقاً كمصل علىٰ أنه محدث أو ثوبه نجس أو الوقت لم يدخل فبان بخلافه لم يجز". (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب مسائل التحرى فى القبلة: ۱/۴۳۵-۴۳۶، سعيد)

"وقيد بالتحرى؛ لأن من صلى ممن اشتبهت عليه بلاتحر فعليه الإعادة، إلا إن علم بعد الفراغ أنه أصاب؛ لأن ما افترض لغيره يشترط حصوله لا تحصيله، وإن علم فى الصلاة أنه أصاب يستقبل، خلافًا لأبى يوسف لما ذكرنا... من توضأ بماء أوصلى فى ثوب علىٰ ظن أنه طاهر ثم تبين أنه نجس، حيث يعيد الصلاة، لأنه ترك ما أمر به، وهو الصلاة فى ثوب طاهر وعلىٰ طهارة" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۵۰۱-۵۰۲. رشيديه)

(۱) وإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها، اجتهد وصلّى فإن علم أنه أخطأ بعد ما صلّى لايعيدها. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۶۴)

(۲) ومفاده أن الأعمىٰ لايلزمه إمساس المحراب إذا لم يجد من يسأله، وأنه لو ترك السوال مع إمكانه وأصاب القبلة جازت صلاته وإلا فلا. (ردالمحتار: ۱/۴۳۴ (كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب مسائل التحرى فى القبلة) ==

نماز کے اندر قبلہ سے سینہ پھر جانے کا حکم:

سوال: کیا حکم ہے شریعت کا اس مسئلہ میں کہ! نماز کے اندر عذر سے یا بدوں عذر کس قدر سینہ پھر جائے تو نماز فاسد ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بیت اللہ سے ۴۵/ درجہ کے اندر انحراف ہو، تو بہر صورت نماز ہو جائے گی، اس سے زیادہ انحراف اگر قصداً کیا تو بہر صورت نماز فاسد ہوگئی، اور اگر غیر اختیاری طور پر سینہ پھر گیا اور تین بار "سبحان ربی الأعلیٰ" کہنے کی مقدار رکا رہا تو نماز فاسد ہوگئی، ورنہ نہیں۔

فی مفسدات الصلاة من التنویر: وتحویل صدره عن القبلة بغیر عذر.

وفی الشامیة عن البحر: والحاصل أن المذهب أنه إذا حول صدره فسدت، وإن كان فی المسجد إذا كان من غیر عذر كما علیه عامة الكتب آه. وأطلقه فشمل ما لو قل أو كثر، وهذا باختیاره، وإلا فإن لبث مقدار ركن فسدت وإلا فلا كما فی شرح المنیة من فصل المكروهات. (رد المحتار: ۱/۵۸٦)باب مایفسد الصلاة ومایكره فیها،قبیل مطلب فی المشی فی الصلاة)فقط و اللّٰه تعالیٰ أعلم

۱۸/ ذی القعدة ۱۳۹۵ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۲/۳۲۰)

☆ نابینا آدمی قبلہ سے ہٹ کر نماز پڑھ رہا ہو، تو اسے قبلہ رو کر دیا جائے:

سوال: ایک آدمی نابینا ہے اور وہ نماز پڑھنی شروع کرتا ہے اور کوئی آدمی موجود نہیں ہوتا جو اس کو سیدھے کعبہ کی طرف کر دے، محض اپنی رائے پر نماز پڑھتا ہے، لیکن حقیقت میں اس کا منہ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا، تو اب اس کو سیدھا کیا جائے، تو استمداد خارجی پائی جاتی ہے، جس سے نماز ٹوٹنے کا خطرہ ہے، ایسے ہی اس کو کہہ بھی نہیں سکتے، تاکہ وہ محض کہنے والے کے کہنے پر بغیر سوچے مڑ کر نماز ختم نہ کر دے، تو اب اس کو سیدھا کیسے کیا جائے۔ نیز یہ عام رواج ہے کہ جب بھی کوئی آدمی ٹیڑھا کھڑا ہو خواہ نابینا ہو، اس کو ہاتھ سے قبلہ رخ کر دیتے ہیں، حالانکہ اس نے نہ کہا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خود سوچ کر قبلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، بلکہ اقتداء محض ہوتی ہے، تو کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر دوسرا آدمی بغیر کہے ٹھیک کر دے، تو کیا نماز باقی رہے گی یا نہیں؟ اگر سیدھے کرنے سے نماز باقی رہتی ہے، تو اس کا ثبوت کیا ہے اور اگر نماز درست نہیں، تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ اور اگر دوسرا آدمی نمازی کو سیدھا نہ کرے، تو کیا وہ آدمی گنہگار ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں ایسے نابینا کو جو غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے، قبلہ رو کر دینا درست ہے، اس سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

شامی:۱/۴۰۳ میں ہے: قال فی شرح المنیة: ولو صلی الأعمیٰ ركعة إلیٰ غیر القبلة فجاء رجل فسواه إلیٰ القبلة و اقتدیٰ به، إن وجد الأعمیٰ وقت الشروع من یسأله فلم یسأله لم تجز صلاتهما وإلا جازت صلاة الأعمیٰ دون المقتدی، الخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب مسائل التحری فی القبلة: ۱/ ٤۳٤، بیروت. انیس)

نابینا آدمی شہر یا بستی میں جہاں جہت قبلہ مشتبہ ہے، اس قدر منحرف ہو کر نماز پڑھ رہا ہو جو انحراف مفسد صلاۃ ہو، تو اسے سیدھا رو بقبلہ کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس کی نماز درست نہیں اور انحراف مذکور نہیں تو تسویہ کی حاجت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ الجواب صحیح: محمد عبداللہ غفرلہ مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ ۲۹/۲/۱۳۹۱ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۷۴)

مصادر ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	تاریخ وفات
		﴿علوم قرآن (مع شروحات)﴾	
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	تفسیر بن ابی حاتم	ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی ابن ابی حاتم	۳۲۷ھ
(۴)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۵)	الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل	ابوالقاسم محمود بن عمرو بن احمد الزمخشری جار اللہ	۵۳۸ھ
(۶)	مدارک التنزیل وحقائق التأویل	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۷)	تفسیر الخازن	علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر الشیحی ابوالحسن المعروف بالخازن	۷۴۱ھ
(۸)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۹)	روح البیان	ابوالفداء اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الاستانبولی الحنفی الخلوتی	۱۱۲۷ھ
(۱۰)	تفسیر عزیزی	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۱۵۹ھ
	جواہر تفسیر (اردو ترجمہ)	مولانا محمد محفوظ الحق شاہ چشتی صابری قادری	
(۱۱)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ المظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۲)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۳)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۱۴)	بیان القرآن	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۱۵)	فوائد تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
		﴿عقائد (مع شروحات)﴾	
(۱۶)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۷)	الاعتصام فی اہل البدع والضلالات	ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی	۷۹۰ھ
(۱۸)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	الابداع فی مضار الابتداع	محمد محفوظ حنفی	۱۴۲۱ھ

﴿علوم حدیث وسیرت (مع شروحات)﴾

(۲۰)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی	امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۱)	جامع معمر بن راشد	معمر بن ابی عمرو راشد الازدی	۱۵۳ھ
(۲۳)	موطأ امام مالک	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۴)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابو یوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۵)	الزہد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۶)	کتاب الاٰثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	موطأ امام مالک / موطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۸)	مسند الشافعی بترتیب السندی /	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن	۲۰۴ھ
(۲۹)	السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	عبد مناف الشافعی القرشی المکی	
(۳۰)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۱)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۲)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۳)	الصلاۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۴)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوہری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۵)	مصنف ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۳۶)	مسند اسحاق بن راہویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راہویہ	۲۳۸ھ
(۳۷)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذہلی	۲۴۱ھ
(۳۸)	فضائل الصحابۃ	ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذہلی	۲۴۱ھ
(۳۹)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۴۰)	صحیح البخاری / خلق افعال العباد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۱)	احادیث کتاب التاریخ الکبیر	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۲)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۳)	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج بن داؤد القشیری	۲۶۱ھ
(۴۴)	أخبار مکۃ فی قدیم الدہر وحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکہی	۲۷۲ھ
(۴۵)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۴۶)	سنن ابوداؤد	امام حافظ سلیمان بن الاشعث السجستانی الأزدی	۲۷۵ھ

(۴۷)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۸)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۹)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۵۰)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۵۱)	الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۲)	السنۃ	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۳)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۴)	تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۵)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۶)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۷)	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۸)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۵۹)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۶۰)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۶۱)	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۲)	السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۶۳)	مسند السراج/حدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۴)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۶۵)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۶۶)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۶۷)	کتاب الضعفاء	ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسی بن حماد العقیلی	۳۲۲ھ
(۶۸)	العلل	ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی ابن أبی حاتم	۳۲۷ھ
(۶۹)	المنتقی من مکارم الأخلاق ومعالیھا	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(۷۰)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۷۱)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۲)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۳)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ

(۷۴)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳٦۰ھ
(۷۵)	عمل الیوم واللیلۃ	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳٦۴ھ
(۷٦)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۷۷)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۸)	شرح مذاھب أھل السنۃ	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۹)	الإبانۃ الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطۃ	۳۸۷ھ
(۸۰)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۱)	فوائد ابن اخی میمی الدقاق	ابوالحسین محمد بن عبداللہ بن الحسین بن عبداللہ بن ہارون البغدادی الدقاق	۳۹۰ھ
(۸۲)	الایمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحیٰ بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۳)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسا فوری	۴۰۵ھ
(۸۴)	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۵)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸٦)	مسند الشہاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۸۷)	السنن الکبریٰ رشعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۸۸)	الأسماء والصفات	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۸۹)	معرفۃ السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۰)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴٦۳ھ
(۹۱)	المنتقٰی شرح الموطأ	ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد الباجی الاندلسی	۴۷۴ھ
(۹۲)	مناقب علی	ابوالحسن الواسطی، علی بن محمد بن محمد بن الطیب بن ابی یعلی بن الجلابی، ابن المغازلی	۴۸۳ھ
(۹۳)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو الدیلمی الہمدانی	۵۰۹ھ
(۹۴)	شرح السنۃ	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱٦ھ
(۹۵)	مشیخۃ قاضی المارستان	ابوبکر محمد بن عبدالباقی بن محمد الانصاری الکعبی المعروف بقاضی المارستان	۵۳۵ھ
(۹٦)	اکمال المعلم بفوائد مسلم	ابوالفضل، عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون الیحصبی السبتی	۵۴۴ھ
(۹۷)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التمیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۹۸)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۹۹)	الطیورات	صدرالدین ابوطاہر السلفی احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم الاصفہانی	۵۷٦ھ

(۱۰۰)	المشیخۃ البغدادیۃ	صدر الدین ابوطاہر السّلفی احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم الاصفہانی	۵۷۶ھ
(۱۰۱)	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۰۲)	الروض الأنف	ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السہیلی	۵۸۱ھ
(۱۰۳)	زاد المعاد فی ہدیۃ خیر الانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۰۴)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ
(۱۰۵)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۰۶)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۰۷)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۰۸)	جامع المسانید والسنن الہادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۹)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۱۰)	البدر المنیر مختصر تلخیص الذہبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ
(۱۱۱)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نور الدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۲)	موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نور الدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۳)	المقصد العلی فی زوائد أبی یعلی الموصلی	ابوالحسن نور الدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۴)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۵)	بلوغ المرام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۶)	المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۷)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۸)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۱۹)	شرح سنن أبی داؤد	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۲۰)	المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۲۱)	القول البدیع	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۲۲)	الدرر المنتثرۃ فی الأحادیث المشتہرۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۲۳)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۲۴)	شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۲۵)	الجامع الصغیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۲۶)	تیسیر المقال	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۲۷)	تذکرۃ الموضوعات	محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ

(۱۲۸)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۲۹)	الموضوعات الکبریٰ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۰)	الموضوعات الکبیر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۱)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۲)	التیسیر بشرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۳)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
(۱۳۴)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۳۵)	شرح الزرقانی علی موطا الإمام مالک	محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری الازہری	۱۱۲۲ھ
(۱۳۶)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۳۷)	الجد الحثیث فی بیان مالیس بحدیث	احمد بن عبدالکریم بن سعودی الغزی العامری	۱۱۴۳ھ
(۱۳۸)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۳۹)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۰)	الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۱)	بذل المجہود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۴۲)	التعلیق المجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۳)	مظاہر حق	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۴۴)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۴۵)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۴۶)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۴۷)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامۃ محمد انورشاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۴۸)	فیض الباری شرح البخاری	علامۃ محمد انورشاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۴۹)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۵۰)	کوثر المعانی الدراری	محمد الخضر بن سید عبداللہ بن احمد الجکنی الشنقیطی	۱۳۵۴ھ
(۱۵۱)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۵۲)	التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۵۳)	إعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ
(۱۵۴)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۵۵)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحیٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ

(۱۵۶)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۵۷)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ
(۱۵۸)	تکملۃ فتح الملہم	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	مدظلہ

﴿ کتب فقہ احناف ﴾

(۱۵۹)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۶۰)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۶۱)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۶۲)	مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶۳)	شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۶۴)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۶۵)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۶۶)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۶۷)	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۶۸)	خلاصۃ الفتاویٰ / مجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۶۹)	المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۷۰)	فتاویٰ العتابی علی ھامش مراقی الفلاح	احمد بن محمد بن عمر، ابونصر العتابی البخاری	۵۸۶ھ
(۱۷۱)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۷۲)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۷۳)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۷۴)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۷۵)	تحفۃ الملوک	محمد بن ابی بکر الرازی	۶۶۶ھ
(۱۷۶)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین الدمنوی / المداینی	۶۶۷ھ
(۱۷۷)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۷۸)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۷۹)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۸۰)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۸۱)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۱۸۲)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ

(۱۸۳)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۱۸۴)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعۃ الصغیر، عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۸۵)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعۃ الصغیر، عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۸۶)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷٦۷ھ
(۱۸۷)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۱۸۸)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸٦ھ
(۱۸۹)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸٦ھ
(۱۹۰)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۱۹۱)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۱۹۲)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبد اللطیف بن عبد العزیز	۸۰۱ھ
(۱۹۳)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۱۹۴)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۱۹۵)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۹٦)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۹۷)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید الحنفی	۸٦۱ھ
(۱۹۸)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۱۹۹)	درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۰۰)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبد العلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۰۱)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعد اللہ بن عیسیٰ بن امیر خان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۰۲)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵٦ھ
(۲۰۳)	الصغیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵٦ھ
(۲۰۴)	الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵٦ھ
(۲۰۵)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹٦۲ھ
(۲۰٦)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۰۷)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد (احمد) بن علی آفندی القونوی	۹۸۵ھ
(۲۰۸)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۰۹)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۱۰)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ

(۲۱۱)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۱۲)	نورالایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۱۳)	امدادالفتاح شرح نورالایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۱۴)	مراقی الفلاح شرح نورالایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۱۵)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۱۶)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیرالدین بن احمد بن نورالدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۱۷)	الدرالمختار شرح تنویرالأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۱۸)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۱۹)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۲۰)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۲۱)	اسعاف المولی القدیر شرح زادالفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۲۲)	مالابدمنہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۲۳)	ردالمحتار حاشیۃ الدرالمختار (شامی)	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۴)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۵)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۶)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحرالرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۷)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۲۸)	غایۃ الاوطار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری	۱۲۷۱ھ
	ترجمہ اردو الدرالمختار	مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	--
(۲۲۹)	التحریر المختار حاشیۃ ردالمحتار	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۳۰)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۳۱)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۲)	السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۳)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۴)	حاشیۃ علی الھدایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۵)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۶)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

(۲۳۸)	مجموعۂ رسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۹)	سباحۃ الفکر فی الجھر بالذکر	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۰)	رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۴۱)	بوادر النوادر	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۴۲)	بہشتی گوہر	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۴۳)	بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۴۴)	صراط مستقیم	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی (مصدقہ قاری محمد طیب صاحب)	۱۳۶۲ھ
(۲۴۵)	محمود الروایہ حاشیہ شرح نقایہ	مولانا اعزاز علی امروہوی	۱۳۷۴ھ
(۲۴۶)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۲۴۷)	تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۲۴۸)	بغیۃ الأریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب	سید محمد یوسف بن سید محمد زکریا بن میر مزمل احمد شاہ بن میر موسیٰ بن غلام حبیب بن رحمت اللہ بنوری	۱۳۹۷ھ
(۲۴۹)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
(۲۵۰)	ترجمہ فتاویٰ عالمگیری	مفتی کفیل الرحمٰن عثمانی بن قاری جلیل الرحمٰن عثمانی بن مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی	۱۴۲۷ھ
(۲۵۱)	طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل	مولانا اویس احمد قاسمی	۱۴۳۶ھ
(۲۵۲)	آداب اذان واقامت	مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری	مدظلہ
(۲۵۳)	شرح مالابدمنہ	مفتی سعد اللہ	--
(۲۵۴)	کشف الحاجہ (مالابدمنہ اردو)	محمد نور الدین چاٹگامی	--
(۲۵۵)	جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مدظلہ
(۲۵۶)	الہدیۃ العلائیۃ لتلمیذ المکاتب الابتدائیۃ	______	--
(۲۵۷)	ذخیرۃ المسائل ترجمۃ نفع المفتی والسائل	______	--
(۲۵۸)	اہم مسائل	جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر، مرتب مولانا محمد جعفر علی	--

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

(۲۵۹)	المدونۃ	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر	۱۷۹ھ
(۲۶۰)	اقناع	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الشہیر بالماوردی	۴۰۵ھ
(۲۶۱)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۶۲)	المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۶۳)	احکام الاحکام	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ

(۲۶۴) مواهب الجليل شرح مختصر خليل	شمس الدين أبوعبدالله محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن الطرابلسي المغربي المالكي	۹۵۴ھ
(۲۶۵) تحفة المحتاج في شرح المنهاج	شهاب الدين ابوالعباس احمد بن محمد بن محمد بن علي بن حجر ہيثمي شافعي	۹۷۳ھ
(۲۶۶) فتح العلي الحميد في شرح كتاب مفيد المستفيد في كفر تارك التوحيد	مدحت بن الحسن آل فراج	۱۲۹۹ھ

﴿فقہ مقارن﴾

(۲۶۷) اختلاف الائمة العلماء	ابوالمظفر، عون الدين، يحيٰ بن محمد بن هبيره الذهلي الشيباني	۵۶۰ھ
(۲۶۸) الفقه على المذاهب الأربعة	عبدالرحمٰن بن محمد بن عوض الجزيري	۱۳۶۰ھ
(۲۶۹) الفقه الاسلامي وادلّته	ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ الزحیلی	۱۴۳۶ھ
(۲۷۰) الموسوعة الفقهية	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

﴿اصول فقہ﴾

(۲۷۱) الفروق	ابوالعباس شهاب الدين احمد بن ادريس بن عبدالرحمٰن المالكي المعروف بالقرافي	۶۸۴ھ
(۲۷۲) كشف الاسرار شرح اصول البزدوي	عبدالعزيز بن احمد بن محمد علاء الدين البخاري الحنفي	۷۳۰ھ
(۲۷۳) المدخل	ابوعبدالله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي الشهير بابن الحاج	۷۳۷ھ
(۲۷۴) الأشباه والنظائر	ابونصر تاج الدين عبدالوهاب بن علي بن عبدالكافي السبكي	۷۷۱ھ
(۲۷۵) الموافقات	ابواسحاق ابراهيم بن موسىٰ بن محمد اللخمي الشاطبي	۷۹۰ھ
(۲۷۶) المنثور في القواعد الفقهية	ابوعبدالله بدرالدين محمد بن عبدالله بن بهادر الزركشي	۷۹۴ھ
(۲۷۷) التحرير في اصول الفقه	كمال الدين محمد بن عبدالواحد بن عبدالحميد، ابن همام	۸۶۱ھ
(۲۷۸) التحبير شرح التحرير	علاء الدين ابوالحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي الصالحي الحنبلي	۸۸۵ھ
(۲۷۹) الأشباه والنظائر	جلال الدين سيوطي عبدالرحمٰن بن كمال الدين ابوبكر بن محمد الخضيري	۹۱۱ھ
(۲۸۰) الأشباه والنظائر	زين الدين بن ابراهيم بن محمد، ابن نجيم المصري	۹۷۰ھ
(۲۸۱) تيسير التحرير	محمد امين بن محمود البخاري المعروف بأمير بادشاه الحنفي	۹۷۲ھ
(۲۸۲) غمز عيون البصائر في شرح الاشباه والنظائر	احمد بن محمد المكي ابوالعباس شهاب الدين الحسيني الحموي الحنفي	۱۰۹۸ھ
(۲۸۳) نور الأنوار في شرح المنار	احمد بن ابي سعيد ملاجيون الحنفي	۱۱۳۰ھ
(۲۸۴) شرح عقود رسم المفتي	علامه محمد امين بن عمر بن عبدالعزيز عابدين الشامي	۱۲۵۲ھ
(۲۸۵) علم الفقه	مولانا محمد عبدالشكور لكهنوي	۱۳۸۱ھ
(۲۸۶) مفيد المفتي والسائل الى مختلف المسائل	الشيخ ابراهيم المختار بن الشيخ احمد عمر	۱۹۶۹ء
(۲۸۷) مجموعة قواعد الفقه	مولانا مفتي سيد عميم الاحسان بركتي مجددي	۱۳۹۵ھ

(۲۸۸)	المهذب في علم أصول الفقه المقارن	عبدالکریم بن علی بن محمد النملة	۱۴۳۵ھ
(۲۸۹)	المدخل لدراسة المذاهب الفقهية	علی جمعہ محمد عبدالوہاب شافعی	مدظلہ

﴿تزکیہ واحسان﴾

(۲۹۰)	الترغيب والترهيب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۲۹۱)	مجالس الابرار ومسالک الاخیار	احمد بن عبدالقادر الرومی الحنفی	۱۰۴۱ھ

﴿لغات، معاجم وادب﴾

(۲۹۲)	شمس العلوم ودواء کلام العرب من الکلوم	نسوان بن سعید الحمیری الیمنی	۵۷۳ھ
(۲۹۳)	لسان العرب	علامہ ابن الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری	۷۱۱ھ
(۲۹۴)	المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر	ابوالعباس، احمد بن محمد بن علی الفیومی ثم الحموی	۷۷۰ھ
(۲۹۵)	القاموس المحیط	مجدالدین ابوطاہر محمد بن محمد بن عمر الشیرازی الفیروزآبادی	۸۱۷ھ
(۲۹۶)	فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروزالدینؒ	----
(۲۹۷)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۲۹۸)	التعریفات الفقهية	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ

﴿علم ہیئت، فلکیات وغیرہ﴾

(۲۹۹)	الهيئة (چغمینی)	محمود بن محمد عمر چغمینی خوارزمی	۷۴۵ھ
(۳۰۰)	شرح ملخص الچغمینی	موسیٰ بن محمد بن القاضی محمود الرومی، قاضی زادہ، چلپی	۸۴۰ھ

﴿متفرقات﴾

(۳۰۱)	مجموع رسائل ابن رجب	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۳۰۲)	المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار	ابوالعباس الحسینی العبیدی احمد بن علی بن عبدالقادر تقی الدین المقریزی	۸۴۵ھ
(۳۰۳)	مکتوبات الإمام الربانی	شیخ احمد سرہندی بن شیخ عبدالاحد فاروقی مجدد الف ثانی	۱۰۳۴ھ
(۳۰۴)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۰۵)	ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال	اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی	۱۹۲۱ء

نوٹ: فتاویٰ علماء ہند جلد-۶ کے متن وحاشیہ میں مذکورہ کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ ان کے مطبوعات ومکتبات کی تفصیل درج کردی گئی ہے۔ (انیس الرحمٰن قاسمی)

☆☆☆